

مصالح الامت سوم

سوم

بقلم

میرزا محمد مصطفیٰ الامت

حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب جامی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

کتاب خانہ الرشیدیہ خانیقاہ مصطفیٰ الامت

بخشی بازار الہ آباد

قَالَ مَا الْمَثُورُ حَتَّى رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ

(عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِيلُ الرَّحْمَةِ)

بِرَحْمَتِ جَمَاعَتِ دُورِ حَضْرَتِ زَوَاكِرِ مَرْكَزِ

(صَالِحِينَ كَالَا تَكِي بَيَانِ كِي وَفِي تَكِي رَا بِي نَا زِلِ مَوْ تِي هِي)

(بِنَاءُ عَلَيْهِ)

حَالَةُ مَصْلَحِ الْأُمَّةِ

حَصْدًا (يَعْنِي) سَوْم

مَصْلَحِ الْأُمَّةِ عَارِفُ بَالِدِ حَضْرَتِ مُرْشِدِنَا مُقْتَدِرِنَا مَوْلَانَا
شَاهِدِ صِي اللَّهِ صَاحِبِ فَتْحِ مَوْجِي (عَظِيمِ) خَفِي حَشِي صَابِرِ شَرَفِي
نُورِ اللَّهِ مَرْقَدِ كَالَاتِ زَنْدَقِي

(بِحُكْمِ)

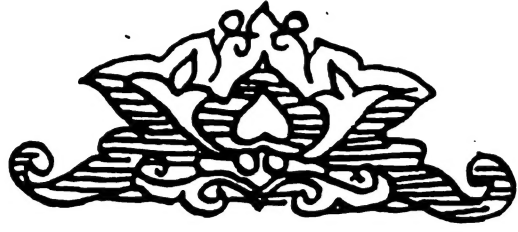
مُخْدُومِ وَمُحْتَرَمِ جَنَابِ مَوْلَانَا حَافِظِ قَارِي مُحَمَّدِ مَبِينِ صَاحِبِ مِظْلَةِ الْعَالِي

خَلِيفَةِ وَجَانِشِينَ حَضْرَتِ مَصْلَحِ الْأُمَّةِ قَدَسِ الشَّرِيسَةِ الْعَزِيزَةِ

(بِقِسْمِ)

عَاجِزِ وَمُحِيطِ بِانْ عِبْدِ الرَّحْمَنِ جَاهِي عَفِي عَنْهُ

مَقِيمِ فَاَنْقَاهِ وَبِكِي اَرْخَامِ حَضْرَتِ



نام کتاب حالات مصلح الائمۃ سوم

مرتب حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب جامی
علیہ الرحمۃ

ناشر دائرۃ الاشاعت خانقاہ مصلح الائمۃ
۲۳/۲۵ بخش بازار الہ آباد۔

صفحات ۶۸۷

سن طباعت ۱۹۹۷ء

زیرنگرانی سعادت علی (گورینی)

قیمت حصہ اول ۱۵۰ روپے

قیمت حصہ دوم ۱۵۰ روپے

قیمت حصہ سوم ۲۶۰ روپے



فہرست مضامین حالات مصلح الامت

حصہ سوم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	مولانا محمد فاروق صاحب الہ آبادی	۵	۱۵	حضرت مصلح الامت علماء وقت کی نگاہ میں	۹۵
۲	مولانا محمد میاں صفاروقی الہ آبادی	۱۳	۱۶	حضرت کی شہرت کا ایک ظاہری سبب	۹۸
۳	مولوی حکیم شفیع الرحمن صاحب الہ آبادی	۲۵	۱۷	مولانا عبد الماجد دریا بادی اور	۱۰۱
۴	پودھری حبیب الرحمن صاحب	۲۹		حضرت مصلح الامت	
۵	شاگر حسین خان صاحب مرہوم	۳۷	۱۸	مولانا مناظر حسن صاحب گیلانی اور	۱۳۱
۶	پروفیسر سید محمد احمد صاحب	۴۶		مصلح الامت	
۷	ڈاکٹر حافظ صلاح الدین احمد صاحب دہلی	۵۹	۱۹	حضرت مولانا عبد الباقی صاحب ندوی	۱۳۷
۸	مولوی عبد المجید صاحب	۶۰		اور مصلح الامت	
۹	بنامشتر سید حسین صاحب الہ آبادی	۶۱	۲۰	مولانا ابوالحسن صاحب ندوی	۱۶۷
۱۰	حضرت مصلح الامت کے کچھ حالات	۶۷		اور حضرت مصلح الامت	
۱۱	چار ہفتہ ایک کہف میں	۶۹	۲۱	التذکیر بالقرآن	۱۸۵
۱۲	مکاتیب ثلاثہ	۸۲	۲۲	حضرت مصلح الامت کا سفر لکھنؤ	۲۲۸
۱۳	نقل خط مولانا عبد الباقی صاحب ندوی	۸۲		(بلسلہ علاج)	
۱۴	مضمون تقویم احلاق	۸۹	۲۳	علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی	۲۵۰
				اور حضرت مصلح الامت	

صفحہ نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر شمار
۲۴	ہدایت نامہ (بلسلہ اجازت)	۲۰۰	۲۶	جناب مولانا اطہر علی صاحب اور
۲۵	مدح کے متعلق ایک خاص مضمون	۳۰۷	۲۷	مصلح الامت
۲۶	حضرت والائے ملاقات پر مولانا	۳۷	۲۸	حضرت مولانا جمیل احمد قاسمی
	انظر شاہ صاحب کے تاثرات	۳۳۴	۲۹	اور حضرت مصلح الامت
۲۷	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد	۳۶۲	۳۰	جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب اور
	صاحب اور حضرت مصلح الامت		۳۱	حضرت مصلح الامت
۲۸	دارالعلوم دیوبند کی جانب سے دعوت نامہ	۳۸۱	۳۲	حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب
۲۹	دیوبند کو علی گڑھ سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے	۳۸۸	۳۳	اور حضرت مصلح الامت
۳۰	حضرت کا ایک خاص خط	۴۱۴	۳۴	حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث
	بمبئی جانے کے دہوہ		۳۵	اور حضرت مصلح الامت
۳۱	حضرت والا کا اپنے ایک خادم کو انتباہ	۴۲۴	۳۶	حضرت مولانا اسد اللہ صاحب اور مصلح الامت
۳۲	مدرسہ دیوبند کے متعلق حضرت	۴۲۹	۳۷	حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری
	مصلح الامت کا ایک اعلان		۳۸	اور حضرت مصلح الامت
۳۳	مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی	۴۸۷	۳۹	حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی
	اور حضرت مصلح الامت		۴۰	اور مصلح الامت
۳۴	آہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب	۴۹۰	۴۱	صوفی عبد الرب صاحب کے چند خطوط
۳۵	حضرت مولانا ظفر احمد قاسمی علیہ الرحمہ	۵۰۴	۴۲	حضرت مصلح الامت کے چند ارشادات
	اور حضرت مصلح الامت		۴۳	اختتام حصہ ہذا
			۴۴	
			۴۵	
			۴۶	
			۴۷	
			۴۸	
			۴۹	
			۵۰	
			۵۱	
			۵۲	
			۵۳	
			۵۴	
			۵۵	
			۵۶	
			۵۷	
			۵۸	
			۵۹	
			۶۰	
			۶۱	
			۶۲	
			۶۳	
			۶۴	
			۶۵	
			۶۶	
			۶۷	
			۶۸	
			۶۹	
			۷۰	
			۷۱	
			۷۲	
			۷۳	
			۷۴	
			۷۵	
			۷۶	
			۷۷	
			۷۸	
			۷۹	
			۸۰	
			۸۱	
			۸۲	
			۸۳	
			۸۴	
			۸۵	
			۸۶	
			۸۷	
			۸۸	
			۸۹	
			۹۰	
			۹۱	
			۹۲	
			۹۳	
			۹۴	
			۹۵	
			۹۶	
			۹۷	
			۹۸	
			۹۹	
			۱۰۰	

مولانا محمد فاروق صاحب الہ آبادی مدظلہ - آپ کا قدرے تعارف
 "سفر اُتراؤں" کے ضمن میں ہو چکا ہے الہ آباد سے جانب مشرق بنارس جانے والی
 چھوٹی لائن پر چوتھا اسٹیشن "سید آباد" واقع ہے وہاں سے دو ڈھائی میل
 جانب شمال ایک خاصا موضع "اُتراؤں" نامی آباد ہے یہی مولانا موصوف کا
 مسکن ہے۔ ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ سے آپ کا تعلق مولوی رومی سلمہ کے تعلق
 کے فوراً بعد ہی سے ہے۔ الہ آباد جب حضرت اقدس کی تشریف آوری ہوئی تو تعلقاً
 اور آمد و رفت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت والا متعدد بار اُتراؤں بھی تشریف
 لے گئے اور ایک موقع پر تو یہ بھی فرمادیا کہ اگر میں کہیں دیہات میں مکان بنواتا تو
 اُتراؤں ہی میں بنواتا۔ یہ تو خیر الہ آباد آنے اور اُتراؤں جانے اور وہاں کے حالات
 سے متاثر ہو کر فرمایا، یوں بھی حضرت اپنے زمانہ قیام فتحپور ہی سے مولانا موصوف پر
 بڑا اعتماد فرماتے تھے۔

چنانچہ تھکانہ بھون کی خانقاہ سے جب حضرت مولانا حامد حسن صاحب سبکدوش
 ہو گئے اس وقت مولانا شبیر علی صاحب (ابن الاخ حضرت تھانویؒ نے) کراچی سے
 منتظم خانقاہ کو لکھا کہ خانقاہ میں اب کسی اچھے اور اپنے مسلک سے نچتہ تعلق رکھنے والے
 کو رکھا جائے۔ تلاش جاری ہوئی اسی اشار میں شاید کسی نے ہمارے حضرت مصلح الامۃ
 کو بھی لکھ دیا کہ خانقاہ خالی ہے اگر حضرت اقدس کچھ دنوں کے لئے یہاں تشریف لے آویں
 تو یہ از سر نو آباد ہو جائے۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کو اس قسم کی جگہوں کا خوب تجربہ تھا انھیں
 لکھا کہ مجھے یہاں کے کام ہی سے فرصت نہیں ہے وہاں کیسے آؤں؟ اور اپنے لوگوں
 سے فرمایا کہ مجھے لوگ تھکانہ بھون بلارہے ہیں اور کل کو مجھ سے لڑ پڑیں گے میں ایسا
 کام نہیں کرتا لیکن ہاں وہ ہمارے حضرت کی جگہ ہے اسکی آبادی کا مجھے بھی خیال ہے
 لہذا مولوی فاروق صاحب موصوف سے فرمایا کہ تم تیار رہنا اگر ان لوگوں نے پھر مجھے
 کچھ لکھا تو تم ہی کو بھیجوں گا۔ چنانچہ پھر کسی کا خط آیا کہ اگر آپ کسی وجہ سے نہ تشریف
 لاسکیں تو اپنے کسی معتمد علیہ ہی کو بھیج دیجئے۔ چنانچہ حضرت نے انھیں مولوی فاروق صاحب

کو بھیجا اور چلتے وقت یہ فرمایا کہ مکہ و نصیحتیں کرتا ہوں انکا برابر خیال رکھنا ایک تو یہ کہ وہ ہمارے شیخ کی جگہ ہے وہاں ادب کے ساتھ رہنا وہ جگہ پلکوں سے جھاڑ دینے کی ہے دوسرے یہ کہ وہاں کسی سے لڑنا مت اور اختلاف نہ کرنا۔ لوگ موافق رہیں تو اخلاق کے ساتھ رہنا اور کسی رویہ سے مخالفت کا اندازہ ہو تو خاموشی سے چلے آنا مولوی فاروق صاحب کہتے تھے کہ میں گیا اور حضرت والا کی دونوں نصیحتوں کو پلے باندھ لیا حضرت مولانا تھانویؒ کی کتابوں پر نظر تھی علاوہ درس تفسیر و حدیث اور اوقات میں بھی حضرت ہی کے ملفوظات کا مذاکرہ رہتا تھا۔ اس وقت خانقاہ کے ناظم جناب عبدالولی صاحبؒ تھے جو وہیں مقیم تھے اور حاجی شمشاد صاحب، حاجی نیاز صاحب (خادم حکیم الامتہ)۔ حافظ اعجاز صاحب، میاں جیون صاحب وغیرہ جیسے قدیم حضرات کا بھی قیام تھا۔ یہ سب لوگ مجھ سے قریب ہوتے گئے اور آہستہ آہستہ قصبہ سے دوسرے لوگ بھی شریک و عطا ہوتے رہے۔ لوگوں نے باہر چرچا کیا تو اس پاس کے دیہات سے بھی و عطا کے لئے بلایا جانے لگا۔ اس طرح الحمد للہ نہایت سکون سے کام ہوتا تھا کہ خاندان میں کوئی تقریب پڑی اور میرے خسر جناب حکیم حبیب اللہ صاحب خود جا کر مجھے لوالائے۔ میں کچھ دنوں وطن میں زیادہ رہ گیا اسلئے لوگوں کو وہاں یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میں نہ آؤں اسلئے حضرت والاؒ کے پاس فچپور خط پر خط بھیجنے لگے کہ مولوی فاروق صاحب کو کھانا بھون جلد بھیج دیجئے۔

بہر حال میں دوسری بار حاضر ہوا اور حضرت والاؒ سے سیکھے اور سنے ہوئے اخلاق پر قائم رہتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا۔ چنانچہ کبھی کبھی مولانا حامد حسن صاحب مدظلہ بھی میرا وعظ سننے کے لئے آجاتے پھر کبھی دوچار دفنہ ان کے آنے کے بعد میں بھی اُدھر کبھی نکلا تو ان سے مل لیتا میں اسکو اپنے تئیں اخلاق سمجھے ہوئے تھا لیکن وہاں کے بعض حضرات کے نزدیک میرا یہ فعل ناپسند ہوا۔ ظاہر ہے کہ عرصہ تک ایک مخالفت باہم رہ چکی تھی وہ لوگ اس سے متاثر تھے اور میرے ساتھ چونکہ کوئی معاملہ نہ ہوا تھا میں نے چاہا کہ سابق خلیج پٹ جائے تو اچھا ہے۔ مگر جب بعض حضرات

اسپر نیکر کی جو انکی مصلحت کے شاید موافق رہی ہو لیکن میری طبیعت کے خلاف تھی تو میں ڈرا اور حضرت اقدس کی نصیحت یاد آئی، ڈرایوں کہ اگر کسی نے حضرت اقدس کو میرے خلاف کچھ لکھ دیا اور حضرت اقدس کہیں مکہ نہ ہو گئے تو یہ میرے لئے صریح نقصان اور دین و دنیا کے خسران کا سبب ہو گا اسلئے میں خود ہی وہاں سے چلا آیا اور حضرت والا سے سارا حال تفصیل سے آکر عرض کر دیا۔ فرمایا کہ خیر، اچھا کیا جو چلے آئے۔

مکرمی مولوی فاروق صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسری بار جب میں تھانہ بھون سے واپس آیا اور پھر حضرت کے یہاں فچپور حاضر ہوا تو حسن اتفاق سے انھیں دونوں مولانا سید ظہور الحسن صاحب کسولوی بھی حضرت کے پاس تشریف لائے ہوئے تھے انھوں نے میرے متعلق حضرت سے کچھ کہا ہو گا اور شاید یہ بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ فاروق کی وہاں ضرورت ہے، ان سے وہاں کے لوگ خوش اور مطمئن ہیں لوگوں کو نفع ہو رہا تھا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ حضرت والا نے انکو کیا جواب دیا بہر حال میرا عندیہ چونکہ حضرت کو معلوم ہو چکا تھا اسلئے حضرت نے اپنی خداداد بصیرت سے یہ سوچا کہ ایسی کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ مجھے انکار نہ کرنا پڑے بلکہ مولوی ظہور الحسن صاحب خود ہی مولوی فاروق کو وہاں لیجانا مناسب نہ سمجھیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ مولوی فاروق صاحب کو تنہا بلا کر ان سے یہ فرمایا کہ تم مکان واپس جا رہے ہو مولوی ظہور صاحب کو بھی اپنے وطن الہ آباد لے جاؤ پھر وہ ادھر ہی سے تھانہ بھون چلے جائیں گے۔ میں نے اسوقت حضرت والا کے منشار کو قطعی نہیں سمجھا لیکن حکم تھا منظور کیا اور مولوی صاحب موصوفے اپنی جانب سے عرض کیا کہ واپسی پر غریب خانہ پر الہ آباد تشریف لیں تو آپکی عنایت ہوگی اسی طرف سے تھانہ بھون چلے جائیے گا۔ انھوں نے سنتے ہی کان پر ہاتھ دھرا اور فرمایا اے توبہ توبہ حضرت کے یہاں سے پتہ کٹاؤ گے کیا؟ حضرت کیا خیال فرمائیں گے کہ اسطرف لوگ سیر کرنے کیلئے آتے ہیں اگر فرصت تھی تو وہ ایام یہیں کیوں نہیں گزارے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے مولوی ظہور صاحب سے عرض کیا کہ حضرت والا سے اجازت لینا ہمارے ذمہ ہے

بس آپ چلنے کے لئے تیار ہو جائیے۔ چنانچہ میں نے مجلس کے بعد حضرت سے عرض کیا کہ جی چاہتا ہے کہ مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ بکلی ہمارے ساتھ الہ آباد تشریف لے جائیں اور ایک دن غریب خانہ پر قیام کر کے اسی طرف سے وطن تشریف لیجائیں حضرت نے فرمایا ہاں ہاں بہت اچھا ہے ضرور لے جاؤ۔ چنانچہ مولانا ظہور صاحب کو اپنے ہمراہ اتر آؤں لے گیا، قرب و جوار میں اطلاع کرادی بہت سے لوگ ملنے کے لئے آئے۔ میں نے وعظ کی فرمائش کی فرمایا ارے میں وعظ کہاں کرتا ہوں میں نے کہا کہ دو منٹ چار منٹ کچھ فرمادیجئے باقی وقت میں کچھ کہہ دوں گا چنانچہ مولانا وعظ فرمایا اور اچھا وعظ کیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ ماشاء اللہ یہاں تو آپ نے بڑا ہی اچھا ماحول پیدا کر رکھا ہے، پہلے میرا بھی خیال تھا کہ آپ کو باصرار تھکا نہ بھون بلاؤں لیکن یہاں کا کام دیکھ کر اب آپ کو وہاں کے لئے تکلیف دینا ظلم ہے اور ایک (بنی بنائی) جگہ کو اجاڑ کر دوسری جگہ کو آباد کرنے کے مراد ہے۔ بالکل نہیں، آپ کو یہیں کام کرنا چاہیے اور اتنا کام جو یہاں دیکھ رہا ہوں شاید وہاں برسوں کے بعد بھی نہ ہو سکے۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ اوہو حضرت اقدسؒ نے کیوں مولوی صاحب موصوف کو الہ آباد لوجا جانے کے لئے فرمایا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی مولوی صاحب سے عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحب کو بلایا گیا ہے۔ بہت اچھا ہے ضرورت ہوگی تو کبھی کبھار میں بھی حاضر ہو جایا کروں گا۔ مولوی صاحب موصوف نے بھی اسکی تائید فرمائی کہ یہی مناسب ہے۔

اس واقعہ سے ناظرین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت کو مولوی فاروق صاحب پر کس درجہ اعتماد تھا اور حضرت ان سے کس قدر مطمئن تھے۔

اسی طرح مولوی فاروق صاحب ہی سے معلوم ہوا کہ جس وقت الہ آباد کا مکان لیا جانا زیر غور تھا تو حضرت کو فکر تھی کہ یہ کثیر رقم کیسے فراہم کیجائے الہ آباد کے مکان کے لئے دوسری جگہوں کے لوگوں کا تعاون حضرت کو کچھ پسند نہ تھا اور نہ اس کے لئے کسی سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مولوی فاروق صاحب نے کہا کہ ایک دن انھیں پیام

میں حاضر ہوا تو حضرت کو متفکر پایا فرمایا کہ مولوی فاروق مکان خریدنے کی بات چیت چل رہی ہے فکرمے کہ یہ رقم کہاں سے فراہم کروں میرے پاس تو فی الحال اتنے ہی روپے ہیں اور ضرورت فوری طور پر پچیس ہزار کی ہے۔ مولوی فاروق صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت کی تسلی کے لئے عرصہ صبر کیا کہ حضرت کچھ فکرم نہ فرمائیں سب انتظام ہو جائے گا۔ پھر فرمایا کہ مولوی فاروق میں سب ادا کردونگا مگر یہ کہ ہر دست میرے پاس اتنا روپیہ موجود نہیں ہے۔ کہتے تھے کہ میں اٹھا اور سیدھے مکان آیا اور ایک فاضی مقدار کا انتظام کر کے لیجا کر پیش کر دیا حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مولوی فاروق تم نے میرے اوپر سے ایک بوجھ ہٹا دیا۔ بعد میں حضرت اقدس نے سب روپے واپس فرما دیئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مولوی فاروق صاحب حضرت اپنے راز اور گھریلو معاملات میں بھی مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال راقم نے بھی دیکھا کہ بہت سے مواقع پر اللہ تعالیٰ نے مولوی صاحب موصوف کو خدمت کا موقع عطا فرمایا جو ان کے لئے بڑی سعادت کی بات تھی۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہی کنی منت شناس از نو کہ بخدمت بداشتت
(بادشاہ پراحسان نہ رکھ کہ تو اسکی خدمت کرتا ہے بلکہ اسکا احسان مند ہو کہ اسنے تجھے اپنی خدمت میں لگایا)
بہر حال حضرت اقدس نے جو احسان ہم سب پر فرمائے اسکا عشر عشر بھی ہملوگ ادا کر سکے
تاہم جس کو یہ موقع نصیب ہوا وہ واقعی صاحب نصیب تھا۔ وذا لک فضل اللہ
یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت والا کو اتراؤں بید پسند تھا چنانچہ متعدد بار حضرت وہاں تشریف بھی لے گئے۔ ایک مرتبہ اثناء قیام میں اپنی صبح یا شام کی تفریح میں حضرت والا مولوی فاروق صاحب کے ہمراہ رکشہ سے گاؤں سے باہر کچھ فاصلہ پر تشریف لے جاتے تھے کہ دور سے ایک دوسرے گاؤں کے کنارہ پر ایک نہایت ہی شاندار مسجد اور ایک وسیع عمارت اور ایک پختہ مقبرہ نظر آیا مولوی فاروق صاحب نے

اے متعلق حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اسکی تاریخ ہے وہ یہ کہ یہ مزار ایک بزرگ کا ہے جو کہیں باہر سے یہاں تشریف لائے تھے یہاں کے لوگوں نے ان کی بہت قدر کی اور بہت خدمت کی تو وہ یہیں رہ پڑے اور کسی موقع پر منسربایا اتبو یہیں دم ہی گرے گا چنانچہ اس موضع کا نام ہی دم گڑا ہو گیا۔ یہاں کوئی پٹواری تھا اس نے بھی حاضر ہو کر اپنے لئے شاہی ملازمت ملنے کی درخواست کی آپ نے خوشی میں اسے آگے اپنا قلمدان بڑھا دیا اور اسے لئے دعار بھی فرمادی چنانچہ وہ ترقی کرتے کرتے وزیر ہو گیا (حضرت کا اشارہ بھی شاید اس سے یہی تھا کہ تمہیں قلمدان وزارت ہی سپرد کرتا ہوں) چنانچہ ان بزرگ کے لئے اسی پٹواری نے یہ خانقاہ اور مسجد بنوادی اور بعد وصال انکا یہ مقبرہ بنوادی۔

اور اس میں شک نہیں کہ حضرت والا سے محبت اور حضرت کی خدمت بابرکت میں مسلسل حاضری کی وجہ سے مولوی فاروق صاحب حضرت اقدس کے مزاج شناس بھی ہو گئے تھے چنانچہ جب اتر اوں سے مولوی صاحب الہ آباد آجاتے تو ہم لوگوں کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ اب تنہائی کے اوقات میں یا بوقت قیلولہ یا بعد عشاء حضرت والا جو کسی نہ کسی کو بلا لیتے تھے تاکہ وہ کچھ ایسی باتیں کرے جو حضرت کے لئے باعث سکون ہو اور حضرت کو نیند آجائے اسے لئے مولوی صاحب کا فی ہیں۔ یہ اسلئے کہ حضرت والا کے سامنے کچھ بولنا کوئی آسان کام نہ تھا اکثر بولنے والے ذرا ہی دیر میں کسی نہ کسی بات میں پکڑ جاتے تھے اور ان سے مواخذہ ہو جاتا تھا کیونکہ ایسے وقت میں شیخ کے قرب کو غنیمت سمجھ کر نفس پھول جاتا ہے اور آدمی کلام کے حدود سے نکل جاتا ہے کبھی کسی کی غیبت زبان سے نکل گئی کبھی اور کوئی ایسی بات کہندی کہ جس سے غلو یا مبالغہ مترشح ہوتا تو یہ سب چیزیں قابل مواخذہ بن جاتیں۔ حضرت اقدس اپنے اس آرام و راحت کے وقت میں بھی اصلاح سے غافل نہ رہتے اور ہم لوگ قرب کے خیالی جال میں پھنس جاتے لیکن مولوی صاحب اپنی کثیر معلومات اور خداداد فہم کی وجہ سے اندازہ کر لیتے کہ اس وقت کس قسم کا

بات حضرت سنا پسند فرمائیں گے چنانچہ کبھی کبھی حضرت والا انکی باتوں سے محفوظ ہو کر خوب ہی ہنستے اور اکثر تھوڑی ہی دیر میں نیند آ جاتی اور دوسرے لوگ اس منزل میں فیل ہو جاتے تھے۔

اب آخر میں مولوی فاروق صاحب مدظلہ کے چند خطوط ملاحظہ فرمائیے جس سے انکی محبت تعلق اور حضرت والا سے اخذ طریق کا اندازہ ہوتا ہے اپنے ایک عریفہ میں حضرت والا کو لکھتے ہیں کہ :-

عرض حال : بہ برکت دعا و توجہ حضرت والا قلب کی نگہداشت برابر رہتی ہے ۔ آجکل عجز و شکستگی زیادہ معلوم ہوتی ہے تعلق مع اللہ کی ایک تڑپ اور طلب میں یوں مایوس ترقی معلوم ہو رہی ہے ۔ بعض بعض روز ایک کیفیت ایسی رہتی ہے کہ دنیا و مافیہا نظروں میں بالکل پیچ معلوم ہوتی ہے ۔

ارشاد مرشد : الحمد للہ

حال : قلب کا تاثر بعض وقت اتنا بڑھ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کا ذکر، انکی ایک ایک نعمت کا تصور، انکے کلام پاک کا ایک ایک لفظ اور مضمون تیر و تیر کا کام کرتا ہے ۔ جی بھر بھر آتا ہے، پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے ۔

ارشاد : خوب ۔

حال : بعض وقت گریہ بھی طاری ہو جاتا ہے، کاش میری ہمت کی پستی میرے شوق کی بلندی کا ساتھ دیتی ۔

ارشاد : اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک ساتھ کر دے ۔

حال : حضرت والا کا تصور ایسا جوار ہوتا ہے کہ گویا حضرت والا کو اپنے سامنے موجود پاتا ہوں، سوئے جاگتے کسی وقت حضرت والا ذہن سے نہیں اترتے ۔ بعض وقت بے اختیاری اور بیقراری ایسی بڑھی رہتی ہے کہ اپنے آپ سے باہر ہونا چاہتا ہوں ۔

ارشاد : خوب ۔

حال : بعض وقت ایسی تڑپ ہوتی ہے کہ کاش پرہو اور اڑ کر حضرت والا کی خدمت میں

پہونچا۔ حضرت کے مبارک قدموں پر سر رکھ کر نہایت لجاجت سے عرض کروں کہ سہ
دل میرود و دستم صاحب دلاں خدا را و دردا کہ را در پنہاں خواہد شد آشکارا
(اے دل دلاؤ خدا کیلئے کوئی تدبیر، میرا دل میرے ہاتھ سے جاتا رہا کئے افسوس کہ میرا چھپا ہوا نظارہ ہر سو جائے گا)
ارشاد: یہ نجات کی کیفیت کا غلبہ ہے۔

حال: ذاکرین و عابدین بلکہ اپنے شاگردوں اور عام مسلمان نمازیوں کی نماز و دیگر
مشغولی بذکر اللہ کو دیکھ کر نہایت درجہ محبت کا جوش ہوتا ہے۔ قدم چومنے کا جی چاہتا ہے
ارشاد: ماشاء اللہ تعالیٰ۔

اپنے ایک دوسرے عریضہ میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔
حال: بہ برکت دعا و توبہ حضرت اقدس سلمہ اللہ تعالیٰ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی
ہے کہ حصول رضا حق کا ذریعہ اور مدار محض اخلاص ہی ہے۔ ارشاد: ہاں اخلاص ہی ہے۔
حال: چنانچہ بہ برکت حضرت والا جملہ شعبہ نفاق پر غور و خوض کر نیکی عادت ہوتی جا رہی ہے اور جلبِ اخلاص
کا ذریعہ اور نفاق کا تریاق، تعلق بالمصلح دیکھ کر اور سمجھ کر حضرت والا کی محبت کی طرے حاضر و غائباً اپنی توجہ مرکوز
کر کے اس کے اسباب کے اختیار کر نیکی توفیق ہو رہی ہے۔ ارشاد: الحمد للہ علی ذلک۔

حال: حضور ہم بالکل تباہی کے کنارے پر کھڑے تھے درطہ ہلاکت میں پڑے جان دیدینا چاہتے تھے نفس و
شیطان کے چکر میں پھنس کر ہم ہم عمر ہوئے تھے ہم حضور کا سن بان سے شگواہ کر کے حضور والا نے احسانِ عظیم سے
ہم کو نوازا اور اس خطرناک گڑھے سے ہم کو نکالا اور صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کر دیا۔ ارشاد: اور اللہ تعالیٰ کام دونوں
حال: حضرت والا بعض خانگی حالات و معاملات کا ایسا اثر پڑا کہ سخت قلبی و دماغی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ایک زبردست
انقباض طاری ہو کر حوصلہ شکن اور ہمت شکن اوہام و وساوس اور صبر و دیاس میں گرفتار ہو گیا کسی کسی وقت گریہ طاری ہو جاتا
ہے چیخ مکل جاتی ہے و عطا و نصرت یا کیسے کہنے سننے پر طبیعت قادر نہیں ہوتی کسی کی فرمائش ایسی معلوم ہوتی ہے کہ کاٹے کھاتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا حالت ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک لحاس کہتری میں مبتلا ہوں۔ ایک لیل نکما اور بیکار انسان ہوں
کسی لئے جلنے کی بجلی طبیعت نہیں چاہتی۔ حضرت والا جیسے ماں باپ سے زیادہ شفقت و مہربان اور ربی کے ظلِ عاطفت میں
محض اسی کی برکت ہو کہ سنبھلے رہنے کی قوت باقی ہے۔ ارشاد: یہ تو نہایت اچھی حالت ہے۔ ترک تعلق کو مٹا ٹھیکرایا
مشائخ نے۔ یہ نہایت نادر پریشانی ہے سب اہل اللہ کو ہوتی ہے۔ (درمہر طرے)

مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی : ناظرین رسالہ مولانا موصوف
 فی الجملہ تو متعارف ہوں گے ہی اسلئے کہ حالات الہ آباد میں متعدد جگہ مولانا کا ذکر
 آچکا ہے۔ بہر حال آپ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی خلیفہ شیخ العرب العجم
 حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کے پوتے اور مولانا ولایت حسین
 صاحب کے بڑے صاحبزائے ہیں آپ نے عربی تعلیم جامعہ ازہر میں حاصل کی اور
 یہاں آکر طب بھی پڑھی کچھ زمانہ آپ کا تھانہ بھون میں بھی حضرت حکیم الامتہ کیندرت
 میں گذرا۔ ہمارے حضرت سے آپ کا تعارف وہیں سے تھا مگر قیام تھانہ بھون
 کے بعد پھر حضرت والا سے ملاقات کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ حضرت مولانا اپنے وطن
 اعظم گڑھ میں تھے اور مولانا فاروقی کا تعلق کچھ اہل سیاست سے ہوا۔ چنانچہ
 عمر کا بیشتر حصہ اسی کی نذر ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ ادھر کچھ سیاسی
 ہماہمی کم ہو گئی اور من اتفاق کہ حضرت والا کا الہ آباد تشریف لانا ہو گیا۔ مولانا محمد میاں
 صاحب مدظلہ کا گھرانہ ہی دیندار تھا اس لئے دین کا خیال تو بچپن ہی سے تھا۔ پھر
 تھانہ بھون پہنچ کر دین کی حقیقت اور دینداری کی فضا میں کچھ عرصہ رہنا جو ہو گیا تو اسکی
 وجہ سے رسوم کی قیامت اور حقیقت شناسی بھی کچھ آئی لیکن دوسرے مشاغل نے
 ادھر پوری طرح متوجہ نہ ہونے دیا۔ چنانچہ حضرت والا کی الہ آباد تشریف آوری پر مولانا
 میں حقیقی دین کی لذت اور راہ مولیٰ کی طلب پھر موجزن ہوئی، چنانچہ حضرت مصلح الامتہ
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برابر حاضر ہونے لگے اور اسی سلسلہ میں حضرت والا
 کو یہ خط لکھا :-

"مرشدی و سیدی و مولائی مدظلہ العالی - السلام علیکم
 حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کا وہ منبع فیض تھا کہ ناکارہ
 ترین آدمی بھی بلا کچھ لئے واپس نہ ہوتا تھا مگر میرے ناکارگی کی کوئی
 انتہا نہیں کہ ویسا ہی کورا اور ناکارہ رہا۔
 مگر حضرت مولانا کے تصرف کی ایک کافرمانی ضرور ہوئی کہ حضرت والا

کے قدموں میں ڈال دیا۔ ممکن ہے حضرتؑ اور حضرت والا کا تصرف کچھ کام بنادے مگر اپنی نااہلی سے ہر وقت مایوسی سی رہتی ہے کام کچھ نہیں ہوتا ناغے بہت ہوتے ہیں آخر کب تک یہ حالت رہیگی حضرت کرم فرمائیں۔

اور معمولات کے ساتھ (جو اتنے مختصر ہیں کہ انکو معمولات نہیں کہا جاسکتا) شجرہ بکلی پڑھتا ہوں۔ اکثر جی چاہتا ہے حضرت والا کے نام مبارک سے اسکو شروع کروں اور حضرت مولانا کا اسم مبارک بدستور پڑھوں، کیونکہ اب تو حضرت والا ہی کا پہلا وسیلہ ہے۔ اگر اجازت ہو تو یہ تمنا پوری کروں۔ میرے حضرت دعا فرمائیں۔

غلام - محمد (میاں فاضل)

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ مولانا محمد میاں نے طب بکلی باقاعدہ پڑھی تھی اور مطب بکلی فرماتے تھے لیکن ایک وقت میں دو کام چونکہ نہیں ہو کر تے اسلئے طب میں آپکا خاص شہرہ نہ تھا۔ تاہم حضرت والا سے تعلقات بڑھتے ہی رہے۔ حضرت والا کو بکلی ایسا کچھ اندازہ ہوا کہ شاید اب یہ دنیوی مشاغل سے فارغ ہو کر دین ہی سیکھنا چاہتے ہیں اسلئے مولانا کی جانب (انکو ہر طرح اہل سمجھتے ہوئے) متوجہ ہوئے۔ حضرت یہ چاہتے تھے کہ مولانا ہمارا کام سیکھ لیں تو کم از کم اہل الہ آباد کو انکی جانب متوجہ کر دوں تاکہ ایک کام ہو جائے لیکن کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا مولانا کی جانب سے کسی بات کے منتظر تھے جیسا کہ خود حضرت والا ہی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا تھانویؒ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کے متعلق بہت پہلے یہ سمجھتے تھے کہ یہ اجازت دیے جانے کے اہل ہو گئے ہیں لیکن اپنے طور پر دل میں یہ طے کئے ہوئے تھے کہ جب تک یہ ڈپٹی کلکٹری سے استعفیٰ نہ دینگے میں اجازت نہ دوں گا، مگر حضرت مولانا اسکو ان سے کہتے نہ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی خواہش کے مطابق خواجہ صاحب کے قلب میں

بھی اس نوکری کی طرف سے ابھن پیدا فرمادی اور انھوں نے اس سے استعفاء دیدیا اور اسکے بجائے اسکول کی انسپکٹری قبول فرمائی حالانکہ منصب و جاہ کے لحاظ سے اسکا مرتبہ اس سے کم تھا۔

الغرض حضرت والا کو مولانا کی طرف سے یکسوئی کا انتظار برابر ہوتا رہا مگر حضرت اپنا کام برابر کرتے رہے یعنی اصلاح و تربیت۔
بالعموم دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ حضرت مولانا تھا تو مئی کی طرف سے مجازت یا حضرت تھا تو مئی سے بیعت یا از کم حضرت کی خدمت میں حاضر کھلی ہو چکے ہوتے تھے ان کیلئے کامل اعتقاد کے ساتھ ہمارے حضرت مصلح الائمہ کے ساتھ تعلق مشکل ہی ہو جایا کرتا تھا اس لئے کہ بوجہ پیر بھائی ہونے کے اس سے ایک گونہ سادات کا خیال ہوتا ہے اور آدمی جھکتا ہے اس کے آگے جس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے اسی لئے حضرت والا ایسے لوگوں کا امتحان عقیدت ضرور لیتے کیونکہ آدمی جب تک کسی کو اپنے سے بڑا نہیں تسلیم کر لیتا اسکے ساتھ عقیدت مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے ماہ فروری ۱۳۴۷ء کے رسالہ میں تعلیمات مصلح الائمہ کے بیان میں پہلا ہی ملفوظ یہ پڑھا ہو گا کہ فرمایا کہ۔ ایک مولوی صاحب سے دریافت فرمایا کہ آپ نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہو گا آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر تو اس میں مولوی صاحب سے مراد (والد ماجد جناب مولوی سراج الحق صاحب ہیں) اور یہ جو فرمایا کہ۔ آپ نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہو گا اس سے مراد (حضرت مولانا تھا تو مئی بھلی ہیں)۔

اسی طرح سے ماہ نومبر ۱۳۴۷ء کے رسالہ میں خود انھیں مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ سے دریافت فرمایا کہ۔ آپ تو تھانہ بھون بھلی گئے ہیں، آپ سے پوچھتا ہوں کہ مجھ سے طریق کا بھی کچھ نفع لوگوں کو پہنچے گا یا نہیں؟ اسکا جواب مولانا فاروقی صاحب مدظلہ نے دیا وہ نومبر و دسمبر ۱۳۴۷ء کے حالات مصلح الائمہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ تو مقصود ان استفسارات سے حضرت

مصلح الائمہ کا یہی ہوتا تھا کہ میری اور میرے کام کی انکی نظروں میں کچھ وقعت بھی ہے یا نہیں تاکہ جواب سے انکی عقیدت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ کیونکہ طالب کی اگر عقیدت ہی درست نہ ہوئی تو اسکو شیخ سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا۔ جیسا کہ خود حضرت کسی کا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ میرے ہی ہمراہ تھانہ بھون گئے لیکن مجھ سے پہلے ہی وطن لوٹ آئے۔ اور یہاں آکر لوگوں سے کہا کہ ارے ان میں (یعنی حضرت مصلح الائمہ میں) اور حضرت مولانا تھانوی میں بہت فرق ہے۔ میں نے جب یہ سنا تو کہا کہ۔ میں ٹھہرا مریدا اور حضرت مولانا میرے پیر ہیں پیر میں اور مرید میں نسبت ہی کیا ہوتی ہے۔ ان صاحب نے نا حق نسبت بیان کرنے کی زحمت کی۔ بس کچھ نہیں تھا اتنا تو وہ بھی سمجھتے ہی تھے کہ مریدا اور پیر کا مقابلہ ہی غلط ہے۔ مگر چونکہ مجھکو ماننا نہیں چاہتے تھے اسلئے نفس نے ایک عنوان ان کے سامنے مزین کر دیا جس سے خود بھی خوش ہوئے ہوں گے اور دوسروں کو بھی مجھ سے بدظن کرنا چاہا۔ لاجول دلاقوۃ الالباشد۔

پس چونکہ تھانہ بھون جانے کے بعد یا حضرت تھانویؒ سے بیعت کے بعد لوگوں میں ہمسری کا خیال پیدا ہو جاتا تھا اور مساوات کا خیال کارفرما ہو جاتا تھا اسلئے حضرت والا ان لوگوں کا بہت بہت امتحان لیتے تھے جو حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں جا چکے ہوں یا کسی اور بزرگ سے ان کا تعلق رہ چکا ہو جب مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو پھر حضرت والا انکی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں اپنے مواعظ اور ملفوظات مجلیہ کے ذریعہ اخلاق کی درستی کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت سمجھائی چنانچہ آج مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کا سبب کیا ہے اس عنوان پر سیر حاصل گفتگو مختلف عنوان سے فرمائی اور ان سے دریافت بھی فرمایا کہ آج ہماری تباہی کی وجہ کیا ہے اور اسکا کیا علاج ہے مکھڑ دیجئے۔ چنانچہ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ نے یہ تحریر پیش فرمائی :-

(نقل تحریر حضرت مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ العالی)

”حضرت والا کے بار بار ارشادات سے اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کی بربادی کا اصل سبب انکی اخلاقی غمابیاں اور انکی ایمان کی کمزوری ہے حضرت والا اسی کے علاج کی جانب بار بار توجہ دلاتے ہیں اور جب ہم میں توجہ کی کمی اور عمل کا فقدان دیکھتے ہیں تو حضرت کو رنج ہوتا ہے۔ بعض اوقات رنج میں شدت بھی ہو جاتی ہے جس سے حضرت کے قلب و دماغ پر کافی مشقت پڑتی ہے۔ یہ حضرت کا کرم اور شفقت ہے کہ بار بار ہمارا جائزہ بھی لیتے ہیں اور تنبیہ بھی فرماتے ہیں اگر خدا نخواستہ یہ صورت نہ ہوتی اور اپنے ارشادات اور نصائح کے بعد حضرت چپ ہو جاتے تو ہمارے لئے ہلاکت ہی ہلاکت تھی۔

بڑے بد قسمت ہیں وہ لوگ جنکا کوئی مربی اور مرکز نہ ہو اور نہ صرف وعظ و نصیحت ظاہری کر کے انھیں چھوڑ دے اور باز پرس نہ کرے۔ یہ لوگ ایسے مریض کی حیثیت رکھتے ہیں جنکے طبیب کا مقصد مریض کا استر ضا ہے نہ کہ اسکا علاج ایسی صورت میں مریض کا صحبت یا ب ہونا معلوم۔

حضرت کی ذات مبارک مسلمانوں کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ شفقت کی ایسی مثال اس دور میں نہ ملیگی کہ ہماری خرابیوں اور بے عملیوں سے جو تائثر ہو اسکی کلفت اپنی ذات پر برداشت کیجائے اور بار بار شدید تنبیہ کے بعد پھر تعلق کی تجدید کی اجازت دے دی جائے اور نا سمجھیاں معاف کر کے پھر وہی مشگفتگی پیدا کیجائے اور شفقت کے کرشمے واپس آجائیں۔

بہر حال حضرت کا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کا کام عام ہو اور حاضرین خدمت والا اپنے متعلقین احباب اور پڑوسیوں میں اصلاحی باتوں کے پہونچانے کی کوشش کریں لیکن جب ہماری کاہلی ملاحظہ فرماتے ہیں تو رنج ہوتا ہے اور یقیناً کاہلی بے عملی اور کم فہمی موجود ہے ہمیں اسکا اعتراف کرنا چاہیے اگر نہیں ہے۔

ہم میں سے جو لوگ اصلاح مسلمین کے نام سے کمیٹیوں اور جمعیتوں کو بنانا کہ
عمر میں گزار چکے ہیں وہ اب یہ یقین واثق رکھتے ہیں کہ یہ سب راستے غیر مفید تھے
صرف ایک ہی راہ ہے جس پر حضرت والا بار بار زور دیتے ہیں اس راہ کا اہم جز
اپنے کسی مربی کے بالکل پیرو کر کے بطریق سنت اسکے احکام پر عمل کرنا اور اخلاق
کا مداختیار کرنا ہے۔

مصاحبت دیدن آئنت کہ یاراں ہمکار بجزارند د خم طرہ یار سے گیرند
میری نظروں میں تو اب مصاحبت یہی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ سب کاموں کو ترک کر کے محبوب طریقے اور اسکے داعی کو پوچھ لیں
ہماری خوش قسمتی اور بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ نے ہمیں مربی سے محروم
نہیں کیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ انتہی۔

لاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والاؒ نے مسلمانوں کی عام خرابی، انحطاط اخلاق
فرما کر اہل علم کو اس طرف متوجہ فرمانا چاہا اسلئے خود ان سے دریافت فرما کر گویا ان سے اقرار
فرمایا کہ ہاں آج مسلمانوں کا اصل مرض یہی ہے اور اسکے لئے بزرگوں کے طور پر
کام کرنے کی ضرورت ہے اور جو لوگ کام کر سکتے بھلی ہیں وہ بھی سست اور
غافل ہیں۔ پھر اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ حسب ارشاد ہے

آنچه خوش باشد کہ بر دلبران گفتہ آید در ہدایت دلبران
(یہ کیا عمدہ طرز ہے کہ محبوبوں کی باتیں دوسروں کی باتوں کے ضمن میں بیان کی جائیں،
حضرت اقدسؒ نے مولانا موصوف کو اس طرح بھی متوجہ فرمایا چنانچہ مولانا کا ایک خط
اور اسکا جواب ملاحظہ ہو:-)

(نقل عریضہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ بنام حضرت مصلح الامۃ)

عرض حال : حضرت والا سے دوری کی صورت میں ہم ایسے ناقصین کے
قلب کی حالت میں فرق جو آجاتا ہے اس پر ہر وقت تأسف رہتا ہے روزانہ
(خانقاہ میں) حاضر ہوتا ہوں وہ وقت تسلی کا ہوتا ہے مگر ہر طرف سناٹا اور اسی

چھائی رہتی ہے۔

حضرت کے تشریف لیجانے کے صرف دو گھنٹہ بعد الہ آباد پہنچا ایسی وقت سے کاموں سے چھٹکارا اور یکھوئی حاصل کر کے جلد از جلد (بمبئی) حاضری کا ارادہ کر رہا دعار فرمائیں کہ جلد قدمبوسیٰ یہاں کے معاملات جو کچھ ابجھ گئے تھے یکسو ہو جائیں۔ قلبی حالت بہت خراب ہے حضرت توجہ فرمائیں۔ معمولات کے ناغہ کی کثرت کی بنا پر زمانہ قیام میں زبانی عرض کی اسی دن سے آپیں درستی محسوس ہونے لگی اور ابھی تک غنیمت حال ہے حضرت کے تصرف سے۔

ارشاد مرشد: آپ کے حالات۔۔۔۔۔ صاحب سے معلوم ہوتے رہے وہاں (الہ آباد میں) گرمی زیادہ پڑنے لگی تھی اسلئے ڈرا کہ کہیں اسکی شدت سے رعاف کا مرض پھر نہ عود کر آئے اس لئے فوراً یہاں چلا آیا آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اکھنوں سے جلد چھٹکارا نصیب فرمائے اور موانع سفر زائل فرمائے۔

یہاں اکھ لٹا چھا ہوں اور الہ آباد سے زیادہ قوت اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔۔۔۔۔ یہ جگہ شہر بمبئی سے زیادہ فاصلہ پر ہے اسلئے سکون رہتا تاہم آنے جانے والوں کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ قوت کا انتظار کر رہا ہوں کچھ اور آجائے تو کچھ کام کروں۔

کل صوفی عبدالرحمن صاحب نے بتایا کہ مدینہ شریف میں مولانا شیر محمد صاحب (فلیفہ حضرت اقدس مولانا کھانا نوی) کا انتقال ہو گیا سنا تو قلب پر بہت اثر ہوا۔ پھر سے معلوم ہوا کہ مولانا ابراہیم صاحب علی گڑھ اسپتال میں داخل ہیں آنتوں کے آپریشن کے لئے اس خبر کا بھی اثر ہوا کہ ایک اکھیڑ تو سمجھتا تھا کہ جوان آدمی ہیں مگر وہ بھی ایسے مرین نکلے۔ اللہ تعالیٰ انکو صحت کاملہ عطا کرے۔ رنج تو ہوا کہ مولانا شیر محمد صاحب مجھ سے بہت فرماتے تھے سب سے کہلا بھیجتے تھے کہ اُن سے (یعنی مجھ سے) ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اُن سے کہہ دو کہ ایک مرتبہ آجاتے تو ملاقات ہو جاتی۔

یہ تمنا کرتے کرتے چلے دیے۔ (اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے)

لیکن مزید رنج کا سبب یہ خیال ہوا کہ اسی طرح سے نیک لوگ ایک ایک کر کے اٹھتے چلے جائیں اور انکے بعد کوئی انکی جگہ کام کرنے والا نظر نہیں آتا۔ یہی یہاں بمبئی میں دیکھ رہا ہوں کہ مولانا بہاری صاحب کھلے بہت سے لوگ ان سے ناراض رہتے تھے مگر معلوم ہوا کہ اس صوبہ کے بڑے مفتی وہی تھے۔ اب کوئی اس کام کا کرنے والا (یہاں) نہیں ہے۔

اسی خیال میں مغموم و ملول پڑا تھا کہ مولوی بلال صاحب ابن میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندی تشریف لائے ان سے ملکر بہت کچھ غم غلط ہوا۔ پھر اسکے بعد قاری (محمد مبین) صاحب اور جامی صاحب کو بلا کر دیر تک سمجھا تا رہا کہ تم لوگوں کو میرے پاس رہتے ہوئے کھوڑا زمانہ نہیں گزرا کچھ حاصل کرو۔ کچھ نفیس کو پیانو۔ کچھ قلب میں نور پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت مولانا (تھانوی) کی موجودگی میں ہی حضرت سے کچھ سیکھ لیا تھا اور حضرت اپنے سامنے ہی ہملوگوں کو کام پر لگا دیا تھا اسی لئے تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ حاصل کرو۔ جو چیز مجھے حضرت سے ملی ہے اسکو میں اپنے ساتھ ہی لئے چلا جاؤں یہ اچھا ہے یا کہ یہ اچھا ہے کہ مجھ سے کچھ لوگ اسکو حاصل کر لیں؟ — میں اب بڑھا ہوا۔ اس دفعہ رمضان میں کیسا بیمار ہو گیا تھا۔ اسلئے تم لوگوں کو چاہیے کہ مجھکو اسکی طرف سے بے فکر اور مطمئن کر دو۔ میں دیکھ لوں کہ لوگ سمجھ گئے ہیں اور کام پر لگ گئے ہیں تاکہ مجھے مسرت ہو اور میں اپنے آپ کو فارغ سمجھ سکوں۔ (یہ سب باتیں میں نے دونوں آدمیوں سے کہیں) آپ لوگ تو یہاں سامنے تھے نہیں کہ آپ سے زبانی کہتا اسلئے جو باتیں ہوئی تھیں اسکی اطلاع آپکو بھی کرتا ہوں تاکہ آپ بھی کسی نتیجہ پر پہنچیں اور کوئی طریقہ اپنے لئے تجویز کریں۔ آپ کا جی چاہے تو اور لوگوں کو بھی یہ مضمون سنا دیجئے یعنی جواہل ہوں۔

والسلام خیر ختام

(باقی آئندہ)

راقسم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس کا مکتوب گرامی اپنے اندر جو تمنائیں اور دلیں اور جو توقعات اور تفکرات رکھتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ جن لوگوں سے بالمشافہ فرمانا تھا ان سے فرما کر مولانا فاروقی الہ آبادی صاحب کو بھی اس سے مطلع فرمایا تاکہ وہ بھی کسی نتیجہ پر پہنچیں اور پھر انکی صوابدید پر جو لوگ اور بھی اہل ہوں انکو شریک کرنے کو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس مصلح الامۃ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آباد کو تو کم از کم اسکا اہل سمجھتے ہی تھے کہ ان سے اس قسم کی گفتگو فرمائی اور کچھ توقع رکھیں۔ اب ہم لوگوں کی سعادت ہے کہ اپنے آپ کو علم و عمل اور اخلاص کی تحصیل کے لئے پیش کریں اور اپنے اعتقاد اور اتباع کے ذریعہ حضرت اقدس کا اطمینان اور اعتماد حاصل کریں۔

غیر یہ تو حضرت والا نے خط کے ذریعہ اس طرف متوجہ فرمایا علاوہ ازیں دیکھا جاتا تھا کہ سفر و حضر کی مجال میں جیسا کہ حضرت کا معمول تھا کسی اہم بات کو سمجھانے کیلئے پہلے خود اسکو فرماتے تھے پھر کسی سمجھدار شخص سے فرماتے کہ آپ نے سمجھ لیا ہوتا ہوں لوگوں سے کہیے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں چنانچہ وہ صاحب کھڑے ہو کر حضرت کی بیان کردہ بات کا اعادہ مع التشریح کرتے اب اگر پسند ہوتا تو حضرت تحسین فرماتے کہ ہاں جزاکم اللہ آپ نے میری صحیح ترجمانی فرمائی اور اگر ان کے کہنے میں کچھ خامی ہوتی تو حضرت اسکی اصلاح فرمائیے اس طرح سے حضرت والا اپنے مخصوص لوگوں کو تلقین فرما کر کے تعلیم کا طریقہ سکھاتے تھے ان ہی لوگوں میں سے ایک مولانا محمد میاں صاحب فاروقی بھی تھے کہ متعدد موقعوں پر حضرت نے مولانا بن ظلہ سے فرمایا کہ آپ کہئے میں کیا کہنا چاہتا ہوں تو اس پر مولانا نے حضرت اقدس کے منشار کو عمدہ عنوان سے بیان فرمایا۔ چنانچہ جو پور کے سفر میں حضرت والا کا خیال تھا کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا فرمائیے حکیم منظور احمد صاحب مرحوم اور بعض دوسرے حضرات کی خواہش ہوئی کہ حضرت والا وہاں ایک وعظ بھی فرمادیں۔ حضرت نے منظور بھی فرمایا لیکن عین موقع پر بعض وجوہ سے حضرت نے الہ آباد واپسی کا ارادہ فرمایا اور مولانا محمد میاں فاروقی اور راقم سے فرمایا

کہ چونکہ وعظ کا اعلان ہو چکا ہے اسلئے جو باتیں میں نے بیان کی ہیں انھیں کو آپ لوگ جامع مسجد میں بیان کر دیجئے گا۔ چنانچہ راقم کا اور مولانا فاروقی مدظلہ کا پورا بیان جو کہ ”مجالس جون پور“ میں مذکور ہے رسالہ معرفت حق بابتہ مارچ ۱۳۷۷ء میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ اسی کا اقتباس ملاحظہ ہو:-

”مولانا فاروقی صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ — یہیں دیکھ لیجئے کہ صرف تین دن گزرے ہیں جہاں جہاں بھی اڑتی ہوئی خبر پہنچی ہے اللہ کے تعلق کے پیار سے اور مولانا کے دیدار کے مشاق سب دنیا کے کاروبار چھوڑ کر چلے آ رہے ہیں کوئی انھیں گھسیٹ گھسیٹ کر لارہا ہے یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں انھیں کا حکم ہے۔ انھوں نے اپنے قلوب کی کایا پلٹ دی ہے اور انھیں اپنے ایک بندے کی جانب دوڑا دیا ہر طرف سے آ رہے ہیں طالبانِ درد دل فاقہ اثرنی ہے یا دوکان درد دل لوگو! سیکڑوں واعظین اور مقررین تمھارے یہاں آتے ہیں تین بجے رات تک تم شاندار تقریریں سننے ہو خوب داد دے رہے ہیں مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا دل پسینہ ہو اور رات اس محبت کے بعد اپنے لئے ہو پھر آنکھ کھلتی ہے تو دل کا جائزہ لو تو اسکی حالت کچھ گری ہوئی پاؤ گے نہ خشیت کا پتہ ہوگا نہ رجا اور محبت الہی کا کچھ اضافہ ہوگا۔ پھر آؤ ذرا کسی بزرگ کی مجالس میں شریک ہو ایک لمحہ یہاں کا اگر تم میں خلوص ہے اور اللہ کی محبت کی پیاس ہے تمھارا کام بنا دیجئے گا ہم نے تو حضرت مولانا مدظلہ کے یہاں دیکھا ہے کہ بعض وقت اکثر حصہ مجالس کا خاموشی ہی میں گزر جاتا ہے مگر پوچھو ان خدام سے کہ اس سکوت میں بھی انھیں جو کچھ ملتا ہے وہ گھنٹوں کے وعظ میں بھی کبھی نہیں حاصل ہوا۔۔۔ کیا ملتا ہے؟ روح کی غذا ملتی ہے قلب کا سکون ملتا ہے۔ اللہ کی محبت ملتی ہے اور کیا کیا ملتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اسے کیسے سمجھایا جائے بڑا مشکل ہے (اسلئے کہ ذوقی شے ہے اور طبع بالذات آپ سے نہ شناسی تا نہ چشی۔ کا مصداق ہے، اگر میں آپ کے سامنے مٹھاس کی تعریف کروں تو عمر بھر آپ کو نہیں سمجھا سکتا ہاں اگر ایک قطرہ شہد چکھا دوں (کہ دیکھو مٹھاس اسکو کہتے ہیں) تو عمر بھر

کے لئے آپ سمجھ جائیں گے۔ وہی صورت ان بزرگوں کے سمجھانے کی ہوتی ہے کہ ان کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھئے بشرطیکہ آپ میں خلوص اور طلب حقیقی ہو تو آپ یہ کہتے ہوئے اٹھئے گا۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کر دی مرا با جانِ جاں ہمراہ کر دی
ہمارے مولانا یہ فرماتے ہیں کہ یہ راستہ مشکل نہیں ہے۔ بس تمھاری توجہ کی ضرورت ہے باقی مرحلے وہ خود ہی طے کر دیں گے جنکی محبت میں تم سرگرداں ہو بشرطیکہ پیاس ہو۔ جب وہ پیدا ہوگی وہ خود بجھائیں گے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تابجو شد آبت از بالا و پشت
(پانی مت تلاش کرو بلکہ اپنے اندر پیاس پیدا کرو پانی خود تمھارے اوپر اور نیچے سے جوش مارے گا)
اس تمہید سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت مولانا ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہماری بگڑی ہوئی حالت درست ہو۔

سینے تو میں چپ اپنے مرکز ہدایت سے دور ہو جاتی ہیں تو رسمیات اور تقلیدات دینی و دنیاوی انکے راستہ میں بڑے بڑے غار پیدا کر دیتی ہیں جس سے نکالنے کے لئے اور صحیح راستہ پر لگانے کے لئے بڑی قوت، طاقت اور بڑی بڑی ہستیاں کی ضرورت ہوتی ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو یہ کام سپرد فرماتے ہیں۔ آج ہماری صرف دنیا ہی خراب نہیں بلکہ دینی حالت بھی بگڑ چکی ہے علماء اور صوفیاء کی جو حالت ہو گئی ہے وہ ہمارے سامنے ہے ایسے سخت وقت میں مولانا یہ چاہتے ہیں کہ ایک طرف ہماری معاشرت دنیوی بن جائے تو دوسری طرف ہمارے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو جائیں اور اسکا طریقہ بھی ایسا آسان ہو جسے ہم کمزور لوگ بھی برداشت کر لیں چنانچہ جیسا کہ مولوی جامی صاحب نے ابھی فرمایا کہ حضرت والا مال حاصل کرنے کے بارے میں کئی ہفتہ سے تقریر فرما رہے ہیں (الآباد میں فرماتے رہے اور یہاں بھی وہی فرمایا) جسکا خلاصہ یہ ہے کہ مال کی دو قسمیں ہیں ایک مذہوم اور دوسری محمود جو مال تمھیں اللہ کے راستے سے

رویکر، معاد کا تصور ذہن سے نکالے اور دنیا میں منہک کر دے وہ مذموم ہے اور جس مال میں یہ تصور ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے انھیں کا دیا ہوا ہے انھیں کے احکام کے مطابق حاصل کرنا اور خرچ کرنا چاہیے وہ مال صحیح ہے اور اسکا حاصل کرنا عبادت ہے کتنا سہل نسخہ ہے ۔۔۔۔۔ اب آئیے طریق کی اصلاحات کو دیکھئے۔ حضرت مولانا مدظلہ طریق میں جو خرابیاں آگئی ہیں انکی جڑ بنیاد پکڑ کر یا یوں کہیے کہ چور پکڑ کر مہار آ نکھیں کھول دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شیخ مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ تابع اور پیرو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اسے تابع ہونے ہی کی وجہ سے کچھ حاصل ہوتا ہے اسی سلسلہ میں حضرت فرماتے تھے کہ پیر کا (صرف پیر پکڑ لینا ایسا ہے جیسے کسی کھمبے کو پکڑنا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ پیر کو بھی ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے اسلئے کہ ان حضرات کو جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ رسول کی اطاعت ہی سے ملتا ہے۔ ان میں محبت الہی کا ثاب ہوتا ہے کوئی عاشق اسکو کیسے پسند کرے گا کہ اسکے محبوب کو چھوڑ کر لوگ خود اسکے جسم سے وابستہ ہو جائیں وہ تو ہر وقت محبوب کی تعریف اسکی نعمتوں کا بیان اور اسکے جلوہ ہائے حسین کی وضاحتیں کرنے میں صرف فرما رہا ہو اور لوگ خود اسکی ذات کی جانب متوجہ ہوں اور محبوب کو چھوڑ دیں تو یہ کھلا اسکو کب گوارا ہو سکتا ہے یہ حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ

مصلحت دیدن آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند و خم طسرہ یارے گیرند
(میری سمجھ میں تو اب یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سب جناب تمام کاموں کو چھوڑ کر محبوب کے در کو مضبوط پکڑ لیں) ملاحظہ فرمایا آپ نے مولانا فاروقی صاحب مدظلہ نے جو جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں اس میں حضرت دالاک کی کیسی صحیح ترجمانی فرمائی ہے آخر آخر میں مولانا کی توجہ بڑھ رہی تھی اور حضرت اقدس بھی انکی جانب متوجہ تھے کہ اسی اشار میں حضرت کا سفر حج پیش آگیا اور وہ سفر آخرت کا پیش خیمہ ہو گیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد
یعنی انسو سے کہ چشم زدن ہی بھر میں اپنی صحبت محبوب سے ختم ہو گئی، ابھی پھولوں کو جی بھر کے نہ دیکھا کہ موسم بہار ہی جاتا رہا۔

۶۔ مولوی حکیم شفیع اللہ صاحب الہ آبادی؛ مولوی صاحب موصوفت مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ ہو کر طبیبہ کالج الہ آباد میں داخل ہوئے اور بوجہ حسن استعداد اور عربی دانی کے طب میں بھی اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے چنانچہ اسی کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئے اور اب ریٹائرڈ ہو کر اپنے مکان پر جو شہر کے قریب ہی ایک دیہات میں ہے مطب فرما رہے ہیں۔ قاری حبیب احمد صاحب مدظلہ سے خاص تعلق زمانہ طالب علمی سے تھا غالباً انھیں کے توسط سے حضرت مصلح الامتؒ سے تعلق ہوا۔ ابتداءً ملازمت کی وجہ سے حاضری کا موقع کم ملتا تاہم وقتاً فوقتاً خدمت والا میں حاضر ہوتے رہے بالخصوص حضرت دُلا کی علالت کے زمانے میں آمد و رفت زیادہ رہی اور اسی زمانہ میں حضرت کو طب کی جانب خاص توجہ ہو گئی۔ چنانچہ حضرت والا نے علم طب کی ضرورت اور اسکی اہمیت پر ایک بسیط مضمون بھی تحریر فرمایا (جو معرفت حق ماہ مارچ ۱۳۷۷ء میں طبع ہو چکا ہے) اور اسکے علاوہ بہت دنوں تک مجلس میں بھی یہی فن موضوع گفتگو رہا۔ مضمون کے بعض اجزاء یہ تھے مثلاً :-

۱۔ فرمایا کہ شامی میں ہے کہ صاحب تمین المحارم نے فرمایا کہ علوم میں فرض کفایہ وہ سب علوم ہیں جنکی جانب لوگ اپنے امور دنیا کی درستی کے لئے محتاج ہوں جیسے علم طب اور علم حساب وغیرہ اور مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔

۲۔ یہ فن (طب) ہر بستی اور ہر شہر کے لئے ضروری ہے اسلئے کہ اسکا فائدہ اور نفع سب کو معلوم ہی ہے کہ اسکا ثمرہ صحت مندوں کے لئے صحت کی حفاظت اور مریضوں کے لئے بذریعہ علاج و معالجہ انکی بیماریوں کا دور کرنا ہے تاکہ انکو اس سے صحت اور شفا حاصل ہو جائے

۳۔ نیز فرماتے ہیں کہ "فترکہاواہما لہا بالکلیہ حرام لایجوز" یعنی اس فن کا بالکلیہ ترک اور اہمال حرام ہے جائز نہیں ہے۔

۴۔ اسی طرح سے شاہ اہل اللہ صاحبؒ برادر خور و حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلویؒ اپنی کتاب چہار باب میں لکھتے ہیں کہ :-

۵۔ جو کام کرنا چاہیں کریں اور جس صنعت و حرفت کو سیکھنا چاہیں شوق سے سیکھیں
بس اتنا خیال رہے کہ امور ضروریہ کی تحصیل کو مقدم جانیں اب اگر ان کے حاصل
کرنے کے بعد موقع ملے تب زوائد کو کسب کریں تاکہ ایسا نہ ہو کہ کل کی طلب میں کل ہی
فوت ہو جائے مثلاً جن علوم کو حاصل کرنا ہے ان میں سب سے پہلے فقہ، حدیث
تفسیر اور طب حاصل کریں پھر اسکے بعد بقدر استعداد اور گنجائش وقت کو دیکھتے
ہوئے حکمت و فلسفہ وغیرہ میں لگیں اسی طرح اور علوم (تاریخ، جغرافیہ، حساب وغیرہ)
کو سمجھ لو۔

۶۔ ایک بزرگ چاند شاہ صاحبؒ گزرے ہیں مولوی محمد اسماعیل صاحب نامی ایک صاحب
انکے مرید تھے وہ درسیات سے فارغ ہو کر آئے تو شاہ صاحب نے ان سے فرمایا
کہ میاں تم جو یہ پڑھ کر آئے ہو یہ تو اپنے لئے تم نے پڑھا ہے یہ بتاؤ ہم لوگوں کے لئے
کیا پڑھا ہے؟ پھر فوراً ہی فرمایا کہ جاؤ حکیمی (طب) پڑھو اور دیکھو بس چھ مہینے کے
بعد چلے آنا۔ چنانچہ شیخ کا حکم پا کر مولوی صاحب کا پورا گئے اور وہاں کسی طبیب کے
پاس رہے۔ جب چھ مہینے گزر گئے تو مولوی صاحب نے طبیب صاحب سے گھر آنے
کی اجازت چاہی انھوں نے کچھ دن روکنا چاہا تو فرمایا کہ ہمارے شیخ نے بس اتنی ہی
مدت تک پڑھنے کی اجازت دی ہے چنانچہ مولوی صاحب نے مکان آکر مطب
شروع کر دیا اور طبیب حاذق ہوئے۔

۷۔ سیدنا احمد رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ نعمت عافیت کی بڑی قدر کرو اور عافیت کی
حقیقت یہ ہے کہ سانس بدون تکلیف کے آتی رہے رزق بدون مشقت کے ملتا رہے
اور عمل صالح بدون ریا کے ہوتا رہے

۸۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من اصبغ منکم آمناً فی سریرہ
معا فی فی جسدہ وعندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا مجذافیرھا (یعنی
تم میں سے جس شخص نے صبح کی اس حال میں کہ اپنے قلب و باطن بے مطمئن ہے اسکے بدن میں
عافیت حاصل ہے اور اسکے پاس اس دن کی روزی موجود ہے تو بس پھر وہ ایسا ہے

گویا دنیا اپنے جملہ ساز و سامان کے ساتھ اس کے لئے جمع کر دی گئی ہے مذکورہ بالا تصریحات میں حدیث کی رو سے نیز علماء و مشائخ سب کے معاملات سے طب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۹۔ فرمایا کہ — آپ سے کہتا ہوں کہ علم طب کی اہمیت اور اسکی ضرورت سے اب ایسے وقت میں واقف ہوا جبکہ زمانہ کچھ پڑھنے پڑھانے کا نہیں رہ گیا اور جس وقت کچھ سیکھنے سکھانے کا موقع تھا تو آپ سے صاف کہتا ہوں کہ طب کی مشنوی کو معصیت اور گناہ سمجھتا تھا اور اسکی جانب سے عام اہل علم اور دینداروں کو ایک نفرت سی دیکھتا تھا چنانچہ ایک مولوی صاحب جو میرے پاس رہتے تھے وہ کہتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں میں نے طب پڑھنے کا ارادہ کیا تو ہمارے ایک استاد نے منع کر دیا اور یہ فرمایا کہ ہمارے اکابر اسکو پسند نہیں کرتے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی آخر اکابر سے کیا مراد ہے؟ کیا حضرت شاہ اہل اللہ صاحب اکابر میں سے نہیں تھے یا علامہ شامی اکابر میں سے نہیں ہیں اور حضرت گنگوہی بھی اکابر میں تھے یا نہیں حضرت نے خود خود طب حاصل کی تھی۔

۱۰۔ مزید یہ کہ مجھے اپنی اس بیماری میں بڑے بڑے تجربات ہوئے جن سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھ جیسے آدمی کو مرض اور اسکے علاج سے فی الجملہ واقفیت ضروری ہے۔

۱۱۔ ایک تجربہ یہ ہوا کہ اب اس فن میں بھی اہل بصیرت اور محقق کم ہی ہیں زیادہ تر لوگ تخمین اور جُزآن سے کام لیتے ہیں اپنے مدارس و مراکز کا حال تو مجھے معلوم ہی تھا کہ تحقیق اور تجربہ ہاں سے قریب قریب ختم ہی ہو چکا ہے طلبہ کو کمال حاصل کرنے کا حوصلہ نہیں رہا مگر طب وغیرہ کے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ لوگ اسکو شوق سے پڑھتے ہوں گے لیکن آپ سے بیج عرض کرتا ہوں کہ اکثر کو ان میں سے نا تجربہ کار اور بے بصیرت ہی پایا حتیٰ کہ بعض شناسی جو اس فن کی خاص چیز ہے اس سے مُس تک نہیں اور کبر کا یہ حال ہے کہ اپنے جہل کا اظہار و اقرار ان کے لئے موت ہے۔

۱۲۔ میں نے انکا یہی مرض پکڑا اور ان کو چلنے نہیں دیا۔ ان سے کہا کہ اٹکل اور تخمین سے بات کہنا اور رائے دینا چھوڑ دو اور جو تحقیق کے ساتھ کہو چنانچہ اس سے مجھکو بھی نفع ہوا اور ان لوگوں کو بھی نفع ہوا۔ مجھے تو یہ نفع ہوا کہ ان کے ضرر سے محفوظ ہو گیا اور ان کو یہ نفع ہوا کہ

بہت سے لوگوں نے تو یہ کہ اب سے یہ طریقہ چھوڑیں گے یعنی فن کو فن کی حیثیت سے سیکھیں گے اور اس محنت کرینگے چنانچہ بعض لوگ جو ڈاکڑی کرتے تھے انھوں نے بھی طب کی کتابیں دیکھنی شروع کر دیں۔ چنانچہ میں نے اپنے طالب علموں سے کہہ دیا ہے کہ بھائی میں نے طب حاصل نہیں کی مگر تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ اس فن میں بھی کچھ کمال حاصل کرنا مہل نہ رہنا۔ ”من بخود شفاء عذر یکنید۔“

۱۳۔ اور میں نے صرف تقریباً ہی تک اسکو محدود نہیں بلکہ علی طور پر اپنے یہاں اس کام کو شروع کر کے تب دوسروں کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ایک عالم صاحب جو درس نظامیہ سے فراغت کے بعد طب میں بھی فارغ ہوئے اور یہاں طبیہ کالج میں درس دیتے ہیں انکو مقرر کیا کہ وہ یہیں میرے گھر پر اگر طلبہ کو عربی میں طب کی کتابیں پڑھائیں۔ چنانچہ اکھنڈ یہ کام شروع ہو گیا ہے۔

یہ درس نظامیہ کے فارغ شدہ مولوی صاحب یہی مولوی حکیم شفیع اللہ صاحب آبادی تھے۔
 در اتم عرض کرتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃ کا مقصد اللہ تعالیٰ اعلم ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ کم از کم ہر عالم کے لئے طب میں تھوڑا بہت درک حاصل کرنا بھی ضروری ہے طب کوئی ایسی مذموم شے نہیں ہے جیسا کہ ہمارا معاملہ اب تک اسکے ساتھ رہا ہے یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ علم دین کے بجائے اب طب ہی میں لگ جائیں علوم دینیہ میں بھی تبحر حاصل کرنا فرض علی الکفایہ ہے اور علم طب میں مہارت پیدا کرنا بھی فرض کفایہ ہے دونوں سلسلے ہونے چاہئیں۔ یوں خدمتِ خلق کا تعلق جس طرح علوم دینی کے جاننے کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح علم طب سے بھی وابستہ ہے لہذا طبیہ کی اس علم کی تحصیل میں خدمتِ خلق کی نیت بلکہ اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ باقی یہ درجہ کہ ایک انسان علوم دینیہ میں بھی ماہر ہو اور طب میں بھی اسکو کمال حاصل ہو اور دونوں کے ذریعہ مخلوق کی خدمت یحساں طور پر کر رہا ہو اس زمانہ میں بہت مشکل ہے اور اسکا مصداق ہے کہ

برکفے جام شریعت برکفے سندانِ عشق

ہر مونس کے نداند جام و سندان باختم

ایک ہاتھ میں عشق کا سندان ہو اور ایک تھیں شریعت کا جام لئے ہو اور باہم دونوں سے اس طرح کھیلے کہ کسی نقصان نہ ہو ہر مونس کا کام نہیں ہے (ضرور نیک ہو جائیگی اور بالآخر شریعت کے جام ہی کو صد مہ پہنچے گا)

چودھری حبیب الرحمن صاحب (بمرولی) آپ کا ذکر پہلے بھی ضمناً آچکا ہے
 الہ آباد کے قیام میں ہمارے حضرت مصلح الامۃ؎ سے جن حضرات نے نمایاں فائدہ اٹھایا ان
 میں سے ایک چودھری صاحب مرحوم کی بھی ذات تھی اسی خصوصی تعلق کا یہ اثر ہوا کہ حضرت
 والا جب کبھی شہری زندگی سے اکتاتے تو تنہائی اور سکون کے خیال سے بمرولی بھی اکثر تشریف
 لیجاتے اور چودھری صاحب موصوف کے مکان پر قیام سہماتے یوں تو دو دو چار چار دن کا
 قیام متعدد بار فرمایا مگر ایک بار جبکہ حضرت والا کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال
 ہو گیا اور گھر کے تقریباً سب ہی بچے و بانی چھپک کا شکا ہوئے تو اس وقت ان بچوں کی مصلحت
 نیز بقیہ دو صاحبزادیوں کی دلبستگی کے لئے بھی تبدیل مکان کی ضرورت ناگزیر رکھی چنانچہ شہر کا
 قریب مرنج بنا کہ حضرت والا بمرولی قیام فرمائیں اس زمانہ میں ہوتا یہ تھا کہ جو لوگ حضرت والا
 کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ کسی کے ہمراہ بمرولی پہنچا دیئے جاتے۔ ڈاک وغیرہ کے
 سلسلے میں تقریباً خانقاہ سے روزانہ یا دو سرے دن کوئی نہ کوئی ضرور جاتا تھا۔

آہستہ آہستہ جب قیام زیادہ ہو گیا تو حضرت اقدس سے پڑھنے والے سب
 طلبہ کبھی وہیں پہنچ گئے اور اس میں شک نہیں کہ وہاں کے قیام سے جو مقصد تھا
 وہ علی وجہ الاتم پورا ہوا۔ اندر صاحبزادیوں سے ملنے کا دلچسپی کی عورتیں آتی جاتی رہیں
 خود چودھری صاحب کے گھر میں اور انکی لڑکیوں نے اپنے معزز مہمان کی خوب مہنت
 اور خاطر کی اور باہر کے منظر کا کیا کہنا اطراف و جوانب سے لوگ زیارت و ملاقات
 کے لئے حاضر ہونے لگے۔ قریب کے لوگ تو مجالس کے وقت آتے اور مجلس ختم
 ہو جانے پر واپس ہو جاتے اور دور دور کے لوگ ایک آدھ شب قیام بھی کرتے
 علاوہ ان میں چودھری صاحب کی مسجد کا جلے وقوع ایسا پڑ بہار تھا کہ وہاں دل کے
 لئے کسی مجمع کی ضرورت ہی نہ تھی، دریائے گنگا کے کنارے ایک اونچے
 ٹیلے پر مبنی ہوئی تھی، مسجد تو کچھ بڑی نہ تھی لیکن اسکے شمال میں دریا کی جانب
 ایک کھلا ہوا وسیع پختہ چبوترہ بنا ہوا تھا جہاں صبح و شام بیٹھ کر ذکر و تمجید کریمیں ذکر
 ایک عجیب لطف و سرور محسوس فرماتے تھے اور صحن مسجد کے بعد مشرق میں حضرت

ذکر یانی سلتانی کے کسی قریبی عزیز کی جنھوں نے یہاں کے راہ سے کسی زمانہ میں جہاد کیا تھا قبر ہے ان کے ساتھ اور بھی بہت سے حضرات اسی مقبرہ میں آرام فرما رہے ہیں علاوہ انہیں احاطہ مسجد سے باہر بھی بہت سی قبریں ہیں ان خاموش اور بے ضرر مہم نشینوں کی وجہ سے وہاں کے قیام کا لطف دو بالا ہو گیا تھا۔ اسی چوترہ پر بعد العصر حضرت والا کی نشست رہتی مقامی وغیر مقامی حضرات اس سے مستفیض ہوتے صبح کی نشست چودھری صاحب کے مکان ہی پر ہوتی۔ گرمی کا زمانہ تھا ہر کمرے میں فرشی پٹکھا لگا ہوا تھا جسکی وجہ سے سب کو بہت آرام ملا۔

انھیں چودھری حبیب الرحمن صاحب نے اپنے حضرت رحمۃ اللہ کے متعلق ایک خواب بھی جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ سے عرض کیا تھا جو کتاب ترجمہ ترصیع الجواہر المکیہ کے مقدمہ میں طبع ہو چکا ہے دراصل یہ خواب اسی کتاب سے متعلق تھا خواب یہ تھا کہ:-

”احقر نے دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک سامنے موجود ہے اور میں اور کئی اصحاب سامنے بیٹھے دو دو شریف پڑھ رہے ہیں اور فرط محبت و عقیدت سے کبھی کبھی جسم مبارک چھو بھی لیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے گئے بستر وغیرہ بہت عمدہ قسم کا ہے۔ ذرا دیر بیٹھنے کے بعد حضور اقدس قریب ہی دوسرے بستر پر تشریف فرما ہو گئے اور یہ بستر مشابہ ہے اس بستر کے جس پر ہمارے حضرت امین الامہ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے۔

میرے دلیں مصافحہ کا بیجا اشتیاق ہوا مگر ادب کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اتنے میں ایک صاحب نے مصافحہ کی ابتداء کی تب احقر نے بھی مصافحہ کیا دست مبارک مثل ریشم کے نرم ہے۔ ایسا کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہیں اور دروازہ کے کمرہ میں جو تخت ہے

اسپر وقت افزود ہیں اس تخت پر ایک چھوٹی سی میز ہے جس پر میری کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان کتابوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس ترجمہ "ترصیع" ہے میں نے پوچھا "ترصیع الجواہر المکیہ"؟ فرمایا ہاں۔ اب میں یہ خیال کر کے کہ وہ میرے پاس ہے تمام اسکو ڈھونڈھنے لگا لیکن وہ کتاب مل ہی نہیں رہی ہے گھر میں بھی میں نے کہلایا کہ شاید وہاں ہو چنانچہ گھر سے میرا ایک بچہ چند کتابیں لایا کہ اس میں دیکھ لیں اس میں تو نہیں ہے لیکن اس میں بھی وہ کتاب نہیں ملی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کتاب کو صرف اسلئے دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب پر مولانا وصی اللہ کا نام ہے یا نہیں؟ (مقدمہ ترجمہ ترصیع)

راقم عرض کرتا ہے کہ — الحمد للہ اس خواب سے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب بھی مقبول ہے اور اسکی وضاحت کے سلسلے میں حضرت مصلح الامۃ کے سب ارشادات بھی مقبول ہیں اور حضرت کا یہ حق ہے کہ حضرت کا نام اس کتاب کے سرورق پر لکھا جائے۔ اسی ارشاد نبوی کے پیش نظر اس کتاب کا نام —

الافادات الوصیہ علی ترصیع الجواہر المکیہ تجویز ہوا — اور مقبولیت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم کہ اس کے ترجمے میں جابجا حضرت مرشدی مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ نے افادہ کے عنوان سے کسی شیخ و مصلح کا کوئی طریقہ جو خلافت سنت معلوم ہوا تو حضرات مشائخ کا پورا احترام باقی رکھتے ہوئے انکے قول اور عمل کی مناسبت تو ضیح فرمادی ہے اور غایت ادب سے انہیں کی برکت کی جانب منسوب کر کے اس موقع کے لئے مسنون طریقہ تعلیم فرمادیا اور کھلے لفظوں میں اسکا اعلان فرمادیا کہ ایمان تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام میں باقی کوئی ولی یا بزرگ نہ تو معصوم ہے اور کسی فاسد ذات پر ایمان ہے اسلئے مشائخ بھی مکلف ہیں کہ خود اتباع سنت کریں

اور اپنے مریدین و متبعین کو بھی اسی راستہ پر لگائیں۔ چنانچہ یہی حضرت کا وہ خصوصی کارنامہ ہے جس نے کتاب کی افادیت کو بھی بڑھا دیا اور عجب نہیں کہ اسی چیز نے دربار نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اسکی قدر بڑھا دی ہو اور اسکو مقبول بنا دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چودھری حبیب الرحمن صاحب نے حضرت کی کرامت کے سلسلے کا ایک اور واقعہ بیان کیا کہ ایک نجلس کے بعد حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ چودھری صاحب رکشہ لیلو چلو ذرا باہر چلیں۔ لوگ حضرت اقدسؐ کے مزاج سے واقف تھے کہ جب کبھی مجمع سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے تو سکون کی خاطر کبھی جہنا کے پل کی جانب اور کبھی کمپنی باغ کی طرف تشریف لیجاتے، چنانچہ یہ سفر شہر میں صبح و شام تو کبھی مولوی عبد المجید صاحب کی معیت میں ہوتا تھا اور کبھی ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کے ہمراہ لیکن مجلس کے بعد کا وقت چونکہ ان دونوں حضرات کے لئے مشغولی کا وقت ہوتا تھا کہ اول الذکر اپنے پرس کے کاموں میں لگ جاتے تھے اور ثانی الذکر کے اپنے مطلب کا وقت ہوتا تھا اسلئے کبھی کبھی یہ شرف چودھری صاحب کے نصیب میں آ جاتا تھا۔ چنانچہ چودھری صاحب رکشہ لے آئے اور حضرت کو کمپنی باغ کی طرف لے گئے اس سے قبل بھی حضرت متعدد بار وہاں جا چکے تھے۔ یہ باغ ہے تو شہر کی اندر لیکن ایک بڑے رقبہ میں ہونے کی وجہ سے اسکے اندر داخل ہو کر انسان گویا شہر کی ہماہمی سے بچو ہو جاتا ہے اسکا ایک حصہ تو انواع و اقسام کے پھولوں کی وجہ سے اور سرسبز و شاداب لان اور ہر جہا طرف ہریالی کی وجہ سے واقعی سیر و سکون کے لائق ہے لیکن انسانوں سے بچوئی یہاں بھی میسر نہ تھی اور حضرت والا باغ میں ایک بوسیدہ سی مسجد تھی جس کے آس پاس بڑے بڑے درخت اور گھنسا یہ تھا اسی میں قیام فرماتے تھے جگہ پر سکون اور ہوادار تھی گو پھولوں کی شادابی یہاں نہ تھی تاہم سبز درختوں کی ہریالی سے یہ جگہ خالی نہ تھی اس لئے حضرت والا کو یہی جگہ پسند تھی، آج بھی یہیں تشریف لائے چودھری صاحب

کا بیان ہے کہ جب مہسلی بچھا کر حضرت والا کو مسجد میں بٹھا دیا تو حضرت نے منبر مایا
اجی چودھری صاحب! بھوک بہت زوروں کی لگی ہوئی ہے قریب کوئی چیز ملے
تو لاؤ۔ چودھری صاحب نے عرض کیا بہت اچھا اور باغ سے باہر آئے اور
سیو داں موٹا اور چنے اور پھلیاں وغیرہ پتے میں رکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر
لئے ہوئے باغ میں داخل ہوئے۔ ابھی مسجد کچھ فاصلہ پر تھی کہ درختوں سے
اترا ترک چاروں طرف سے شور مچاتے ہوئے بندر انکی جانب لپکے۔ چودھری
صاحب کہتے تھے کہ اگر ایک ہاتھ خالی ہوتا تو کچھ مدافعت کرتا ہاتھ تو میرے بالکل
مقیمہ تھے میں کھڑا ہو گیا بندر بھی رک گئے لیکن دور سے بھبکیاں دیتے رہے
اور جب ذرا چلنے کا ارادہ کیا تو وہ سب کے سب پھر آگے بڑھنے لگے یہاں تک
کہ میں تو ابھی مسجد سے دور ہی تھا مگر وہ میرے بالکل قریب پہنچ گئے، موٹے
موٹے بندر تھے اب تو میں ذرا گھبرا یا کہ یا اللہ کیا کروں سوچا کہ سیو کا پتہ اتنے آگے
پھینک کر اپنی جان بچاؤں مگر پھر خیال کیا کہ حضرت کو چلکہ کیا جواب دوں گا اور اگر
دوسرا لے آؤں تو انکے سامنے اپنی کامیابی کی نظیر موجود ہی تھی اسی ادھیڑ بن میں
تھا اور پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک دیکھا کہ سب بندر جہاں سے آئے تھے واپس
جانے لگے۔ اب میرے اوسان درست ہوئے تو دیکھا کہ مسجد پر سے حضرت والا ہاتھ
میں اپنا پاپوش لیکر بندروں کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ خبردار اگر آگے بڑھے تو
خیر نہ ہوگی۔ حضرت کے اس فعل کو بندروں نے دیکھ لیا بس وہیں سے میرے لئے
لائن کلیر کر دی۔ خیر خیر حضرت والا کے پاس پہنچا تو فرمایا کہ بہت دیر کر دی چودھری
کہاں رک گئے تھے۔ میں نے بندروں کے گھیر لینے کا واقعہ بیان کیا۔ سن کر
حضرت بہت ہنسے۔ اور سب چیزوں کو بہت شوق سے نوش فرمایا۔ تھوڑی دیر
وہاں ٹھہرے پھر فاقہ واپس تشریف لے آئے۔

حضرت اقدس کی چودھری صاحب بلکہ انکے پورے گھرانے نے بہت خدمت

کی جب حضرت وہاں پہنچ جاتے تھے تو ان لوگوں کی گویا عید ہو جاتی تھی۔ علاوہ گھر والوں کے دیکھا جاتا تھا کہ ملازمین ہلواسے اور پن بھرے سب ایک نشاط کے ساتھ کام کرتے تھے اس میں بڑا دخل چودھری صاحب کی خوشنوی اور نرم مزاجی کو بھی تھا اور حضرت سے تعلق کے بعد تو اور بھی زیادہ خلیق ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت کی وفات کے بعد زیادہ دن وہ بھی نہ رہے۔ اچانک ایک دن اطلاع آئی کہ چودھری جن صاحب کا انتقال ہو گیا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہ اور خانقاہ سے اور دوسرے لوگ جن میں میرا نام بھی تھا بمرولی حاضر ہوئے اور تدفین میں شرکت کی حبیب الرحمن واقعی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ع۔

فدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

چودھری صاحب موصوف دیہات ہی میں رہتے تھے تقریباً ہر مہینہ یاد میں میان میں بھی کبھی کسی ضرورت سے شہر آنا ہوتا تو حضرت سے دعا وغیرہ کرانے کے سلسلے میں خانقاہ ضرور حاضر ہوتے۔ ۶۔ میل کے فاصلے پر بمرولی نام کا ایک موضع دریائے گنگا کے کنارے پر آباد ہے یہی آپ کا آبائی وطن تھا والد صاحب موضع کے بڑے زمیندار تھے انکے بعد گھر کی کھیتی وغیرہ چودھری صاحب سنبھالے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس کو خطوط کم لکھتے تھے لیکن جو تحریر دستیاب ہوئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت والا سے بیعت ہونے کے بعد اصلاح کا کافی خیال پیدا ہو گیا تھا چنانچہ اپنے ایک عریضہ میں حضرت اقدس کو تحریر کرتے ہیں:-

حال : معمولات سب بفضلہ تعالیٰ ادا ہو رہے ہیں تہجد کی رکعات دن میں پوری کر لیتا ہوں۔ آج سے کسی سال قبل میری حالت یہ تھی کہ جب کبھی دنیاوی مصائب پیش آتے تھے تو میرے دلیلیں یہ خطرہ گذرتا تھا کہ باوجود اسکے کہ میں احکام کی پابندی کرتا ہوں مگر سکون نصیب نہیں ہوتا اور ایک نہ ایک پریشانی کا سامنا ہوتا ہے حضرت کی غلامی نصیب ہونے کے بعد چند باتیں سمجھ میں آئیں وہ یہ کہ ہر عبادت کے دورخ ہوتے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی اور ظاہری سے باطنی زیادہ

ضروری اور اہم ہے حتیٰ کہ ظاہری جسم اور باطنی اسکی روح۔ جس طرح سے کہ بغیر روح کے جسم چاہے کتنا ہی خوبصورت اور آراستہ ہو بیکار محض اور مردہ ہے۔ اس طرح سے عبادات اگر صرف ظاہری صورت میں آراستہ ہیں اور ان میں روح نہیں ہے تو وہ بالکل غیر مفید بلکہ بعض حالات میں تو مضر ہوتی ہیں اور عبادات کا باطنی رخ قلب سے متعلق ہے لہذا اگر احکام کی ظاہری پابندی کے ساتھ دل کی بھی حالت ٹھیک ہے تو ایسی حالت میں اگر کھوڑی سی عبادت بھی کی جائے تو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے اور یقیناً سکون قلبی حاصل ہوتا ہے۔ اسوقت اگر مصائب کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو سکون قلب اور تعلق مع اللہ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا لہذا میری حالت پہلے کی اسکے برعکس تھی کہ ظاہری احکام کی پابندی حتیٰ الوسع کرتا تھا مگر دل اللہ تعالیٰ کا مطیع نہ تھا۔ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور سب سے بڑا ظلم یہ کہ اسکی خبری نہیں کہ یہ حالت کس قدر خطرناک اور مضر ہے لہذا جب اپنے نقصان ہی کا علم نہیں تو اسکی اصلاح کی کیا فکر؟ حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی لیکن جب سے حضرت کی غلامی کا شرف حاصل ہوا تو ہوش ہوا اور اب حالت یہ ہے کہ ذہن میں یہ امر اسخ ہو چکا ہے کہ چاہے ظاہر اچھا نہ ہو مگر دل کی حالت ٹھیک ہونی چاہیے اور جو کام کرنا چاہیے اسکو دل سے کرنا چاہیے۔ اب بفضلہ تعالیٰ فائدہ محسوس ہو رہا ہے جب کبھی نفس اپنی مرضی کے مطابق کام لینا چاہتا ہے تو فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ ظاہری میری حالت کیا ہے لہذا جیسا ظاہر ہے ایسا ہی باطن بھی ہوا اگر ایسا نہ کروں گا اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا اور مزید براں اپنی بد اعمالی کے سبب اپنے پیر کو بھی بدنام کروں گا۔ چنانچہ اس سے بڑا فائدہ معلوم ہوتا ہے اور ایک روحانی لذت محسوس ہوتی ہے آجکل حالت یہ ہے کہ اکثر اللہ تعالیٰ کے فضل و انعامات اور اپنی بد اعمالیوں پر غور کرتا ہوں تو اللہ تبارک تعالیٰ سے محبت معلوم ہوتی ہے اور آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی اس حالت کا سبب حضرت والا کی کرامت سمجھتا ہوں۔

ایک روز عصر کے بعد والی مجلس میں حضرت والا نے اشقر کی موجودگی میں یہ فرمایا

تھا کہ کب تک نفس کی پرورش کرتے رہو گے؟ ایک دن اسکا بھلی ساتھ چھوٹ جائیگا اس جملہ سے طبیعت پر بڑی رقت ہوئی اور آج تک اسکا اثر ہے اب جس وقت نفس کسی امر کا تقاضی ہوتا ہے تو فوراً اس جملہ کی جانب خیال کو متوجہ کر لیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو جاتی ہے۔

تحقیق: غنیمت ہے کہ ان باتوں کی طرف التفات ہوا خدا کرے سمجھو اور باطن کو درست کرو حال: مجھے تو حضرت سے دین و دنیا دونوں کا بڑا فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔ اور حضرت کی کھلی ہوئی کرامتوں کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

جب حضرت کے پاس حاضر ہوتا ہوں بسا اوقات واپسی میں دیر ہو جاتی ہے اور سواری بالخصوص اپنے گاؤں کا یکہ ملنے کی امید بالکل نہیں رہتی اور طبیعت پریشان ہو جاتی ہے کہ یا اللہ! آج گھر کیسے پہنچوں گا مگر حضرت! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی موقع ایسا نہیں ہوا کہ مجھے گاؤں کا یکہ نہ ملا ہو۔ کتنی ہی دیر ہو گئی ہو مگر جب اڈہ پر آیا تو گاؤں ہی کا یکہ مل گیا۔

تحقیق: الحمد للہ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ آپ نے خط ملاحظہ فرمایا۔ چودھری صاحب ایک نوجوان انگریزی داں شخص تھے صرف حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانویؒ کی کتب مطالعہ میں رہیں اور آخر میں حضرت اقدس کی صحبت ملی جس کا اثر مضمون خط میں نمایاں ہے۔ بیچ ہے ۵

آہن کہ بیار س آشنا شد

فی الحال بصورت طلا شد

(جو لوہا کہ پارس پتھر سے مَس ہوا فوراً سونے کی شکل میں تبدیل ہو گیا)

ع۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ایک آن کی صحبت بھی خالی از نفع نہیں کبھی اسی وقت میں ہدایت کی نسیم چلتی ہے اور انسان کا کام نبھاتا ہے۔ ۱۲ جاتی۔

جناب شاکر حسین خان صاحب حوم — الہ آباد کے محلہ محترم گنج میں آپ کا مکان
تھا من اتفاق کہ اسی محلہ میں حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس سرہ کا بھلی قیام تھا اسلئے خانصاحب
موصوف حضرت الہ آبادی کی مجلس میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور حضرت اقدس
مولانا تھانوی سے بھی خط و کتابت تھی اور شاید حضرت تھانوی سے بیعت بھی
تھے اسکا صحیح علم راقم کو نہیں ہے، لیکن اصلاحی تعلق بہر حال حضرت مولانا عیسیٰ صاحب
الہ آبادی ہی سے تھا۔

خال صاحب الہ آبادی میں ایک قدیمی صحیح العقیدہ دیوبندی مسلک سے تعلق
رکھنے والے تھانوی رنگ کے شخص تھے۔ گورنمنٹ پریس الہ آباد میں ملازم تھے۔ دو
علی پایا تھا اسلئے نہ صرف یہ کہ اپنے مسلک کے تمام ہی علماء کے و عظوں اور صحبتوں
میں شریک ہوتے بلکہ ذوق سخن نے حضرت اصغر گونڈوی اور دیگر مراد آبادی سے بھی
خاصی رسم و ملاقات پیدا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ علماء کو مدعو کرنے میں اور شہر میں جلسہ
وغیرہ ہوتا تو اس میں پیش پیش رہتے۔ اصلاح المسلمین الہ آباد کا جلسہ ایک قدیمی سالانہ
جلسہ ہوتا تھا جس میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی۔ مولانا عبدالرحیم صاحب لکھنوی
مولانا مرتضیٰ حسین صاحب چاند پوری اور پھر مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہاں پوری
اور مولانا معظم علی صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند اور مولانا عبدالسلام صاحب لکھنوی چوٹی
کے علماء تشریف لاتے تھے اور انتظین جلسہ میں ہمارے شاکر حسین خاں صاحب کو
نمایاں مقام حاصل تھا

اصلاحی امور کے پیش نظر لوگوں سے اس قدر احتیاط رکھنا اور ملنا جلنا ظاہر ہے
کہ سالک کی کیسوی کے لئے قطعی نخل اور اسکے کارخانہ باطن کو یکسر مکدر کر دینے والی شے
تھی اسلئے حضرت مصلح الامتہ کی جانب سے اس پر نکیر اور مواخذہ بھی ہوتا رہا مگر خانصاحب
مرحوم کی طبعی مناسبت انکو اس سے باز بھی نہ رکھ سکی۔ حتیٰ کہ اہل الہ آباد کا مفت مذکر
اور ہمارے حضرت مصلح الامتہ گورکھپور سے الہ آباد تشریف لائے خاں صاحب حوم

حضرت والا سے ملاقات تھی شناسا اور واقف تھے ہی حضرت کی بھی مجلس میں آنے لگے اور علماء کی صحبت نیز حضرت کھاناؤمی کی کتب کے مطالعہ کی برکت سے اور عامی انسانوں کی طرح نہ تھے بلکہ سخن فہم اور سخن سنج تھے موقع بہ موقع حضرت کے ارشاد پر بھی داد و تحسین فرماتے رہتے۔ حضرت اقدسؒ چونکہ ان کے مزاج سے واقف تھے اسلئے بہت ہی تلطف اور محبت کا برتاؤ ان سے رکھتے۔ چنانچہ حضرت والا کا ایک انڈیا یہ بھی تھا کہ جبکہ ذرا تیز و طرار دیکھتے اور سمجھتے کہ یہ آسانی سے طریق پر لگنے والا نہیں ہے اکثر اسکو دوسرے لوگوں کے معاملات میں واسطہ بنا دیتے اور اسی کے ذریعہ اس کو اصلاحی ہدایات دیتے اسکا ایک نفع یہ ہوتا کہ ان عیوب کی برائی خود صاحب واسطہ میں اگر موجود ہوتی تو اسکو غیر آتی کہ میں دوسروں کو تو نصیحت کر رہا ہوں اور خود اپنا بھی یہی حال ہے۔ بس اسلئے یہی طریقہ اصلاح تجویز ہوتا وہ چاہے ہی کیوں سمجھے کہ میں حضرت کا بہت معتمد علیہ ہوں حضرت مجھے دوسرے لوگوں کے لئے واسطہ بناتے ہیں لیکن حضرت کا مقصود اس سے خود ان صاحب کو بھی شکا رکنا ہوتا تھا اور دیکھا جاتا تھا کہ بعض نفوس اس سے متاثر بھی ہوتے تھے اور انکو اپنی اصلاح پر نظر ہو جاتی تھی بہر حال خانصاحب موم چونکہ سمجھدار شخص تھے اور ترجمانی کا سلیقہ بھی تھا

اسلئے اکثر اہل آباد کے معاملات میں حضرت والا انھیں ہی واسطہ بناتے تھے اور جرمی ہونے کے سبب حضرت کا پیغام من و عن پہنچا دیتے تھے۔ اگر کبھی کچھ کسر رہ جاتی تو حضرت اقدسؒ اسکی اصلاح فرما دیتے تھے۔ چنانچہ خانصاحب مرحوم کا حسب ذیل خط اور حضرت کا جواب اس امر کا منظر ہے۔ حضرت اقدس کو لکھا کہ:-

حال: جمعات کی مجلس میں جو فاص بات ارشاد فرمائی گئی تھی اسکو اپنے فہم ناقص میں جو کچھ آیا اپنے الفاظ میں عرض کر کے اصلاح کا خواستگار ہوں (دو فریق جو کہ حضرت والا ہی سے بیعت تھے انہیں آپس میں کچھ نزاع اور عداوت ہو گئی تھی اس سلسلہ میں حضرت والا نے فرمایا کہ — بارہا میں نے سمجھایا مگر ایہ لوگ کسی طرح اس نزاع اور عداوت کے چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ اس پر فرمایا کہ — کل ایک صاحب کو میں نے

کہدیا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ تمہارا ایمان ناقص ہے اس میں کمی ہے۔ اسلئے کہ میں فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف پیش کر رہا ہوں اور آپ اسکا کچھ خیال نہیں کرتے اپنی عداوت پر قائم ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ صریح ایمان کے خلاف ہے۔ اسکے بعد فرمایا — جب ایسا کہا تو اب بات کچھ سمجھ میں آئی۔

تحقیق : میں نے یہ کہا تھا کہ آپس کی عداوت اور پرغاش کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ اسکے متعلق شرعی حکم جو بیان کیا جاتا ہے نفس اس سے گریز کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہم دوسرے کی خرابی کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اپنا حکم نہیں بیان کرتا ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہوں یہ نہ سمجھو کہ میں انکی (یعنی میری) بات نہیں مانتا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مان رہے ہو۔ یہ میرے ماننے میں نقصان نہیں ہے بلکہ عین ایمان بالرسول میں نقصان ہے اور اسکو بقسم کہہ سکتا ہوں بلکہ قسم کے ساتھ کہتا ہوں۔ اندازہ ہوتا تھا کہ شاید سمجھ گئے۔

حال : ہم لوگوں کا حال ہو کہ بجائے اسکے کہ حضرت والا سے تربیت حاصل کریں اور نفس کے کید سے خلاصی حاصل کریں۔ باہمی عداوت اور شقاق کو ترک کریں چاہے اپنا کچھ مالی نقصان ہی ہو جائے یا کچھ ہیپی ہو جائے کیونکہ ایسا کرنے میں ہمارے دنیا بھی خوش گوار ہوتی ہے اور دین بھی بنتا ہے مگر ہم اپنی نفس پروری سے چاہتے ہیں کہ حضرت والا کو اپنے موافق کر لیں۔

تحقیق : اور کیا !

حال : جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی جگہ پر جہاں ہم ہیں حضرت والا کو لانا چاہتے ہیں۔ تحقیق : ہاں بھائی یہی چاہتے ہیں۔

حال : یہ کتنے غضب کی بات ہے کہ دیانت والا جو دنیا کو اتباع سنت کی اور ترک کئی کی تسلیم دے اسکو ہم اپنی جہالت سے یا جان بوجھ کر اتباع ہوی اور

بددینی میں شریک کرنے کی جرأت کریں۔

تحقیق : دیکھئے کہاں تک فساد پہنچا ہوا ہے۔
 حال : یہ عقیدت کی کتنی بڑی خرابی ہے کہ شیخ سے ایسی توقع رکھی جائے۔
 انشاء اللہ والیہ راجعون۔ اعاذنا اللہ عنہ۔ اور اس فساد کی جڑ دراصل ایمان کا نقص ہے۔ تحقیق : ضرور۔

حال : کیونکہ بار بار صریح حدیث سننے کے باوجود مخالفت کیجائے اور عمل سے روگردانی ہی رہے اور نفس حدیث رسول کی طرف نہ آنے دے تو اسکا نشانہ عظمت رسول کی کمی ہے۔ چنانچہ حضرت والا کا قسم کھا کر اس مرض پر آگاہ فرماتا اسی بناء پر ہے اور عین شفقت ہے۔ واقعی جو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اپنا گھر فاسد کر کے اب ہمارا گھر فاسد کرنا چاہتے ہیں بالکل صحیح ہے۔
 تحقیق : ہاں بالکل صحیح ہے۔

حال : اور اب یہ ارشاد گرامی خوب سمجھ میں آرہا ہے۔ جب ہم نفس کے اتنے پابند ہیں تو ایسی صورت میں واقعی مجلس سے بھی صبر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ مجلس ہے اخلاص اور صدق اور اتباع سنت اور تنویر قلوب کی۔ وہاں ایسی ظلمت کو داخل کرنا بہت بڑی بددینی اور سوادہ فی ہے۔
 تحقیق : یہ تو ہے ہی علاوہ اسکے ان کے لئے یہ مجلس مضر ہے کہ انکا نفاق بڑھتا ہی جائے گا۔

حال : جب تک ہم اپنے کو آمادہ عمل ظاہر و باطن صدق دل سے نہ کر لیں اس مجلس میں شرکت مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ایسے مواقع پر نفس کی پیروی سے محفوظ رہیں۔ تحقیق : آمین۔ ثم آمین۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس نے خاں صاحب مرحوم کے واسطے سے ایک بات کہلائی اس سے استنباط کر کے خاں صاحب نے اپنی کیسی تفریع فرمائی اور بانداز نصیحت بیان کر کے حضرت سے اپنی کیسی تحسینی کلمات

جواب میں حاصل گئے۔ آدمی جب فہیم ہوتا ہے تو اسی طرح سے اشارہ سے
نشار کو سمجھ کر خوب خوب باتیں دوسروں سے کہہ لیتا ہے اور بات اسکو سمجھا دیتا
ہے اب ظاہر بات ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح سے دوسروں کے امراض
سے اسکو نفرت دلائے گا اور نصیحت کرے گا تو اپنے کو کٹھن وہ بھول سکتا ہے
اسکا ضمیر خود اس پر نکیر کرے گا کہ دوسروں کو تو کہتے ہو اپنے کو بھلی تو دیکھو! اس طرح
سے واسطہ بننا خود اس کے لئے بھی مفید ہو جاتا تھا

حضرت اقدس سے تعلق کے بعد اس میں شک نہیں کہ خود خانضاح صاحب مرحوم
کے حالات بھی بہت بدلے چنانچہ کچھ باطنی ذکر و شغل کی جانب بھی توجہ ہو گئی اپنے
ایک خط میں حضرت کو لکھتے ہیں کہ :-

حال : اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور آنجناب کی توجہ عالیہ کی برکت سے
اخیر شب میں تہجد اور ذکر بارہ تسبیح حسب معمول برابر ادا ہو رہے ہیں۔ ذکر و نماز
میں توجہ رہتی ہے کہ دل بھی شریک رہے صرف ذکر زبانی نہ ہو اور حالت ذکر
میں بھی غفلت نہ رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی حد تک اس کا میاابی ہوئی ہے۔
تحقیق : الحمد للہ۔

حال : چلتے پھرتے اور خالی اوقات میں ذکر اسم ذات (یعنی اللہ اللہ) جاری
رکھتا ہوں۔ تحقیق : خوب۔

حال : پرسوں کے بارے میں جو آنجناب نے ارشاد فرمایا ہے اسکی وجہ سے اور
توجہ رکھتا ہوں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ رہے۔ جناب والا کی شفقت اور
توجہ خصوصی کا بدلہ ممنون ہوں۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : ارشادات عالیہ سے جیسا کچھ نفع ہو رہا ہے وہ دل ہی جانتا ہے۔ اپنی طلب
کو دیکھتا ہوں تو مآثر ناقص اور جناب کی توجہات اس احقر پر کامل۔ انشاء اللہ
جناب والا کے کرم اور توجہات سے کچھ احقر کو بھی مل جائے گا۔

شعاع ہر خود بتیاب ہے جذب محبت سے حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پرواز شبنم کی

تحقیق: بیشک

حال: دعار اور توجہ کا خواستگار ہوں۔ تحقیق: دعار بھی کرتا ہوں اور توجہ بھی۔
 ملاحظہ فرمایا آپ نے انسان جب یکنوی کے ساتھ کام پر لگے اور شرائط طریقین
 پوری کرے تو نفع کیوں نہ ہو۔ ماشاء اللہ خانصاحب کی مذکورہ بالا تحریر کا اندازہ ہوتا ہے کہ
 کام پر لگے ہوئے تھے۔

حضرت اقدس کے الہ آباد مستقل طور پر تشریف آوری سے پہلے ہی خانصاحب مرحوم
 حضرت سے متعلق ہو چکے تھے اس درمیان میں جب حضرت اقدس عارضی طور پر الہ آباد
 تشریف لائے تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاگڈھلی مدظلہ بھی جناب نجم حسن صاحب
 وکیل پرتاگڈھلی مجاز صحبت حضرت حکیم الامتہ کی معیت میں حضرت سے ملنے تشریف
 لائے اور چند مجلسوں میں شرکت فرمائی جس سے باہم دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے
 کو دیکھنے کا موقع ملا۔ چنانچہ حضرت مصلح الامتہ کی باوقار مجلس اور شان اصلاح سے مولانا
 پرتاگڈھلی مدظلہ بھی بہت مسرور ہوئے اور اسی موقع پر حضرت والا کے پیر بھائی اور
 اور مولانا پرتاگڈھلی کے رفیق عتیق حضرت نجم حسن صاحب احسن نے یہ قطعہ بھی حضرت
 کی شان میں سرمایا تھا۔

دیکھ دیوانے، دیکھ اے احسن یہ بھی گلشن ہے اثر فی گلشن
 مجلس حضرت وصی اللہ ہے نمود بہار تھانہ بھون
 اور حضرت مصلح الامتہ کو بھی مولانا پرتاگڈھلی کا عارفانہ سکوت و خاموشی اور تواضع بہت
 پسند ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس اطراف میں اہل حق میں سے خانقاہی انداز پر مولانا ہی
 کچھ کام کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب کے بعد اب کبھی کبھی مولانا ہی
 تشریف لاتے ہیں اور چندے قیام کر کے پھر پرتاگڈھلی تشریف لے جاتے ہیں۔
 جانبین کے اس تعارف کا اثر یہ ہوا کہ مولانا پرتاگڈھلی چونکہ خانصاحب مرحوم
 کے بڑے بھائی صابر حسین صاحب مرحوم کے مکان صابری منزل ہی میں آکر ٹھہرتے
 وہیں مولانا کی نشست ہوتی تھی خانصاحب مرحوم بھی اکثر اس میں شریک ہوتے

اور حضرت مصلح الائمہ کا تذکرہ ہوتا رہتا۔ کبھی مولانا پرتاگڈھی خان صاحب کے توسط سے حضرت مولانا کو سلام وغیرہ کہلاتے۔ حضرت مصلح الائمہ بھی اپنی غایت تواضع کی بنا پر اور قلب میں مشائخ کا ہر درجہ تادب ہونے کی وجہ سے اسی انداز میں اسکا جواب عنایت فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خان صاحب مرحوم نے حضرت اقدس کو لکھا کہ:-

ہال: (مولانا پرتاگڈھی مدظلہ) جناب والا کا ذکر بہت محبت اور عقیدت کے ساتھ فرماتے ہیں اور اعلیٰ حضرت حضرت تھانوی کا تو اس کثرت کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سے والہانہ تعلق ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا (رشید احمد) گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (نالوتوی) کا ذکر بہت فرماتے رہتے ہیں۔ اس کے سوا حضرت مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الحد) قدس سرہ کے اس قصیدہ کا ذکر آگیا جو آپ نے ان دونوں حضرات کی (یعنی حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب) کی شان میں کہا ہے۔ ایک: ان ایک صاحب وہ قصیدہ لے آئے اسکے اشعار پڑھے گئے۔ مولانا مدظلہ (پرتاگڈھی) پر زیادہ اثر ہوا (مولانا چونکہ خود بھی ذوق شاعری کے ساتھ متصف ہیں اسی بحسب خود) مولانا نے بھی چند اشعار کہے وہ خوشنودی خاطر عالی کی غرض سے ارسال خدمت اقدس کر رہا ہوں امید کہ جناب والا محفوظ و مسرور ہوں گے (اشعار خط علیحدہ کاغذ پر تھے)۔ تحقیق: اولیاء اللہ کی مح سے کون مسرور نہ ہوگا۔ وہ اشعار رکھ لئے۔

ہال: مولانا (پرتاگڈھی) صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ بعد برسات انشاء اللہ تعالیٰ احقر کو ہراد لیکر جناب والا کی ملاقات کو خدمت عالی میں تشریف لائیں گے۔

تحقیق: بھائی میں اس قابل کہاں ہوں میں تو اگر سفر بند کئے نہ ہوتا تو ضرور مولانا محمد احمد صاحب کیندست میں خود حاضر ہوا کرتا اور ان سے فائدہ حاصل کرتا مگر اب تو یہ مصلحت سفر ترک کر دیا ہے مگر مولانا کو یہاں بلانے کی جرات میرے حوصلہ اور ہمت سے بالاتر ہے اسکی تاب نہیں انکا ادب و احترام دل میں ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہے کہ حضرت اقدس کے قلب مبارک میں مشائخ کا ادب اور بزرگوں کی عظمت راسخ تھی اسلئے جن حضرات کے بارے میں حضرت کو

یہ علم ہو جاتا تھا کہ کسی سلسلہ سے تعلق ہے اور کسی کی جانب صاحبِ جازت بھی ہیں تو ایسے حضرات سے خود ہی اپنے لئے وعار وغیرہ کے لئے فرما دیتے تھے چنانچہ حضرت مولانا پرتاب گدھی مدظلہ کا یہ معاملہ بھی اسی نوع کا تھا کہ وہ خود مستقل شیخ تھے صاحبِ سلسلہ بزرگ سے تعلق تھا اور دین کا کام بھی ان سے ہو رہا تھا اسلئے حضرت مصلحِ الامۃ؎ چاہتے تھے کہ لوگ کام کریں اس زمانہ میں اسکی زیادہ ضرورت ہے۔ اور جس طرح سے یکوئی کے ساتھ سفر وغیرہ ترک کر کے خود اپنے لئے کام کو پسند فرمایا تھا یہی دوسروں کے لئے بھی پسند فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک صاحب نے اسی طرح سے (حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سے) حضرت اقدس کی شانِ اصلاح کا تذکرہ کر کے انکو آمادہ کیا کہ وہ حضرت سے ملاقات کریں انکو بھی حضرت نے اسی نوع کا جواب تحریر فرمایا۔ ان صاحب نے حضرت کو لکھا تھا کہ :-

" فلاں مولانا صاحب (یعنی قاری محمد طیب صاحبؒ) تشریف لائے تھے عاصی کے یہاں قیام کیا انکی فاطمہ دارات میں کمی نہ ہوئی۔ حضرت والا کے پربراہ میں روشنی ڈالتا رہا میں نے یہ بھی سنایا کہ سہ مجلس حضرت وصی اللہؒ سے نمود بہار تھانہ بھون — چونکہ مولانا صاحب —۔۔۔ کی معیت میں حضرت مولانا تھانہ نوئیؒ کی مجلس میں بھی شرکت کر چکا تھا اسلئے بہت آسانی ہوئی وہ حضرت سے اپنی ملاقات کی مدت (اب سے) چالیس سال قبل کی (بتلاتے تھے)۔ حالات والا سکر فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندے سے اپنا کام لے لیں۔ اب وہ حضرت والا کے خود مشتاق ہیں۔ اور استفادہ کے لئے تیار ہیں۔

تحقیق :- (حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ) تو یہ تو بہ یہ انکی بزرگی (اور تواضع) ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے حضرت اقدس کے اس ارشاد میں کہ "تو بہ تو بہ یہ انکی بزرگی ہے" — اور اس میں کہ "بھائی میں اس قابل کہاں ہوں؟ کیا فرق ہے۔ بات وہی ہے کہ حضرت کے مزاج میں تواضع کا غلبہ تھا، بزرگوں کا اور مشائخ کا احترام و ادب باکhusus انکے سلسلہ کی وجہ سے بہت فرماتے تھے۔ (باقی آئندہ)

باقی خانصاحب مرحوم چونکہ حضرتؒ کے پر بھائی تھے اسلئے ان سے تو مولانا پرتابگدھی کی تشریف آوری ہی کے متعلق گفتگو پر کفایت کی — اور دوسرے صاحب سے چونکہ حضرت کا قدیمی تعلق تھا ان کو حضرت قاری صاحب کے اشتیاق ملاقات اور استفادہ کے جواب کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا کہ :-

”آپ نے لکھا ہے کہ فلاں صاحب استفادہ کے لئے تیار ہیں اسکے متعلق کہتا ہوں کہ فلاں صاحب فوجیر بڑے لوگ ہیں وہ مجھ سے کیا استفادہ کر سکتے ہیں مجھ ہی کو استفادہ کرنا چاہیے۔ البتہ اگر آپ خود اپنے استفادہ کی فکر کریں گے تو وہ آپ کے لئے بھی نافع ہے اور میرے لئے بھی مفید ہے باقی کسی دوسرے کے استفادہ سے آپ کو تو نفع ہوگا نہیں اسلئے آپ پہلے خود ہی توجہ فرمائیے اپنی تکمیل کی طرف۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اقدسؒ کسی کے خود اظہار مدعا کا دوسرا اثر لیتے تھے اور واسطے کے ساتھ کیسی درخواست کا حضرت کے یہاں وہ درجہ نہیں ہوتا تھا۔

خاں صاحب مرحوم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ایک علم سے ہمیں بھی نوازا کسی صاحب کا مقولہ خانصاحب نے ہمارے اقدس سے نقل کر دیا کہ ایک صاحب کہتے تھے کہ حضرت مولانا کا تھانویؒ کی جو اس قدر شہرت تھی تو وہ کچھ اسوجہ سے نہ تھی کہ مولانا کسی بڑی باطنی نسبت کے حامل تھے، یہ نہیں بلکہ حضرت مولانا کا تھانویؒ عالم زبردست تھے کہ اپنے وقت میں انکا کوئی ثانی نہیں تھا یہی سبب انکی زیادہ شہرت کا بنا۔

حضرت مصلح الامتؒ نے راقم ہی کے واسطے سے خانصاحب کے پاس کہلایا کہ جس طرح سے انکی بات آپ نے مجھ سے نقل کیا ہے اگر کوئی موقع ملجائے تو آپ ان صاحب تک میری یہ بات بھی پہنچا دیجئے گا کہ :-

”آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت مولانا بڑے زبردست عالم اور بڑے زبردست صاحب نسبت تھے اور اپنے سینہ میں اتنا اتنا نور (دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے فرمایا) رکھتے تھے۔ یہ حضرت کا انتہائی فلوں تھا کہ اپنی اس باطنی نسبت کو علم کے پردہ میں مخلوق سے چھپالے گئے اور ساری عمر خود کو ایک طالب علم ہی فرماتے رہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو رفعت اور شہرت بخشے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹
پروفیسر سید محمد احمد صاحب: آپ رہنے والے تو الہ آباد ہی کے ہیں لیکن ملازمت کا زیادہ حصہ باہر گزرا آخر آخر میں لکھنؤ کے کسی کالج میں پڑھاتے تھے اور وہیں سے پنشن ہو گئی۔ آپ سے راقم کی ملاقات یعنی دید و شنید تو عرصہ سے تھی دیکھتا تھا کہ حضرت اقدسؒ کے یہاں تشریف لاتے تو حضرت بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ ان سے گفتگو فرماتے حالانکہ ظاہری حال ان محترم کا اس وقت کچھ ایسا نہ تھا جس سے ان کے جذبات دروں کا اندازہ کیا جاسکتا تھا ہم حضرت اقدسؒ کی قدر افزائی سے ہم لوگ بھی متاثر ہوتے، آہستہ آہستہ ان کے خطوط بھی حضرت والا بھی بھی سناتے اور نقل کرنے کے لئے ہملوگوں کو مرحمت فرماتے تو ان کے محبت اور عقیدت بھرے الفاظ سنے ہم لوگوں کو بھی متاثر کیا اور قلب نے اعتراف کیا کہ کالج کے ماحول میں ظاہر گو درست نہیں ہو سکتا تھا ہم باطن اس بندہ خدا کا بڑا ہی پاک و صاف اور شفاف ہے اسکے بعد سے پروفیسر صاحب کا احترام اور انکی عظمت قلب میں قائم ہو گئی اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انسان کا کلام اسکے قلب کی ترجمانی کرتا ہے آپ بھی ان کے خطوط ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے قلبی حالات کو حضرت مصلح الائمہؒ نے پہلی ہی بار میں محسوس فرمایا جو دوسروں کے سامنے عرصہ دراز کے بعد ظاہر ہوا یعنی پنشن کے بعد پھر جو پروفیسر صاحب سے ملاقات ہوئی تو اول

وہ میں پہچانا دشوار تھا، اشارہ چہرے پر مشترک وارٹھی نظر آئی اور تواضع اور مسکنت افعال میں نمایاں تھے۔ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے بخشی بازار کی مسجد کے لئے زمین وغیرہ خریدی جا رہی تھی پروفیسر صاحب موصوف نے بھی اس میں بڑے ہی خلوص کے ساتھ حصہ لیا۔

آپ کا حضرت اقدسؒ سے ابتدائی تعلق کہاں اور کس طرح ہوا یہ تو نہ معلوم ہو سکتا تاہم آپ کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اقدس جب گورکھپور میں تھے اس وقت اپنے کسی دوست کے ہمراہ حضرت سے ملے اور پھر تو حضرت ہی کے ہو گئے۔ زمانہ ۱۳۶۷ھ یا ۱۳۷۰ھ کا رہا ہوگا اس وقت آپ کا ایک لفظ حضرت والا کے پاس آیا۔ وہ ہوندا۔

حال : میں اپنی کوتاہ قلمی کامترفت اور معذرت خواہ ہوں مجھے ندامت ہے کہ میں اپنی اس بیجا تاخیر کے لئے عذر تو کیا عذر لنگ بکلی نہیں کر سکتا آپ کو یاد کرنے کا خیال مہینوں سے ہے لیکن ایک لمحہ اطمینان کے انتظار میں معاملہ ٹلتا گیا حالانکہ اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ شے جو اس دنیا سے دنی میں عنقا ہے اسکی امید مہوم میں حصول فیض کو مہینوں کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔

تحقیق : آپ کی یاد آوری کا ممنون ہوا۔ محبت اصل دل سے ہوا کرتی ہے جب دل میں یاد ہے محبت ہے اسی نے آپ کو عریضہ لکھنے پر مجبور کیا۔

حال : میں نے لفاظی پر پتہ کھل کر کھدیا تھا کہ پرسوں میرے کرم فرما اور آپ کے خادم مکرمی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب گورکھپور میں میرے رفیق کار تھے الہ آباد تشریف لائے ان سے میں نے آپکی خیریت دریافت کی انھوں نے سارے واقعات تفصیل سے بتائے افسوس بھی ہوا اور تکلیف بھی کہ مسلمانوں کی آنکھیں اب بھی بند ہیں اور وہ ہواد ہوس کا اس درجہ بندہ ہو گیا ہے کہ اس نے اپنے

مالک حقیقی کی بندگی کو پس پشت ڈال دیا ہے

تحقیق : انکی بند ہیں الحمد للہ آپ کی کھلی ہیں۔ اور بھی آپ جیسے لوگ ہوں گے

جسکی آنکھیں کھلی ہیں میرے لئے کافی ہے غم نہ فرمائیے۔

حال : میں اسے اپنی قوم یا مخصوص ساکنان گورکھپور کی حراماں نصیبی پر محمول کرتا ہوں کہ وہ جو فیض و برکت حاصل کر رہے تھے اس سے خود کو محروم کر لیا، یہی تو اپنے پیروں پر کھٹاڑی مارتا ہے۔ انسان کو اللہ پاک نے آنکھیں دیکھنے کو دی ہیں اور عقل سلیم حق و باطل کے امتیاز کے لئے و ولایت فرمائی ہے لیکن یہ

گر نہ بیند بروز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

(اگر دن میں چمکا در کو کچھ نظر نہ آئے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے) ان لوگوں نے آپ کے خلاف جو یہ رویہ اختیار کیا ہے اس سے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے اس وجہ سے کہ میں بھی اسی قوم سے متعلق ہوں جس سے یہ تعلق رکھتے ہیں۔ ستر آن پاک کی کھلی ہوئی آیت ہر کہ تم نے کچھ لوگوں کی آنکھوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اور دل پر مہر لگا رکھی ہے سورج کی روشنی سے اگر کوئی منکر ہو جائے تو اسکا کیا علاج؟ یہ زوال آمادہ قوم نائب رسول کا مرتبہ نہیں جانتی۔ آنکھوں سے دیکھنا اور عقل سلیم سے پرکھنا یہ اصول ہونا چاہیے۔ تحقیق : بیشک۔

حال : تہی دستاں قسمت را چہ سودا زہر کمال کہ خضر آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
(جو لوگ قسمت کے ازلی محروم ہیں ان کو کسی زہر کمال سے کیا فائدہ؟ دیکھو خضر جسے زہر بھی چشمہ آب حیواں سے سکندر کو پیاسا ہی واپس لائے)

ادھر عرصہ سے آپ کو یاد نہ کرنے کا انجام یہ ہوا کہ دل نہ جانے کیوں پر آگندہ سا رہا اور ایک بے اطمینانی کی لہر کا رہا رہی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ چونکہ فیض و برکت کا یہ سلسلہ میں نے اپنی تباہی اور نا سمجھی سے خود منقطع کر رکھا ہے اسلئے پریشانی اور انتشار سے نجات نہیں ملتی۔ دل آپ کی یاد سے برابر لبریز ہے اور جدائی ناقابل برداشت ہو رہی ہے فی الحال مصمم ارادہ ہے کہ دسہرہ کی تعطیل میں حاضر قدس ہوں اور شرف ملاقات حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائیں۔ اور آپ بھی دعا فرمائیے کہ میری تمنا پوری ہو۔ تحقیق : آمین

جناب پروفیسر سید محمد احمد صاحب کا دوسرا عریضہ ملاحظہ فرمائیے
خط ذرا طویل ہے لیکن حضرت اقدسؒ نے اسکا جواب بھی اسقدر مفصل مرحمت فرمایا ہے
انہوں نے لکھا کہ :-

حالا : آج ہی نوازش نامہ نے ثمرت بخشا اور سکون کی متاع کم شدہ
واپس ملی الحمد للہ علی احسانہ آپکی خیر و عافیت معلوم کر کے بحید مسرت ہوئی اور اطمینان ہوا
میں آپکی نوازش دکریم اور بے پایاں محبت کے لئے ہمہ تن سپاس ہوں یہ آپکی انست
شرافت اور اللہ پاک کا کرم ہے کہ آپ مجھ پر اس درجہ مہربان ہیں اپنی سیاہ کاریوں
کا جائزہ لیتا ہوں اور پھر آپکی توبہ پر غور کرتا ہوں تو عقل کام نہیں کرتی۔ یہ بھی خداوند کریم
کا فضل ہے۔ میں اکثر تنہائی اور فرصت کے لمحات میں توبہ واستغفار کرتا ہوں اپنی
بد اعمالیوں کا مالک حقیقی کے سامنے اعتراف کرتا ہوں اور احساس ندامت و پشیمانی
سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ اسی سے توفیق عمل خیر جاتا ہوں لیکن دل کا شیطان
ہے کہ دوسرے لمحہ و غلا کر دعوت گناہ دیتا ہے کشمکش کی جو حالت ہوتی ہے
اسے کیا عرض کروں خیر و شر میں تصادم ہوتا ہے اور میں اللہ پاک سے پناہ
چاہنے لگتا ہوں۔ خیالات پریشاں کا سلسلہ گھنٹوں قائم رہتا ہے اور اکثر خیالی
پلاؤ پکایا کرتا ہوں بظاہر مایوسی کے بادل چھا جاتے ہیں لیکن فوراً خیال آتا ہے کہ
مومن کی شان مایوس ہونا نہیں اور پھر امید کرم الہی سے باغ باغ ہو جاتا ہوں
اور دعار مانگنے لگتا ہوں کہ یا اللہ! میرا خاتمہ بخیر ہوا اور میری عاقبت نیک ہو
یہ دعار اکثر لبوں پر رہتی ہے ۵

یارب از جنس ما چہ خیر آمد تو کرم کن کہ رب اربابی
غیب دال و لطیف و بیچونی ستر پوش و کریم و توانی

(اے میرے پالنے والے خدا! میری جنس سے بھلا کیا خیر کی امید ہو سکتی ہے آپ ہی کرم فرمائیں
کہ آپ رب ارباب ہیں۔ غیب کے جاننے والے ہیں۔ مہربان ہیں اور بے مثل و بے مثال
ہیں۔ گناہوں کے چھپانے والے ہیں۔ کریم ہیں اور توبہ کے قبول کرنے والے ہیں۔)

حضرت مولانا! میرے ایمان کی سلامتی کے لئے برابر دعا فرماتے رہیے تاکہ میں روز قیامت خالق عالم اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہوں مجھے دنیا کی ناکامیابی قبول ہے لیکن میں عقبیٰ کی دولت کسی بھی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں خدا کرے کہ میری زندگی اللہ کی بندگی کے لئے وقف ہو جائے۔ دنیا بگڑ جائے اسکا غم نہیں یہاں کی مایوسیوں کا بدلہ بھی عقبیٰ ہی میں چاہوں گا۔ میں اکثر غور کرتا ہوں کہ میرا اور آپ کا معاملہ شاگرد اور استاد کا ہے جس طرح مسافر کی رہنمائی کے لئے ایک رہبر کی ضرورت ہوتی ہے بجنہ طریق دین کے راہ گیر کو ایک شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے پھر غلط فہمی کی گنجائش کہاں پیدا ہوتی ہے چونکہ میں خود کارِ معلیٰ انجام دیتا ہوں اسلئے اس مسئلہ کو کچھ نہ کچھ تو سمجھتا ہوں پھر اس طریق کار کے مخالف کا جب نفیاتی تجربہ کرتا ہوں تو کسی نتیجہ پر پہنچنے میں خود کو قاصر پاتا ہوں نہ جانے ذہن کس سمت میں راہ نہائی کرتا ہے آپ سے جو دلی تعلق ہے اسکا بہترین علم اللہ پاک کو ہی وہی دلوں کا حال جانتا میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ یہ تعلق اور استوار ہو جائے صحبتِ مردِ خیر بمشکل میسر آتی ہے اور اگر حاصل ہو جائے تو خداوند کریم کا کرم خاص ہے وہ خود مسکری رہنمائی چاہتا ہے ایسے اسباب و علل پیدا کر دیتا ہے کہ اسکی زندگی سنور جاتی ہے۔

اس قصہ میں بھی لوگ آپکی ذات سے واقف ہیں اور اکثر لوگ آپکا پتہ بھی دریافت کرتے ہیں واقعی آپ دین کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ قابلِ صدرِ شک ہے کاش مجھے بھی اسکا حصہ وافر نہ سہی تو براہِ قلیل ہی بلجائے میں اسے بڑی سعادت سمجھوں گا اللہ پاک کے دین کی تبلیغ ہی مصطفویٰ مشن کا مقصد ہے۔ مگر ۔۔۔۔۔۔ بھائی کا خط آتا ہے تو محبت و خلوص کا مجسمہ سامنے ہو جاتا ہے اور پھر اس لطف میں اضافہ آپ کی گرمی بیان کے ذکر سے ہو جاتا ہے۔ میں کئی بار اسے پڑھتا ہوں۔ رمضان المبارک میں آپ کی

مجلس عام کا ذکر خاص طور پر ہوتا تھا۔ بڑے بھلے اور نیک آدمی ہیں انکا خط آتا ہے تو میں تڑپ جاتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ پرلگ جائیں ان تک اڑ کر پہنچ جاؤں۔

خدا کرے وہاں کے لوگ عقل کئے ناخن لیں اور آپ کے علم و فضل سے فیض حاصل کریں۔ سورج کی روشنی سے جو فیض حاصل کرے وہ حرام نصیب نہیں تو کیا۔

موسم اچھا پانی وافر مٹی بھی زرخیز جس نے اپنا کھیت نہ سنبھا وہ کیسا دمتقان مجھے دعائے خیر سے برابر یاد فرماتے رہیے اور خاص اوقات میں میرا انجام خیر ہو نیکی دعار بارگاہ کبریا میں کرتے رہیے۔ شاید یہ فاسق و فاجر بھی راہ راست پر آجائے۔

تحقیق : الحمد للہ تخریت ہوں آپکا محبت نامہ آیا پڑھکر بہت مسرور ہوا آپ نے جس حب فی اللہ کا اظہار فرمایا ہے اس سے قلب بہت متاثر ہے اللہ تعالیٰ آپکے فہم و علم میں یومافیوما اضافہ فرمائے۔ تنہائی میں توبہ و استغفار اور مالک حقیقی کے سامنے اظہارِ بنداست و پشمانی کی جو توفیق حاصل ہے بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حال میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ یہی خیالِ عمل خیر اور وسوسہ شیطان کی کشمکش اور خیر اور شر کا تصادم جہاد اکبر ہے اللہ تعالیٰ آپ کو نفس پر اور خیر کو شر پر غلبہ عطا فرمائیں۔ خیالِ مایوسی اور اسکے بعد امید کا جو نقشہ کھینچا ہے بالکل صحیح ہے رہا رہی کو یاس پر غالب کرنا چاہیے مومن کو مایوسی سے کیا کام؟ اللہ تعالیٰ آپکے باغِ عمل کو امید کی بارش سے سیراب فرمائے۔ آپ کو یوں بھی یاد رکھتا ہوں پھر ماسٹر صاحب آپ کے مذکر تو یہاں موجود ہی ہیں اور جب آپکا خط آجاتا ہے اس وقت مزید یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ خدا کرے میری زندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے وقف ہو جائے نہایت مبارک تمنا ہے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کر دے اور دین و دنیا کا جو مقابلہ کیا ہے نہایت ہی پاکیزہ جذبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا دونوں میں اعلیٰ کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔

شیخ اور مصلح کی ضرورت اور دینی رہبر کی حیثیت اور اسکی جو مثال آپ نے لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور حقیقت کی ترجمانی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ دلوں کا حال

اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں لیکن محبت ایسی چیز نہیں جو چھپ سکے محبت کا طور ہی جدا ہوتا ہے۔ محبوب پر بھی اسکی محبت اسکے قول و فعل سے ظاہر ہی ہو جاتی ہے۔ آپ کی معرفت سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اسکے فوائد سے آپ کو کبھی بہرہ نہ دے گا۔

یہ لوگوں کا میرے ساتھ من طن ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔
دعا کیجئے کہ مجھ سے کچھ کام ہو جائے آپ بھی کام میں لگئے انشاء اللہ کچھ کام ہوگا
یہاں بھی لوگ سمجھ رہے ہیں اور الحمد للہ متوجہ ہو رہے ہیں درمیان میں جو حالات ہو گئے تھے اب وہ فضا نہیں ہے الحمد للہ نفع دیکھ رہا ہوں آپ کے جملہ مقاصد کیلئے
دل سے دعا کرتا ہوں۔ والسلام۔

تیسرا خط ملاحظہ فرمائیے :-

حال: مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کر دی مرا با جان جاں ہمسرا ز کر دی
آپ کا مکتوب محبت مجھے دسہرہ کی تعطیل میں ملا خدا کا شکر ہے کہ میری تمام
ابھینیں جو شریک حیات کی علالت کے باعث تھیں دور ہو گئیں اور اس سلسلے
میں جو سکون قلب اور اطمینان ذہنی نصیب ہوا وہ آپ کے کرم اور توجہ اور اللہ پاک
کے نوازش خاص کا مرہون منت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں ہر اصول کی پابندی
کر دوں گا۔ اب آپریشن کا خیال بالکل ترک کر دیا گیا ہے حالانکہ عورت ہی آپریشن
کرتی بہر حال اب ہمیں کوئی انتشار نہیں ہے۔ جزاک اللہ۔

گذشتہ سینیور کو بچی تولد ہوئی ہے۔ ذرا بچہ بخیریت میں آپ اگر نام تجویز فرمانے کی
زحمت گوارا فرمائیں تو میں اسے اپنی سعادت یا خوش بختی پر محمول کروں گا۔ خدا کرے
کہ مولود مسعود کو حضرت فاطمہ زہرا کی سیرت غولہ کی شجاعت اور آپ کی بزرگی و شرافت
سے بہرہ وافر ملے۔

(باقی آئندہ)

(حال) میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے دوری کا نتیجہ ہے کہ دل کا شیطان اکثر بے باکی کرتا ہے اور دعوت گناہ دیتا ہے۔ ایک بتدی جب استاد کامل کی رہبری اور فیض سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے گمراہ ہونے اور بھٹکنے کے بڑے امکانات ہوتے ہیں۔ بالکل یہی حال میرا ہے۔ میرا ذہن اکثر تعیش کی دنیا میں مجھے گھمایا کرتا ہے اور جب چونکتا ہوں تو لا حول پڑھ لیتا ہے لیکن کچھ وقت گزرنے پر پھر وہی ذہنی عیاشی ہوتی ہے اور میں ہوتا ہوں اپنا تجزیہ کرتا ہوں تو اپنی حماقت پر افسوس کرتا ہوں لیکن پھر خود پر قابو نہیں پاتا حالانکہ گناہ کی عملی جسارت اپنے میں بالکل مفقود پاتا ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ خیالی دنیا سے کیونکر نجات حاصل کروں؟ اور پھر ایسے عالم میں آپ کی مفارقت شدت سے محسوس کرتا ہوں بیاختہ یہ شعر لوک زبان پر ہوتا ہے۔

مری طرف سے صبا کہیو میرے پوسٹ سے نکل چلی ہے بہت پیرین سے بوتیری
اسکے بعد آپ کے دربار میں حاضری لازمی اور ضروری معلوم ہوتی ہے لیکن حالات
نامساعد اور ناموافق ہیں اسلئے جرات رندانہ کام نہیں کرتی لیکن اپنے رب سے توفیق کا
طالب ہوتا ہوں اور اسکے کرم سے مایوس نہیں ہوتا ۔

نہ ہو نو مید نو مید می زوالِ علم و عرفان ہے ایمہ مرد مومن ہو خدا کے راز دانوں میں
دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ شرف ملاقات کی کوئی سبیل پیدا فرمادیں انھیں تو ہر بات
پر قدرت حاصل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھائی کے خطوط برابر آیا کرتے ہیں اور ان سے
آپ کی خیریت مفصل معلوم ہوتی رہتی ہے کبھی کبھی تو آپ کی گرمی گفتار کا بھی ذکر خیر ہوتا
ہے اور میں تڑپ جاتا ہوں الہ آباد میں بعض حضرات آپ کی خیریت دریافت کیا کرتے
ہیں اور محبت سے کہتے ہیں کہ آپ کو الہ آباد بھی بلوایئے ۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ
سے دعا فرمائیے وہی راہ نکال سکتے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی عدم موجودگی میں
اسکا ذکر خیر اسکی نیکی اور بڑائی کی تین دلیل ہے اور عزت و ذلت تو صرف اللہ پاک
ہی دینے والے ہیں یہ بات تو انسان کی قدرت سے باہر ہے حالانکہ وہ خود کو بھی

عزت و ذلت دینے والا اپنی نادانی سے سمجھنے لگتا ہے۔

قرآن پاک کی تلاوت با ترجمہ ایک عجیب انبساط کا باعث ہے اسکی وسعت اور ہمہ گیری پر غور کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے اور اللہ کی حکمت کا اندازہ ہوتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں جس پر کما حقہ روشنی نہ پڑتی ہو۔ جزئیات سے لیکر بڑے سے بڑے مسائل سب موجود ہیں اور انسان کی غفلت تو دیکھنے کہ یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا واقعی یہ روشن کتاب ہے جو حکمت سے پُر ہے غیر و شر کا تصادم اب بھی جاری ہو میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں لیکن ابھی نفس امارہ پر قابو نہیں پاتا۔ سونے سے قبل دن بھر کے کاموں کا احتساب کرتا ہوں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک بھی نیک کام نہیں کر سکا اور اپنا نامہ اعمال سیاہ سے سیاہ تر ہوتا جا رہا ہے۔ میں اللہ سے کار نیک کی توفیق چاہتا ہوں آپ بھی دعا فرمائیے۔

تحقیق: الحمد للہ بخریت ہوں۔ الحمد للہ کہ خطا آپ کو مل گیا اور اہلیہ کی علالت کے سلسلہ کی تمام الجھنیں آپکی دور ہو گئیں اور سکون قلبی نصیب ہوا۔ اللہم زد و فردیحی کے تولد ہونے کی خبر سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ عمر دراز فرمائے اور اسے دیندار بنائے۔ یحییٰ کا نام خدیجہ رکھئے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ نے نفس کا چور پکڑ لیا، بیشک شیخ سے قرب بہت ساری برائیوں کے لئے دافع ہوتا ہے۔ اب اگر اس سے جسمانی بُعد ہو جائے تو اس کے مکافات کی یہی صورت ہے کہ اس سے رابطہ اور تعلق اسد و دلی سے انسان اس قسم کا رشتہ جوڑ لیتا ہے تو اسکا تعلق گویا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے خود حق تعالیٰ اپنے اس طالب کی حفاظت فرماتے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ نے جن ذہنی خیالات کا اظہار کیا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ قلبی فراغت کا نتیجہ ہے اگر اسکو ذکر میں مشغول کر دیا جائے تو اس قسم کے خیال

دو ساس سے نجات ہو سکتی ہے اور ایک ذکر دوسری ذکر کی جگہ لے سکتا ہے باقی یہاں کی حاضری کی جو ضرورت محسوس فرما رہے ہیں وہ بالکل صحیح احساس ہے اللہ تعالیٰ حالات نامساعد اور ناموافق کو مساعد اور موافق فرما دے اور ملاقات کی غیب سے کوئی سبیل فرما دے

اجاب کی یاد فرمائی کا ممنون ہوں لیکن انکی محبت اور تعلق کچھ میرے وہاں ہی جانے پر تو موقوف نہیں اللہ تعالیٰ ان حضرات کی محبت کو بار آور اور متمم بنا دے قرآن شریف کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے عین ایمان کی بات ہے بیشک آن شریف جیسی چیز کے ہوتے ہوئے پھر گمراہی حیرت اور افسوس کا مقام ہے بلاشبہ یہ حق تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ اور خود ہمارے اپنی بد اخلاقیوں کے ملاحظہ کا آئینہ ہے یہ حدیث قرآن اسے کلام حق شناس رو نمائے رب ناس آمد بہ ناس (اے حق شناس! جانتا ہے تو کہ قرآن کیا چیز ہے؟ یوں سمجھ لے کہ وہ رہنما ہے کار و نما بنکر لوگوں کے پاس آیا ہے) در سخن مخفی منم چوں بوی گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا (اے مخفی میں اپنے کلام میں اس طرح سے موجود ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول میں چھپی ہوتی ہے۔ لہذا جو شخص مجھ کو دیکھنا چاہتا ہو وہ میرے کلام میں مجھ کو دیکھ لے) یہ تصادم تو تمام عمر جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلا دے۔ سوئے وقت کا احتساب بہت خوب ہے اللہ تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے۔ والسلام۔

ایک اور خط میں حضرت کو لکھا کہ :-

حال : الحمد للہ علی احسانہ آپکی یاد برابر آیا کرتی ہے۔ اپنے ایک کرم فرما ہے آپکی علمیت اور بزرگی کے بارے میں اکثر گفتگو ہوا کرتی ہے جو واقعی باعث عظمت ہوتی ہے۔ تحقیق۔ الحمد للہ۔

حال : کالج کی خواتین کو شاید میری طرف سے مایوسی ہوئی ہے انھیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ میں نہ تو دوران تقریر میں انکی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں اور نہ ان سے مخاطب کرتا ہوں، جب کبھی خلوت میں مخصوص طور سے خواتین کے

درس و تدریس کا سوال اٹھا تو میں اسے سن وغیرہ سے ٹال گیا۔ مجھے جو کچھ بتانا ہوتا ہے عام طور سے درجہ ہی میں کہہ دیتا ہوں۔ حضرت والا! اب انہیں کون سمجھائے کہ میں کسی غرور و تمکنت کے باعث ایسا نہیں کرتا بلکہ شریعت کے حکم کی پابندی مجھے مجبور کرتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: یہ مغربی تعلیم و تہذیب اسلامی معاشرت کے لئے کتنی زہر ملاہل ہے اسکا اندازہ یہ عواتین کیا کر پائیں گی جبکہ مردوں کے سمجھ میں یہ بات نہیں آتی جب تک کالج میں رہتا ہوں آنکھوں کا گناہ دعوت نظر دیا کرتا ہے میں تو بہ استغفار کیا کرتا ہوں۔ تحقیق: ضروری ہے۔

حال: دعا فرمائیے کہ خداوند کریم مجھے اس عذاب دنیوی سے نجات دے اور میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: رمضان المبارک کا مہینہ قریب آگیا ہے۔ گزشتہ سال میں نے وہ کیفیت مستی حضرت والا کی دیکھی ہے جو باعث رنک و مسرت انسانی ہے۔ پھر اس حقیقی سرور سے اہل مجلس بھی کچھ نہ کچھ فیضیاب ضرور ہو جاتے تھے۔ اس سال یہ میری قسمتی ہوگی اگر میں آپ سے دور اور اس سعادت سے محروم رہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں تحقیق آئیں

حال: اصول و قواعد کی پابندی کے سلسلے میں آپ نے جو تقریر فرمائی تھی وہ واقعی بخور تھی میں نے مغربی حکمران کے تو اقوال دیکھے تھے لیکن آپ کی بصیرت افزا تقریر نے میری آنکھیں کھول دیں۔ نماز روزہ حج ان سب میں اصول ہی کی پابندی ہے تبھی ٹھیک اور اول وقت پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں غور کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آج ہماری زندگی میں اصول و ضبط کا نام نہیں مولانا جامی نے ایک روز پٹنہ کے ایک وکیل صاحب اور حضرت مولانا تھانویؒ کی ملاقات کا قصہ سنایا تھا وکیل صاحب کی رائے بالکل درست تھی کہ حضرت تھانویؒ ایک اصول انسان تھے اور ہم بے اصول ٹھیرے اسلئے انکی باتیں نہ تو ہمارے سمجھ میں آئیں گی اور نہ ہمیں خوشگوار محسوس ہونگی۔ تحقیق: بیشک۔

حال : حسب الحکم انشاء اللہ میرے پاسے استقامت کو لغزش نہ ہوگی۔
 اللہ تعالیٰ کا کرم شامل حال رہے اور آپ کی پر خلوص دعائیں میں تو میں انشاء اللہ
 اس طوفان سے بچ جاؤں گا۔
 دیکھانہ آنکھ اٹھا کے کبھی اہل درد نے دنیا گزر گئی غم دنیا لئے ہوئے
 تحقیق : الحمد للہ

حال : آپ کے چند محبت آمیز لفظوں سے بڑا سکون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس
 تعلق قلب کو اور استوار کریں۔ تحقیق : آمین
 ایک خط میں حضرت کو لکھا کہ :-

حال : رمضان المبارک کا مہینہ اب قریب الاختتام ہے۔ آپ کی یاد اس ماہ
 میں اور زیادہ آئی۔ فرصت کے لمحات میں آپ کی مجالس کا تصور رہا۔ لیکن وہ کیف
 و مستی جو خاص طور سے آپ پر اس ماہ میں طاری ہوتی ہے اور جس کا لطف سائین
 محسوس کرتے ہیں میری قسمت میں نہ تھا اسکا افسوس ہے اور یہ تمنا تمنا ہی رہی۔
 تحقیق : آپ کے محبت و تعلق سے سرور ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی کامل محبت اور
 الفت عطا فرمائے۔

مستی کے لئے لپٹے لئے تندہ سے کافی میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے
 حال : نفس مستی دیکھتے ہوش تما دیکھتے سامنے لا کر تجھے اپنا تماشا دیکھتے
 اس طرح کچھ رنگ بھر جاتا نگاہ شوق میں جلوہ خود بتیاب ہو جاتا وہ پردا دیکھتے
 تحقیق : یہ آپ نے دوری جسمانی کی وجہ سے لکھا ہے ورنہ روحانی قرب تو آپ کو ہر وقت
 حاصل ہے۔

حال : اور یہ محض آپ کی نظر کرم کا نتیجہ ہے کہ میری عقل زمان و مکاں کی بھول بھلیاں
 میں پھنس کر نہ رہ گئی۔

صدراں صد مکان اس جہاں آں جہاں تم نہ آ جاتے تو ہم وحشت میں کیا کیا دیکھتے
 تحقیق : اللہ تعالیٰ آخرت کا معاملہ آسان فرمادے۔

حاصل : بہر حال آپکی یاد سے تقویت ملتی رہی اور تصور نے ہم تن نشاط رکھا اور یہ امید بڑی حوصلہ افزا رہی کہ انشاء اللہ جلد آپ کا در اور میرا سر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق قلبی کو اور استوار فرمادیں۔ آمین۔

اس ماہ میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ حدیث برابر یاد آ رہی ہے اور تڑپا رہی ہے کہ جسے دو چیزیں میسر ہو جائیں وہ جنت نہ حاصل کر لے تو وہ بڑا بدلت ہے، بوڑھے والدین اور روزے کا مہینہ اپنے والدین کو یاد کرتا ہوں انکے لئے ایصال ثواب کرتا ہوں لیکن خدمت کی تمنا پوری نہیں ہوتی۔ رہا اپنے روزے تو وہ کریم حقیقی اپنے کرم سے قبول کر لے تو اسکا کرم ہے ورنہ وہ قابل قبول ہیں نہ میں نہ زوار بخشائش۔

اب ہر وقت اپنی موت پر نظر ہے اور اللہ کے حکم کا منتظر ہوں اپنا حساب گندہ ہے بقول سعدیؒ ”گندے کپڑے پتھر پر دھو بیٹھتے ہیں“ میرا بھی یہی حشر ہوگا اگر اسکا دریا لے کرم جوش پر نہ آئے۔ دعا فرمائیں کہ یہ ساری منزلیں اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں۔ شریک حیات اور بچے سلام لکھاتے ہیں اور دعا کے متمنی اور بچی ہیں۔ تحقیق : گھر میں اور بچوں کو سلام کہئے۔ دعا ران کے لئے کرتا ہوں۔

ملاحظہ فرمایا اپنے پروفیسر صاحب موصوف کے خطوط کس قدر عقیدت و محبت سے پڑھیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اسیں آنے اور چلنے کے لئے کچھ مولوی اور عالم ہونا ہی شرط نہیں ہے بلکہ یہ تو اخلاص کا راستہ ہر اللہ تعالیٰ کسی عالم کو اسپر لگا دے تو یہ اسکے لئے سونے پر سہاگے کا کام کر دے گا اور کسی ماسٹر یا پروفیسر کو توفیق بخش دے تو یہ اسکے لئے خدا کی نیک توفیق ہوگی باقی اس دولت کے حصول کا ذریعہ ہے بزرگان دین کی صحبت ہی۔

مشاہدہ ہے کہ کوئی شخص کسی اللہ والے کے یہاں پہنچ گیا ہے تو دنیوی کیسی ہی کشمکش میں نہ گھراؤ اللہ تعالیٰ اسکو سنبھال ہی لیتے ہیں اور بزرگوں کا انکار یا انکی خدمت میں جانے سے عار ہو تو بعض اوقات صرف دینی علم بھی اسکے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ اٹے حجاب ہی ہو جاتا ہے اور اسکو طلب و شہرت وغیرہ کی جانب اکسااتا رہتا ہے بے عنایات حق و فاضل حق گر ملک باشد یہ ہستش ورق

ڈاکٹر حافظ صلاح الدین احمد صاحب صدیقی: آپ قصبہ بھینتری ضلع غازی پور کے رہنے والے ہیں آپ کے والد ماجد جناب داروغہ نجم الدین احمد صاحب صدیقی محکمہ لیس (سی۔ آئی۔ ڈی) میں ملازم تھے حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانویؒ سے بیعت تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے طبیہ کالج الہ آباد سے سند فراغت حاصل کی اور الہ آباد ہی میں مطلب کرتے رہے۔ جن دنوں حضرت اقدس کا قیام گورکھ پور تھا جناب ڈاکٹر صاحب اپنے والد صاحب کے ساتھ حضرت کچھنڈت میں حاضر ہوئے۔ والد صاحب کے تعلق سے حضرت والا تہا تلمظ سے پیش آئے اسی وقت سے آپ کا تعلق حضرت اقدس سے ہو گیا پھر اس کے بعد جب حضرت والا الہ آباد تشریف لائے تو خدمت والا میں ڈاکٹر صاحب کو بھی حاضری کا موقع ملا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب طب یونانی سے بھی واقف تھے اور حضرت اپنے پاس کسی نہ کسی طبیب کو ہر وقت رکھتے ہی تھے چنانچہ فقیہ میں مولوی حکیم بشیر الدین صاحب اور مولوی نثار احمد صاحب ڈاکٹر صاحب سے اور گورکھ پور میں حکیم ابوالکلام صاحب اور حکیم وصی الدین صاحب نے اس خدمت کو انجام دیا بالآخر الہ آباد میں یہی منصب ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کو ملا ان کا مکان حضرت والا کے دولت خانہ سے قریب تھا اسلئے جس وقت ضرورت ہوتی طلب فرما لیتے اور اس کے علاوہ صبح و شام کی تفریح میں رکشہ میں اپنے ہمراہ ڈاکٹر صاحب ہی کو اکثر لیجاتے۔ حضرت والا کو نزلہ و زکام اکثر رہتا تھا اسلئے جب ذرا چھینک آئی یا نازک سے ریزش شروع ہوتی فوراً ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ مجھے کچھ پلا دو وہ فوراً کوئی دوا پیش کرتے اور حضرت والا نوش فرما لیتے اسی سلسلہ سے حضرت والا کے ہمراہ "سفر علی گڑھ" میں بھی ڈاکٹر صاحب موصوف رہے اور روزنامہ ترتیب دیتے رہے "سفرنامہ علی گڑھ" کے نام سے ایک کتابچہ تحریر فرمایا ہمیں راستے کے حالات اور خود علی گڑھ میں روسا کی ملاقات اور ان کے تاثرات کا ذکر ہے۔

حضرت اقدسؒ کی حیات ہی میں خانقاہ محلہ بخشی بازار سے جانب جنوب تقریباً ایک میل کے فاصلے پر "وصی آباد" کے نام سے ایک مختصر سی کالونی بنانے کی تجویز

پیش کی حضرت والا نے ہم چند ہدام کیلئے بھی اپنے صوفیہ سے وہاں زمین خرید فرمادی چنانچہ
یہ ایک کامیاب ہوئی اور اب وہاں لوگوں کے مکانات بن گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی
ایک بڑا پلاٹ حاصل کیا اور اس پر مکان تعمیر کر کے اب وہیں منتقل ہو گئے ہیں اور وہیں مطب
بھی فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ہی کی تحریک پر وہی آباد میں ایک مسجد تعمیر ہو چکی ہے جس کے
سبب الحمد للہ وہاں کے مسلمانوں کے لئے نماز باجماعت کا انتظام ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ
ان سب لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی مساعی اس سلسلہ میں کار فرما ہیں لیکن
مدرسہ وصیۃ العلوم اور حضرت اقدس کی خانقاہ بدستور اپنی جگہ محلہ نجفی بازار ہی میں
قائم ہے۔

مولوی عبد المجید صاحب مالک اسرار کریم پریس الہ آباد :- آپ الہ آباد ہی کے رہنے والے ہیں یہاں
کا مشہور پریس اسرار کریم آپ ہی کے زیر انتظام چل رہا ہے آپ کے سب سے بڑے بھائی حاجی عبد الحکیم صاحب
مرحوم کا تعلق حضرت اقدس سے پہلے ہوا چنانچہ تال زہا فقیر کا بھی سفر کیا لیکن حضرت والا کے الہ آباد شریف
لانے پر چاروں بھائیوں کا تعلق حضرت سے ہو گیا یعنی عبد الحمید صاحب عبد الوحید صاحب کا بھی تاہم سب سے
زیادہ قریبان میں سے مولوی عبد الحمید صاحب ہی ہوئے تقریباً روزانہ آمد و رفت رکھی اور صبح کی تفریح
میں اکثر ہمراہ جاتے اور حالات میں بھی تبدیلی کی ظاہری شکل صورت وضع قطع ماٹھارا لٹھ بالکل مولویانہ تھی
اسلئے حضرت والا انھیں مولوی عبد الحمید کہہ کر پکارتے تھے پھر ہم سب لوگ بھی مولوی صاحب مولوی صاحب
کہنے لگے جو کہ انکی دینداری کی وجہ سے بھلا و نہ تھے مولوی صاحب ایک انگریزی دان شخص مگر ایسے کہ بقول
حضرت والا اگر تم تو مولوی عبد الحمید بالکل شیخ المشائخ معلوم ہوتے ہو۔ بھائی صاحب حاجی عبد الحکیم صاحب مرحوم
کے انتقال کے بعد پریس کا نظم و نسق بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہو گیا لیکن بایں مشغولی بھی خانقاہ کے تعلق
کو ختم کیا معنی کم بھی نہ ہونے دیا۔ حضرت والا نے کچھ بد نظمی ملاحظہ فرما کر رسالہ معرفت حق کا نظم بھی آپ کے حوالہ
فرما دیا تھا اور بلاشبہ یہ حضرت اقدس کی مردم شناسی تھی کہ آج بھی رسالہ پہلے معرفت حق کے نام سے پھر
وصیۃ العرفان کے نام سے جاری ہے اور اس میں شک نہیں کہ اسکی طاعت میں مولوی عبد الحمید صاحب کی
سعی و توجہ کو خاصا دخل ہو ہم سب متعلقین و متبیین حضرت اقدس کی جانب سے مولوی صاحب شکوہ کے مستحق ہیں کہ انکی
وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح الامتہ کے فیوض کے جاری اور باقی رہنے کا بند و بست فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزا فرمائے

جناب کمشنر سید حسین صاحب الہ آبادی : آپ بھی الہ آباد کے رہنے والے ہیں راقم سے ملاقات اس وقت سے ہے جب آپ گورنمنٹ کالج الہ آباد میں زیر تعلیم تھے اور حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب کینڈمت میں حاضر ہوتے تھے انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینداری اور صلاح اسی وقت آپ میں نمایاں تھی۔ حضرت مولانا الہ آبادی آپ سے بہت محبت فرماتے تھے اور غالباً حضرت ہی واسطہ بنے کہ آپ کا عقد حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی صاحبزادی سے ہو گیا اولاد بھی سید کی اور داماد بھی سید کے اس دھڑے تعلق نے آپ کو بزرگوں کی نظروں میں محبوب بنا دیا تھا چنانچہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی کے وصال کے بعد جب سید صاحب کا تعلق ہمارے حضرت مصلح الامت سے ہوا تو مولانا سید سلیمان ندوی صاحب سے تعلق کی بنا پر حضرت بھی سید صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے اور سید ہونے کے ناطے انکی تعظیم بھی فرماتے تھے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ سید صاحب تشریف لائے تو واپسی پر اسٹیشن تک حضرت بھی پہنچا نے تشریف لے گئے یہ سب اسی نسبت کی شرف کیوجہ سے تھا جو نسبى طور سے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ حاصل تھی پھر دنیوی بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود دین کا لحاظ و خیال اور اہل دین کی وضع و قطع رکھنا انکی قلبی سعادت کی غماز تھی۔ حضرت مصلح الامت کی جانب سے آپ مجاز صحبت بھی تھے پنشن کے بعد الہ آباد ہی میں رہنے کا ارادہ کیا لیکن کچھ نظم درست نہ ہو سکا بچے علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے اسلئے علی گڑھ کو اپنا مستقل مستقر بنالیا۔ لکھنؤ کے قیام کے زمانے میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور مولانا عبدالمجید صاحب دریا آبادی اور حکیم شمس الدین صاحب مرحوم سے بھی آپ کے بہت تعلقا تھے، چنانچہ الہ آباد کی حاضری سے واپسی کے بعد مولانا دریا آبادی نے آپ کی کو یہ خط لکھا تھا کہ :-

”عزیز مکرم سلمہ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - مولانا وصی اللہ حفظہ اللہ کے افراط کرم سے شرمسار اور محبوب ہو کر واپس آیا۔ بعد ظہر کی

مجلس میں انھوں نے ایک بات ایسی فرمادی جو دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی فرمایا کہ ایسے علماء رکھی ہیں جو مسائل تفسیر پر تو خوب گفتگو کر لیتے ہیں لیکن تلاوت قرآن سے ان کے دل کو لگاؤ نہیں اسلئے اسکے فوائد و برکات سے محروم رہتے ہیں۔

یہ تو گویا اپنے کشف سے یا فراست سے میرے ہی دل کا چور پکڑ لیا اب آنعزیز اگر میرے اس خط کے حوالہ سے موصوف سے کچھ آداب تلاوت دریافت کر کے مجھے لکھ بھیجیں تو یہ آنعزیز کا بڑا کرم ہوگا۔

دعا گو، دعا خواہ — عبدالمجاہد

نیز جن دنوں جناب سید صاحب چک بندی کے کمشنر ہو کر میرٹھ میں مقیم تھے تو حضرت مصلح الامتؒ کے پاس حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیادی کا ایک خط آیا جس میں حضرت علامہ نے منجملہ اور امور کے ایک بات یہ بھی لکھ دی تھی کہ ”تعجب ہے کہ عرصہ سے آنجناب کی طرف سے نہ کوئی تحریر آئی کہ آنجناب کہاں ہیں اور نہ کوئی مٹھائی یا پھل آیا جسے کھا کر قلبی نور اور دلی انساٹ حاصل ہو“

اس پر حضرت والاؒ نے جناب سید حسین صاحب کو یہ پیغام ارسال فرمایا کہ : —
”آپ وہاں قریب ہیں وہاں میرٹھ سے کچھ عمدہ مٹھائیاں اور دیوبند سے کچھ فرینی لیکر حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں میری طرف سے پیش کر دیجئے اور میرا سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسلام۔
راقم عرض کرتا ہے کہ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ خود دیوبند میں بھی حضرت مصلح الامتؒ کے مخلص خدام ایسے موجود تھے جو بادی اشارہ اس نوع کی خدمت کو اپنے لئے سعادت اور موجب فخر سمجھتے لیکن حضرت اقدس نے کسی مصلحت خاص سے ایک ایسے معمولی سے کام کے لئے جناب سید صاحب موصوف کو واسطہ بنانا تجویز فرمایا غالباً وہ وجہ یہی ہوگی کہ کسی عظیم ذات کے لئے واسطہ بھی عظیم ہی کا اختیار

کیا جاتا ہے تاکہ یہ دال ہو کہ ہمدی کی نظروں میں ہمدی الیہ کی کس قدر عظمت ہے
واللہ تعالیٰ اعلم۔ چنانچہ حضرت علامہ کو بھی اس پر تردد ہوا جسکو سید صاحب نے اولاً
اور پھر حضرت اقدس نے ثانیاً صاف فرما دیا۔ حضرت علامہ بلیاوی کے مکتوب
میں یہ مقام قابل دید ہے (معرفت حق اکتوبر و نومبر ۱۳۷۶ء)۔

اس میں حضرت مصلح اللہ کی اصلاح کے عجیب و غریب نمونے موجود ہیں
اور اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو اس معاملہ میں ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا کہ ہر میر
غریب، جاہل و اہل علم، عوام و خواص کی اصلاح اسی کے شایان شان انداز سے
سے فرماتے تھے اس طرح کہ اسکو پتہ بھی نہ چلتا اور اسکے مرض کی اصلاح ہو جاتی
تھی۔ چنانچہ سید صاحب موصوف کے بھی چند اصلاحی خطوط ملاحظہ فرمائیے ایک
دفعہ حضرت والا کو لکھا کہ :-

حال : آخرت و عمل و صالح و رذائل کی اصلاح کی فکر برابر رکھتا ہوں۔ تحقیق الحمد للہ
حال : توبہ الی اللہ واستحضار حق علی الدوام کے حصول کی ترکیب مختصر اور شافی
اس حقیر خادم کو بتلا دیجئے۔

تحقیق : مختصر بات یہ ہے کہ

غم دین خور کہ غم، غم دین است ہمہ غمہا فسر و ترازیں است
غم دنیا مخور کہ بیہودہ است بیچ کس در جہاں نیا سودہ است
(دین کا غم کرو کہ اصل غم دین کا غم ہے اور دوسرے سب غم اس سے کمتر ہیں۔ دنیا کا غم نیکو
کہ بالکل لغویات ہے کیونکہ اس دنیا میں کوئی شخص بھی آسودہ نہیں ہے)
حال : اور دُعا رکھی فرمائیں کہ حضرت کے فیض و برکت سے یہ ناکارہ فائز المرام ہو جائے
تحقیق : دُعا کرتا ہوں۔

ایک اور عریضے میں حضرت اقدس کو تحریر فرمایا کہ :-

حال : حضرت کے یہاں کھوڑا بہت قیام مجھ حقیر و غریب کا رہا لیکن ظرف و استعداد
سے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوا۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : اسکی علامات میں سے ہے کہ سکون قلبی نصیب ہوا ، تعلق مع اللہ میں اضافہ ہوا ، قرآن پاک کے ساتھ محبت اور عظمت میں اضافہ ہوا ، غصہ کے رذیلہ کی حقیقت جیسے پہلے سمجھی نہیں جانی اور سمجھی تھی اس سے زائد سمجھ میں آئی اور عمل یہ ہوا کہ الحمد للہ آج حضرت کے یہاں سے آئے ہوئے نواں دن ہے سوائے الوداع کے دن کے کسی دن غصہ نہیں آیا نہ گھر میں نہ گھر کے باہر حتیٰ کہ قلب تک متغیر نہیں ہوا کلام تک یا کسی فعل شنیعہ تک نوبت آئی تو بہت دور ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ حال : البتہ الوداع کے دن بعد نماز جمعہ باورچی پر کھوڑا سا غصہ آیا کھتا اور باہر کے پوکیدار پر بھی یہ کیفیت مشکل سے پندرہ منٹ رہی ہوگی یا اس سے بھی کم لیکن اسکے بعد سے ندامت آج تک ہے اور برابر اللہ تعالیٰ سے نادم ہو کر اس رذیلہ کے ازالہ اور امانہ کی دعا کرتا ہوں ۔ تحقیق : مبارک ہو۔

حال : عید کے دن بھی اسکی ندامت بہت رہی حالانکہ غصہ زیادہ نہیں ہوا کھتا اور اپنے ہی کو برا بھلا کہا کھتا ۔ الحمد للہ

حال : پوکیدار کو البتہ اسکے سونے پر اور غفلت پر ڈانٹا کھتا اسکی طرف سے سپاہی نے حمایت کی اور گستاخی کی تو میں نے انتہائی تحمل سے کام لیکر ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ اسکو اپنے یہاں سے رپوٹ کر کے علیحدہ کر دیا ۔ یہ سپاہی جمعداری کے عہدہ پر فائز مقامی کر رہا کھتا اس گستاخی سے سپاہی کی جگہ پر واپس ہوا اس پر بھی مجھے صدمہ ہوا کہ ذرا سی خفگی پر یہ نتائج برآمد ہوئے اسیں جہاں کہیں ایسی خامی ہو جو میرے سمجھ نہیں آئی وہ حضرت والا سمجھا دیں۔

تحقیق : جمعدار سے سپاہی پر آگیا۔

حال : اور علاج بھی بتلا دیں ۔ تحقیق : بتلا دیا۔

حال : الحمد للہ کہ حضرت کی دعا اور توبہ سے اس عاجز کو غصہ کا ترک کر دینا آسان معلوم ہوا۔ انشاء تعالیٰ حضرت کی دعا سے ضرور ضرور چھوٹ رہیگا اور قطعی چھوٹ جائے گا ۔ تحقیق : انشاء اللہ۔

حال : حضرت کے یہاں سے واپسی کے بعد دوسرے دن بعد فجر سو رہا تھا دیکھا کہ مدینۃ الرسول میں ہوں رسول کریم علیہ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْم کے وصال کا تیسرا دن ہے حجرہ عائشہ صدیقہ کے سامنے کھڑا ہوں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ حجرہ شریف کے اندر میں در پر حضور کا ہر تہ بند پردہ کے لئے لٹکا ہے۔ در گز بھر کے فاصلے پر غالباً ابو ہریرہؓ یا حضرت بلالؓ یا اور کوئی مشہور صحابی دوزانو بیٹھ ہوئے رو رہے ہیں اور ام المؤمنین سے درخواست فرما رہے ہیں کہ اگر اجازت ہو تو گھنٹہ دو گھنٹہ روز یہاں پر آکر بیٹھ جایا کروں، حجرہ کے اندر سے جو ہوا آتی ہے اس سے خوشبوئے رسولؐ آتی ہے جس سے مجھے تسکین ہوتی ہے۔ انھوں نے اتنا عرض کیا تھا کہ میری اہلیہ نے مجھے جگا دیا کہ اٹھئے دفتر کا وقت قریب ہے افسوس ہوا کہ اتنا ہی دیکھ پایا اسکی تعبیر عنایت فرمائیں۔

تحقیق : علوم حقیقیہ نبویہ جو پہنچ رہے ہیں یہی ہیں۔

پھر اسکے بعد اپنے ایک تیسرے خط میں حضرت والا کو لکھا کہ :-

حال : خادم حضرت کا کہنا ماننے کی بدولت اور حضرت کے حکم کی پابندی کی برکت سے اس آیت شریف کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرنے لگا ہے کہ **اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ الذِّیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ** **لَهُمْ بَشْرٰی فِی الْحَیْوَۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا یَبْدِلُ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ** **ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ** (سن لو کہ اولیاء اللہ کو نہ کچھ خوف ہوگا نہ لوگ غمگین ہوں گے اور اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور اسی سے ڈرتے ہیں اور ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے)۔

یعنی یہ کہ حضور کی بدولت کہ حضور ولی اللہ

میں یہ سب سے کمتر خادم، محض حضور کے حکم کے ادنیٰ درجہ کے امتثال کی بدولت ہر دو جہاں کی کامرانی کی کھلی آنکھوں جھلک دیکھنے لگا ہے تحقیق : انحمد للہ

حال: اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بیشک صحیح ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کا شکر ہم خدام کو یہ نکتہ معلوم ہو جائے تو واللہ ہم سب حضور کے قدموں پر اپنی جان نثار کر دیں کہ حضور کی تسبیح جو ہمارے لئے ہر درد جہاں کے صلاح و فلاح پر مبنی ہوتی ہے اس پر ہوش و گوش کرنے سے دونوں عالم کی بشارت اس دنیا میں نظر آنے لگتی ہے۔ ورنہ خدا نخواستہ جو ارشاد مبارک کو اس کان سے سن کر اس کان سے اڑا دیتا ہے وہ کسی آن راحت سے دوچار نہیں ہو سکتا نہ صرف یہی بلکہ موقع نکل جانیکے بعد افسوس ہی افسوس حرمان ہی حرمان اور کم نصیبی ہی کم نصیبی سے دوچار رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا بھی منتظر رہے کہ اسے بندے تو نے میرے مخلص دوست کے حکم کی اور انکی نصیحت کی یہ قدر کی تھی اسکا جواب دے ظاہر ہے جواب نہ ہو گا اور عتاب دیکھے گا۔ اللہم احفظنا۔ تحقیق: آمین

حال: آج جس خادم نے حضرت کے ارشادات کو سر آنکھوں پر نہ رکھا اور عمل نہ کیا اسے پھر موقع نہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ جھکو اور سب کو چشم بصیرت عطا کریں۔ تحقیق: آمین

حال: آج حضرت والا کا والا نامہ ملا جس سے بڑا انشراح ہوا اس جمعدار کو میں نے معاف کر دیا اور حضرت کی دعا سے وہ ایک دن بھی سپاہی نہ رہا بلکہ جمعدار ہی رہا لیکن مجھے سبق مل گیا کہ غصہ بری شے ہے۔ الحمد للہ جب سے آج تک غصہ سے گریزاں ہوں اور دست بہ دعا رہوں کہ اللہ میاں آپ قادر ہیں آپ میرا یہ رذیلہ بے طفیل شیخ کامل شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہم جلد از جلد چھڑا دیں دل ہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سن لیں گے اور نجات ہوگی۔ جب سے یہ تہیہ ترک غصہ کا کر لیا ہے دل بڑا مسرور ہے اور اہل و عیال سبھی خوش ہیں اور دعا مہ دیتے ہیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: رحمت حق کو دیکھتا ہوں اور اپنے آپ کو دیکھتا ہوں اور حضرت کے فیض بکراں کو دیکھتا ہوں کہ عزم صحیح ہو تو اصلاح ضرور ہوتی ہے اس حجاب نفسانی کے اٹھنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ سے حجاب اٹھنے میں بھی دیر نہ ہوگی بقول مشہور من عرف نفسه فقد عرف دہ۔ تحقیق: بیشک

حال: جمعدار کو معاف کرنے کے بعد اپنے آپ کو ایک دن پھر مدینہ منورہ میں پایا وہاں کی گلی لگی پُرانوار دیکھی اور تفصیل یاد نہیں۔ معلوم ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی دعائیں میرے حق میں سن لیں۔ تحقیق: خدا کرے ایسا ہی ہو۔

حال: اور انشاء اللہ میری نجات ہو جائیگی۔ تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ

حضرت مصلح الامت کے کچھ حالات

خَلَقَ عَنَّا سَلَفٌ اُمّت کا ایک دستور یہ بھی چلا آ رہا ہے کہ مشائخ کے وصال کے بعد ان کی سوانح حیات اور سیرت لکھی جاتی ہے۔ غالباً اسی معمول کے پیش نظر حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہ کے واصل بحق ہو جانے کے بعد بھی بہت سے احباب نے زبانی و تحریری طور پر خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھی سوانح حیات لکھ دی جاتی تو وقت کی ایک اہم خدمت منظور ہوتی اور طالبین معرفت حق میں سے متعدد لوگوں کے خطوط آئے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی سیرت اور حالات زندگی پر کوئی کتاب ہو تو اس کی جانب مہنائی فرمائی جائے۔ مخلصین کے ان تقاضوں کے بعد ہم لوگوں کو بھی خیال پیدا ہوا کہ واقعی حضرت اقدسؒ کی زندگی کے مخفی گوشے بھی اگر امت کے سامنے آجائے تو عجب نہیں کہ بہت سے اللہ کے بندوں کے لئے وہی حضرت سے تعلق اور محبت کا سبب بن جائے اور اُمّۃٌ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہ کے اصول پر یہاں ان کے لئے حضرتؒ کے طور طریقہ اختیار کرنے میں کچھ رکاوٹ نہ باقی رہتی اور اُمّۃٌ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کے پیش نظر آخرت میں بھی حضرت جیسے عارف باللہ ولی کامل اور متبع سنت بزرگ کا ساتھ ہو جاتا اور الدّٰلُ عَلٰی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہ کی رو سے جو بھی اس کا واسطہ بنتا نفع سے محروم نہ رہتا۔

چنانچہ تاہم تو اس کی سب سے زیادہ ایک اقدام کی ہمت کسی کی بھی نہ پڑی کیونکہ کسی بزرگ کی سوانح حیات لکھنا آسان کام نہیں ہے بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ چنانچہ خود راقم السطور بھی کسی طرح اس کے لئے آمادہ نہ ہوتا تھا کہ اچانک ادھر چند دنوں سے یہ خیال دماغ پر مسلط سا ہو گیا کہ کچھ نہ کچھ اس سلسلہ میں ضرور ہونا چاہئے۔ تحریر کا ڈھنگ نہ آئے بلا سے نہ آئے سیرت اور سوانح کے

اسلوب پیر نہ ہو بلا سے نہ ہو مضامین میں بے ترتیبی رہے بلا سے رہے بس حضرت کی بات ہو اور معرفت کے صفحات ہوں بس یہ کافی ہے۔
 دیکھو تاروں میں بے ترتیبی ہی نے ایک خاص حسن پیدا کر دیا ہے۔ بات صحیح ہو، اللہ والے کی ہو، عبرت و نصیحت کے نور سے منور ہو، اسکا یہی حسن کیا کم ہے۔ اب اس کو کیا کیا جائے کہ جو حضرات اہل قلم ہیں وہ ادھر متوجہ نہیں ہوئے اور انھیں جذبہ اور شوق تھا وہ صاحب قلم نہیں۔ بہر حال طے یہ کیا گیا کہ اس عنوان کے تحت حضرت کے حالات، مقالات، ملفوظات، کشف و کرامات اور علمائے عصر کے مکتوبات اور انکے جوابات کے علاوہ علمی تحقیقات و ارشادات میں سے جو چیزیں بھی سامنے آتی جائیں کیف ما اتفق انکو پیش کر دیا جائے اس طرح ہر کم از کم مواد تو جمع ہو ہی جائے گا پھر ضرورت سمجھے گا تو کوئی اللہ کا بندہ انھیں اجزائے پریشان سے قصر سیرت و صی اللہ تعمیر کر لے گا۔ تاہم یہ اتنا کام بھی جو مذکور ہوا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی دعا فرمائیے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ اس اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے رسالہ الاحسان الہ آباد سے ”چار ہفتہ ایک کہف میں“ اور مکتوبات ثلثہ کا مضمون یہاں نقل کرتے ہیں۔ اول الذکر حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ کا ایک مکتوب گرامی ہے جو انھوں نے مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کو لکھا تھا جس میں اپنے زمانہ قیام فنجپور کے تاثرات کا اظہار فرمایا تھا، چنانچہ اس کے مطالعہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کسی قدر سراپا اور تعلیم و تربیت نیز درس کی خصوصیات کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

ثانی الذکر مضمون میں تین خطوط ہیں ۱۔ مولانا عبد الباری صاحب کا خط حضرت مصلح الامت کے نام ۲۔ مولانا مناظر حسن صاحب گیلانی کا خط مولانا عبد الباری صاحب کے نام ۳۔ حضرت اقدس نور اللہ مدظلہ کا جواب مولانا عبد الباری صاحب کے نام جس میں انکے خط کا بھی جواب ہے اور مولانا گیلانی کے بھی بعض استفسارات کا جواب مرحمت فرمایا ہے۔

والسلام۔

بچے از خدام خانقاہ صبی لٹھی
 الہ آباد رجب الاول ۱۳۹۱ھ

(حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ کا خط مولانا عبد الجبار دہلوی آبادی کے نام)

چار ہفتہ ایک کہن میں

مخدوم۔ السلام علیکم۔ ایک بزرگ کی خدمت میں تازہ حاضری کے کچھ مشاہدات و تاثرات عرض ہیں۔ انشاء اللہ ”صادقین“ صدق کو کچھ نہ کچھ نافع ہونگے۔
کھانہ بھون کا چین جب سے اُجڑا اس ادارہ و ناکارہ کو اپنی شامت اعمال سے بھاگنے اور بپناہ لینے کے لئے کوئی گوشہ نہ ملتا تھا۔ کبھی کبھی بیقراری میں دوسرے حلقوں کی طرف نگاہ دوڑائی مگر کھانہ بھون نے نظر ایسی بگاڑ دی ہے کہ معاملہ جہنم بد میں نہ کذب کس نکاہے“ ہی کارہا۔ ادھر آپ جانتے ہیں کہ بعض اسباب نے شدتِ اضطراب کی صورت پیدا کی کہیں نہ کہیں فرار سے چارہ کار نہ رہا۔ انتظار شاید اسی ”المضطرب اذا دعا“ والے اضطراب کا تھا۔
مانہ گریڈ طفل کے جوشد لب

آپ ہی آپ کہنا چاہئے کہ بالکل الہاماً۔ نام ذہن میں مولانا وصی اللہ صاحب فچتور تال نرجا۔ غظم گڑھ کا آیا۔ کوئی ملاقات یا نیم ملاقات کیا صورت تک کبھی دیکھنا یاد نہ آرہی تھی لیکن خیال آتا تھا کہ زیارت کا تقاضا قلب میں تیز ہوتا ہی گیا۔ ابستدائیم زیارت سے کی خصوصیت سے بعض ناموافق دنیوی حالات عرض کئے جو اس اضطراب کے ظاہری باعث اور فرار کے محرک ہو رہے تھے۔ جواب کیا آیا کہ کسی نے آگ پر برف رکھ دی۔

”دنیا میں اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا مدار دنیا کے ہونے نہ ہونے پر نہیں۔ ممکن ہے کہ دنیا موافق ہو اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوں اور دنیا موافق نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ راضی ہوں لیکن ہم لوگ ضعیف ہیں اسلئے دعا و فلاح دارین کی کرنا چاہئے۔ میں بھی کرتا ہوں۔“

بات بالکل موٹی ہے تاہم استحضار خواص اہل علم و صلاح کو بھی اسکا کم ہی رہتا ہے۔ لیکن

حضرت حلیم الاحمد کی تعلیم و تربیت میں گونا گوں حکیمانہ عنوانات سے یہ سبق اتنا ریایا جاتا تھا کہ اس غافل و غبی کو بھی ذہول ہرگز نہ تھا خود اپنے اور دوسروں کے لئے اس کی فہم و تفہیم سے کچھ نہ کچھ تسکین و تسلی کا سامان ہوتا ہی رہتا تھا۔ مگر مکتوب بالا سے جیسی خست کی قلب کو نصیب ہوئی اس نے ایسے مواقع کے تھانوی مکتوبات کی تاثیر و تسلی کی یاد تازہ کر دی۔

اوراد و طائف و غیرہ کی اجازت کا بزرگوں میں جو ایک دستور چلا آ رہا ہے مجھ کو تو اس کی بنا بھی کچھ یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ قول و تعلیم میں قائل و معلم کے مرتبہ و مقام کی جو تاثیر برکت ہوتی ہے وہی نوعیت اس اجازتی نسبت کی بھی ہے۔ والعلم عند اللہ۔ معلم و مربی کی شخصیت ہی کی دوسری زیادہ محسوس و مشاہد کرامت ملاحظہ ہو۔

نالائق زادوں کی نالائقیوں سے آپ واقف ہیں۔ اپنی والی اصلاح و درستی کی کوئی فکر و تدبیر اٹھا نہیں رکھی۔ تھانوی اور غیر تھانوی دونوں رنگ کے بعض مدرسوں اور مربیوں کی اس بد حال کے حال پر خاص عنایت و شفقت ہے۔ اسکا حق بہنوں اور برہوں نالائق زادوں کے حق میں بھی انھوں نے ادا فرمایا (جزاہم اللہ عنی و عنہم) مگر معلوم ایسا ہوتا رہا کہ ہر تریاق زہر کے اثر کو تیز کرنا چلا جا رہا ہے۔ بُرا بھلا ایمان رکھ کر اللہ تعالیٰ سے تو کیسے مایوس ہوتا۔ لیکن اسباب و تدابیر سے ہر قطعاً مان چکا تھا۔ جی میں آیا کہ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نالائقوں کی اصلاح کا وسیلہ اپنے اس خاص وصی (اللہ ہی کی وصیت تقویٰ) (اوصیکم بتقویٰ اللہ) کو بھروسہ رکھا ہو۔

سب کی انتہائی نالائقیوں کا کچا چٹھا لکھ بھیجا۔ ایسی انتہائی جن کی بدولت قریب کے قریب عزیز بھی روادار نہ تھے کہ ان کے قریب کھڑے ہوں اندیشہ تھا اور بالکل واجب تھا کہ مولانا بھی اپنے مدرسہ و خانقاہ کی فضا مسموم کرنا کیسے پسند فرمائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ صاف صاف لکھنا بھی ناگزیر تھا کہ کوئی دھوکا یا غلط فہمی نہ رہے۔ جواب مختصر تھا۔ لیکن حق تعالیٰ پر توکل و اعتماد کا پورا غماز اور جلد از جلد بھیج دینے کی ہدایت۔

بسم اللہ پہلے صرف ایک سے کی۔ اور صرف ایک چلہ کے لئے۔ واپسی پر دوسرے کی ہمت کی۔ جو پورا حافظ ہو چکے اور محراب سنا چکے کے بعد اتنا بگڑا تھا کہ کہیں ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ ایک ابتدائی اچھے اور ایسے مدرسہ میں بھیجا جہاں کے ہتمم اور اساتذہ راقم ہذا کے ساتھ خصوصی عنایت و محبت کا معاملہ رکھتے ہیں۔ بالآخر وہاں سے بھی بھاگا۔ کئی بار سمجھا بھگا کر بھیجا گیا۔ ہر بار بھاگا

کبھی راستہ ہی سے اور کبھی پہونچ کر اور سال بھر سے تو آپ وارہ گروہی تھا جب تک خود ملاتا کے قلم کی فیتھور پہونچ جانے کی رسید نہ آئی برابر احتمال رہا کہ راستہ ہی سے کسی اور طرف کا راستہ نہ لیا ہو۔ خیال تھا کہ کم از کم دو مہینے ٹیک جاتے تو پہلے کے تجربہ سے اتنی امید بڑھ چکی تھی کہ انشاء اللہ غیر متاثر یہ بھی نہ رہے گا۔ ایک مہینہ ہی ہوا ہوگا کہ خود ہی خواہش کی کہ ایک سال اور رہنے دیا جائے۔ غرض راستہ دونوں کا بحمد اللہ معلوم ہوتا ہے۔ رقتار تبدیلی کی سست البتہ بہت ہے، دل ساتھ دے نہ دے زبان پر سالہا سال سے حقیقی مری کی سکھائی ہوئی دعا تو جاری رہی ہے۔ سُبَّانَ هَبْ لَنَا مَوْنَ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُوَّةَ اَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِمَنْ يَشَاقِقُنَا اِمَامًا۔

بہر حال دونوں کے معاملہ میں اس خلاف امید کیا بالکل کرامتی تجربہ نے خود اپنا شوق زیارت قدرۃ زیادہ بڑھا دیا۔ اور یہ تصور و توقع باندھ کر حاضر ہی ہو گیا کہ ۷۷ چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب بوئے گل را از کہ جویم جز گلاب حاضری پورے ایک مہینہ رہی۔ بھانہ بھون کے اُبڑے ہوئے گلستان کی بوئے گل سے فتح پوری گلاب "تصور و توقع سے بڑھ کر متاع جان کو معطر کرتا رہا۔ بارک اللہ فی برکاتہا۔

مہینہ بھی دن رات کی برکتوں والا رمضان مبارک کا تھا۔ عام مسجدوں میں ہمارے عام اماموں اور مقتدیوں کے جہل و جہالت کی بدولت نماز و جماعت کی جو گت ہوتی ہے اسکے زخم رسیدہ شاید آپ بھی کم نہیں اور یہ کم طرف تو مسجد کی حاضری کا بس فرض ہی اُتارتا ہے خصوصاً رمضان میں قیام و تراویح کی گت کیا ایسی درگت ہوتی ہے کہ بارہا مسجد میں تراویح کو دور ہی سے سلام کرنا پڑتا ہے۔ یا ہوا پا ہے تو گھر میں انتظام ہو جاتا ہے لیکن فیتھور میں اس برکتوں بھرے مہینہ کی جیسی جیسی ظاہری باطنی برکتیں مشاہد محسوس ہوئیں زندگی میں یاد نہیں سوڈیڑھ سو بلکہ دو دو سو تک کی جماعت عوام کی نہیں علماء و صلحاء ذاکر و شاغلین کی اور امام (مولانا مدظلہ کے داماد) قاری محمد مبین سلمہ کا تو کہنا ہی کیا۔ ماشاء اللہ چہرہ باطنی و طینی آثار سعادت کا آئینہ۔ بہت ہی نمایاں اثر السجود سے پُر انوار۔ رقتار و گفتار میں سراپا عجز و انکسار نماز میں قراءت بالکل دل کی آواز پر بے بہرہ ساتھ ہی خاصا بہرہ آواز کے سوا الفاظ کم ہی سن پاتا تھا۔ لیکن نفس تکبیر اللہ اکبر ہی کی لذت و حلاوت ایسی کہ آج تک کانوں میں بسی ہے۔ ترویج کا حق بھی پورا ادا ہوتا ہے جتنا قیام کم و بیش اتنی ہی استراحت۔ نہ مزدور حافظوں کی "یعلمون تعلیمون" والی دوڑ بھاگ کہ ایک کا

بوجھ اُتار اور مزدوری وصول کر کے دوسری کے لئے بیتاب نہ سننے والے ہی کسی نہ کسی طرح بس ایک ختم کی بے گاد جلد از جلد پوری کر کے مٹھائی چراغاں کا تماشہ دیکھ دکھلا کر آمادہ فرار۔ کم از کم ایک پارہ کا اوسط رہا۔ ۲۸ کو ختم ہوا۔ نہ ختم کی مٹھائی نہ چراغاں کا تماشہ۔ نہ مٹھائی اور تماشہ والے۔ نئے نئے نمازیوں کی بھیڑ بھاڑ۔ نہ نماز کے دوران ہی سے نماز برباد کر نہیوالا مسجد کے اندر باہر بچوں عورتوں کا شور و غلب اس سب کی جگہ عاجزی و بستدگی والی عبادت و عبدیت کا یہ نظارہ کہ ختم کے بعد دعائیں امام سلمہ پر رقت و گریہ کا کچھ ایسا عالم طاری ہوا کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساری صفیں زار و قطار تھیں۔ آہ و بکا سے مسجد کے در و دیوار گونج رہے تھے۔ ع

”حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد“

۱۰۔ ۱۵ منٹ تک یہی حالت رہی ہوگی۔ اور بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ غالباً حد سے بڑھتی دیکھ کر آخر خود مولانا ہی نے حکیمانہ و حاکمانہ لہجہ میں فرمایا کہ ”بس مبین بس“۔ عجب نر الارنگ نہ دوکاندارانہ پیری مریدی، نہ رائج الوقت قسم کا کوئی ادارہ و انجمن نہ مدرسہ نہ مرکز۔ نہ جلسہ و خطابت، نہ انشا پردازی و انشا گفتاری۔ نہ اعلانی و اشتہاری تبلیغ و دعوت، نہ زبردستی لوگوں کی گھیر گھار، بلکہ دینی و اخلاقی، ظاہری و باطنی ہر طرح کی کوتاہیوں اور حماہیوں پر اوصیکم بتقویٰ اللہ کی گرج اور پیکار مواخذہ و گرفت گھڑکیاں اور جھڑکیاں۔

ہر جگہ کوئی بڑا چھوٹا شہر کیا قصبہ تک نہیں کہ آنے جانے والے ہی محفل کی رونق بڑھا رہے ہوں۔ بجز وہیات اور کوردہ نہ ریل نہ سڑک نہ سواری، ڈاکخانہ ندارد۔ اگر خود اپنا اخبار نہ جاتا تو کسی اخبار تک کی صورت نہ دکھائی پڑتی۔ گویا کہ بیسویں صدی کا کہف، لیکن مخلوق ہے کہ دور و نزدیک چھوٹی بڑی بستیوں ہی سے نہیں دوسرے صوبوں تک سے جوق جوق اس ”کہف“ کی طرف بھوک پیاسی روزہ رکھے مئی کی جلجلائی دھوپ اور لڑکیوں زیادہ تر پیدل یا سائیکلوں پر کچی دوڑی چلی آرہی ہے۔ روزانہ رمضان بھر یہی تانتا بندھا دیکھتا رہا۔ عوام بھی خواص بھی، امیر بھی غریب بھی۔ جوان بھی بوڑھے بھی، نئے بھی پرانے بھی۔ ڈاکٹر بھی طبیب بھی دس دس پندرہ پندرہ تک کا اوسط تو خالی علماء ہی کا رہتا تھا۔ ایسے دور اُقادہ ویرانہ میں خلقت کی یہ کشش ہوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ ۵

ہر کجا بوسے خدا می آید خلق میں بے سرد پامی آید
ظاہری رنگ اس "بوسے خدا" کا ذرا جذب و جوش اور جلال کا ہے مگر باتیں ماشاء اللہ
خوب ہوش و کمال کی۔ سالک مجذوب کی بڑی دلکش جامعیت و شخصیت۔ نکلا تو تھا زیادہ تر
کچھ تھانوی شخصیت تعلیم و تربیت کی اُمید لگا کر لیکن پائی ساتھ ساتھ حکیم الامت کے حکیمانہ
و عارفانہ علوم کی شان بھی اس کی زبردست توثیق اپنوں سے بڑھ کر پراپیوں کے محب اعز و اکرم
مولانا علی میاں سلمہ کی شہادت ہے جو بڑی حد تک بالکل ایک دوسرے مذاق و مسلک کے
بزرگ سے وابستہ و فیض یافتہ رہے ہیں۔

احقر کے دوران قیام ہی میں ممدوح کا ایک مکتوب مولانا مدظلہ کی خدمت میں گیا۔
اصل درخواست تو ماہ مبارک (رمضان) میں خود اپنے حق میں خاص دعاؤں کی تھی۔ حُصنًا
حضرت مولانا کے علوم و افادات سے اپنی مناسبت و استفادہ کا بھی ذکر بطور خاص ہی
تھا۔ علم و فضل کے گونا گوں کمالات کے باوصف چونکہ موصوف سلمہ کا رنگ دوسرا ہی ہے
اسلئے تھانوی رنگ کے کسی بزرگ سے انکی اتنی مناسبت پر کچھ حیرت کے ساتھ مجھ کو مسرت
زیادہ ہوئی اسکا اظہار بمیاختہ فچجوری ہی سے ایک نیاز نامہ میں کیا تھا۔ جواب لکھنؤ کی واپسی
پر توثیق مزید کا وہی ملا کہ :-

”واقعی مولانا مدظلہ کی خدمت میں دوبارہ حاضری ہوئی اور اُن کے علوم
و افادات سے مناسبت معلوم ہوئی اور بہت مخلصانہ دعا رفاہ باتیں معلوم ہوئیں
اللہ تعالیٰ انکی ذات بابرکات کو تادیر سلامت رکھے!“

ایک معاملہ میں حضرت فچجوری اپنے مرشد اعلیٰ حضرت تھانویؒ سے آگے ہی نظر آئے۔ یعنی
کتابوں پر بھی بڑی نظر ہے۔ اخلاق محسنی سکندر نامہ تک پر تفسیر و حدیث اور فقہ کی متداول کتابوں
کا تو ذکر ہی کیا، باقاعدہ درس بھی ہوتا ہے۔ ایک دو نہیں روزانہ چھ سبتی رمضان شریف کی
وجہ سے یہ سلسلہ بند تھا ورنہ شرکت کی سعادت ضرور حاصل کرتا۔ البتہ حضرت ممدوح کا جو عام
رنگ ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ آج کل کے دینی مدارس کی طرح خالی کتاب کی تعلیم و تفہیم
مذہب و حواشی کی رد و قدح پر قناعت نہ فرمائی جاتی ہوگی بلکہ دینی تعلیم کی عملی روح و باطنی
پہلو قلب و قالب دونوں کی صلاح اور خدا و آخرت سے تعلق پر بھی ساتھ ساتھ پورا زور
دیا جاتا ہوگا کہ اسی کی کمی نے نام نہاد دینی تعلیم پر بھی دنیوی رنگ چڑھا دیا ہے۔

کتابوں کی الماریاں مجلس میں سامنے رکھی ہیں۔ ذرا کوئی اہم بات ہوئی فوراً کتاب نکالتے نکلواتے اور سند و شہادت پیش ہو جاتی ہے۔ کثرت سے کتابوں میں نشانیاں رکھی ہوتی ہیں مطلوب مقام بات کی بات میں نکالتے ہیں۔ مجلس میں بہت محققانہ و عارفانہ ہی نہیں بڑے بڑے پتہ کی باتیں ملاتے آتی رہتی ہیں خصوصاً طالبین و سائیکین کے لئے اور کم و بیش سب کی تائید و توثیق اگلے پچھلے مسلم اکابر کی کتابوں اور سندوں سے فرماتے جاتے ہیں۔ ع

صلاح کار کجا و من خسر اب کجا

یہ سیہ کار و تباہ کار ظاہر اور اس سے کہیں بڑھ کر باطن کا کورا ہی کورا ہے۔ البتہ کچھ اللہ والوں ہی کی صحبت میں ”صالحین“ کی صحبت ضرور نصیب ہوگئی۔ احب الصالحین دست منہم کا پورا پورا مصداق ہوں اور ”احب الصالحین“ ہی کے طفیل میں ”لست منہم“ کا کھوڑا بہت غم بھی کھاتا رہتا ہوں مگر اس سے نہ کوئی خاص تسلی نہ اس کی کوئی خاص قدر کہ اپنی ناکامی و نارسائی کی حسرت بھی حق تعالیٰ کی بڑی قابل قدر نعمت ہی ہے ع

”بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے“

ایک مجلس میں کچھ اس ”حسرت دور“ کی راہ سے اہل طلب و سلوک کی تسلی فرمائیاں ہو رہی تھیں کہ مکتوبات رشیدیہ (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) نکال کر ایک مکتوب کا یہ وجد آفریں ٹکڑا سنانے لگے کہ

”ہمارے شیخ الشیوخ قطب عالم شیخ عبدالقدوس (گنگوہی) فرماتے ہیں کہ

اگر کسی کو بعد مجاہدہ ہزار سالہ حسرت و درد نایافت حاصل ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ ہائے افسوس کہ درد نایافت نہیں ملتا کہ کام ہو جائے۔“

اس مفلس کنگال کو تو جیسے بے شان و گمان کوئی بڑا خزانہ ملے آگیا۔ گھنٹوں حضرت عطار کا ایک مصرعہ دعا و التجا بن کر بیاختہ زبان پر جاری رہا کہ اے بار الہا کسی یافت کے لائق تو یہ سراپا نالائق کیا ہوگا۔ نایافت کے درد و غم ہی کے ایک ذرہ سے مرتے دم تک نوازے رہئے۔ ع

”ذره دردے دل عطار را“

خیر یہ تو اہل طلب کے مطلب کی ایک بڑی قیمتی بات اور قابل قدر نعمت یاد آگئی ورنہ حضرت فچوری کی ذات بابرکات میں بعض باتیں تو ایسی جمع پائیں جو اپنے مرشد اعلیٰ حضرت

تھانوی علیہ الرحمۃ کے نادر الوجود کمالات کا ہو بہو نقشہ آنکھوں کے سامنے کر دیتی ہیں۔

(۱) سب سے بڑھ کر تو لا اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علی اللہ کا انبیائی ورثہ ہے۔ یعنی خدمت دین و خلق کے سلسلہ میں تعلق حق پر مبنی ایسا قلبی توکل و غنائے تمام کہ مخلوق کے کسی جاہی و مالی دباؤ کا قلب پر اثر کیا شائبہ اثر بھی پورے ایک مہینہ کی خلوت و جلوت کی حاضریوں میں ”یہ چشم بد بین“ ڈھونڈ کر بھی نہ پاسکی۔

(۲) اسی کا دوسرا لازم احکام دین کی تعلیم و تبلیغ میں قاصدع با تو مر (اے محمد جو کچھ تم کو حکم دیا گیا ہے بے لاگ لپٹ کھل کر کہدو) کے وہ مظاہر و آثار تھے جن سے مشکل ہی سے کوئی مجلس حسائی جاتی ہوگی کسی طرح کی لاگ لپٹ یا مذاہمت کیا معنی، معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بڑوں، چھوٹوں، علماء و امراء خواص و عوام سیکڑوں آنے جانے والوں میں کسی کے قلب پر کوئی ہلکا سے ہلکا وزن بھی پڑتا ہے۔

(۳) تیسری خصوصیت تعلیم و تربیت میں علم سے زیادہ عمل اور عمل میں بھی بہت زیادہ اعمال قلب پر زور ہے قلبی اعمال کا بھی جوہری ست احصا ص نکال رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے تمام قلبی و قلبی اعمال کی صحت و سلامتی کی ضمانت یہی جوہر ہے جس کی حقیقت ہر عمل و حرکت میں صرف خدا کی رضا و ناراضی یا آخرت کی جزا و سزا پر نظر ہے۔ سچ پوچھئے تو اسی نظر کے فقدان یا کمی و خامی سے ریا و نفاق و کبر و جاہ، حرص و ہوس دنیا پرستی و خود غرضی وغیرہ کے سارے اخلاقی و باطنی رذائل و امراض پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں۔ حضرت ممدوح کی تعلیم و تربیت میں سب سے زیادہ زور و اصرار ان ہی رذائل خصوصیات ریا و نفاق کے مرض و معالجہ پر رہتا ہے۔

اخلاص کے بڑے جانی دشمن یہی دو ہیں جن سے نہ صرف نماز و روزہ حج و زکوٰۃ کے سے خالص دینی اعمال بے جان و برباد ہو جاتے ہیں بلکہ دیکھا جائے تو دنیا کے بھی اکثر انفرادی و اجتماعی سیاسی و سماجی فتنوں فسادوں کی جڑ یہی ہیں۔ خاص کر آج کل کی سیاست و حکومت کا تو کہنا چاہئے کہ سارا تار و پود ہی ریا نفاق یا کم و فریب ہی سے تیار ہوتا ہے پھر کیا تھا کڑوا کر بلا نیم چڑھا۔ انسان علی دین ملو کہ ہم۔ حکومت کی یہ برکات رعایا اور شہریوں کے ہر طبقہ اور ہر گھر میں اس طرح گھر کر گئی ہیں کہ معاشرہ (سوسائٹی) میں انکواب کوئی عیب مشکل سے شمار کیا جاتا ہے۔ مزید برآں ریا و نفاق کے مناشی یہ جراثیم اکثر ہوتے ہیں ایسے دقیق و خفی اور اس طرح دبے پاؤں داخل ہو جاتے ہیں کہ بہتر سے صحابہ فاروق اعظم جیسے اکابر صحابہ تک اپنے اندر اس کے اندیشہ سے ترساں و لرزاں

رہتے تھے، حاذق سے حاذق روحانی اطباء و شیوخ اور ان کے تربیت یافتہ تک دھوکا کھا جاتے ہیں۔ حکیم الامت سے بڑھ کر کون حاذق وقت معالج و مربی ہوگا حضرت ہی کے ایک پانی پتی مرید کا واقعہ آیا خانقاہ اشرفیہ کے مدرسہ کے لئے انھوں نے کچھ رقم پیش کی۔ اچھے پُرانے تربیت یافتہ مرید تھے حضرت نے بے تکلف قبول فرمائی بعد کو خیال آیا کہ ایسا ہی مدرسہ تو خود پانی پت میں موجود ہے جس کا حق زیادہ تھا وہاں چھوڑ کر کھانا بھون کے مدرسہ کے لئے کیوں لائے کہیں خدا کے ساتھ پیر کی رضا جوئی تو مطلوب نہیں۔ کہ یہاں دینے سے ثواب بھی ہوگا اور پیر بھی خوش ہونگے بلا کر بوجھا اور جرح فرمائی۔ حضرت کی جرح میں کون ٹھہر سکتا تھا۔ دل کا چور پکڑ گیا اور عطائے شما بہ لقاءے شما کا معاملہ فرمادیا۔ غریب مرید تو مرید ہی ہے پیر بھی کتنے ایسے نکلیں گے جو مریدوں سے خود اپنی رضا و خوشامد کے طلبگار نہ رہتے ہوں مریدوں کو بنانے کے لئے زیادہ تر بگاڑنے والے تو نام نہاد پیر ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو کھانا بھون کے بنائے ہوئے ”پیر فچور“ کے ہاں دیکھا کہ کسی معاملہ میں اس قسم کا شبہ ہوتے ہی تار پٹنے لگتی ہے۔ کہ تم لوگ خدا سے زیادہ مجھ کو راضی کرنے کی فکر میں رہتے ہو۔ کھانے پینے تک کے کسی ہدیہ میں شبہ ہو جاتا ہے تو رد فرما دیتے ہیں۔

اس تھاوی مذاق و مسلک والے کے متعلق حکیم الامت کے مصنف سے بڑھ کر کون اندازہ کر سکتا ہے، کہ ”فچوری“ خانقاہ مدرسہ وغیرہ کے مصارف کے لئے رائج الوقت قسم کے چندہ کا دور دور بھی کوئی پتہ نہ ہوگا۔ اس پر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں کہ ۲۷-۲۸ حجروں کمروں کی سلیب و سیمینٹ کی دو منزلہ عمارت معلوم ہوا کہ صرف ۲۸ دن میں کھڑی ہو گئی اور اب سنا کہ مدرسہ کی مستقل عمارت بھی اسی طرح جلد ہی کھڑی نظر آنے والی ہے یا اس کے بالکل برعکس چھوٹے بڑے عام دینی مدرسوں اداروں کے اس حال سے کون واقف نہیں۔ دو چار کمروں یا دو چار ہزار کے کسی صرف کی ضرورت پر بھی اعلان و اشتہار دوا دوش میں کوئی کسر اٹھی نہیں رہتی۔ بمبئی اور کلکتہ تک دوڑ پھرج جاتی ہے خود مدرسہ کے ہتمم اور اساتذہ تک کا سہ گدائی سنبھال کر نکل پڑتے ہیں۔

بات میں بات نکل آئی عرض یہ کر رہا تھا کہ فچور کے مطب میں امراض قلب میں خصوصی توجہ دیا و نفاس کے مرض پر دیکھی دوسروں کا حال کیا جانوں لیکن خود اپنے اعمال و افعال کو اس عینک سے دیکھا تو کیا کہوں کہ کیسی بھیانک شکل نظر آئی! مسلمان کی شان تو یہ ہے

کہ دنیا کے دھندھے بھی دین ہی کی کھیتی ہوں لیکن اپنا حال بد تو اس عینک نے یہ دکھایا کہ جو کام بظاہر خالص دین کے ہیں ان کے خلوص کی راہ بھی نفس و شیطان کس کس طرح چھپ چھپ کر مارتے رہتے ہیں بس اللہ ہی ستار و عقاربہ۔ ورنہ ۵

یہ زمیں جو سجدہ کر دم ز زمین ندا برآمد کہ مرا خراب کر دی۔ توبہ سجدہ رائی
زندگی میں نفاق دریا کی ایمانی و عملی ہلک بیماری پر اتنا تنبہ کبھی نہیں ہوا تھا جتنا مولانا فچپوری (جزاۃ اللہ) کی تنبیہات سے ہوا۔ آخر کوئی تو بات ہے جو بڑے سے بڑے صحابہ تک اپنے اوپر نفاق سے خائف تھے۔ یہ دیگر اچھ رسد وہ بھی ارذل الخلائق۔
(۴) ایک بظاہر اتمل لیکن بہت کچھ تھانوی رنگ ہی سے ملتی جلتی بات۔ یعنی ایک طرف احساق و اعمال کی خامیوں کو تاہیوں پر معمولی دوسری روک ٹوک ہی نہیں چھی لے دے۔ ناراضی و ناگواری بلکہ لہجہ کی حد تک درستی و سختی لیکن دوسری طرف ”بالمومنین ماؤف رحیم“ والی شان رافت و رحمت اور شفقت کا یہ عالم کہ بعض وقت بیقرار ہو جاتے دیکھا نجی سے نجی پریشانیوں بیماریوں میں دعا و دوا دونوں کی فکر و تدبیر سے ایسی دستگیری کہ قریب سے قریب عزیز اور ہمدرد سے ہمدرد دوست ہی سے اُمید ہو سکتی ہے خود اپنی معمولی نزلہ زکام کی بیماری سے لے کر بعض سخت پریشانیوں تک میں تو اسکا تجربہ ہوا ہی۔
ایک اچھے رئیس زادے و عالم دین اپنے پورے گھر بیوی بچوں والدہ بھائی سب کے ساتھ اصلاحی تعلق سے مقیم تھے۔ ماشاء اللہ بڑے سید و صالح جوان کسی کسی وقت میرے پاس بھی خصوصیت سے آ بیٹھے۔ بچارے کچھ دماغی خلل کے مریض ہیں۔ کبھی کبھی دورہ سخت پڑتا ہے۔ وطن ۵۔ ۶ میل قریب ہی ایک قصبہ ہے۔ ایک دن دورہ جو پڑا تو روزہ رکھے لو دھوپ میں پیدل ہی سب گھر والوں کو چھوڑ چھاڑ بے تماشہ گھر سے بھاگ نکلے۔ ماں، بھائی، بیوی کی پرانی تو ظاہر ہی ہے۔ خود حضرت کو اتنا فکر مند اور متاثر دیکھا کہ جب تک ایک صاحب کو سائیکل پر بھیج کر ان کو واپس بلا نہیں لیا کیسو نہیں ہوئے اور پھر روزہ رکھنے سے حکماً روک دیا۔ دوا علاج کی فکر و تائید فرمائی۔ دعا کا خاص اہتمام تو جہاں تک اندازہ ہو خاص معمولات میں داخل ہے۔ بعض علماء صلحانے خود احقر کو دوران خط میں دعا کی درخواست کے لئے تحریر فرمایا تو درخواست کا جواب ایسے الفاظ اور انداز میں ملا جس سے معلوم ہوا کہ خاص وقت ہی میں نہیں ”خاص اوقات“ میں اور بار بار ہوگی۔ اپنے پرائے دیکھے سنے متعدد تجربات

سے شہادت ملی کہ ماشاء اللہ مستجاب الدعوات بھی بڑے ہیں۔ بعض واقعات تو نہایت حیرتناک اور بالکل ہی کرامت کے۔ مگر کیا کیا عرض کیا جائے صدق کی محدود گنجائش سے بات یونہی بہت بڑھ گئی۔ صہل ذکر تھا نوی رنگ سے ملتی جلتی چو کھی بات کا تھا کہ وہاں بھی ایک طرف اخلاقی و عملی بلکہ بعض بظاہر چھوٹی بڑی معاشرتی کوتاہیوں پر بھی جیسا مواخذہ اور ڈانٹ ڈپٹ ہو جاتی تھی اس سے میں آپ کیا۔ دو ایک مجلسوں کی حاضری کی سعادت رکھنے والا بھی کون واقف ہوگا! دوسری طرف آپ بیتی میں ایک مثال لیجئے۔

یادش بخیر ایک دماغ ہی کے مریض پُرانے محترم دوست اور نئے عزیز کے سلسلہ میں اس نالائق کو کوئی مستقل نہیں محض عارضی وقتی پریشانی کا سامنا ہو گیا تھا۔ دیکھئے کہ اس کے دور کرنے میں بھی حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی رافت و شفقت کتنی دور تک گئی۔

یہ محترم دوست و عزیز خود حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے مرید ہی نہیں مجاز ہیں جب حضرت اپنے علاج کے لئے پہلی بار لکھنؤ تشریف لائے تو یہ اسی تعلق و سلسلہ سے غریب خانہ ہی کے ایک بغلی مکان میں مقیم تھے یوں تو حضرت والا بلا کسی درخواست کے نہایت کرم و شفقت کی راہ سے غریب خانہ کو دن میں کئی مرتبہ خود ہی مشرف فرما چکے تھے لیکن واپسی کے اقتراب خاکسار نے درخواست کی کہ ایک رات کے قیام کی سعادت بھی عطا ہو جائے۔ سوہ اتفاق کہ جس دن اس درخواست کی پذیرائی میں عصر کے وقت حضرت اپنے پورے اہل بیت کے ساتھ تشریف لائے اسی دن کچھ پہلے ہی ہمارے دوست کا دماغی دورہ شروع ہو چکا تھا جس نے بڑھتے بڑھتے رات تک انتہی شدت اختیار کر لی کہ سارا گھر سر پر اٹھالیا اندر سے باہر تک دوسروں پر تو جو کچھ گزری گزری یہ نابکار حضرت کے سامنے شرم و زحمت سے سر اٹھانے کے قابل اپنے کونہ پارہا تھا کہ بیماری سے اٹھتے ہی ایسی جہانی ملی کہ رات بھر بیک نہ جمپکا سکے۔ ہائے اس لطف و لطافت کی یاد سے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ صبح اول تو اس سراپا غرق انفعال کے احساس شرم و انفعال کو بلا خطاب خاص کیسے کیسے لطیف و پر حکمت عنوانات سے زائل کرنے کی فکر فرمائی! ساتھ ہی محسوس فرما کر کہ سخت دماغی دورہ ہے خدا جانے کتنا طول کھینچے اور اس سے گھر بھر کو کیا کیا پریشانیاں پیش آجائیں۔ غضب یہ فرمایا کہ ان کو فوراً ہی چلے جانے کا حکم دیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ خود انکے دروازہ پر جا بیٹھے اور اس سے بڑھ کر یہ

کہ جب اپنی سواری کی موٹر آئی تو پہلے اس پر انکو جہاں وہ جانا چاہتے تھے روانہ نہ فرمایا پھر خود تشریف لے گئے! دیکھنے والے اس کو بڑی سخت گیری جان رہے تھے۔ میں بھی دم بخود تھا مگر حضرت نے موٹر پر تشریف رکھتے رکھتے بس اتنا چپکے سے فرمایا کہ یہ گھر بھر کو بہت پریشان کرتے اور کسی کے ہٹائے بیٹے بھی نہ اب آپ سب بڑی پریشانیوں سے بچ گئے اور اس سے انشاء اللہ خود ان کو بھی سکون ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور دیکھا کہ حضرت کو اسٹیشن پر رخصت کرنے کے لئے اچھے خاصے حاضر ہیں۔ تب سمجھ میں آیا کہ یہ سمجھتی ہی میں نرمی تھی۔ ع

”صدرستی در شکست خضر بود“

اور بھی حضرت علیہ الرحمۃ کی ایسی ہی دستگیریوں کے کئی تجربات خود اپنی خانگی و دنیوی زندگی ہی کے الجھاؤوں اور دشواریوں میں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سبھی کو سلجھا پایا اور دور فرمایا۔ اس دنیا دار کو نہ جانے کتنے مواقع پر اپنے دنیوی معاملات ہی میں تھانہ بھونکی یاد رُلا دیتی ہے۔ اب دس بارہ برس بعد جا کر فچھور میں ان آنسوؤں کو پوچھنے والا بھی ایک ملا۔ ذہن یہاں ایک عجیب تضاد و تقابل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ بعضے اکابر شیوخ اور اچھے علماء صلیحا کو دیکھا جھفوں نے کہنا چاہئے پوری پوری زندگیاں اسلام اور مسلمانوں میں اجتماعی و ملی خدمات کے لئے وقف فرما رکھی ہیں انفرادی معاملات میں انکا طرز عمل کچھ ایسا ہوتا ہے کہ گویا یہ افراد اس امت و ملت کے افراد ہی نہیں جس کی اجتماعی صلاح و فلاح کے لئے تن من دھن سب سچ رکھا ہے نہ انکے حق میں معروف و منکر کے امر و نہی کا خاتمہ یا اہتمام نہ دینی و اخلاقی نگرانی کا نہ ان میں اصلاح ذات البین کا نہ انکے نجی و دنیوی معاملات و مشکلات میں دستگیری کا بلکہ بعضے تو اجتماعی مشاغل کے فرض کفایہ یا مستوبات کے انہماک میں اہل و عیال تک کے واجبات کو منظر انداز کر جاتے ہیں۔ غضب پر غضب یہ کہ اصلاحی خدمات کے مخلص ترین اور اہل علم فاضلوں کے قلم سے یہاں تک غایت تحسین و آفرین کے جوش میں نکل جاتے دیکھا کہ فلاں شخص یا مجمع کو دین و ملت کی خدمت میں گھر بار بال بچوں کا بھی ہوش نہیں۔

مجھ کو تو نام نہاد اجتماعی خدمات کا یہ افراد کش غلو بہت کچھ فرنگی یا مغربی غالبانہ اجتماعیت کا لایا ہوا مہینہ معلوم ہوتا ہے۔ باقی افرادی یا انفرادی رذائل اخلاق اور قلبی و باطنی امراض

کی اصلاح و ازالہ پر جیسی توجہ و تاکید تھانوی اور اس کے بعد فچوری مطب میں دیکھی۔ آج کل کی حالص دینی و اصلاحی جماعتوں اور تحریکوں میں اس کی عشر عشر بھی نظر نہ آئی۔ بلکہ کبھی کبھی اُلٹے اس سے انتہائی غفلت کے تجربات بڑی بڑی اصلاحی درسگاہوں اور مرکزوں کے افراد و بستگان میں ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ فرنگی رنگ کی اجتماعی و اصلاحی خدمات کا دین کے حق میں یہ راستہ ہی الٹا معلوم ہوتا ہے۔ دینی و عربی تعلیم کے کچھ طلبہ درس قرآن کا نام لگا کر اس کیمپرس کے پاس آجاتے ہیں۔ یہ نالائق و ناکارہ اس بہانہ سے ان کو خود اپنے انفرادی ایمان و عمل ظاہر و باطن معاملات و اخلاق کی اصلاح و درستی کی طرف بخطاب عام دوران درس میں اور بخطاب خاص نجی صحبت و خلوت میں متوجہ کرتا رہتا ہے اس کے اثر سے بعضوں میں کچھ نہ کچھ چونک پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے اخلاقی و باطنی امراض خلوت یا نجی تحریر میں پوست کندہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ ان دن رات قرآن و حدیث پڑھنے والوں اور اصلاحی تحریکوں تقریروں میں شریک ہونے والوں میں کبر و حسد ریا و نفاق کی سی مہلک بیماریوں میں مبتلا ایسے شدید و آخری درجات تک کے مریض ملتے ہیں کہ جہلا و عوام میں بھی کم ہی ملیں گے بڑی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ان دینی مدرسوں اور اصلاحی اداروں میں بھی اب روز بروز انفرادی و عملی سے زیادہ اجتماعی و نظری پسرلوؤں پر زور رہتا ہے کہ لوگوں کا خود اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کی طرف ذہن ہی کما حقہ نہیں جاتا۔ قرآن کی تعلیم و تدریس میں بھی اگر تمام تر نہیں تو بہت زیادہ ایسی ہی باتوں پر توجہ دلائی جاتی ہے جن کو قرآنی معارف و حقائق یا فلسفہ قرآن کہا جاتا ہے۔ وہی جس کی بڑی ہی پُر معنی تعبیر عارف الہ آباد نے داد قرآن سے کی ہے۔ دور حاضر کا کیسا پور پکڑا ہے کہ

داد قرآن کی نہ دو بھائی عمل اس پر کرو پیش درگاہِ خدا وادہ کی حاجت ہے کیا
 ”داد قرآن کی“ اس بے اعتدالی کا اثر یہ پڑا ہے کہ جب تک یہ ”داد“ دیتا رہتا ہوں طالب علموں
 میں انبساط زیادہ پاتا ہوں اور جہاں عمل اس پر کرو کی توجہ دلانا چاہتا ہوں چہرے
 مرحبانے لگتے ہیں۔ حالانکہ ”داد قرآن“ کی شکر کچھ نہ کچھ لپیٹتا ہی جاتا ہوں تاہم مجددِ ظاہر و
 باطن کی عملی اصلاح کی طرف دونوں کے اس سراپا تباہ کار کے توجہ دلانے سے بھی کچھ نہ کچھ توجہ
 ہو ہی جاتی ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ دینی تعلیم و اصلاح کا اصل مقصد اگر افراد و امت دونوں میں دینی زندگی

پیدا کرنا ہے، تو اس کی راہ فقط ایک ہی ہے کہ دینی و اسلامی تعلیمات کی نظر میں فلسفیانہ یا انشائی و خطابی ”داد“ سے زیادہ اور بہت زیادہ زور و توجہ عملی اصلاح و انقلاب پر ہونا ضروری ہے بالفاظ دیگر مدرسوں اور خانقاہوں کی تفریق مٹانا اور دونوں کے رنگ کو ملانا ناگزیر ہے۔ اگر ہر دینی مدرسہ و ادارہ ساتھ ساتھ خانقاہ اور وہاں کا ہر بڑا کارپرداز اگر ساتھ ساتھ شیخ و سالک نہ ہو تو کم سے کم ہر مدرسہ و ادارہ میں ایک شیخ و مربی یا دین کے ظاہری و باطنی امراض کا نگران و معالج کا ہونا لازمی ہے۔ اور اس کی مجالست و صحبت کا لزوم کتابی اسباق اور تقریری مجالس سے کم نہیں زیادہ ہو اور خاص کر بڑی دینی درسگاہوں کی طرف سے تکمیل و فراغت کی سند ہرگز نہ دی جائے جب تک علم کے ”قال“ کے ساتھ معتد بہ درجہ تک عمل کے ”حال“ کا اطمینان نہ ہو، امت کے حکیم و مجدد وقت کے نزدیک تو ”مولوی“ نام ہی ”عالم باعمل“ کا ہے اس کے اطمینان کے بغیر کسی کو ”مولویت“ کی سند تھما دینا دراصل امت کے حق میں خیانت اور دھوکا دینا ہے۔ ضرورت دراصل اسی ”عالم باعمل“ بنانے والے جامع تعلیمی مدارس و ادارات کی ہے۔

فچہر کا مدرسہ و خانقاہ اس جامعیت اور سنگم کا ایک غیر اشتہاری چھوٹا سامنہ ہے قرآن و حدیث کا جو سب سے بڑا معلم مدرس ہے۔ وہی ایک بہت بڑا شیخ یا مربی مزی کی ہے، دوسرے اساتذہ وغیرہ بھی سب کے سب ماشاء اللہ سالک و طالب ہی ہیں۔ ایسی قصص میں ظاہری علوم دین بلکہ خالی علوم دنیا کے طلبہ کو بھی رکھ دیا جائے تو وہ بھی کہانتک غیر متاثر یا مسلمان ہو کر اپنے ظاہر و باطن ایمان و عمل سے بالکل غافل رہ سکتے ہیں۔ سب سے بڑے ”معلم کتاب“ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا وصف تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ ساتھ ہی بلکہ اس پر مقدم ”مزی“ ہونا یا ایمانی و عملی قلبی و قابل تہذیب و تہذیب فرماتا تھا۔ یزکیہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ ربنا اھلنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ آمین۔

مکاتیب ثلاثہ

نقل خط مولانا عبد الباری صابو ندوی مدظلہ العالی

(حضرت مصلح الامتؒ کے نام)

تعجب ہے کہ صدق اب تک واصل خدمت نہیں ہوا۔ حالانکہ میں نے براہِ راست دفتر ہی سے بھیوادینے کی تاکید و انتظام کر دیا تھا۔ پھر دریافت کرتا ہوں۔ اب تو کل تیسرا نمبر بھی آگیا مگر غلط یہ بھی بہت چھپا۔

صدق خوانوں کا حلقہ ہے بہت خواص بلکہ اخص خواص کا جب سے پہلا نمبر ہی نکلا ہے پاکستان و ہندوستان دونوں جگہ سے اس مخدوم کے متعلق استفسارات آرہے ہیں انشاء اللہ جواب خود ہی دیتا رہوں گا لیکن کل ہی ایک خط مولانا کا آیا ہے وہ خود حضرت کی خدمت میں ملفوف کر رہا ہوں ماشاء اللہ بہت بڑے صاحبِ علم و قلم ہی نہیں صاحبِ دل بھی ہیں۔ ۲۳ سال حیدرآباد میں ساتھ رہا۔ اب وہ بھی پنشن پر گھر پر ہیں اور بہت بیمار رہتے ہیں۔ مایوسی کے خطوط آتے رہتے ہیں اس خط میں بھی آخر میں مایوسی کا ایک ایسا فقرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معالج بھی مایوس ہیں حضرت دعا فرمادیں۔ بعض باتیں حضرت کے متعلق اس کارڈ میں بھی دریافت فرمائی ہیں۔ مناسب بھی ہو تو مجھ کو مطلع فرمادیں میں ہی لکھ دوں گا۔ ان کے علم و قلم سے لوگوں کو بہت نفع ہے۔ والسلام مع الاکرام
احقر العباد عبد الباری

مشہور اہل علم و علم مولانا ظہیر حسین صاحب گیلانیؒ کا خط بنام مولانا ندوی مدظلہ
(جس کا ذکر اوپر کے خط میں آیا ہے)

جی و محی زادکم اللہ ایماناً و اخلاصاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شاید کوئی عریضہ خدمت والا میں پیش کر چکا ہوں۔ جانظ کی غلطی ہو تو اپنی زندگی اس منزل پر پہنچ کر اغلاط کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے۔ صدق جدید میں آپ کا حد سے زیادہ مفید مضمون جو شائع ہو رہا ہے اس کی مبارکباد عرض کرنا چاہتا ہوں ڈھونڈنے والوں کے لئے ہدایت کے اس مینار کا پتہ دیا گیا ہے جس سے عموماً لوگ ناپا قف تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بیسیوس کی اصلاح کا ذریعہ یہ مضمون بن جائیگا دوسرے کیا؟ خود فقیر کو ہی پہلی دفعہ آپ کے ذریعہ علم و ہدایت کے اس پوشیدہ روشنی کا پتہ چلا ہے لیکن ایسے وقت میں کہ استفادے کی کوئی ممکنہ صورت میرے لئے باقی نہیں رہی ہے۔

اگر ماند شے ماند شے دیگر نئی آید

کے حال میں جو تہ و بالا ہو رہا ہو۔ اب اس کے لئے تو ان بزرگوں کے نام تک رسائی ہی بڑی بات ہے آپ نے تفصیلاً کبھی نہیں لکھا کہ حضرت والا نے کہاں تعلیم پائی ہے۔ تربیت تو تھا نوی تربیت گاہ میں ہوئی ہے؟ کیا ان سے اسکا بھی کچھ پتہ چلا کہ اس ملک میں امت مرحومہ کا انجام کیا ہے؟ کیا وہاں مدرسہ بھی ہے، حضرت خود بھی درس و تدریس کا کچھ مشغلہ رکھتے ہیں؟ صحیح پتہ حضرت کے یہاں کا کیا ہے اور کیا عرض کروں والحمد للہ علی کل حال۔ ڈاکٹروں کے طرز و عمل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مایوس عنہم مریضوں کی فہرست میں مجھے شامل کر دیا ہے۔

مناظر حسن گجیلانی

۳۱ اگست ۲۵۵

”حضرت اقدس کا جواب مولانا ندوی کے نام“

الحمد للہ کہ آپ کو میرا دوسرا خط بھی مل گیا۔ مجھے بھی یہاں صدق کی قسط دوم و سوم دونوں وصول ہو گئی۔ آپ نے اپنے خط میں مولانا..... کا ذکر و تعارف کیا ہے تو میں تو ان سے فی الجملہ واقف ہوں باقی مولانا مجھے اگر نہ پہچان سکیں تو کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کیونکہ میں اس قابل ہی کب تھا اور نہ اب اپنے متعلق مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں بھی کسی شمار میں ہوں تاہم آپ حضرات کے حسن و ظن کو جو اپنے ساتھ دیکھتا ہوں تو اس کی خوشی ضرور ہوتی ہے کہ الحمد للہ اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے طریق پر طریق کی کچھ خدمت کرنے کے توفیق حاصل ہے۔ آپ نے مولانا کا کارڈ جو بھیجا ہے اس کو بھی دیکھا

اور اس میں مولانا موصوف نے جو سوالات کئے ہیں ان کے متعلق آپ کا خیال معلوم ہوا کہ یہیں سے کچھ جواب دیدیا جائے اور آپ اس کو مولانا کی خدمت میں بھیج دیں گے لیکن انہیں سے بعض کا جواب تو ذرا تفصیل طلب تھا اور بعض کا میرے لئے وقت طلب کیونکہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسکا کیا جواب دوں مثلاً میری تعلیم ہی کے متعلق دریافت کیا ہے کہ کہاں پائی ہے سوائے کے متعلق تو میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ بس کھانا بھون ہی کا نام لوں اگرچہ حروف شناسی میں نے اور مدارس میں بھی کی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے مگر اب جی نہیں چاہتا کہ علاوہ کھانا بھون کے اور کسی جگہ کا نام لوں اور بجز وہاں کے کسی اور جانب اپنے کو منسوب کروں بلکہ اپنے کو دوسری جانب منسوب کرنے یا کئے جانے کو شرک فی الطريق سمجھتا ہوں چونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ کسی ذی شرف کی جانب نسبت ہونے سے ذی نسبتہ میں بھی شرف آجاتا ہے۔ جیسے "عبدالسلطان حاضر" اس لئے اب حاضری کھانا بھون کے بعد میں نہ فتحوی ہوں نہ اور کچھ ہوں بلکہ کھانوی ہوں اور صرف کھانوی ہوں اور اپنے مدعا کے اظہار میں اس شعر کو کافی سمجھتا ہوں ۷

نیا ورم از خانہ چیزے تخت تو دادی ہمہ چیز من چیز تست
یہ تو ایک سوال کا جواب ہوا اب آپ اس کو جن لفظوں میں مناسب سمجھے تبیر کر کے مولانا کے پاس بھیج دیجئے اور ان کی خدمت میں میرا سلام منون بھی ضرور ضرور عرض کر دیجئے۔

بہادور سوال کہ اس ملک میں امت مرحومہ کا انجام کیا ہے؟ سوا دل تو یہ از قبیل منیبات کے ہے ظاہر ہے کہ جس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور کوئی شخص اس کے متعلق جو کچھ بھی کہے گا وہ اٹکل اور تخمین ہی ہو گا واقعہ اور یقین تو ہو ہی نہیں سکتا نیز یہ کہ اس قسم کے امور پر گفت گوزبانی زیادہ مناسب ہوا کرتی ہے تاہم اس کے جواب میں بس قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتا ہوں اس سے کچھ سمجھ لیجئے۔ ارشاد ہے وَلَقَدْ كُنَّا فِي النَّارِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اِنَّ اَلْاٰمِصْنَ يَرْتَمٰنَا عِبَادِى الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلَاۤءًا غَالِقُوْۤمِ عِبَادِىْۤنَا وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةًۭ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ امت کو امت مرحومہ جو کہا جاتا ہے تو وہ کسی خاص وصف ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ چنانچہ امت دعوت کو امت مرحومہ نہیں کہا جاتا بلکہ یہ نام مخصوص ہے امت اجابت ہی کے لئے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کو

اس نام سے بوجہ صفت اجابت ہی کے پکارا جاتا ہے لہذا آج بھی اور یہاں بھی اُمتِ مرحومہ کے مرحوم ہوتے اور مرحوم باقی رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شرط کو پوری کرے یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق دل سے اجابت کرے اور اسی میں اس کی خیریت ہے کثرتِ خیر امة اخرجت للناس الآیہ در نہ ظاہر ہے کہ نہ صرف آج یہاں ہی بلکہ کل کو آخرت میں بھی مرحوم ہونے کے بجائے محروم ہونا پڑے گا۔
العیاذ باللہ۔

آج اُمت کے بگاڑ کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں فساد نہ موجود ہو۔ کہیں بیٹا باپ کے خلاف ہو رہا ہے۔ کہیں بیوی شوہر کی نافرمان کہیں شوہر بیوی پر ظلم کر رہا ہے۔ کسی جگر بھائی بھائی میں جنگ ہے۔ کہیں ماں اور بیٹی میں اختلاف ہے۔ غرض کہ ایک ہی گھر میں کسی کو کسی کی طرف سے خوشی نصیب نہیں ہے اور دنیا اپنے تمام تر اسبابِ عیش و راحت کے باوجود نمودِ جہنم بن کر رہ گئی ہے اور اس اختلاف اور فساد کا اصل سرچشمہ انکی عام بد اخلاقی ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخلاق تعلیم فرمائے لوگوں کو انکی جانب اصلاً التفات نہیں ہے۔

چنانچہ آپ اگر آج ان مسلمانوں کے اخلاق کو قرآن شریف پر پیش کریں گے تو بعینہ نہیں وہی امور پائیں گے جو کسی زمانہ میں کفار اور منافقین کے اخلاق تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پھر جب ہم نے اپنے اخلاق اس درجہ گرا دیے تو اب انکی وجہ سے مومنین مخلصین کے سے مراتب اور اجر و ثواب کی امید لگائے رہنا کہاں تک قرین قیاس ہے اسکو خود دیکھ لیجئے۔ اور میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مسلمان اس درجہ اخلاقی بستی کو پہنچ چکا ہے کہ بد اخلاقی اور فساد سے گویا اس کو ایک نسبت سی حاصل ہو گئی ہے اور وہ اسکے لئے بہت آسان ہے یہ سکن اخلاص اور اخلاق اختیار کرنا اسکے لئے بہت دشوار بلکہ اس پر آنا انکے لئے موت ہے۔ حالانکہ اس بات کو بھی سمجھ چکا ہوں کہ اخلاق ہی کی اصلاح پر دونوں جہان کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔ اور یہی بد اخلاقی ہم کو خلق و خالق دونوں کے نزدیک مقبول ہونے سے مانع ہے حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید صراطِ مستقیم میں فرماتے ہیں کہ :-

از قومی ترین موانع نزول فیضِ رحمانی و درودِ عنایاتِ یزدانی برسا لیکن راہ حق تلوٹ نفوسِ ہیمیہ ایشان است بر ذائل اخلاق مثل بغض و حسد و کبر و حرام و غیبت و کینہ و ریاء و کذب

و طمع و حرص، سلف صالح تزکیہ ازیں رذائل مقدم تر و مهم تر امید انستند و آنرا صرف بنا برضا جوئی حق از دل خود منقطع و منقوع میکرده اند..... لہذا مورد عنایات بینایات می شدند و بہ ہمیں تزکیہ ارضاء اللہ تعالیٰ بعمل می آوردند مقبول میگشتند۔ و ہر کہ با وجود طے مراتب سلوک منضبط مورد آثار عنایات نشود آثار ایں ہمہ رذائل یا بعض ان در وی البتہ محسوس خواہد بود پس وجود ایں رذائل مانع ورود عنایات الہی است۔ یعنی فیض رحمانی کے نزول کا سب سے بڑا مانع قلب کا رذائل سے آلودہ ہونا ہے۔ سلف صالح نے ان رذائل کے تزکیہ کو مقدم رکھا ہے اور جس شخص پر مراتب سلوک کے طے کرنے کے بعد بھی عنایات کے آثار ظاہر نہ ہوں تو یقیناً اسکے اندر ان رذائل کے آثار پائے جائیں گے۔

پس جس طرح سے بدون اخلاق کے خالق تک رسائی ناممکن ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ مخلوق تک بھی وصول بدون اخلاق کے دشوار ہے۔ آپ دیکھ لیجئے کہ متکبر اور بد اخلاق شخص کو کون اپنے پاس دیکھنا گوارا کرتا ہے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ دین اور دنیا دونوں کی صلاح حسن اخلاق پر موقوف ہے اور اخلاق کی اصلاح وہ معتبر ہے جو کہ عمل سے ہو فقط زبان سے نہ ہو۔ اس پر آپ کو ایک صاحب کا واقعہ سنا تا ہوں۔

میری بستی میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں جو دوسرے مسک کے لوگوں میں سے ہیں۔ چنانچہ اطراف میں میلاد وغیرہ پڑھنے جایا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ قریب ہی کی بستی سے میلاد پڑھ کر واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں میرے ایک آدمی نے جو کہ اسی بستی کا تھا ان سے کچھ پوچھا کھنوں نے کچھ جواب دیا اس نے پھر کچھ کہا غرض بات بڑھ گئی اور ان مولوی صاحب نے چھڑی سے اسکو مار دیا۔ وہ بھی جوان آدمی تھا مولوی صاحب کو اٹھا کر پٹک دیا اور غالباً مارا دارا بھی۔ میں ان دنوں مٹو میں تھا یہاں دوسرے فریق کے لوگوں کو بہت اشتعال ہوا اندیشہ تھا کہ فساد ہو جائے کہ ایک آدمی سائیکل سے فوراً میرے پاس پہنچا اور کہا کہ دو واقعہ کی اطلاع کرنے آیا ہوں۔ ایک تو یہ کہ گاؤں میں پولیس آئی ہے اور گھر گھر ہتھیار کی تلاش ہو رہی ہے دعائیجئے کہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو محفوظ رکھے اور دوسرا واقعہ اس سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ فلاں نے فلاں مولوی صاحب کو پیٹ دیا ہے اس کی وجہ سے دوسری جماعت کے لوگ بہت مشتعل ہیں اور معلوم نہیں اس وقت گاؤں کا کیا حال ہے۔ میں نے کہا کہ پہلی بات کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزت و اکبر و رکھیں اور اس واقعہ کے سلسلہ میں تم یہ کرو کہ

ان مولوی صاحب کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ بات وہاں تک پہنچ گئی ہے اور اس شخص نے آپ کو نہیں مارا مجھ کو مارا ہے اور اب اسکا بدلہ ہمارے ذمہ ہے اور انکی مسجد پر کھڑے ہو کر زور سے اعلان کر دو کہ اس واقعہ کا فیصلہ اب مولانا کریں گے آپ لوگ قطعی مشتعل نہ ہوں اگر انصاف نہ ہوا تو پھر جو چاہئے گا کیجئے گا۔ پھر میں کو پایا وہاں وہ مجرم صاحب تشریف لائے تو سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ سب کے سامنے ان پر بہت خفا ہوا اور خوب مارا اور کہا کہ تم سے کیا مطلب تھا۔ اگر انھوں نے اپنی تقریر میں کچھ کہا بھی تھا تو میں اسکا رد کرتا یا نہ کرتا اسکا تعلق تو مجھ سے تھا تم نے کیوں مارا اور انکی تم نے کیوں توہین کی۔ لوگوں نے جب اسکو دیکھا تو یقین آ گیا کہ میں واقعی اس سے ناخوش ہوں اس سے انکے اشتعال میں بہت کچھ کمی ہو گئی پھر میں نے ان صاحب سے کہا کہ جاؤ اور مولوی صاحب کے پاؤں پکڑ کر ان سے معافی مانگو اور اسکا تتمہ یہ ہے کہ بالکی پر انکو اپنے گھر لے جا کر انکی دعوت کو رتب میں معاف کر دوں گا ورنہ نہیں۔

چنانچہ وہ صاحب گئے اور معافی مانگی انھوں نے معاف کر دیا لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی جلدی معاف بھی کر دیا۔ کہنے لگے بھائی اس شخص نے ایسے طور پر مجھ سے معافی مانگی کہ مجھے معاف کرنا ضروری ہو گیا اور میں معاف کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اس نے دعوت کے لئے کہا تو انکے گھر کی عورتوں نے کہا کہ اسی گاؤں سے کل پٹ کر آئے ہو آج وہیں دعوت کھانے جاؤ گے یہ تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے تو کہنے لگے کہ بھائی عورتیں منع کرتی ہیں اس نے کہا کہ اچھا میں کھانا پیس لاؤں گا اور دعوت کرنی مجھے ضروری ہے اسلئے کہ ہمارے حضرت کی معافی اسی پر موقوف ہے خیر اسکو منظور کر لیا وہ گھر گیا اور اچھے اچھے کھانے پکوا کر لایا اور انکے گھر دے آیا اور دوسرے دن جب اپنے برتن لینے گیا تو مولوی صاحب کھانا ہی کھا رہے تھے کہنے لگے دیکھو جی تمہارے ہی یہاں کا بچا ہوا کھانا اسوقت بھی کھا رہا ہوں۔ غرض وہ بالکل راضی ہو گئے اور ایک اتنا بڑا فتنہ کہ جس کو سن کر اول دہلہ (پہلے پہل) میں تو سمجھا تھا کہ اب ایسی آگ لگ گئی ہے کہ اس نے تو میسری اب تک کی ساری محنت ہی خاکستر کر کے رکھ دیا ہے لیکن الحمد للہ کہ وہ فتنہ بہت جلد فرو ہو گیا اور اپنے بعد اپنا کوئی اثر بھی نہ چھوڑا تو میں یہی سمجھا کہ یہ اخلاق کی فتح... تھی۔

یہی سکھلاتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ لوگ اسی طور پر کام کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کل شعبوں کی تکمیل فرمائی اور شعبہ اخلاق کی تکمیل تو ایسی فرمائی کہ دنیا نے نئی زندگی پائی اور جس طرح سے آپ نے خدا سے

رابطہ و تعلق کو استوار فرمایا اسی طرح سے حسن اخلاق کے ذریعہ مخلوق کے باہم تعلق کو بھی صحیح و درست فرمادیا۔

چنانچہ صاحب روح المعانی تحت آیت **هُوَ الَّذِي آتَاكَ لَكَ بَصِيرَةً وَالْمُؤْمِنِينَ وَأَلْفَ بَيْنٍ تَلْوِيهِمْ** (وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔ رومی) فرماتے ہیں۔

مع ما جبلوا عليه كسائر العرب من الحمية والعصية والامتناء على الضعيفه والتها لك على الانتقام بحيث لا يكاد ياتلف فيهم قلبان حتى صامسا وتوفيقه تعالى كنفس واحدة۔

یعنی مسلمانوں میں اتفاق پیدا کر دیا باوجودیکہ وہ اپنی فطرت میں عام عرب کی طرح کینہ و حسد اور حسد اور عصبیت کی وجہ سے اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ دو دل بھی ایک نہ ہو سکے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک جان کی طرح ہو گئے۔

اس میں اس امر کی تائید ہے کہ بعد بعثت سرور کائنات دنیائے اُتلاف و محبت کی نئی زندگی پائی۔

چنانچہ اس موضوع پر میں نے کچھ بحث اپنے ایک رسالہ الوصایۃ المکتونۃ فی الولایۃ المسنونۃ المعروف "بوصیۃ الاخلاق" میں کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے وہ ارشادات جو اخلاق سے متعلق تھے جمع کر دئے ہیں۔ (کتاب قابل دید ہے)

اس وقت اخلاق سے متعلق ایک اور مضمون ارسال خدمت ہے اسکو ملاحظہ فرمائیے۔
اور اگر مناسب تصور فرمائیں تو اشاعت کے لئے دیدیجئے۔ فقط والسلام
(منقول از ماہنامہ الاحسان الہادی ۲۹ شماره ۳)

پہلے شمارہ میں اس سلسلہ میں ہم نے ”چار ہفتہ ایک کہف میں“ اور مکاتیب ثلاثہ یہ دو مضامین رسالہ الاحسان سے نقل کئے تھے اُس کے آخر میں حضرت نے مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ کے خط کے جواب میں انہیں اپنے ایک مضمون کے بارے میں لکھا تھا کہ ارسال کر رہا ہوں اس کو ملاحظہ فرمائیے اور اگر مناسب تصور فرمائیں تو اشاعت کے لئے بھی دیدیجئے چونکہ یہ مضمون بھی خط کا جزو تھا اس لئے ہم یہاں اُسے بھی پیش کرتے ہیں۔ دھوہڈلا

(مضمون ضرورت تقویم اخلاق)

فرمایا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کی جائے اس میں چہرہ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:-

فینبغی ان یکون فہم توثر
کسی کی صحبت کے موثر ہونے کے لئے اس میں

صحبۃ خمس خصال ان یکون
پانچ صفات کا پایا جانا ضروری ہے (اول یہ کہ وہ عاقل ہو۔

عاقلاً حسن الخلق غیر فاسق
ادیم یہ کہ حسن خلق کے ساتھ متصف ہو (سوم یہ کہ فاسق نہ ہو۔

والابتدع ولا حریص علی الدنیا
(چہارم یہ کہ بدعتی نہ ہو) پنجم یہ کہ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔

اما یعقل فہو را س المال
بہر حال عقل اس لئے کہ وہ تو اصل اور را س المال ہی ہو۔

وہو الاصل فلاخیر فی صحبۃ
پس احمق کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے (بلکہ اس کی

الاحق فالی البیضۃ والقطیعة
مصاحبت خواہ کتنی طویل کیوں نہ ہو انجام اس کا وحشت

ترجع عاقبتہا وان طالت۔
اور قطع تعلق ہی ہوتا ہے۔

وَأَمَّا حَسَنُ الْخَلْقِ فَلَا
بَدَلَ مِنْهُ إِذْ رَبُّ عَاقِلٍ يَدْرِكُ
الْأَشْيَاءَ عَلَى مَا هِيَ عَلَيْهِ
وَلَكِنْ إِذَا غَلَبَ غَضَبٌ أَوْ
شَهْوَةٌ أَوْ بَخْلٌ أَوْ جَبِينٌ أَوْ طَاعٌ
هَوَاهُ وَخَالَفَ مَا هُوَ الْمَعْلُومُ
عِنْدَهُ لَعَجَزَهُ عَنْ قَهْرِ
صِفَاتِهِ وَتَقْوِيمِ اخْلَاقِهِ
فَلَا خَيْرَ فِي صَحْبَتِهِ وَأَمَّا الْفَاسِقُ
الْمَصْرُوعُ عَلَى الْفُسْقِ فَلَا فَائِدَةَ
فِي صَحْبَتِهِ وَأَمَّا الْمُبْتَدِعُ فَصَحْبَتُهُ
خَطَرٌ لِسَرَايَةِ الْبِدْعَةِ وَ
لِقَدَمِ شُومِهَا إِلَيْهِ فَاَلْمُبْتَدِعُ
أَلَمْ يَسْتَحِقْ لِلْمُجَرَّدِ وَالْمُقَاطَعَةِ
فَلَيْفَ تَوَعَّرَ صَحْبَتَهُ۔

اور حسن خلق اس لئے ضروری ہے کہ بہت سے لوگ
جو عاقل ہوتے ہیں اور چیزوں کی حقیقت بھی انکو معلوم
ہوتی ہے لیکن ان پر غصہ یا سنوت یا بخل یا جبن (بزدلی)
کا غلبہ ہوتا ہے تو اپنے خواہشات کی اتباع کر بیٹھتے ہیں
اور (مذکورہ چیزوں کی قباحت کے متعلق) جو کچھ انکو معلوم
ہوتا ہے اس کی مخالفت کر جاتے ہیں اور یہ اسلئے (ہوتا ہے)
کہ وہ اپنی صفات مذمومہ کو مقہور و مغلوب کرنے اور
اپنے اخلاق کی درستگی سے عاجز ہوتے ہیں پس ایسے شخص
کی صحبت میں بھی کچھ خیر نہیں ہے اور بہر حال فاسق جو کہ
اپنے فسق پر مصر ہو (جما) تو اس کی صحبت میں تو (سوائے
نقصان کے) کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور بہر حال مبتدع
(بدعتی) تو اس کی صحبت خطرناک ہے کیونکہ بدعت خود اس
شخص کے اندر بھی سرایت کر جائے گی اور اس کی نخوت کے
اس کی جانب بھی متعدی ہو جائے گی۔ لہذا ایسا شخص توڑکی
اور مقاطعہ (قطع تعلق) کا مستحق ہے (نہ کہ صحبت کے لائق)
پس اس کی صحبت بھی کیا مؤثر ہو سکتی ہے۔

آگے چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

وَأَمَّا الْحَرِيصُ عَلَى الدُّنْيَا
فَصَحْبَتُهُ سَبَبٌ قَاتِلٌ لَانِ الطَّبْعَ
مُجْبُولَةٌ عَلَى التَّشْبِهِ وَالْإِقْتِدَاءِ
بِلِ الطَّبْعِ لِيَسْرِقَ مِنَ الطَّبْعِ
مَنْ حَيْثُ لَا يَدْرِي صَاحِبَهُ
فَيَجَالِسُهُ الْحَرِيصُ عَلَى الدُّنْيَا
تَحْرُكُ الْحَرِصِ وَمَجَالِسَةُ الزَّاهِدِ
تَزْهَدُ فِي الدُّنْيَا فَلِذَا لَكَ

اور بہر حال جو شخص دنیا کا حریص ہو تو اسکی صحبت تو
سم قاتل ہی ہے اس لئے کہ طبع مجبول ہیں۔ دوسروں کی اقتداء
اور انکے ساتھ مشابہت اختیار کرنے پر بلکہ ایک طبیعت دوسری
طبیعت سے (صفات و خصال کی) اس طرح چوری کرتی رہتی
ہے کہ اس کے صاحب کو اسکا علم اور احساس تک نہیں ہوتا۔ لہذا
جو شخص دنیا کی حرص رکھتا ہو اس کی صحبت سے تو حرص دنیا
ہی پیدا ہوگی اور زاہد کی صحبت نہ ہد عن دنیا پیدا کرے گی
اس لئے طالبین دنیا کی صحبت مذموم ہے اور جو لوگ

متكوه صحبة طلاب الدنيا و كمال آخست ہیں ان کی صحبت پس پریدہ اند
لیستحب صحبة الراغبین فی اور محمود ہے۔
الآخرة۔

(احیاء العلوم ج ۲)

امام کا یہ مضمون نہایت عمدہ ہے لیکن مجھے بہت دنوں سے یہ خیال ہوتا تھا کہ
عبادت کی تکلیف تو لوگ برداشت کر لیتے ہیں حالانکہ عبادات میں سہولت نہیں ہے مثلاً
رات کا جاگنا اور حسن خلق میں کوئی صعوبت نہیں ہے۔ اسے لوگ اختیار نہیں کرتے اس کی
کیا وجہ ہے؟

اسکا حل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام بالا ہی سے نکل آیا۔ چنانچہ امام صاحب
نے صاحب صحبت نیک کے لئے عاقل ہونے کے ساتھ حسن الخلق ہونے کی شرط لگائی ہے جسے
اپنی عبارت و اما حسن الخلق الخ میں بیان فرمایا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان پر
اسکا نفس غالب ہو جاتا ہے اور بد اخلاقیات راسخ ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے اپنے
ذرائع کو مقہور کرنے اور اپنے اخلاق کو درست کرنے پر اس کو قدرت باقی نہیں رہ
جاتی یہ اس کے سوء استعمال کا نتیجہ ہے کہ سہل چیز کو اپنے سوء استعمال سے دشوار
کر لیا۔ میں دشوار اصلی حسن خلق کو کہہ رہا ہوں ورنہ نمائشی اور ملمع سازی تو
آج کل عام ہے۔

یہ تو وہ جواب تھا جو امام کی اس عبارت و لکنہ اذا غلبہ غضب و شهوة
ادخل ادجن اطاع هواہ و خالف ما هو المعلوم عندہ۔ سے مفہوم ہوتا ہے لیکن
میر می سمجھ میں اس کا ایک دوسرا جواب بھی آتا ہے کہ انسان اپنی ذات میں تمام کمالات
و برات سے خالی ہے، حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس کو کمالات و برات کی معرفت
ہوتی ہے۔ بعثت لا تتم مکاسبہ الا اخلاق میں یہی مضمون ارشاد ہے۔ یعنی انکی
تعلیمات کو معلوم کر کے اور پھر ان پر عمل کر کے ہی انسان تمام کمالات سے متصف ہو سکتا
ہے ورنہ اس کو اس کی تمیز ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ حسن خلق کیا ہے اور سوء خلق کیا ہے
مثلاً کبر اور تواضع کا فرق انبیاء علیہم السلام ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ فرق ان کی تعلیم

ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم جو حسن خلق کے متعلق ہے اس کا علم ہی پیش نظر نہیں ہے یہ وجہ ہے دشواری کی اور عبادت کا تعلق ظاہراً معبود سے معلوم ہوتا ہے تو اسکا دین ہونا ان کے نزدیک بھی عقلاً مسلم ہے اس لئے اس کا لقب برداشت کر لیتے ہیں۔ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ عبادت کے بعد احوال اگر پیدا ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ شخص حسن اخلاق سے متصف نہ ہو اور اس کا علم تک اس کو نہ ہو۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امام کی اس عبارت سے (جو حسن خلق کے متعلق گزری) چند فوائد بھی مستنبط ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس سے حسن خلق اور سوء خلق کی تعریف معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کس شخص کو حسن الخلق کہا جائے گا۔ اور کس کو سئی الخلق نیز یہ کہ کسی شخص کے سئی الخلق ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اور کسی کے حسن الخلق ہونے کا طریقہ کیا ہے؟

چنانچہ حسن خلق اپنی صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی درستگی اور اپنے علم کے مقتضی پر عمل کرنے اور ہوائے نفس کی اتباع نہ کرنے کا نام ہے اور سوء خلق اسکی بالکل ضد یعنی اپنی صفات مذمومہ کو مقہور نہ کر سکنے اور اخلاق کی تقویم پر قادر نہ ہونے اور ہوائے نفسانی کی اطاعت کرنے اور اپنے علم کے مقتضی پر عمل نہ کرنے کا نام ہے۔

اور جو شخص ایسا ہو کہ صفات مذمومہ کے مقہور کرنے سے عاجز ہو اور اخلاق کی تقویم پر قادر نہ ہو، ہوائے نفس کا متبع ہو اور باوجود جاننے کے علم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو وہ سئی الخلق ہے۔ اور اس کے بالمقابل جو شخص ایسا ہو کہ اپنی صفات مذمومہ کو مقہور کئے ہوئے ہو اور اخلاق کی تقویم پر قادر ہو علم کے مطابق عمل کرتا ہو اور ہوائے نفس کی اتباع نہ کرتا ہو وہ حسن الخلق ہے اور انسان کے سئی الخلق ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ہوائے نفس کی اتباع اور ماہوا معلوم عندہ (اپنی معلومات) کی مخالفت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ صفات بد اس میں راسخ ہو جاتی ہیں اور وہ شخص سئی الخلق ہو جاتا ہے اور اس کے حسن الخلق ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اخلاق کا علم حاصل کیا جائے اور جو کچھ اس کو معلوم ہے اس کی مخالفت نہ کرے اور ہوائے نفس کی مخالفت کرے اطاعت

مذکرے اسی طرح کرتے کرتے وہ حسن الخلق ہو جاتا ہے۔
 اُپر امام غزالیؒ نے صاحبِ صحبت کی منجملہ اور شرائط کے اس کا عاقل ہونا بھی بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد اس کا حسن الخلق ہونا بیان فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک انسان عاقل ہوتا ہے اور اشیاء کو صحیح صحیح جیسا کہ وہ ہیں سمجھتا ہے مگر جب اس پر غضب یا شہوت یا بخل یا جبن کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کر لیتا ہے اور اپنے علم کے خلاف کر بیٹھتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی صفات کو مقہور کرنے سے قاصر اور اپنے اخلاق کی تقویم سے بالکل عاجز ہوتا ہے (یعنی وہ حسن خلق سے گویا متصف نہیں ہوتا) لہذا اس کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے۔

امام کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایسا ہو اس کی صحبت نہیں اختیار کرنی چاہئے کیونکہ وہ حسن خلق سے عاری ہے حالانکہ صحبت والے کے لئے اس کے ساتھ اقصاء ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی غضب اور شہوت۔ بخل اور جبن وغیرہ اور اسکے جو نطفائے میں سوء اخلاق کہلاتے ہیں اور ان ہی کے ساتھ متصف ہونے والا شخص سبب الخلق ہوتا ہے اور ضمناً اس سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ ان مذکورہ صفات کی جو اضرار ہیں۔ مثلاً غضب کے مقابلہ میں حلم۔ شہوت کے بالمقابل عفت۔ بخل کی ضد سخاوت اور جبن کی ضد شجاعت وغیرہ اور انکے نظائر حسن اخلاق کہلاتے ہیں اور جو شخص انکے ساتھ متصف ہو وہ حسن الخلق کہلاتا ہے۔

جب امام کی اس عبارت سے حسن خلق اور سوء خلق کے مصادیق معلوم ہو گئے تو پھر لوگ اس زمانہ میں صرف ظاہری نرمی اور کسی سے ہنس کر بول دینے ہی کو کیوں خوش اخلاقی سمجھتے ہیں۔ امام کی تصریح سے تو معلوم ہوا کہ غضب۔ شہوت۔ بخل اور جبن وغیرہ صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی تقویم کر کے حلم و عفت۔ سخاوت و شجاعت وغیرہ سے متصف ہونے کا نام حسن الخلق ہوتا ہے۔

باقی یہ صحیح ہے کہ کسی سے نرمی کے ساتھ ملنا اور خستہ پوشی سے گفتگو کر لینا بھی حسن اخلاق میں سے ہے جب کہ اس کا منشاء تواضع ہو ورنہ اگر دل میں تواضع نام کو نہ ہو اور ظاہر سے یہ سب باتیں کی جائیں تو ان کی حیثیت تملق اور ظاہر داری سے زیادہ کچھ نہیں اور خوش اخلاقی سے تو اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

یہاں پر ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ امام نے یہاں جس غصہ کو سو، خلق فرمایا ہے وہ غضب مفروط ہے جو کہ حدود شرع سے متجاوز ہو باقی شرع کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اور اس کو اپنے محل پر مقصور رکھتے ہوئے غصہ نہ صرف یہ کہ ایک امر محمود بلکہ مطلوب بھی ہے۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء علوم میں لکھا ہے کہ جس طرح سے کہ غصہ ایک ردیہ ہے اور قابل اصلاح ہے اسی طرح سے غصہ کا انسان میں مطلقاً نہ ہونا بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ ایک مرض ہے جو قابل علاج ہے اور یہ اس لئے کہ غصہ کی مثال شکار ہی کہتے کئی سی ہے جو نفس کو شکار کرتا ہے۔

پس جس شخص میں غصہ نہ ہوگا وہ نہ تو دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ خود اپنی اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی اصلاح میں غصہ کس درجہ معین ہے۔

دیکھئے! امام ہی ہیں کہ جو عدم غصہ کو بھی مرض فرما رہے ہیں۔ اگر امام اس کو نہ بیان فرماتے تو لوگ کبھی بھی اس کو مرض شمار نہ کرتے بلکہ یہی سمجھتے رہتے کہ جس شخص میں جتنا غصہ کم ہو اتنا ہی وہ بزرگ ہے۔ حتیٰ کہ جس میں مطلقاً غصہ نہیں اس کو سمجھتے کہ یہ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے گویا نفس غصہ ہی کو حسن خلق اور ولایت کے منافی سمجھتے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اب آپ خود ہی غور فرمائیے کہ آج اس بات کو شاید ہی کوئی بیان کرتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مضمون تقویم الاخلاق ختم ہوا)

حضرت مولانا عبد الباقی صاحب ندوی مدظلہ العالی کا سفرنامہ فتحپور معدودت بہ "چار ہفتہ ایک کہف میں" اور مکاتیب ثلاثہ سے حالات مصلح الامت کی ابتدا اس لئے کی گئی تاکہ پتھر سے بیان سے زیادہ باتیں ناظرین کو معلوم ہو جائیں نیز یہ کہ شہادت اہل ہی کی معتبر ہوتی ہے اور جس نے قریب سے حضرت کو دیکھا ہو اور حضرت کی صحبت سے بھی مستفید ہوا ہو اس کی بات صحیح اور وزنی ہوتی ہے خاصکر اہل علم حضرات اور بالخصوص علماء عصر جس کے معتقد ہو جائیں اُس کے فضل و کمال میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی کے کمال کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ سب اہل زمانہ بھی اسے کامل سمجھتے ہوں مگر خوش نصیبی سے اگر کوئی اللہ کا بندہ کبھی ایسا ہو گیا ہے کہ اس کے ہمعصر اور اہل زمانہ سب ہی نے اس کو مان لیا ہے اور کامل جان لیا ہے تو آپس بھی شک نہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن مقبول بندوں میں سے ہے جن کے

لئے قبولیت آسمان سے اُترتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں (یعنی اس کو اپنا مقبول بناتے ہیں) تو فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میں اس بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ پکار اور مقبولیت زمین پر اُتر آتی ہے۔

چنانچہ اہل زمین بھی اس بندہ سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتؑ کو یہی درجہ عطا فرمایا تھا اس لئے کہ دیکھا جاتا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مجلس اور ملاقات میں ہی لوگوں کی نظریں رخ انور کی زیارت سے میر اور آسودہ نہ ہوتی تھیں بلکہ سفر اور تفریح میں بھی حضرتؑ جس طرف کو بھل جاتے تھے مخلوق خدا (جس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تخصیص نہ ہوتی تھی) کے لئے رخ والا ایک تماشا گاہ بن جاتا تھا۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرتؑ کو محبوبیت عامہ اور مقبولیت خاصہ سے نوازا تھا۔ چنانچہ کیا عوام اور کیا خواص سب ہی آپ کے والد و شہید تھے اور عوام تو عوام خواص زمانہ نے بھی حضرتؑ کو ایسا مانا کہ کم ہی لوگوں کو ایسی مقبولیت عامہ نصیب ہوا کرتی ہے۔ الا ماشاء اللہ

پس حضرتؑ کے حالات کے سلسلہ میں ایک اہم باب یہ ہے کہ اکابر امت اور علماء عصر کے نزدیک حضرتؑ کا کیا درجہ اور کیا مقام تھا۔ چنانچہ پہلے ہم اسی سے متعلق حالات و واقعات بیان کرتے ہیں۔

”حضرت مصلح الامتؑ علمائے وقت کی نگاہ میں“

دعائے ادب اور حسن تربیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم اکابر امت اور علماء عصر میں سے پہلے ان حضرات کی گفتگو سے اس سلسلہ کو شروع کرتے جنہیں حضرتؑ اکابر فرمایا کرتے تھے مگر چونکہ ادب حضرت مولانا عبد الباقی صاحب ندوی مدظلہ العالی کے تاثرات کا بیان ہو چکا تھا اس کے تناسب کے خیال سے انکا ہی ایک اور خط جو انہوں نے حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی ہی کے نام لکھا پیش کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین اس سے بھی محفوظ ہوں گے۔ اس میں بھی مولانا ندوی مدظلہ العالی نے امت کو

مصلح الامت کا تعارف کرایا ہے اور یہ مضمون صدق میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ دھواہذا

”وقت کے ایک بزرگ“

پختہ تر خود می شود خمر کن خاصہ آں خمریکہ باشد من لدن
کئی سال بعد حضرت فیتھوری ثم الہ آبادی (مولانا شاہ وصی اللہ صاحب) بارک اللہ
فی برکاتہم کی خدمت میں تین دن حاضری رہی۔ پورے دوران قیام میں جذب و
جوش کی ترقی تو خمسہ کن کا مگر ہوش ہی ہوش کی باتیں من لدن کا رنگ دکھائی
رہیں۔ صبح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیرمغاں کی شان سے چوکی پر تشریف فرما ہو کر تقریری
مجلس کا اب روزانہ معمول ہے جگمگا ہر رنگ کے میخاروں کا رہتا ہے۔ علماء و مشائخ
ڈاکٹر و پروفیسر۔ وکیل و بیرسٹر۔ لیڈر و ممبر بھی۔ اور اب کی تو اس مریض الملک نے
آپ کے لکھنؤ کے ہر دوشفا الملکوں کو بھی اس روحانی شفا خانے کا چکر لگاتے
ہوئے پایا۔

ہمارے ڈاکٹر محمود صاحب تو معلوم ہوا تھا کہ قریب قریب ہر مہینہ حاضری دیتے
رہتے ہیں۔ اب خبر ملی کہ گرفتار یا دست گرفتہ ہی ہو کر رہے۔ بہت تاثر کے ساتھ ایسا
کہتے سنے گئے کہ زندگی میں ایک روحانی شخصیت تک رسائی مل گئی۔ ان سطور کی تحریر
سے تین چار دن پہلے ایک بھانوی سلسلہ کے دوست بہار سے ملنے آئے جن سے معلوم
ہوا کہ ان اطراف میں حضرت کی شہرت بہت بڑھتی جا رہی ہے۔ نہ خطیبانہ تقریر۔ نہ
منشیانہ تحریر مگر۔ تقریر نہ کر تاثر دکھا۔ کا یہ عالم دیکھ کر اپنی سمجھ میں تو بس عارف روم کی
ایک ہی بات آتی رہی ۵

ہر کجا بویٰ خدا می آید خلق میں بے سرو پا می آید
ہوش ہی ہوش کی باتیں ایسی کہ ایک دن تقریری مجلس ہی میں عرب و عجم ہر جگہ

۵۱ اس سے مراد لکھنؤ کے مشہور طبیب حکیم حافظ شمس الدین صاحب اور حکیم عبداللطیف صاحب ہیں۔

۵۲ اس سے اکر الہ آبادی کے اس مصرع کی جانب اشارہ ہے ۵

دل جوش میں لا۔ فریاد نہ کر پتاثر دکھا۔ تقریر نہ کر (صدق)

کے مسلمانوں کی تباہ کاریوں اور بربادیوں پر غایت قلق و افسوس کے ساتھ باریاد فرمایا کہ "بس علاج ایک ہی ہے دوسرا ہرگز نہیں" ایمان و اتباع - جس کو خود یہ سراپا بد حال ایمان و عمل صالح کے ٹھیکہ قرآنی اصطلاح میں مسلمانوں کے دینی و دنیوی انفرادی و اجتماعی ہر مرض کا علاج کہا کرتا ہے۔

اور بھی روزانہ پتہ ہی پتہ کی بہت سی باتیں فرماتے رہتے ہیں۔ عموماً زیادہ زور اخلاق کی تعلیم و اصلاح پر رہتا ہے۔

ایک اور بھی جامع اضداد رنگ تیز سے تیز ہی پایا۔ یعنی ایک طرف تو مخلوق سے استغنائے تام اور دوسری طرف دستِ غیب کا غنائے تام۔ ہزاروں ہزار کی مسجدیں بن جانا تو گویا حضرت ممدوح کے ہر رنگ کا حق و حصہ بن گیا ہے۔ فقیہوں کی عالیشان خانقاہ اور پھر اس سے بڑھی بڑھی مسجد کے بعد کچھ مدت گزر چھوڑ میں قیام رہا تو وہاں کی چھوٹی سی مسجد شاندار و منزلہ ہو گئی۔

الہ آباد میں جس محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اس میں بھی سنا پچاس ساٹھ ہزار کا تعمیری اضافہ ہوا ہے۔ وہیں اسٹیشن کی ایک چھوٹی سی مسجد جو منہدم ہو رہی تھی اپنی آنکھوں سے مجسم سنگ مرمر سے بلوس اور قرب تکمیل دیکھ کر آیا۔

تھانوی سلسلہ میں یہ رنگ بس ایک ہی بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری ثم لاہوری کا اور دیکھا۔ جامعہ اشرفیہ کی لاکھوں لاکھ کی نق و دق عمارت کا سلسلہ تو آپ بچشم خود دیکھ آئے ہیں۔ خاکسار سے رہا نہ گیا تو کسی عرض میں کچھ ایسا عرض کر دیا تھا کہ عمارت پر اتنا زور دینے کا کیا حاصل! "جواب اس ٹوٹا پھوٹا قلم چلانے والے کو کیسا دندان شکن عطا ہوا۔" حاصل تو نہ عمارت کا ہے نہ عبارت کا "اسکے سوا کیا عرض کیا جائے کہ اللہ خزائن السموات و الارض کے خزانوں میں کمی ہی کیا۔؟ معلوم ہوتا ہے اپنے مجبوں اور مجبوروں کی ایسی مباح خواہش بھی غیب سے ان خود پسندی فراموشی جاتی ہے۔ ع۔ تو جنیں خواہی خدا خواہ جنیں

۱۔ اس کرامت کا اصل راز دونوں بزرگوں کی اپنی ذات کے لئے کامل بے طمع یا بے لوثی ہے۔ اور یہ صفت ہم دنیا داروں میں نہیں پیدا ہوتی ہے۔ زیادہ نہ سہی جب بھی کچھ دیکھ لگاؤ تو اپنی ذات یا نفس کے لئے وہ ہی جانتا ہے۔ عبارت آرائی کے زور سے حسن طلب پیدا ہو جاتا، صدق طلب پیدا نہیں ہوتا۔ محمد علی جوہر کا شعر ہے ۵ حسن طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا ۶ ہو صدق طلب بھرا اثر آہ رسا دیکھ (صدق)

حضرتؑ کی شہرت کا ایک ظاہری سبب

اللہ تعالیٰ کو جب کوئی کام منظور ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی فراہم فرمادیتے ہیں ہمارے حضرتؑ نے تھانہ بھون سے واپسی پر اپنے وطن یعنی فچپور جیسی کورہ جگہ میں قیام فرمایا جہاں سفر کر کے لوگوں کا پہونچنا بھی آسان نہ تھا۔ شاید اس وجہ سے بھی مولانا ندوی نے اُسے کہف سے تیسر فرمایا ہو۔ طالبین جو وہاں باہر سے حاضر ہوتے تھے وہ یا تو کوپانچ اترتے یا گھوسی۔ ان دونوں قصبات سے فچپور تال زجا (جو کہ حضرت کا مولد و وطن تھا) کا فاصلہ چار پانچ میل سے کم نہ ہوگا۔ خام ناہموار راستہ جس پر کوئی سواری یکہ و تانگا وغیرہ ادا تو جانے کے لئے تیار نہ ہوتا اور اگر کسی کو کچھ پیسے زیادہ دے کر تیار کر بھی لیا جاتا تو راستہ کے تجربات حاصل کرنے کے بعد دوسری بار آنے والا پھیل ہی چلنے کو ترجیح دیتا۔

پھر اگر موسم بارش کا ہوتا تو راستہ میں تین چار جگہ ندی نالے عبور کرنے پڑتے جو کبھی تو پایاب ہوتے اور کبھی انکو پار کرنے کے لئے کشتی کی ضرورت پڑتی ایک خاص قسم کی پتلی اور لمبی سی کشتی ہر گھاٹ پر موجود ضرور ہوتی ہے لیکن اس پر سوار ہونا ایک شہری کے لئے بہت ہی صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ عادی ہوتے وہ اُس پر بے تکلف آتے جاتے۔ حتیٰ کہ دیہات کی غورتیں سر پر بوجھ اور گود میں بچے کو لئے سوار ہو کر کھڑے کھڑے پار ہو جاتی تھیں لیکن اور دوسرے مقام کے شہری لوگوں کے لئے جن کو اس کی مشق نہ ہوتی یہی بڑی بات تھی کہ سلامتی کے ساتھ پار اُتر جائیں ورنہ تو بسا اوقات خطرہ اور اندیشہ اسکا ہو جاتا تھا کہ اپنا توازن کھو کر کہیں یہ حضرت۔ ع۔ ہم تو ڈوبیں گے صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ کا مصداق نہ ہو جائیں۔ تاہم ۷

ہر کجا بوئے خدا می آید خلق میں بے سرو پا می آید جن حضرات نے اس بو کو سونگھ لیا تھا اُن کے لئے ساری مشکلات آسان تھیں۔ لوگ پہنچتے رہے لیکن اطراف و جوانب کے ہی زیادہ اور باہر کے بہت کم۔ یہ تو جائے قیام کا منظر تھا۔

اور حضرتؑ کے گمنامی اور گوشہ نشینی کا یہ عالم تھا کہ خود مولانا عبدالباقی صاحب

ندوی کو جب حضرت والاؒ کے کام کی اطلاع ملی اور انھوں نے حضرتؒ سے ملاقات کا ارادہ کیا تو ایک موقع پر حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب مدظلہ متہم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کو جو اسوقت فچھور میں ہی مقیم تھے یہ خط لکھا کہ حضرت مولاناؒ سے ملنے کا اشتیاق ہے حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں لیکن ذرا یہ تو بتائیے کہ یہ کون بزرگ؟ میں نے تھانہ بھون میں انھیں دیکھا ضرور ہوگا لیکن صورت کچھ ذہن میں آ نہیں رہی ہے آپ انکا کچھ حلیہ اور کچھ باتیں لکھئے جس سے میں پہچان سکوں۔

دیکھتے ہیں آپ حضرتؒ حضرت مولانا تھانویؒ کے مجاز بیعت۔ دیوبند سے فراغت کے بعد ایک عرصہ تک تھانہ بھون میں مستقل قیام فرمایا اور اپنے مرشد یعنی حکیم الامت سے اتنا قریبی تعلق کہ حضرت تھانویؒ کی تالیفات اور تصنیفات اور اکثر و بیشتر مضامین کے مسودات کی صفائی و تبیض حضرتؒ ہی سے متعلق اور مولانا عبد الباری صاحب کی برابر تھانہ بھون آمد و رفت۔ مگر وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کون بزرگ ہیں ان کا کچھ انا پتا بتائیے۔

یہ عرض کر رہا ہوں کہ حضرتؒ نام کے اعتبار سے ایسے گنام اور قیام کے اعتبار سے جگہ آپ کی اتنی کورہ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرتؒ سے کام لینا تھا اس لئے اُسکے اسباب فراہم ہونا شروع ہو گئے۔ منجملہ اُن کے ایک سبب یہ بھی ہو گیا کہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی فچھور تشریف لے گئے اور واپسی پر اپنے تاثرات قلبند فرمائے جس کی وجہ سے بہت سے طالبین خدا کو اس سرشیمہ معرفت کا سراغ لگ گیا اور لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حضرت مصلح الامتؒ کی جانب متوجہ ہونے لگے۔ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو سراغ لگتا ہی رہا اور حضرتؒ کے کام اور مرتبہ و مقام سے لوگ واقف ہوتے ہی چلے گئے۔ چنانچہ مولانا ندوی مدظلہ العالی بھی نہ معلوم کتنے طالبین کے لئے مراجعت کا ذریعہ بن گئے۔ اس وقت آپ کے سامنے دو بزرگوں کا ذکر کرتا ہوں جن کی حضرتؒ کے پاس حاضری یا نیم حاضری کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مولانا ندوی ہی کو بنایا۔ ان میں سے ایک بزرگ تو یہی مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی ہیں جنھوں نے حضرتؒ کے انھیں حالات سے متاثر ہو کر حضرتؒ سے ملاقات بھی کی اور کبھی کبھی سلسلہ مراسلت بھی رکھا۔ چنانچہ جب خود ہادی

ہو گئے تو دوسروں کے لئے مہندی بھی ہوئے۔
 اور دوسرے بزرگ حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ہیں جو حضرت کی
 خدمت میں حاضر تو نہ ہو سکے لیکن اشتیاق ملاقات از حد رکھتے تھے اور حضرت سے غالباً
 تعارف کے بعد حضرت کو مسلسل خطوط لکھے جو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آپ کی
 نظر سے گزریں گے اُن کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ گویا حضرت پر دل ہی نثار کر دیا
 تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں حضرت کا تعارف ہوا۔ ملاقات کی آرزو اور حسرت دیدار
 ہی ہوئے سفر آخرت فرما گئے رحمۃ اللہ

سابقہ مضمون "چار ہفتہ ایک کہف میں" چونکہ ایک خط تھا اس لئے قدرتی طور پر
 "کتاب" کے تاثر سے سب سے پہلے "کتوب الیہ" کو ہی متاثر ہونا چاہئے تھا اس کے
 بعد ان حضرات کو جن کی نظر سے وہ مضمون گزرے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی کہ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب وریا آبادی کو بھی
 حضرت کے متعلق قدرے تفصیلی علم مولانا ندوی مدظلہ کے اس خط اور اسی طرح
 کی دوسری تحریروں سے ہوا اور حضرت سے ملاقات کا جسد بہ بھی یہیں سے
 پیدا ہوا۔

اسی طرح سے مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کو جو عقیدت اور محبت
 حضرت سے پیدا ہوئی اس کا سبب بھی یہی مضمون بنا جس کا اظہار خود مولانا
 گیلانی نے اپنے اس خط میں فرمایا ہے جو مکاتیب ثلاثہ کا دوسرا خط ہے جس کے
 چند جملے یہ تھے کہ :-

آپ کا حد سے زیادہ مفید مضمون جو شائع ہو رہا ہے (مراد
 اس سے یہی "چار ہفتہ ایک کہف میں" والا مضمون ہے) اسکی مبارکباد
 عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ڈھونڈنے والوں کے لئے ہدایت کے اس مینار
 کا پتہ دیا گیا ہے جس سے لوگ عموماً نادان واقف تھے۔ انشاء اللہ بیسیوں
 کی اصلاح کا ذریعہ یہ مضمون بن جائیگا۔ دوسرے کیا! خود فقیر کو ہی
 پہلی دفعہ آپ کے ذریعہ علم و ہدایت کے اس پوشیدہ روشنی کا
 پتہ چلا ہے — الخ

اب چونکہ ان دونوں بزرگوں کے لئے یہی مضمون شمع راہ بنا
اس لئے اس مضمون کے متصل ہی ان حضرات کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی اور حضرت مصلح الامت

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کی حاضری
کا ذریعہ مولانا عبدالباقی صاحب ندوی ہوئے اس کو خود مولانا عبدالباقی صاحب
مدظلہ العالی نے اپنے ایک محترم کو جو کہ حضرت مصلح الامت کے مجاز بھی ہیں ان لفظوں میں
تحریر فرمایا ہے۔

عزیزم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت کی خدمت میں سلام رسانی بھی ضرور فرمادیجئے گا۔ لوگ زبانی
پیام دروأت کا حق ٹھیک کم ہی ادا کرتے ہیں۔ خود ہی حضرت سے
کچھ عرض کرنے کا ارادہ تھا مگر بالکل خلل توقع واپسی کے دن صبح کی
مجلس کے بعد دن بھر زیارت ہی نہ نصیب ہوئی۔

ماجد میاں سے بیچاس سال کے بے تکلفی کے تعلقات ہیں ان کا
مزاج شناس ہوں۔ حضرت اقدس (مولانا تھانوی) علیہ الرحمۃ سے
انھوں نے طالب سے زیادہ تعلق "طالب علم" کا رکھا ورنہ ان میں
انشاء اللہ بعض صلاحیتیں تو حکیم الامت ثانی ہونے کی موجود ہیں۔
بس اب حضرت (فتیحوری) ان کے طالب بن جانے کی دعا فرمائیں
انشاء اللہ حضرت کی شفقت کی دعا و توجہ انکا کام بنا دے گی۔

حاضری کا ارادہ ان کے دل میں ڈال کر ہادی مطلق نے مؤید
ہونے کی ابتدا تو کر لی دی ہے حالانکہ میں نے خود براہ راست
انکو اس پر آمادہ کرنے کے لئے کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا پس کچھ
لکھ دیتا رہا۔ قل کل یعمل علی شاکلتہ و سبکم اعلم بمن ہو
اہل ہی سبیلہ۔ والسلام دعا جو دعا گو

احقر العباد عبدالباقی ۲ ۱۱ ۱۳۳۵ھ

چنانچہ مولانا دریا آبادی کی حاضری کے ارادے نے وقوع کا درجہ پایا اور مولانا دریا آبادی۔ مولانا عبد الباقی صاحب ندوی کے ہمراہ الہ آباد حضرت کے یہاں تشریف لے آئے ایک دو مجلس میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ یہاں سے جانے کے بعد صبح کی مجلس کا خلاصہ ان لفظوں میں تحریر فرمایا کہ

”صبح کی جو مجلس وعظ ایک خاصے بڑے مجمع کے سامنے ہوئی تھیں

شروع سے آخر تک زور پس تلاوت قرآن پاک پر اور مردہ اذکار

و اشغال سے زائد قرآن مجید سے رابطہ پیدا کرنے پر تھا۔“

اور بعد ظہر کی خصوصی مجلس کے تاثر کو اپنے ایک مکرم (جو کہ ہمارے حضرت کے

مجاز بھی ہیں) کے پاس ان لفظوں میں تحریر فرمایا کہ

غزیز مکرم سلمہ اللہ السلام علیکم درجۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا وحی اللہ حفظہ اللہ کے افراط کرم سے شرمسار اور محجوب ہو کر

واپس آیا۔ بعد ظہر کی مجلس میں انھوں نے ایک بات ایسی فرمادی جو

دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔ فرمایا کہ ایسے علماء بھی ہیں جو مسائل تفسیر

پر تو خوب گفتگو کر لیتے ہیں لیکن تلاوت قرآن سے ان کے دل کو لگاؤ

نہیں۔ اس لئے اس کے انوار و برکات سے محروم ہی رہتے ہیں۔

یہ تو گویا اپنے کشف سے یا فراست سے میرے ہی دل کا چور پکڑ لیا

اب آنحضرت اگر میرے اس خط کے حوالہ سے موصوف سے کچھ آداب تلاوت

دریافت کر کے مجھے لکھ بھیجیں تو یہ آنحضرت کا بڑا کرم ہوگا۔ ایک شکل یہ بھی

ہے کہ مولانا ایک وعظ اسی آداب تلاوت پر ارشاد فرمادیں اور آنحضرت

اسکا خلاصہ نقل کر کے مجھے ارسال فرمادیں۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو

آسان تر ہو۔

دعا گو دوما خواہ

عبد المساجد

۳۱ اکتوبر ۱۳۳۳ھ

دریا آباد۔ بارہ بنکی

دیکھا آپ نے مولانا عبدالحق صاحب دریا آبادی کو حضرت اقدس کے یہاں تشریف لائے اور پہلی ہی مجلس میں حضرت مصلح الامتؒ سے انھوں نے کیا اہم سبق حاصل کیا۔ حضرت کا بڑے سخن ان کی جانب رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن چونکہ خود وہ اپنی جگہ ایک ذہین اور فہم آدمی تھے۔ اور اخلاص کے ساتھ حاضر ہوئے تھے اس لئے حضرتؒ کی بیان فرمودہ خواص کی ایک کوتاہی کو اپنے ہی اور منطبق کر لیا اور یہ سمجھے کہ حضرت میرے ہی لئے فرما رہے ہیں چنانچہ انھیں اپنے متعلق اسکا احساس ہوا اور نہ صرف احساس بلکہ ساتھ ساتھ فکر ہو گئی چنانچہ اپنے اُن عزیز کرم سے کتنی لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ حضرت والا سے کچھ آداب تلاوت دریافت کر کے مجھے لکھئے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ شاید حضرت مولانا ہی کی اس طلب کو دخل ہو کہ حضرتؒ ایک عرصہ سے تلاوت قرآن پر جو گفتگو اپنی مجالس میں فرماتے تھے۔ بعض خدام نے اُسے ضبط و مرتب کر کے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا اور پھر حضرت کی اصلاح اور نظر ثانی کے بعد تلاوت قرآن کے نام سے وہ شائع بھی ہو گیا اور خلق کثیر کو اُس سے نفع پہونچا۔ اس موضوع پر یہ کوئی نیا رسالہ لکھا تاہم حضرت کا انداز بیان اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت بھرے قلب سے نکلنے کی وجہ سے اسکی تاثیر زالی ہی رہی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے نفع بخشے۔ آمین)

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ کوئی نیک انسان جب کسی شیریں گھاٹ سے واقف ہو جاتا ہے تو پھر اس کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے دوست و احباب کو بھی اسکا پتہ بتائے تاکہ وہ بھی اُس چشمہ شیریں سے مستمع ہو سکیں اُسی اصول کے مطابق مولانا ندوی مدظلہ العالی نے "چار ہفتہ ایک کھف میں" کی اشاعت فرمائی اور اسی قاعدہ کے مطابق مولانا دریا آبادی مدظلہ العالی سے جب کوئی شخص اپنی اصلاح و تربیت کے متعلق انتخاب فیض کا مشورہ لیتا تو پھر مولانا بھی حضرت مصلح الامتؒ ہی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور خود اُن کے ملنے جلنے والے اور تعلق رکھنے والوں سے جو شخص حضرتؒ کے یہاں چندے قیام کرتا اُس پر نہ صرف یہ کہ اظہارِ مسرت فرماتے بلکہ بمقابلہ اپنے پاس قیام کے حضرتؒ ہی کی صحبت میں رہنے کو ترجیح دیتے۔

چنانچہ "صدق جدید" میں "مشورے اور گزارشیں" کے عنوان میں ہے کہ ایک صاحب نے مولانا کو لکھا کہ:-

س۔ حضرت والا (یعنی مولانا دریا آبادی مدظلہ) کی صحبت اقدس سے بہرہ ور ہو کر الہ آباد حضرت مولانا فچھوری مدظلہ العالی کی خدمت عالیہ میں پندرہ دن قیام کر کے اب وطن ہجرت واپس پہنچ گیا ہوں۔

ج۔ الحمد للہ بڑی خوشی اس کی ہوئی کہ مدوح کی خدمت میں اتنی مدت قیام کا موقع مل گیا وہ ماشاء اللہ باقاعدہ مسند ارشاد و ہدایت پر ہیں اور یہی انکی زندگی کا مشن ہے۔ س۔ الحمد للہ آپ بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے حضرت مولانا (فچھوری) اس خادم سے بہت خوش رہے اور بخوشی دعاؤں کے ساتھ نصرت فرمایا ہے۔ ج۔ ماشاء اللہ و بارک اللہ۔

س۔ میری تکمیل کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جائے۔ ج۔ کیوں نہ ہوگا جب کہ ادھر سے طلب اور ادھر سے کرم دونوں موجود ہیں۔ وَالَّذِينَ جَاهَلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

س۔ حضرت والا پر جلالی کیفیت اکثر رہتی ہے۔ عشقِ دوستی کے باوجود ہوش و حواس اور فریحت کی پابندی کا قابل دیدہ نمونہ ہے۔ ج۔ خیال صحیح ہے۔

س۔ دورانِ قیام میں قلب کی عجیب حالت رہتی تھی۔ اللہ ہی کا دھیان رہتا تھا اور حضرت والا کی مجالس میں عجیب ہیبت اور خوف کا عالم رہتا تھا۔ ج۔ ۵۔ ہیبت حق است این از خلق نیست

ہیبت این مرد صاحبِ دلق نیست

(ترجمہ) یہ ہیبت خداوندی ہے۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ کسی مخلوق یا خود سے اس دلقِ پوشش کی جانب سے نہیں ہے۔ (ناقل)

س۔ تمنا تھی کہ جناب والا کی خدمت اقدس میں بھی زیادہ سے زیادہ دن گزاروں مگر اپنی مجبوریوں کے باعث مجبوراً آنا پڑا ہے۔ ج۔ خود یہ تمنا زیادہ صحیح نہ تھی۔ ہم لوگوں سے مختصر ملاقاتیں کبھی کبھی ہونا ہی بہت ہے ہم لوگ جو تھوڑی بہت خدمتِ دین کر لیتے ہیں وہ بس کتابوں و مقالوں کے ذریعہ سے۔ طویل صحبت سے نفع صرف ایسے ہی بزرگوں سے حاصل ہو سکتا ہے

۵۔ س سے سوال اور ج سے جواب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

دیکھئے اپنے ایک دوست کو جو مولانا (دریا آبادی) کے پاس اپنے قیام کی کمی پر عزت کر رہے ہیں ہدایت فرماتے ہیں کہ طویل قیام ہم جیسوں کے بجائے ایسے حضرات کے پاس زیادہ نافع ہے جسے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فچتوریؒ۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ مولانا دریا آبادی کی نگاہ میں حضرت اقدسؒ کا کیا مقام تھا وہیں خود مولانا دریا آبادی کی بھی بے نفی اور بے لوثی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا ہی کا ایک دوسرا مشورہ ملاحظہ فرمائیے۔ ایک دوسرے طالب نے انھیں لکھا کہ

س۔ ایک اہم مشورہ طلب ہے حضرت والا کی رائے بندے کے حق میں صائب ہوگی۔
..... مدت سے سوچ رہا ہوں کہ بیعت کن بزرگ سے کروں۔ تین نام پیش نظر ہیں ایک مولانا..... دوسرے مولانا..... تیسرے مولانا..... (الآباد) تینوں کے درمیان فیصلہ نہ کر سکا۔ اب جیسا ارشاد عالی ہوگا اس کے مطابق عمل کروں گا۔

ج۔..... جن تین صاحبان کے نام درج کئے ہیں ان میں سے پہلے بزرگ..... کی بزرگی میں کیا کلام ہے۔ صحبت باریک بھی ضرور ہوگی لیکن مشاغل دینی اُنکے سر مبارک ہیں واللہ علم اصلاح سرخندین کیلئے کتنا وقت نکال سکتے ہیں؟ اور اس کام کا تجربہ بھی کہاں تک رکھتے ہیں۔ دوسرے بزرگ..... کی بھی بزرگی مسلم ہے لیکن انکا بھی اصل منصب..... کی خدمت رہا ہے..... اصلاح باطنی اُنکے نظام میں نمبر دوم پر ہے۔

تیسرے بزرگ الہ آبادی (یعنی ہمارے حضرت مصلح الامتؒ) باقاعدہ مندر ارشاد و اصلاح ہی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اسکے سوا کوئی بڑا مشغلہ زندگی نہیں رکھتے۔ (صدق جدید ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۶ء)
دیکھئے اپنے اس مشورہ میں بھی مولانا دریا آبادی نے تنبیہ فرمائی کہ بیعت اور اصلاح باطن کے لئے جن صفات اور شرائط کا ہونا ضروری ہے وہ حضرت مولانا فچتوریؒ میں علی وجہ الائم موجود تھیں اور اُن سے بڑھ کر اور اُن سے بہتر اس نام میں اس کام کے لئے انکی نظر میں کوئی اور شخص نہ تھا، ورنہ المستثنائے مؤمنین کی رو سے مولانا اپنے اُن مخلص سائل کو ادھر ضرور متوجہ کئے ہوتے۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

حالات حضرت مصلح الامۃ

راقم عرض کرتا ہے کہ مولانا دریا آبادی مدظلہ نے بھی جو یہ رائے قائم فرمائی تو وہ یوں ہی نہیں فرمائی بلکہ انھوں نے حضرت مصلح الامۃؒ کو قریب سے دیکھا تھا اسی کے یہ سب آثار تھے چنانچہ انکو ملاوت سے لگاؤ کا خیال ہو جانا اور پھر آداب ملاوت کی تحصیل کی خواہش کا پیدا ہو جانا آپؒ کے پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمائی چکے ہیں نیز حضرت مصلح الامۃؒ کی ملاقات اور انکی مجلس کا جو تاثر مولانا دریا آبادیؒ نے "صدق" میں مفصل شائع فرمایا تھا (جس کے بعض جملے ہم پہلے بھی نقل کر آئے ہیں) بعد میں مجھے وہ پورا مضمون ہی مل گیا چونکہ ناظرین کے لئے اس کا ملاحظہ لطف و افادہ سے خالی نہ ہوگا اس لئے پیش کرتا ہوں ارقام فرماتے ہیں:-

پچھلے عشرہ الآباد جا کر مولانا شاہ وحی اللہ صاحب جانشین حکیم الامتؒ (خلیفہ مجاز حضرت نھانویؒ) کے یہاں ذرا طویل یکجائی کی مسرت حاصل رہی۔ ملاقات نئی نہ تھی ساہما سال قبل جب شاہ صاحب کا قیام بحیثیت ایک مبتدی کے تھا نہ بھون رہا کرتا تھا۔ تواضع انکسار اور باادب رہنے کے جوہر اُس وقت بھی نمایاں تھے۔ آوازہ خلق کے بعد ملاقات ایکجا اور ہوئی تھی۔ الہ آباد میں نسبتاً طویل یکجائی کی سعادت اب کی میسر آئی۔ شیند اور وید کے درمیان فاصلہ ہوتا ہی ہے جتنا سنتا تھا الحمد للہ کہ اُس سے کچھ زاید ہی پایا۔

اس احترام و اکرام کے ساتھ مسلسل پیش آئے کہ قریب تھا کہ ان سطور کا راقم خود اپنی حیثیت و مرتبہ سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ یہاں کہنے کی بات صرف اتنی ہے کہ صبح جو مجلس وعظ ایک خاصے بڑے

مجمع کے سامنے دیر تک رہی اس میں شروع سے آخر تک زور بس تلاوت قرآن پر اور مروجہ افکار و اشغال سے زائد قرآن مجید سے رابطہ پیدا کرتے برکتاً اپنے مشائخ و اکابر کی شخصیتوں کو نمایاں کر کے پیش کرنا الگ رہا شاید ان کا ذکر ایک بار بھی نہ آنے پایا۔

مخالفین کو وحشت و ناگواری جو ہوتی ہے وہ انھیں اکابر کے نام اور انکا حوالہ پیش کرنے سے اس سے بچ کر اگر پیام براہ راست قرآن و سنت اور مقبول و مسلم تفسیروں کی وساطت سے دیا جائے تو انشاء اللہ ضرور نفع بخش ہوگا اس پہلو کو اختیار کرنا یقیناً حکمت و دانائی کی بات ہے اور حکیم الامت کھانوی کے ایک سچے جانشین ہی سے اس کی توقع بھی کی جاسکتی ہے

(صدق ۸ نومبر ۱۹۳۳ء)

دیکھا آپ نے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب دریا آبادی مدظلہ العالی کو اس دفعہ حضرت مصلح الامتؒ کی معیت غالباً ڈیڑھ دو دن کی حاضری رہی اور دو مجلسوں میں انھوں نے شرکت فرمائی جس کا اثر مولانا نے یہ لیا کہ بصیرت کے ساتھ حضرتؒ کے متعلق یہ رائے قائم فرمائی کہ آپ بلاشبہ حکیم الامت علیہ الرحمتہ کے سچے جانشین ہیں۔

بے عمل نہ ہوگا اگر اس موقع پر حضرت مصلح الامتؒ کے وہ ارشادات بھی نقل کر دے جائیں جو صدق کے اس مضمون (جانشین حکیم الامتؒ) کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرتؒ نے اپنے ایک مرید خاص کو لکھوائے جنھوں نے اپنے خط کے ہمراہ یہ مضمون حضرت والاؒ کی خدمت میں بھیجا تھا اور وہ صاحب مضمون کے مخصوص لوگوں میں سے بھی ہیں و ہر ذرا۔

محبت کرم جناب.....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط حضرت والا مدظلہ العالی کے نام آیا اسی کارڈ پر حضرتؒ نے جواب تحریر فرمادیا ہے وہ حصہ روانہ ہے ملاحظہ فرمائیے باقی صدق سے جو مضمون نقل کر کے آپ نے ارسال فرمایا ہے اُس کے متعلق فرمایا کہ پسند آیا اور بہت جی خوش ہوا

مولانا (دریا آبادی) نے میرے طریق کار کو خوب سمجھا اور نہایت صحیح اس کی ترجمانی فرمائی اور فرمایا کہ آپ سے کتنا ہوں (یوں آپ چاہیں تو مولانا عبد الماجد صاحب سے بھی کہہ سکتے ہیں) یہ جو فرمایا ہے کہ — اگر پیام براہ راست قرآن و سنت و مقبول و مسلم تفسیروں کی وساطت سے دیا جائے تو انشاء اللہ ضرور نفع بخش ہوگا۔

اسکے متعلق میں یہ کتنا ہوں کہ ہاں نفع بخش ہوا ہے۔ اسلانی نے اسکا تجربہ کیا ہے۔ اور ہم اس زمانہ میں بھی اُسکے نفع کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ پس اُس کے نفع بخش ہونے پر تجربہ اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں۔

اسی طرح سے (مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے) یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ شنید اور دید کے درمیان فاصلہ ہوتا ہی ہے جتنا سنا تھا الحمد للہ کہ مل کر اُس سے کچھ زیادہ ہی پایا — تو اس کے متعلق آپ سے کتنا ہوں کہ ہاں بھائی بیشک شنید اور دید میں بہت فصل ہے اور وہ اتنا ہی ہے جتنا کہ ظاہر اور باطن میں فاصلہ ہوتا ہے باقی دید اور شنید میں جو فرق ہوتا ہے کبھی تو اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ جیسا سنا ہو اُس سے زائد دیکھے یہ تو کچھ بُرا نہیں اچھا ہی ہے لیکن کبھی اس کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ جیسا سنا تھا دیا ہی پایا یعنی سنا تھا تو زائد اور پایا کم۔

اس کے متعلق کتنا ہوں کہ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے اور پانے ہی والے کا خیال صحیح ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ جس کو یہ کم دیکھ رہا ہے وہ اپنی جگہ نہایت ہی کامل و مکمل ہو اور نقص اور قصور خود اس دیکھنے والے کی جانب ہو اس لئے کہ کسی کو دیکھنے کیلئے بھی اعتقاد کی نظر و کار ہے ورنہ تو اگر کوئی کسی کو بنظر انکار دیکھے گا تو ظاہر ہے کہ اُس کے محاسن بھی عیب ہی نظر آئیں گے (۵)

ہنرِ چشمِ عداوتِ بزرگِ تر عیبِ است
گلِ است سعدی و در چشمِ ہم گمنانِ غارت
اپنے اس دعوے کے ثبوت میں رسالہ قشیرہ سے دو واقعات نقل کرتا ہوں۔
سنئے! فرماتے ہیں کہ

۱۔ میں نے اپنے استاد ابو علیؒ سے سنا، فرماتے تھے کہ سہل ابن عبد اللہؒ نے ایک

شخص کی بزرگی کی تعریف کی جو کہ بصرہ میں نانہائی تھے اس تعریف کو سہل ابن عبد اللہؓ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے سنا اور انکی زیارت کا مشتاق ہوا چنانچہ ملاقات کے لئے سفر کیا اور بصرہ پہنچ کر اُس طبّاخ کی دوکان تلاش کی اور اُن بزرگ کو دیکھا کہ جھک جھک کر تنور میں روٹی پکا رہے ہیں اور حسبِ عادت اپنی داڑھی پر ایک کپڑا باندھے ہوئے ہیں یہ منظر دیکھ کر اس آئینوالے شخص نے اپنے لمبے کما کہ اگر یہ ولی ہوتے تو انکے بال بغیر ڈھائے کے بھی نہ جلتے اس طرح سے دل میں انکا انکار کر کے پھر انکو سلام کیا اور اُن سے کچھ دریافت کیا۔

اُن بزرگ نے فرمایا کہ اے شخص تو نے مجھے حقیر جاننا ہے لہذا تجھ کو میرے کلام سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ یہ کہا اور اُسکے علاوہ اُس سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کیا۔ دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے فیض ہونے کے لئے انکا احترام اور عظمت ضروری ہے۔

دوسرا واقعہ سنئے ! صاحبِ رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں کہ

۲۔ میں نے شیخ ابو عبد الرحمن سلمیٰؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عبد الرحمن رازی نے ابو عثمان جبریؒ کو محمد ابن فضلؒ کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ تعریف سن کر عبد الرحمن رازی کو محمد ابن فضلؒ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ انکی زیارت کے لئے گئے لیکن محمد ابن فضلؒ کے متعلق جیسا اعتقاد ہے کہ گئے تھے اُنکو دیکھ کر قلب میں اس درجہ اُن کی وقعت نہ ہوئی جب عبد الرحمن رازی ابو عثمان جبریؒ کے پاس لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ تم نے محمد ابن فضلؒ کو کیسا پایا۔ اُن سے بھی کہدیا کہ جیسا سن سمجھ کر گئے تھے ویسا نہیں پایا۔

یہ سن کر ابو عثمان نے کہا کہ بات یہ ہوئی ہوگی کہ تم نے اُنکو حقیر سمجھا ہوگا اور طریق کا یہ مسئلہ ہے کہ کسی نے کسی کو حقیر نہیں سمجھا مگر یہ کہ اُس کے فیض سے محروم کر دیا جاتا ہے لہذا تم پھر انکی خدمت میں جاؤ اور عظمت و احترام کے ساتھ جاؤ پھر دیکھو کہ نفع ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ عبد الرحمن رازی دوبارہ پھر اسی طریقہ سے گئے اور انکی زیارت سے اُنکو بہت ہی نفع ہوا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ طریق نام ہے اعتقاد اور تصدیق کا۔ انکار اور اعتراض کا یہاں گزر نہیں ہے۔

دیکھئے یہاں بھی اُن صاحب نے یہی کہا کہ جیسا سنا تھا دیا نہیں پایا۔ مگر وہ بزرگ کامل تھے اور اس نہ پانے کے ذمہ دار خود بھی صاحب تھے۔

حاصل یہ کہ طریق میں اصل چیز اعتقاد ہے اسی کی بدولت آدمی پاتا ہے اور جو محروم رہتا ہے وہ اپنے اعتقاد کے خلل (اور خرابی کی وجہ) سے محروم رہتا ہے۔ یہ سارا کلام تو آپ سے متعلق تھا اب تفہیمات سے دو مقامات نقل کر کے بھیج رہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر نے کس طرح سے دین کی خدمت کی ہے اور اپنے کام کی بنیاد ہی تمسک بالکتاب والسنۃ پر رکھی ہے اور کس اہتمام سے انکی جانب اُمت کو متوجہ فرمایا ہے۔ سنئے! ارشاد فرماتے ہیں:-

تفہیمات :-
پہلی وصیت اس فقیر کی یہ ہے کہ کتاب و سنت سے تمسک کیا جائے اعتقاد میں بھی اور اعمال میں بھی اور ہمیشہ ان دونوں میں اہتمام کے ساتھ تدبر کیا جائے نیز روزانہ دونوں کا کچھ کچھ حصہ تلاوت میں رکھا جائے اور اگر خود نہ پڑھ سکے تو کم از کم یہی کرے کہ اُس کے ایک آدھ ورق کا ترجمہ ہی کسی سے سن لیا کرے اور عشاء میں قدامت اہلسنت کا مذہب اختیار کرے اور جن چیزوں کی سلف نے تفسیر اور تفتیش نہیں فرمائی ہے اس کی تفتیش کے درپے نہ ہو اسی طرح سے خام خیال معقولیوں کی تشکیکات کی جانب بھی اصلاً التفات نہ کرے اور فروعات میں اُن علماء کا اتباع کرے جو محدث بھی ہیں تاکہ فقہ اور حدیث دونوں کو صحیح کر لیں اور ہمیشہ فقہاء کی تفریعات کو کتاب و سنت پر پیش کرتے رہنا چاہئے جو اس کے موافق اُترے اس کو قبول کر لینا چاہئے اور جو اُس کے مطابق نہ ہوں تو اس کو حسبِ مثل کالائے بدبرش حناوند رد کر دینا چاہئے۔ اُمت کو کبھی بھی مجتہدات کو کتاب و سنت پر پیش کرنے سے استغناء نہیں ہے اور اُن غالی فقہاء کی باتوں کو جھٹوں نے بس کسی ایک ہی عالم کی تقلید کو بمنزلہ دستاویز کے بنا رکھا ہے اور اُس کے آگے سنتِ تِگ کو ترک کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کی بات کی جانب اصلاً التفات نہ کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو اُن سے دوری میں تلاش کرنا چاہئے۔

تفہیم۔ اگر کوئی شخص بیعت ہونا چاہے تو اُسکو بیعت کرنے میں تاخیر نہ کریں اور اگر ذکر و شغل طلب کرے تو اُس کی تجویز میں بھی تاخیر نہ کریں اس لئے کہ مقولہ مشہور ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک آفت ہوتی ہے اور علم کے لئے بہت سی آفات ہیں پھر رات دن میں بقدر چار گھڑی کے ایک وقت ایسا نکالنا ضروری ہے کہ اس میں اپنے نفس کی جانب مشغول ہو اور باوجود لوگوں کی کثرت آمد و رفت کے اور اُن کے ساتھ کثرت بات چیت کے اپنے اوقات میں سے اس وقت کا نکالنا ضروری ہے اور اس وقت میں پوری دجہلی اور توجہ قلبی کے ساتھ اپنے کام میں لگنا چاہئے۔

اسی طرح ایک وقت تعلیم علم کے لئے بھی ہونا ضروری ہے اور ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہئے کہ اس میں آنے جانے والوں کے ساتھ بات چیت کر کے اُن کے لئے دل بستگی کا سامان مہیا کرے۔ اور ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہئے کہ اس میں اہل حق کے قلوب میں ہیئت و عبانہ کا القاء کرے۔ اور جو شخص خلق اللہ کو دعوت دینے کے لئے بیٹھا ہو اور لوگ بھی اس کی جانب متوجہ ہو رہے ہوں تو اس کو بھی وہی سب کام کرنا چاہئے جو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہے اس لئے کہ یہ شخص اس مقام میں ان ہی حضرات کا مقلد اور انکا پس رو ہے لہذا چار و ناچار اسکو پانچ خصلتیں اختیار کرنا ضروری ہے اور اگر ان میں ایک بھی ترک کیا تو اسکے اندر (بقدر اس کے) نقص سمجھا جائیگا۔ ایک تعلیم دینیہ سے متصف ہونا۔

دوسرے امر یا لمحرور و دغنی عن المنکر رفیق دزمی سے کرنا غضب و سختی سے نہیں۔

تیسرے عالم جاہل رب پر شفقت کرنا۔ یعنی ہر ایک کا مرتبہ پہچانتا اور اسکے بقدر ہر ایک سے معاملہ کرنا اور یہ ممکن بھی ہے اس لئے کہ جاہل شخص زمر بات ہی سے خوش ہو جاتا ہے اور عالموں کے لئے کچھ زائد تعظیم درکار ہوگی۔ چوتھے یہ کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے یعنی مال اُس سے اپنی طمع قطع کر لینا اور اُن کے معاملات میں ہرگز دخل نہ دینا۔

پانچویں یہ کہ مسافرین اور سالکین میں سے جو لوگ مہمان آئیں اگر طاقت رکھے

تو خود انکا خیال اور لحاظ کرے اور اگر احباب موافق ہوں تو انھیں میں سے اس کام کے لئے کسی کو مقرر کر دینا کہ کسی نیکی پر دلالت کرنے والے کو بھی کرنے والے کا یہی ثواب ملتا ہے۔
اللہ تعالیٰ تم کو دین توہیم پر ثابت قدم رکھے

(تقیہات الیہ صفحہ ۱۳۰ جلد ۲)

اتنا مضمون لکھوانے کے بعد حضرت والاؒ نے فرمایا کہ آج جو باتیں میں نے مجلس میں بیان کی ہیں انھیں بھی صاحب کو لکھ دو اسلئے عرض ہے کہ آج مجلس میں حضرت والاؒ نے علماء اور مشائخ کے متعدد واقعات بیان فرمائے جن سے طریق کی اہمیت اور اس کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو ہر زمانہ میں ابتداءً طریق کا اذعان نہیں ہوا لیکن کسی شیخ کامل سے جب انکی ملاقات ہو گئی ہے تو پھر طریق کو تسلیم کرنا ہی پڑا ہے اور یا تو یہ حال تھا کہ طریق کے منکر ہو کر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور پھر یہ ہو گیا کہ اُنکے مصدق اور صاحب اذعان و یقین ہو کر اُس کے خادم ہو گئے ہیں۔
سنئے! علامہ شعرانیؒ نے طبقات کبریٰ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ شیخ عبادہ جو سادات مالکیہ میں سے ایک بڑے عالم تھے وہ سید مومنینؒ پر جو اس وقت کے شیخ کامل تھے اعتراض کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ طریق وریق جس پر یہ صوفی لوگ اپنے کو کہتے ہیں کیا بلا ہے ہم تو بس شریعت کو جانتے ہیں۔ مزید یہ ہوا کہ ان شیخ عبادہ کے چند مصاحبین اُنکے درس کی شرکت کر کے سید مدینؒ کی خدمت میں آکر اُٹھنے بیٹھنے لگے اس کی وجہ سے انکا انکار اور بڑھ گیا۔

اسی اثنا میں ایک بار سید مدینؒ نے شیخ عبادہ کو اپنے یہاں مغل میں مدعو کیا جسے ہر سال وہ کیا کرتے تھے

چنانچہ شیخ عبادہ تشریف لائے لیکن سید مدینؒ نے پہلے ہی سے اپنے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ شیخ عبادہ آنے والے ہیں خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلے نہیں اور نہ انکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو اور نہ انکے لئے جگہ کشادہ کی جائے۔ لوگ خاموش

بیٹھے تھے کہ اتنے میں شیخ عبادہ آگئے کسی نے انکی جانب دیکھا تک نہیں وہ خنقاہ کے صحن میں ٹہلنے لگے۔ اپنی اس ناقدری پر غصہ میں بھر گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پاش پاش ہو جائیں گے۔ جب اس حالت پر کچھ دیر گز گئی تو سید مدین نے اپنا سر اٹھایا اور حاضرین مجلس سے فرمایا کہ شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کر دو اور انہیں بلا کر اپنے پاس بٹھایا پھر ان سے فرمایا کہ مجھے کچھ دریافت کرنا ہے شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ارشاد فرمائیے۔ سید مدین نے کہا کہ آپ کے نزدیک مشرکین کے لئے قیام جائز ہے جب کہ ان سے کسی قسم کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد سید مدین نے فرمایا کہ اچھا میں آپ سے خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں یہ بتائیے کہ جب آپ تشریف لائے اور ہم لوگوں میں سے کوئی کھڑا نہیں ہوا تو آپ کو اس سے کچھ تکدر ہوا تھا یا نہیں؟ شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ہوا تھا۔

پھر سید مدین نے فرمایا کہ اچھا ایک بات اور بتا دیجئے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ تم میری ایسی تعظیم نہ کرو جیسی کہ بندے اپنے رب کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ اُس شخص کے متعلق کیا فرمائیں گے۔

انہوں نے یہ کہا کہ میں اُس سے یہ کہوں گا کہ تو کا فر ہو گیا۔ اسی طرح سے کچھ دیر تک سلسلہ کلام جاری رہا۔

اتنے میں شیخ عبادہ برسر عام کھڑے ہو گئے اور کہا کہ حضرات آپ سب لوگ گواہ رہئے کہ میں سیدی مدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور آج یہ میرا دین اسلام میں داخلہ کا پہلا دن ہے اور پھر تازیست سید مدین کی خدمت میں رہ گئے۔ چنانچہ وہیں انکا انتقال ہوا اور فقرا کے قبرستان میں مدفون ہوئے رحمہ اللہ۔

عجب واقعہ ہے۔ اس سے جس طرح شیخ مدین کی کرامت اور انکی اصلاح و تربیت کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح سے شیخ عبادہ کے کمال الفضل کا بھی حال معلوم

ہوا کہ جب اپنے حال کی معرفت ہو گئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہو گئے۔
کہاں تو شیخ اور طریق پر انکار تھا اور کہاں یہ حال کہ سب کے سامنے اعلان
کر رہے ہیں کہ میں آج اسلام میں داخل ہوتا ہوں یہ انکا غایت خلوص تھا آخر
عالم تو تھے ہی کتاب و سنت کے علم ہی نے انکے قلب میں قبول حق کی استعداد
پیدا کر دی تھی پھر نیک نیت تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت ہی فرمادی
ہم لوگوں کو چاہئے کہ ہر وقت اس واقعہ کو مستحضر رکھیں۔ بہت ہی عبرتناک اور
سبق آموز واقعہ ہے۔ اسی نوع کا ایک اور واقعہ سنئے۔

کتاب البیواقیۃ والجوہر میں ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن فارضؒ کے بعض
ابیات کی شرح لکھ کر انھیں شیخ مدینؒ کی خدمت میں برائے تصویب و تقریظ پیش
کیا۔ حضرت نے مسودہ کے سرورق پر صرف یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا ہے
سَاۡتُ مُشْرِقَۃٌ وَبَسْرَتُ مُغْرِبَاۗ شَتَّانِ بَيْنَ مُشْرِقٍ وَمُغْرِبٍ

یعنی میری محبوبہ تو مشرق کی طرف چلی گئی اور میں بجانب مغرب چلا گیا۔
اور ظاہر ہے کہ مشرق کے جانے والے اور مغرب کے جانے والے میں کس قدر بُعد
ہوتا ہے گویا مجھ میں اور اُس میں بُعد المشرقین ہو گیا ہے۔ حضرت شیخ کا مطلب
اس سے یہ تھا کہ آپ تو علوم ظاہر علم حدیث وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں اور ساری
عمر آپ نے یہی کیا اور ان ابیات میں صوفیا کے احوال کا بیان ہے جس کے
کوچہ میں آپکا گذر نہیں ہوا۔ پھر آپ کو اس کی شرح کا کیا شوق پیدا ہوا۔ جن
حالات سے انسان خود متصف نہ ہو ظاہر ہے کہ وہ انکی کیا شرح کر سکتا ہے۔ یہ
بات حافظ ابن حجرؒ کی سمجھ میں آگئی اور کیوں نہ آتی۔ شارح حدیث رسول تھے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھتے تھے جب تو اس کی شرح کرتے تھے چنانچہ
اس شعر سے سمجھے کہ شیخؒ کو میری شرح پسند نہیں ہوئی اور جس چیز سے اب تک وہ غافل
تھے اُس پر تنبہ ہوا۔ چنانچہ طریق کا اذعان اور اعتقاد کیا اور پھر شیخؒ ہی کی
خدمت میں رہ پڑے۔

دیکھئے اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کا رجحان پہلے اس
جانب نہ تھا۔ لیکن جب شیخؒ نے شعر کے ذریعہ تنبیہ فرمائی تو بات سمجھ میں آئی کہ

بیشک باطن بھی کوئی چیز ہے اور یہ بھی سمجھ میں آیا کہ یہ دولت حضرات مشائخ کی خدمت میں اپنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہر زمانہ میں ہوا ہے کہ علماء پہلے طریق اور اہل طریق کے منکر رہے ہیں مگر جن کے ساتھ خدا کی توفیق شامل حال ہوئی بعد میں انہوں نے تسلیم کیا اور بزرگوں کی خدمت میں جا کر باطنی کمال حاصل کیا ہے اور اہل کمال ہوئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدی مدین کے ہاتھ پر بھی بہت علماء تائب ہو کر سلسلہ اہل اللہ میں داخل ہو گئے اس پر بمیاختہ یہ شعر بڑھنے کو جی چاہتا ہے ۵
آہن کہ بپاس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد
ایک بزرگ تھے سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے کسی معاصر نے انکی تعریف کی ہے ۵

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد واللہ جلالت نیست کہ او عشقا باز شد
یعنی جو شخص کہ سید گیسو دراز کا مرید ہو گیا تو بخدا کبھی اس میں فرق نہیں پڑا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا تعلق حاصل ہو ہی گیا ہے۔
مجلس کا بیان ختم ہوا۔ والسلام

یکے از خدام حضرت والا

ادیر ہم نے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دریا آبادی مدظلہ کی تحریر (جانشین حکیم الامت) صدق سے نقل کی ہے۔ یہاں مقصود تو اُسی کو بیان کرنا تھا لیکن اُس تحریر کے متعلق حضرت مصلح الامۃ کے ارشادات بھی جو ایک صاحب کے خط کے جواب میں حضرت نے لکھائے تھے ضمیمہ پیش کر دئے جسے آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ ضمنی مضمون کچھ طویل ضرور ہو گیا لیکن انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کیلئے لطف و نفع سے خالی نہ ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ اُن صاحب نے صدق کا یہ مضمون نقل کر کے حضرت والا کی خدمت میں اپنے خط کے ہمراہ بھیجا تو حضرت نے بھی صاحب خط اور صاحب مضمون دونوں ہی حضرات کے مناسب حال کیا مفصل جواب مرحمت فرمایا۔

(باقی آئندہ)

حالات حضرت مصلح الامة

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے منصب اصلاح پر فائز فرمایا تھا اسلئے ہر موقع پر اصلاحی پہلو پیش نظر رہتا تھا چنانچہ یہاں بھی جواب میں غور فرمائیے گا تو اسکا ایک حصہ صاحب خط سے متعلق پائیے گا جیسا کہ خود حضرت کے یہ الفاظ اُس پر دال ہیں کہ یہ سارا کلام تو آپ سے متعلق تھا اور ایک حصہ صاحب مضمون سے متعلق پائیے گا جس پر حضرت والا کا یہ جملہ شاہد ہے کہ ”آپ سے کتا ہوں یوں آپ چاہیں تو مولانا عبد الماجد صاحب سے بھی کہہ سکتے ہیں“ اور صاحب خط سے مراد کچھ خاص انھیں صاحب کی ذات نہیں ہے جنھوں نے یہ خط لکھا تھا۔ اسی طرح سے صاحب مضمون سے مراد خاص کر مولانا دریا آبادی ہی نہیں ہیں بلکہ حضرت نے جو یہ طویل مضمون بیان فرمایا اس سے مقصود ہر طالب و مرید ہے۔ اور ہر وہ عالم ہے جو کسی بھی شیخ طریقت کے یہاں جلے طریق میں ان ہر دو کے جو آداب ہیں جن کے ساتھ متصف ہونا کسی شیخ سے استفادہ اور اُس سے جلب فیض کا ذریعہ ہوتا ہے حضرت نے اپنے اس جواب میں اس پر تنبیہ بلیغ فرمائی ہے۔

چنانچہ صاحب خط کو مخاطب فرما کر ہم لوگوں کو تو یہ تنبیہ فرمائی کہ شیخ کی معرفت وہ معتبر ہے جو مرید رشید کو خود اپنے حالات کے ذریعہ سے ہو جسکو کہ طالب خوب سمجھتا ہے باقی کسی دوسرے کے کہنے سننے پر اپنے شیخ کے کمال کو موقوف رکھنا کچھ پائدار چیز نہیں ہے اس لئے کہ کہنے والے بھی مختلف ہو سکتے ہیں اور ہر ایک کی رائے کا صحیح ہونا بھی ضروری نہیں ہے اس لئے یہ راستہ خطرناک ہے اور خود اپنے متعلق حضرت نے گویا یہ فرمایا کہ بھائی ہلوگوں کو کوئی عالم مان لے اور ہم سے اظہار عقیدت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس عالم کی مہربانی ہے ورنہ تو تاریخ شاہد ہے کہ علماء ظاہر مشائخ طریق سے عموماً ناراض ہی رہے ہیں لیکن یہ اُسی وقت تک جب تک کہ انھیں قریب سے

نہیں دیکھا ہے اور اگر مفسد نے کسی کو کسی... بہانے سے کسی شیخ کا مل سیک
 پہنچا دیا ہے تو پھر اس کی بھی تاریخ موجود ہے کہ ان حضرات نے مشائخ کو
 سب سے زیادہ مانا بھی ہے اور پھر جب اس جہنم سے خود سیراب ہو گئے ہیں
 تو دوسروں کو بھی خوب ہی خوب سیراب کیا ہے۔ ہم نے یہ حاصل سمجھا ہے حضرت
 کے اس مضمون کا گو یہ کچھ مخفی بھی نہ تھا تاہم اس غرض سے قریب تشریح
 کر دی گئی تاکہ ناظرین اسے محض ایک خصوصی تحریر سمجھ کر نہ گزر جائیں بلکہ اسے
 طریق کا عام حکم سمجھ کر اپنے لئے اس سے ہدایت کی راہ حاصل کریں۔
 جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت کا یہ خاص طریقہ تھا کہ وہ براہ راست
 لوگوں کو مخاطب فرمانے کے بجائے واقعات و حکایات کے پردے میں اصلاحی
 باتیں فرما جایا کرتے تھے اور اس کے متعلق خود یہ فرمانے تھے کہ بھائی نفس کی
 اصلاح ہے بڑی مشکل چیز اس لئے میں کسی کو براہ راست کہنے کے بجائے
 یہ کرتا ہوں کہ اسکے مناسب حال کوئی واقعہ یا کوئی مضمون پیش کر دیتا ہوں
 تاکہ اسکو وہ خود سمجھے اور خود اپنے حال پر منطبق کرے اور اگر ضرورت سمجھے
 تو خود اصلاح بھی کرے اور اگر خود نہ کر سکے تو پھر کسی شیخ کامل سے رجوع کرے
 اس طرح سے اس کی اصلاح کی زیادہ امید ہوتی ہے اور اپنے اس طریقہ
 کے اختیار کرنے اور اس کے استہسان کے ثبوت میں اکثر یہ شعر
 پڑھتے تھے ۵

خوشتر آں باشد کہ سر و بسراں گفتم آید در حدیث دیگران
 غرض مذکورہ بالا واقعات سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت مصلح الامۃ
 حضرت مولانا دریا آبادی مدظلہ العالی کی جانب متوجہ تھے باقی مولانا دریا آبادی
 مدظلہ بھی چونکہ بلند شخصیت رکھتے تھے اسلئے حضرت کا معاملہ بھی ان کے
 ساتھ ان کے مرتبہ کے موافق ہوتا تھا جسے اہل فہم خوب سمجھتے تھے اس سلسلہ میں ایک
 واقعہ ملاحظہ فرمائیے :-

حضرت مولانا کی صاحبزادیوں کے انتقال پر مولانا دریا آبادی نے
 حضرت کو یہ تعزیت نامہ بھیجا :-

مولانا عبدالماجد صفا دریا آبادی کا خط

آپ کے ابتلاء، عظیم کا حال آپ کے ایک مترشد کے خط سے ابھی علم کیا
إِنَّمَا لِلَّهِ دَرَانَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

اللہ آپ کے مرتبہ کو زیادہ سے زیادہ بلند کرے۔ یہ سب سامان
اُسی کا ہو رہا ہے۔ ایک ہی تختِ جگر کی وفات کیا کم تھی چہ جائیکہ
دو دو کی اور وہ بھی دو ہفتہ کے اند اس سے بڑا اور کڑا اور
امتحان کیا ہوگا لیکن درحقیقت آپ قابلِ مبارکباد ہیں۔ آپ کا
ظرف اتنا بلند سمجھا گیا جیسی تو امتحان اتنا سخت لیا گیا۔

کوئی لقمان کو حکمت کیا پڑھائے گا آپ خود ہی دوسروں کو
تلقین کرتے ہیں کوئی دوسرا آپ کو صبر کی تلقین کیا کرے گا۔ ہاں
آپ کی مثال اور آپ کا نمونہ دیکھ کر کم ہمتوں کو بھی ہمت کسی درجہ
میں بندھ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لطف بیکراں سے نوازے۔
صاحبزادیوں کو کروٹ کروٹ جنت فردوس عطا فرمائے اور آپ
سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ وَالسَّلَام

دعا گو و دعا خواہ

عبدالماجد

اس کا جواب دیکھئے حضرت مولاناؒ نے کیا مرحمت فرمایا۔

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

واقعی دو صدے یکے بعد دیگرے پیش آئے۔ واقعی ابتلاء، عظیم
ہے۔ اب آپ کے ارشادات جو اس ابتلاء کی حکمت میں ارشاد
فرمائے گئے ہیں بہت کچھ موجب تسلی ہو سکتے ہیں میں تو اپنے کو
دیا کیسے خیال کر سکتا ہوں مگر اکابر کے ارشادات کے سوا اور
کیا موجب تسلی ہو سکتا ہے۔ خط سرہانے رکھ لیا ہے۔ گاہے گاہے

دیکھتا ہوں اور تسلی کر لیتا ہوں۔

چونکہ جناب والا کو ان امور کا ذوق ہے اور مجھ سے محبت بھی فرماتے ہیں اس لئے دو تین دعائیں جو مجھے اس واقعہ سے پہلے بھی بہت پسند تھیں جن کو ذوق کے ساتھ دعا کیا کرتا تھا وہ لکھتا ہوں :-

اللَّهُمَّ مَا سَأَلْتُكَ مَا أَحْبَبْتُ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيهَا نَجْتُ اللَّهُمَّ وَمَا
زَوَيْتَ عَنِّي مَا أَحْبَبْتُ فَاجْعَلْهُ نِعْمًا لِي فِيهَا نَجْتُ اللَّهُمَّ اَرْضِنِي بِقَضَائِكَ وَ
بَارِكْ لِي فِي مَا قَدَّرَ لِي حَتَّى لَا أَحِبُّ لِحِيلٍ مَا أَخْرَجْتَ وَلَا تَأْخِزْ مَا عَجَلْتَ
اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِي
وَيَقِينًا صَادِقًا حَتَّى أَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُصِيبُنِي إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِي وَرَضِي مَنَ
الْمَعِيشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِي۔

یہ طب نبوی ہے بھان اللہ میں پورا علاج اور دوا ہے ایک مومن
مصائب کے لئے۔ وَالسَّلَام

وصی اللہ عفی عنہ

دیکھا آپ نے مولانا عبد الماجد صاحب کا تعزیت نامہ اور حضرت والا
کا جواب۔ مولانا عبد الباری صاحب ندوی نے جب حضرت والا کا یہ جواب
دیکھا تو وجد میں آگئے اور اپنے ایک عریضہ میں حضرت والا کو لکھا کہ :-
ہمارے ماجد میاں کے تعزیت نامہ کا جواب حضرت کی طرف سے ماشاء اللہ
بڑا حکیمانہ رہا۔ اس کے جواب میں حضرت مصلح الامت نے انھیں تحریر فرمایا۔
الحمد للہ کہ تعزیت نامہ کا جواب جو عبد الماجد صاحب سلمہ

کو میں نے دیا ہے آپ کو پسند ہوا آپ حضرات کی توجہ چاہئے
قلبی استفادہ اسی پر موقوف ہے اور اصل مدار کار اللہ تعالیٰ کا خاص
فضل ہے۔ اسی سے کام بنتا ہے اور اسی سے ہوتا ہے جو ہوتا ہے۔

وَالسَّلَام

وصی اللہ عفی عنہ

مولانا دریا آبادی مدظلہ العالی اور حضرت مصلح الامت قدس اللہ سرہ کے ماہین جو مراسلت آپ نے ان سطور میں ملاحظہ فرمائی اُس سے اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت مولانا دریا آبادی کی نظروں میں حضرت والا کا ایک خاص مقام تھا۔ اور حضرتؒ کو بھی مولانا سے خاص تعلق تھا۔ بہت احترام فرماتے تھے۔ ابھی تعزیت نامہ کے جواب میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مولانا ہی کو اکابر کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

یہاں تک تو ان دو بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے حالات تھے جو مولانا عبد الباری صاحب ندوی کے مضامین اور ارشادات کے ذریعہ حضرت مولانا سے متعارف ہوئے اب ان دوسرے بزرگ کے حالات و جذبات ملاحظہ ہوں۔ میری مراد اس سے حضرت مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ

مولانا گیلانیؒ بھی مولانا ندوی مدظلہ العالی کے مخصوص رفقاء میں سے تھے ہندوستان کے مشہور اہل علم اور صاحب قلم لوگوں میں سے ہوئے ہیں۔ ایک عرصہ تک عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں رہے۔ زیادہ ساٹھ مولانا ندوی کا وہیں رہا۔ صدق میں مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا مضمون ”چار ہفتہ ایک کہف میں“ پڑھ کر حضرت اقدسؒ کے غائبانہ معقد ہوئے جسکو انھوں نے خود ہی ان لفظوں سے ظاہر فرمایا۔ مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ کو لکھا کہ :-

”دوسرے کیا خود فقیر کو پہلی دفعہ آپ کے ذریعہ علم و ہدایت کے اس پوشیدہ روشنی کا پتہ چلا لیکن ایسے وقت میں کہ استفادہ کی کوئی ممکنہ صورت میرے لئے باقی نہیں رہی ہے۔“

”اگر ماند شے ماند شے دیگر نہی ماند“ کے حال میں جو جو تہ و بالا ہو رہا ہو اب اس کے لئے تو ان بزرگوں کے نام تک رسائی ہی بڑی بات ہے۔“

حضرت اقدسؒ سے تعارف کے بعد پھر حضرت مولانا گیلانیؒ نے براہ راست

حضرت والا کو خطوط لکھے جن سے اُن کے قلبی جذبات اور عقیدت و محبت کا پورا انداز ہوتا ہے۔ حضرت مولانا گیلانیؒ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو محض سنی سنائی باتوں کے پیچھے ہولیا کرتے ہیں بلکہ ہر چیز کو بنظر تحقیق و تدقیق دیکھتے تھے اور بھر کوئی رائے قائم فرمانے تھے اس لئے انکی مراسلت میں ایک نادانف کے لئے حضرت اقدسؒ سے تعارف اور حضرت کے مرتبے اور مقام سے واقفیت کے لئے پوری رہنمائی اور شافی دلیل موجود ہے اب ہم یہاں مولانا گیلانی کے چند خطوط نقل کرتے ہیں جو انھوں نے انتہائی عقیدت کے ساتھ حضرت کی خدمت میں ارسال فرمائے اور انیس سے جن کے جوابات کی نقل مل سکی وہ بھی پیش خدمت ہیں باقی زیادہ جوابات چونکہ سلام و دعا ہی پر مشتمل ہوئے تھے اسلئے وہ یا تو نقل ہی نہ ہو سکے یا ہم کو نہ مل سکے

حضرت مولانا مناظر حسن صاحب گیلانی کا پہلا خط

حضرت قبلہ مولانا صاحب مظلہ العالی السّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ
مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے واسطے سے دیکھ رہا ہوں کہ قلب کا
غیر معمولی رجحان جناب والا کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حکیم الامت قدس سرہ
کی محبت کا لطف اب بھی یسر آسکتا ہے دل میں اس کی اُمید پیدا ہوگئی ہے
کاش اس فقیر کی جسمانی حالت اس قابل ہوتی کہ خدمت والا تک پہنچنے
کے لئے سفر کی زحمت برداشت کر سکتا تو اب تک شاید نیاز مندی سے محروم نہ
رہتا۔ لیکن ڈاکٹروں نے جسے تقریباً دو سال سے پلنگ کے ساتھ باندھ رکھا ہو مسجد
تک کی حاضری سے محروم ہو وہ کیا کرے کہاں جائے اور کس سے اپنے دل کی
لگی بیان کرے حضرت والا برگزیدگان حق میں ہیں کچھ نہیں تو دو سال پہلے تک جن
چیزوں کی اجازت تھی انکی اجازت بارگاہِ صمدیت سے اس فقیر کے لئے مانگی جائے
مسجد جہاں سے نکالا گیا ہوں وہاں کی حاضری اور قدرے تلامذت و اوراد و وظائف
کی جو مشغولیت تھی وہی یسر آجاتی تو زندگی کا کچھ تو مطلب سمجھ میں آتا مگر اس
وقت تک زندہ ہوں اور زندگی میں حوکام کئے جاتے ہیں اُن سے محروم ہوں

میری یہ محرومیت اب حد برداشت سے باہر ہوئی چلی جا رہی ہے اُمید اللہ ہی سے رکھتا ہوں وہ چاہے تو آج بھی سب کچھ ہو سکتا ہے اس لئے اللہ والوں سے موقع جب مل جاتا ہے تو عرض کرتا ہوں کہ اپنی رسائی سے نارساؤں کی مدد فرمائیں۔ وعلی اللہ اجرکم والسلام

خاکسار و عقیدت کیش
مناظر حسن گیلانی

حضرت والا کا جواب

مولانا دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
خط جناب والا کا ملا۔ اس میں جناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے واسطے سے دیکھ رہا ہوں کہ قلب کا غیر معمولی رجحان جناب والا کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کا جواب بجز اس کے کیا لکھوں کہ لا احرار الا جُنُودُ مُحَمَّدٍ ؐ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِثْلُ بَیْ دیکھے قلب کا غیر معمولی رجحان اسی ایثار کی وجہ سے ہے باقی حضرت حلیم الامت قدس سرہ کی صحبت کے بارے میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اُس کے متعلق کیا عرض کر دوں یہ احباب کے حسن ظن پر مبنی ہے۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ نام لیوا انھیں کا ہوں۔

آپ کی علالت سے بہت رنج ہوا اللہ تعالیٰ سے توجہ دلی کے ساتھ دعا میں مشغول ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحت عطا فرمائے اور آپ کی جملہ تمنائیں پوری ہوں۔ وَالسَّلَامُ خَیْرُ خَتَام

دعا گو

وصی اللہ عفی عنہ
فتح پور۔ تال زرجا

دیکھا آپ نے بقول اکبر الہ آبادی ۵
نگاہیں کا ملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی کہیں چھپتا ہے اکبر پھول ہتوں میں نہاں ہو کر
مولانا گیلانیؒ نے صرت ایک مضمون سے حضرت والا کو کتنا صمیم پہچانا اور کیسا

خط لکھا کہ اسکا ہر ہر لفظ محبت اور عقیدت میں ڈوبا ہوا اور آرزوئے دید اور تمنا ملاقات سے بھرپور ہے اور اسکا جواب بھی حضرتؑ کی جانب سے کس قدر شفقت اور محبت میں ڈوبا ہوا مرحمت فرمایا گیا کہ ہر پڑھنے والا آج بھی اس کی لذت اور چاشنی محسوس کرتا ہے تو بھر خود مکتوب الیہ یعنی حضرت مولانا گیلانیؒ اس سے کس درجہ متاثر ہوئے ہوں گے۔ ظاہر ہے۔

ساقی تراستی سے کیا حال ہوا ہوگا جب تو نے یہ عالم شیشہ میں بھری ہوگی
چنانچہ حضرت مصلح الامتؑ کا یہ جواب پاکر مولانا گیلانیؒ نے اپنے دوسرے
عریضہ میں اپنے تلبی تاثرات کا یوں اظہار فرمایا۔

مولانا مناظر حسن صاحب گیلانیؒ کا دوسرا خط

باتناہ قدسی سیدنا و مولانا وصی اللہ صاحب

مَتَعَنَا اللَّهُ بِطَوْلِ لِقَائِهِ وَفُورِ قُلُوبِنَا بِنُورِ قُلُوبِ أَحِبَائِهِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

براہ راست شفا ہی لقا کی محرومی کے باوجود اس عریضہ کے پیش کر نیکی جرات
مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی طرف سے عطا ہوئی ہے ورنہ ع
جراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا

اور سچ تو یہ ہے کہ بقول حافظ اس غزل میں فرماتے ہیں ۵
جو کھل سببش ما خاک آستان ثنات کجا رویم بفسرما ازیں جناب کجا
ترجمہ جبکہ آپ کے آستانہ کی خاک آستان ثنات کیلئے بمنزلہ سرمہ کے ہے تو پھر آپ ہی فرمائیے کہ ہم آپکا دھڑوڑ کر کہاں جائیں؟
اہل دل کا طبقہ عالیہ جو اغاثۃ اللہفان کی خدمت انجام دیتا تھا بکا یک
آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، ہم ستم دیدوں، آفت رسیدوں کے لئے بنابہ کے سارے
آستانے اچانک نظروں سے محفی ہو گئے نکر ہے الصمد المستعان الحنان کا کہ کسی
نہ کسی طرح رسائی کا سامان سدہ سینہ و عتبہ قدسیہ اسی کی طرف ہو گیا۔

حضرت والا کی دعاؤں اور توجہ کے برکات عیاناً محسوس کر رہا ہوں۔ ڈیڑھ
دو سال سے فریش فریش علالت ہوں۔ علاج کے عام تدبیری طریقوں کا تجربہ بھی

بتا رہا تھا کہ مرض اپنا لا علاج ہو چکا ہے لیکن ادھر ہفتہ عشرہ سے بحمد اللہ غیر معمولی انقلاب اپنی علالت کے سلسلہ میں پا رہا ہوں کوئی وجہ وجہ اس کے سوا نظر نہیں آتی کہ سے والے نے اپنے مخلص و صدیق بندے کی دعائیں سن لی ہیں یہ عریفہ خدمت والا میں اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ دعا اور توجہ کے اس سلسلہ کو باقی رکھا جائے "اجل مسمیٰ" کا وقت تو بہر حال مقرر ہے وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُتَوَجِّدًا ۚ أَلْكِتَابُ النَّاطِقِ پانچ کے حکمت میں سے ہے لیکن اسی کتاب میں یہ خبر بھی تو دی گئی ہے کہ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا ۖ اِستمراری تجربہ اللہ والوں کی زبانی نقل فرمایا گیا ہے اَدْعُوْنِي عَنِّي اَنْ لَا اَكُوْنَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝ کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکارا ان کے بھائی کے متعلق دعائی گئی اور بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے نجات یاب ہوئے یونس علیہ السلام نے پکارا۔ غم سے نکال لئے گئے۔ پھر آج بھی پکارنے والے کی پکار کو اثر انداز ہوتے ہوئے اگر پا رہا ہوں تو قرآن ہی کی روشنی میں یہ سب کچھ دکھایا جا رہا ہے۔

کاش ایسا ہوتا کہ پھر سفر کی صلاحیت اس بندہ ظلوم و جہول میں پیدا ہوتی اور حضرت والا کی قدبوسی سے سرفراز ہوتا ورنہ بقول شخصے ۷
گر میریم عذر ما بپذیر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
خاکپائے صالحین و شہداء و صدیقین

مناظر حسن گیلانی غفر اللہ لہ
۱۶ نومبر ۱۹۵۵ء گیلانی بہار

حضرت اقدس کا جواب

مکرمی و محترمی دام مجدکم التسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
عافیت نامہ نے انتظار کے بعد شرف صدور بخشا۔ مطالعہ سے بہت سرور و تسکین ہوئی ع "حافظ و ظیفہ تو دعا گفتن است و بس" پر عمل پیرا ہوں
توجہ دلی کے ساتھ برابر امتثال امر سامی کر رہا ہوں آمَنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَا وَکُنْیَتْ

اللہ تعالیٰ علیٰ کی توفیق دیدیں بس کام بن جائے۔ اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ اُمیدیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اُمیدیں پوری فرماتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ۵

تو جنہیں خواہی خدا خواہ جنہیں می دہد مزداں مراد متیقن

والسلام

مولانا گیلانی کا تیسرا خط حضرت مصلح الائمۃ کے نام

۳۱ جنوری ۱۳۵۶ء گیلانی منوگیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیدی و معتمدی مظلہ العالی حیّاکم اللہ و البقاکم علی رؤس الطالبین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ڈرتے ڈرتے پھر یاد دہانی کا یہ عریضہ نیاز آستانہ ہمایونی میں وہی مناظر آں گیلانی پیش کر رہا ہے جسے اپنی عنایت خاص سے سرفراز فرمایا گیا ہے الحمد للہ کہ آپکی دعا و ہمت کے آثار کا تسلسل جاری ہے۔ پہلے کے حساب سے بہت کچھ طبیعت و باصلاح ہے۔ بس آرزو وہی ہے کہ باجماعت مسجد میں نماز پڑھ لیں اور فرض صیام سے سبکدوشی کی حد تک قوت آجائے تو زندگی کی جس منزل میں ہوں اُنکے لحاظ سے یہی بہت کچھ ہے کیا عرض کروں ہمت کر کے مسجد چلا بھی جاتا ہوں تو ڈاکٹر بہت برہم ہوتے ہیں اور چلنے پھرنے کو میرے قلب کیلئے بہت مضر فرماتے ہیں کچھ تجربہ سے اسکی توفیق بھی ہوتی رہی ہے لیکن جن کی ارحم الراحمین سننا ہے اگر وہ دستگیری پر آمادہ ہو جائیں تو جیسے شکایتوں کا ازالہ ہوا اتنی قوت کا ازالہ ہونا بھی دشوار نہ ہوگا۔

بس حضرت والا سے یہی عرض ہے کہ جب موقع میسر ہو اور یاد آجائے تو اس فقیر و مریض کے لئے دعا فرماتے رہیں اور اسکی اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ کبھی کبھی یاد دہانی کے لئے عریضے جو پیش ہوتے رہتے ہیں وہ باعث گرانی نہ ہوں۔ آپ کے مشاغل کا خیال کر کے اس کو بھی بڑی جرات خیال کرتا ہوں۔ لیکن آپ کے مولا کا بندہ اور آپکے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت کا ایک کترین فرد ہوں یہی دور نشے کافی و دانی ہیں۔ خود کم مناظر آں گیلانی۔ (بیا فی اللہ)

حالات حضرت مصلح الامت حضرت مولانا کا جواب

مشفق و محترم جناب مولانا مناظر احسن صاحب دام مجیدہم
السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ
عین انتظار میں غایت نامہ موصول ہوا صحت و قوت کی رفتار معلوم ہو کر اطمینان
ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آرزو بھی صحت کے بارے میں پوری فرما کر مزید صحت و قوت
عطا فرمائے اور اپنی مرضیات میں اس کو صحت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ دعا
کا کرنا تو اپنا وظیفہ ہے اس سے گرانی کے کیا معنی۔ وہ تو روزانہ معمول میں داخل
ہے۔ اس کی تو یاد دہانی کی بھی ضرورت نہیں۔ غایت نامہ کا انتظار صرف حالات معلوم
کرنے کے لئے ضرور رہتا ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ حسب توقع صحت و قوت کو بحال
فرمائیں گے۔
وَالسَّلَامُ

وصی اللہ عفی عنہ

اس کے بعد بھی مولانا گیلانی کے متعدد خطوط آئے اور آخر تک آتے ہی
رہے اور مقصد اُن سے حضرت والا کو دعا کی یاد دہانی ہوتی تھی چنانچہ حضرت والا
اُنکے لئے برابر دعا بھی فرماتے رہے اور خط کا جواب بھی دیتے رہے لیکن کوئی
خاص مضمون نہ ہونے کی وجہ سے حضرت والا کے جوابات کی نقل تو نہ مل سکی
البتہ مولانا گیلانی کے چند خطوط انھیں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے محفوظ ملے۔

ایک خط میں لکھا ہے کہ الحمد للہ اب پھر کچھ اچھا ہوں۔ اس وقت فیض عام
کی تقسیم کے لئے حضرت والا کا انتخاب ہوا ہے۔ اس کے سوا اور کیا عرض
کیا جائے کہ

ما نہ اینیم کہ جاہ دشتی می خواہیم سید از تو نگاہِ کرم می خواہیم
اور یہ بھی لکھا کہ جواب کی زحمت نہ برداشت فرمائی جائے۔ مقصد

صرف یاد دہانی ہے ۵

ما کہ خود را بسیر رشتہ زلفت بستیم ہمہ تن منتظر گوشہ چشمت ہستیم
پھر کچھ دنوں کے بعد ایک اور خط لکھا اس میں تحریر فرمایا کہ :-
اس جہول و ظلم و ناکارہ نامراد پر حضرت کی عنایات و شفقت کو جب سوچا ہوں
تو ”الحُبُّ مَدُّ“ کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے..... اللہ دعاؤں کا سلسلہ ہر حال میں
جاری رکھا جائے۔ خصوصاً خاتمہ بالخیر کی جو سب سے بڑی آرزو کسی مرد مومن کی
ہو سکتی ہے۔

پھر ایک اور عریضہ میں یہ لکھا کہ :-

ارحمہم الراحمین کی رحمت واسعہ کے ظہور کی ایک عجیب اور غریب شکل یہ
بھی ہے کہ بیمار سے زیادہ اس کی فکر اُن بزرگوں کے قلوب میں ڈالی گئی ہے جنکے
چھوٹوں میں بھی وہ شمار ہونے کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت والا کا کرم نامہ جب کبھی ملتا
ہے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل جاتی ہے۔ دعا کی تاثیر میں خواہ جتنی بھی تاخیر
ہو رہی ہو لیکن دعا کی استجابیت کا تجربہ مسلسل ہو رہا ہے۔ جب حضرت والا کی
توجہ خاص ہوتی ہے قلب بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور قالب پر بھی اُس کے
اثر کو پاتا ہوں۔

بس یہی استدعا ہے کہ اجلِ مسمیٰ سے پہلے زندگی کا جتنا وقفہ بھی ہو دین کے
کام میں گندے۔ اب تو ادھر صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے اور کسی قیمت کے بغیر
شب و روز کی یہ گردش تمام ہوتی ہے۔

اسی طرح سے اپنے ایک اور عریضہ میں حضرت اقدس کے نام جو کہ غالباً
مولانا کا آخری خط تھا تحریر فرمایا کہ :-

(بآشاءِ گرامی حضرت مولانا بھی اللہ الاشرافی الامدادی)

حضرت والائے و لمجائے من ادام اللہ ظلمک العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مبارک مہینہ وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ دَعْوَةَ السَّالِعِ

إِذَا دَعَا فَلَيْسَ يَجِيبُوهُ إِنِّي دُلُّوهُمُ ابْنِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ کا آگیا ہے۔ الحمد للہ کہ اہل ایمان اس مبارک ماہ کے شاغل میں مصروف ہیں۔ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی سعادت حاصل کر کے مستحق بن رہے ہیں کہ انکے معروضے بھی سنے جائیں مگر ایک حوالہ نصیب ہے کہ جس کے لئے اس مبارک مقدس ماہ میں کوئی حصہ نہیں رکھا گیا ہے اسلئے ان بزرگوں کے قدموں میں لوٹتا پھرتا ہے جو حقوق اس مہینہ کے ادا کر کے اپنی دعاؤں کی قبولیت کی ضمانت حاصل کر رہے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ مرض کے اندر کافی صحت محسوس ہو رہی ہے لیکن نجات کم از کم اس حد تک ہوجائے کہ زندگی کے ضروری فرائض بآسانی ادا ہو سکیں اس کی کصورت سامنے نہیں آئی ہے..... حضرت والا نے اصرار فرمایا ہے کہ اپنے حالات سے مطلع کرتے رہنا اسی کی تعمیل کی جا رہی ہے۔ السلام علیکم وعلیٰ من لدنکم نوید کہ الفقیر المذکور المرئی

مناظر حسن انگیلانی

۵ رمضان المبارک م ۱۴۱۱ اپریل ۱۹۹۰ء

حضرت مولانا گیلانی کے خطوط ختم ہوئے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اتنے بڑے شخص جو ہندوستان کے مایہ ناز صاحب قلم رہے ہوں انھیں جب حضرت مصلح الامت کی معرفت ہوگئی تو کس قدر تواضع اتکبار اعتقاد اور انقیاد کے ساتھ خود کو پیش کیا دراصل یہ مولانا کا کمال تھا اور اس امر کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ انھیں بزرگوں سے کوئی دولت ملی تھی کیونکہ خود اسقدر علم و فضل رکھتے ہوئے اپنے کسی معاصر کی جانب اتنا شدید اور قوی میلان کم ہی سننے میں آیا ہے۔ بہر حال مولانا گیلانی نے جس دولت کی جانب اس شدت اور حرص کے ساتھ رغبت فرمائی وہ تو انکے گھر ہی کی دولت تھی اور اپنی کھوئی ہوئی چیز کا جب پتہ کہیں کوئی پا جاتا ہے تو بے اختیار اس کی جانب لپکتا ہی ہے کہ الْحِکْمَةُ ضَالَّةٌ الْمُؤْمِنِ اَیْمًا وَحَدًّا هَا فَهْوَ اَحَقُّ بِهَا (ادکمال قال علیہ السلام) حدیث میں وارد ہے۔ مگر باوجود اس طلب و تڑپ کے جس کا اظہار وقتاً فوقتاً خود مولانا بھی اپنے مکتوبات میں فرماتے رہے ہیں مثلاً کس درد کے ساتھ یہ تحریر فرمایا کہ کاش ایسا ہوتا

کہ پھر سفر کی صلاحیت اس بندہ ظلوم و جہول میں پیدا ہوئی اور حضرت والا کی قدوسی سے سرفراز ہوتا رہتا رہتا بقول شخصے ۵

گز بسیریم عذر ما بسذیر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
منجانب اللہ مقدر بھی تھا کہ حضرت اقدس سے ملاقات ظاہری نہ ہو سکے
تاہم بفحوائے حدیث المؤمن مع من أحب انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں مولانا گیلانی
حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے ہی رفیق قرار دے جائیں گے۔ یہ تو اپنی جگہ صحیح
ہے۔ علاوہ ان میں اہل طریق اور ارباب سلوک کے لئے حضرت مولانا کے ان
مکاتیب میں ایک عمدہ نمونہ اور اعلیٰ اسوہ موجود ہے اور بڑی تہنیت بھی اس امر
پر ہے کہ طالب کو کیسا ہونا چاہئے اور کسی معتقد کو اپنے معتقد فیہ کے ساتھ اُسکے
فیوض و برکات کے حاصل کرنے اور اس کی توجہ قلبی کے مبذول کرانے کے لئے
کن آداب کے ساتھ متصف ہونا چاہئے۔

بلاشبہ حضرت مولانا گیلانیؒ نے اس سلسلہ میں ایک عمدہ نمونہ پیش فرمایا اور یہ
اثر تھا اللہ تعالیٰ کی سچی طلب اور توجہ اہل اللہ ہی سے حصول مطلوب کے یقین کا اور
اس میں شک نہیں کہ ہم جیسے خام و ناکام کے لئے اپنے ان اسلاف کا عمل سو بطاعت
ہے کہ ان حضرات نے کس طرح سے اپنے علم و فضل اور شہرت و لیاقت کو محض
اللہ کے لئے ختم ہی کر دیا تھا اور کس درجہ اپنے نفس کو فنا کر چکے تھے۔ ایک عالم
کے لئے یہ مقام آسان نہیں ہے اس کے حصول کے لئے برسوں خون دل پینا اور
لخت جگر کھانا پڑتا ہے ۵

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

بنا کردند خوش رستم بنجاک و خون غلطیدن

حضرت مولانا سید مناظر حق صاحب گیلانیؒ کے قلب و نظر میں حضرت
مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا جو مقام تھا وہ ان کے ان مکاتیب سے صاف عیاں ہے۔
کسی تخریج و تہذیب کا محتاج نہیں ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر آخر میں ان کی ایک اور
تخریری تصریح حضرت علیہ الرحمۃ سے عقیدت اور حضرت کے علو مقام کی شہادت کے
مستقل پیش کر دی جائے جسے مولانا مرحوم نے اپنے احباب خاص میں سے ایک صاحب

کو لکھی۔ بھئی جو کہ پہلے حضرت مولانا ہی سے نیازِ مندانہ تعلق رکھتے تھے اور بعد میں تو یہ ہمارے حضرت مصلح الامت کے فجاز بن میں سے ہی ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے ان صاحب نے مولانا گیلانیؒ سے اپنی طلب کا اظہار کر کے زمانہ حال کے چند بزرگوں کے یہاں (جن میں خود مولانا گیلانی بھی شامل تھے) بغرض استفادہ حاضری کا ارادہ ظاہر کر کے مولانا سے اپنے اس سفر کے لئے مشورہ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا گیلانیؒ نے جو جواب ان کو مرحمت فرمایا ہے وہ پیش خدمت ہے تحریر فرمایا ہے کہ

سفر کا ارادہ جہاں تک ممکن ہو اس زمانہ میں کم ہی کر دیجئے۔ آپ نے جن لوگوں کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت کا ذکر فرمایا ہے ان میں بھی مولانا دمی اللہ صاحب قجوری تو اس کے مستحق ہیں کہ جہاں سے بھی ممکن ہو آدمی ان کی خدمت میں پہنچے۔ دین کے ساتھ دنیاوی مشکلات کے حل کا ذریعہ اپنے بسندوں کے لئے حق سبحانہ دلتائی نے انکی ذات گرامی کو اس زمانہ میں قرار دیا ہے باقی انکے سوا اور جن حضرات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے ان میں ایسا کوئی نہیں ہے جس سے مل کر آپ خوش ہو گئے خصوصاً کسی حیثیت سے یہ فقیر تو آپ کے لئے کسی کام کا نہیں ہے۔ ایک "ملا" سے زیادہ پہلے بھی کچھ نہ بھٹا اور اب تو ملائیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ قریب قریب مردان کے ہو چکا ہے۔ مردہ زندوں کی کیا مدد کرے۔ انتہی

ماخوذ از جواب مولانا گیلانیؒ بنام صاحب

بھٹکلی

۱۴ جنوری ۱۹۵۶ء

ملاحظہ فرمایا آپ نے "انتخاب شیخ" کے متعلق جو مشورہ حضرت مولانا دریا آبادی مدظلہ نے اپنے ان دست کو مرحمت فرمایا تھا۔ تقریباً انھیں الفاظ میں حضرت مولانا گیلانیؒ نے اپنے ان دست کو مرحمت فرمایا اب اس کو حسن اتفاق کہئے یا اتفاق حسن یا ع زبانِ خلق کو نصارہ خدا کہئے

بہر حال اس امر پر اپنے حضرات کا تقریباً اتفاق ہی تھا کہ اپنے اس آخری

دور میں حضرت مصلح الامۃ مخدوم العلماء اور مرجع الصلحاء تھے۔ اب جن حضرات نے اپنی خوش نصیبی سے اس مقدس ذات کا زمانہ پایا اور فیض اٹھایا۔ سبحان اللہ ان کا کیا کہنا لیکن جنہیں حضرت والا کی زیارت کی سعادت بھی نہ حاصل ہو سکی یا صحبت ملی لیکن محرومی نے بھی دامن نہ چھوڑا ان کے لئے حضرت اقدس کی تعلیمات اور ارشادات اب بھی شمع راہ بن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور حضرت مصلح الامۃ کے مابین جو مکاتبت ہوئی اس میں سے جس قدر یہاں پیش کرنا تھا وہ سلسلہ ختم ہو گیا لیکن جیسا کہ سابقہ سطور میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت مولانا دریا آبادی مدظلہ اور مولانا گیلانی کی مراسلات کا تذکرہ اس طرح پر آیا تھا کہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ العالی اور ان کے مضامین ہی فی الجملہ واسطہ بنے تھے ان حضرات کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعارف کا۔ اس لئے اب اس کے منارب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی کے چند مکاتیب پیش کر دے جائیں جن کا سلسلہ ان کے اور حضرت مصلح الامۃ کے مابین قیام کہف سے قبل اور بعد میں آخر تک جاری رہا کیونکہ ان میں بھی طالبین کے لئے عبرت و نصیحت کے علاوہ دینی و اصلاحی نفع کا خاصہ سامان موجود ہے اور جس طرح سے کہ مولانا ندوی مدظلہ کے مضمون مذکورہ سے بہت سے خدا کے بندوں کو نفع پہونچا اسی طرح سے امید ہے کہ ان کے دوسرے مکاتیب سے بھی ناظرین مخطوط و منتفع ہوں گے۔

اب قبل اس کے کہ ہم مولانا ندوی مدظلہ کے مکاتیب کا انتخاب پیش کریں۔ جی چاہتا ہے کہ پہلے آپ کے سامنے ایک عالم اور ایک دوسرے بہت بڑے عالم کی شہادت اور مزید برآں حضرت مصلح الامۃ کی بھی توثیق اس امر سے متعلق پیش کر دیں کہ مولانا ندوی مدظلہ کے مضمون "چار ہفتہ ایک کہف" سے بہت سے طالبین کو نفع ہوا اس سلسلہ میں دو خطوط ملاحظہ فرمائیے۔

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامت کے نام

حضرت مولانا عبد الباری صاحب کا مکتوب بعنوان "چار ہفتہ ایک کہف میں" الاحسان میں شائع ہوا۔ میں نے بتمامہ دیکھا۔ ماشاء اللہ خوب مضمون ہے۔ الحمد للہ مجھے اس سے بحد مسرت ہوئی اس سے بڑی دلچسپی ہوئی۔ ابتداء سے انتہا تک دیکھنے ہی کے قابل ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اور زیادہ مسرت و شادمانی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے گم کردہ راہ بستوں کے لئے بہترین رشد و ہدایت کا سامان اس میں ہے حضرت مجھے اُس سے کئی باتوں کا فائدہ ہوا۔ ایک تو حضرت کی برکت اور رہنمائی سے ایک بڑا ہی انمول موتی ہاتھ لگا۔ میں نے اسکی بہت ہی قدر کی وہ یہ کہ حضرت نے مکتوبات رشیدیہ سے یہ پڑھ کر سنایا تھا کہ

"بعد مجاہدہ ہزار سالہ در دنیا یافت حاصل ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہوگا۔"
سبحان اللہ اہل اللہ کا کلام بھی عجیب کلام ہے کہ یافت کو نایافت کے ساتھ جمع فرمادیا۔

جواب حضرت مصلح الامت

بیشک یہ مضمون بہت سے مفید مضامین کا مجموعہ ہے۔

ایک دوسرے مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامت کے نام

ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا عبد الباری صاحب کے مضمون "چار ہفتہ ایک کہف میں" سے متاثر ہو کر حضرت کو اپنے ایک عریضہ میں لکھا۔
حال۔ حضرت والا کے اصلاحی دالاتاموں کے وہاں نقل کر لینے کا معمول ہے یا نہیں؟ معلوم نہیں۔ اغلب تو یہی ہے کہ نقل کر لئے جاتے ہوں گے۔
تحقیق۔ ہاں نقل ہوتے ہیں۔

حال۔ جیسا کہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ذرا کوئی اہم بات ہوئی فوراً کتاب نکالتے نکلواتے اور سند و اور شہادت

پیش ہو جاتی ہے۔

اس کے متعلق پہلے سے میرا احساس یہ ہے کہ اصلاحی والا ناموں میں عین موقعوں پر سند اور شہادت کے طور پر جو عبارتیں نقل ہوتی ہیں یہ مثال کہیں دیکھی نہ سنی۔ تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ ان اصلاحی مکتوبات کا ضبط ہو کر شائع ہو جانا انشاء اللہ ہزاروں کے لئے باعثِ سرمایہ سعادت ہوگا۔ تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ میرے دل میں یہ بات آ رہی ہے کہ اگر حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ اس وقت بقید حیات ہوتے تو انتہائی مسرت کے ساتھ یہ فرماتے۔

مدح توحیف است بازندانیان

گویم اندر محفل ردحانیان

تحقیق۔ ٹھیک آ رہی ہے۔

حال۔ میں نے سیدی حضرت مفتی (مولوی محمد شفیع) صاحب دام مجدہم کی خدمت میں ایک خط لکھا اور اسیں حضرت مولانا عبد الباری صاحب کے مضمون "چارہفتہ ایک کہف میں" کا تذکرہ کیا تو حضرت مفتی صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا کہ یہ واقعہ معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا تھانوی نے ایسے ایسے حضرات جھوٹے ہیں کہ آج دنیا میں انکی نظیریں بھی کم ملتی ہیں۔ دعویٰ نہیں۔ نمود نہیں مریدوں کا بہت سا جھگڑا نہیں۔ سنت کے مطابق ارشاد خلق میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب نے بڑا کام کیا ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء

تحقیق۔ یہ تحریر حضرت مفتی صاحب دام مجدہم کی میرے لئے ایک ڈھارس ہے بہت ہمت بڑھی جزاھم اللہ لعلی وجتر اک اللہ تعالیٰ۔

دیکھئے پہلے خط میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن صاحب کو تحریر فرما رہے ہیں کہ بیشک یہ مضمون یعنی مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ کا مضمون "چارہفتہ ایک کہف میں" بہت سے مفید مضامین کا مجموعہ ہے۔

اس سے خود راقم کو بیحد تقویت ہوئی کہ الحمد للہ حالات کی ابتداء

جن مضمون سے ہوئی ہے وہ خود حضرت کا پسندیدہ اور مصدقہ ہے۔
 اسی طرح سے دوسرے خط کے مضمون سے بھی بڑی مسرت ہوئی اس طور پر
 کہ حضرت نور اللہ مرتدہ کی تصویب سے اپنے طریق کار کے صحت کی تائید ہوئی
 وہ یہ کہ حالات مصلح الامۃ کے سلسلہ میں میرا خیال بس یہی تھا کہ باتیں صحیح ہوں
 اور حالات مبالغہ سے خالی ہو کر یکجا جمع ہو جائیں مگر اس کے لئے مواد کی فراہمی
 بڑی ہی دشوار تھی اس لئے یہی طے کیا گیا کہ بس حضرت ہی کے "نقل خطوط" کے
 رجسٹر سے اس قسم کے خطوط منتخب کر کے ان کو اس طرح سے ترتیب دیکر شائع کر دیا جائے
 کہ حضرت اقدس سے غائبانہ محبت و تعارف رکھنے والوں کے سامنے حضرت والا کے
 طرز زندگی اور اصول کار کا ایک نقشہ آجائے اور طالبین خدا کے علم اور سادگی راہ
 خدا میں سلوک راہ اور اس سلسلہ میں مجاہدہ نفس و اصلاح شیخ کا کسی قدر نمونہ
 نظروں سے گزر جائے کہ دراصل کسی بزرگ کی سیرت کا اصل نفع یہی ہے کہ اُس کی
 تعلیمات سے لوگوں کو بددشمناس کرایا جائے کیونکہ یہی چیز بعد والوں کے حق میں بھی
 سودمند ہے اور خود صاحب سیرت کے لئے باعث ازدیاد و اجر آخرت ہے۔ اسی لئے احقر نے
 بھی حضرت نور اللہ مرتدہ کی کرامات کے جمع کرنے سے زیادہ حضرت کے کمالات کے
 پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

اور اس دوسرے خط میں ایک دوسری بات آپ نے یہ ملاحظہ فرمائی کہ حضرت
 مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ العالی جو کہ حضرت حکیم الامتہ کے اجل خلفاء
 میں سے ہیں اور علوم دینی میں بھی آپ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ موجودہ دور میں
 ہندو پاک میں شاید ہی کوئی آپ جیسی جامعیت کا حامل ہو۔ ہمارے حضرت کے
 خواجہ تماش اور رفقاء خاص میں سے تھے۔

حضرت خود فرماتے تھے کہ زمانہ قیام تھانہ بھون میں جن حضرات سے مجھے
 مناسبت اور بری دوستی تھی ان میں سے ایک یہ مفتی صاحب بھی تھے۔ عرض
 حضرت مفتی صاحب خود ہی اتنی عظیم المرتبت شخصیت کے مالک اور حضرت کے
 متعلق کیسا فرما رہے ہیں کہ "لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں۔"

مولانا عبد الباقی صاحب نے بڑا کام کیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سمجھتے تھے کہ حضرت مولانا فنا کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور اسی وجہ سے گناہ میں اور لوگ آپ کے استفادہ سے محروم ہیں لہذا ضرورت ہے کہ لوگوں کو ایسے بابرکت حضرات سے باخبر کیا جائے تاکہ لوگ ان سے پورا پورا فیض حاصل کر سکیں۔ اور مولانا عبد الباقی صاحب مدظلہ کی یہ کوشش بھی چونکہ اسی مقصد کی ایک کڑی سی ہے اس لئے بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی اس سعی کو مشکور فرمائے۔

چنانچہ یہی مفتی صاحب دامت برکاتہم مکہ معظمہ میں جناب قاری محمد حسین صاحب سے حضرت کی تعزیت کرتے ہوئے تعریف میں یوں فرماتے تھے کہ ”ہمارے مولانا کا حال شروع ہی سے ایسا تھا کہ سب سے الگ تھلک رہتے تھے۔ مجمع سے وحشت۔ تنہائی سے انس مزاج میں سکوت غالب تھا طبیعت خمول پسند تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت اور اسکی طلب کا ایک خاص اثر چہرہ پر نمایاں۔ اور ان کے حال سے ظاہر تھا۔“

چنانچہ ہم لوگوں کو اُسی وقت سے برابر اندیشہ رہتا تھا کہ دیکھا جائے کہ اس استدا کی انتہا کہاں پر جا کر ہوتی ہے یہی وجہ تھی میں نے جب ریڈیو پر آپ کی موت فی البحر (ہباز میں انتقال) اور تدفین فی الماء کی خبر سنی تو مجھے تو کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ ہم تو انکے متعلق اسی قسم کے حالات کی توقع ہی رکھتے تھے جس کی زندگی گوشہ حمول میں گذری ہو اس کی موت کے مناسب یہی حال تھا۔

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا ” اتنی
بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی مگر خیر اولاً تو میں شروع ہی میں اپنے اس
کا اظہار کر چکا ہوں ثانیاً یہ کہ بقول حضرت شیخ الحداد
بے نمک ہیں توے اشعار مگر تلخ نہیں خالی از درد نہیں گرچہ ہیں ششم پشتم

اب آپ کے سامنے حضرت مولانا عبد الباری صاحب مِندوی مِظْلَمہ کے چند مکتوبات پیش کرتا ہوں جن میں سے اول کے دو سفر پنچور یعنی قیام کھٹ سے قبل کے ہیں اور بقیہ بعد کے۔

”حضرت مولانا عبد الباری صاحب مِظْلَمہ اور حضرت مصلح الائمہ“

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مولانا کا سب سے پہلا خط ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی خط اس سے قبل بھی آیا ہو۔ تاہم رجسٹر پر یہی ملا اور تاریخ خط بہر تو نہ مل سکی البتہ قریبی بعض خطوط پر سئم درج ملا اس لئے اغلب یہ ہے کہ یہ بات بھی سئم کی ہے کہ مولانا مِندوی مِظْلَمہ نے اپنی بعض تصانیف کو حضرت والا کی خدمت میں برائے ملاحظہ پیش کرتا چاہا تو حضرت کو لکھا کہ

حضرت مولانا عبد الباری صاحب مِندوی مِظْلَمہ العالی کا اتہائی خط

حضرت مولانا المحترم مِظْلَمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت اقدس مولائی و مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد حضرت کے علوم و علامات کی اشاعت و اجراء کے خیال کے تحت احقر نے کچھ کتابوں کا سلسلہ شروع کیا ہے تین کتابیں اس سلسلہ کی شائع بھی ہو چکی ہیں اگر حضرت والا انکو ملاحظہ فرمانا پسند فرمائیں تو ارسال خدمت کی جائیں پھر ان کے تیسرے حصہ تجدید تعلیم و تبلیغ میں حضرت کی مجوزہ اصلاحی تجاویز کے تحت جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اگر وہ حضرت والا کی نظر میں کچھ پسندیدہ ہو تو خود حاضر ہو کر انشاء اللہ مزید تفصیل عرض کروں گا۔ اجازت آتے ہی پہلے کتابیں ارسال خدمت ہونگی۔ امید کہ مزاج مبارک بجا فیت ہوگا۔ ایمان پر قائم و مغفرت کی دعا کا خصوصاً محتاج و طالب۔

احقر العباد

عبد الباری غفرلہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حالات حضرت مصحح الامت

حضرت مصحح الامت علیہ الرحمۃ کا جواب

مخدومنا المحترم زاد الله عرفاء

السَّلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

والا نامہ نے بہت مسرور فرمایا، نہایت ادب سے درخواست پیش کرتا ہوں کہ کتابیں بہت جلد ارسال فرمائیے ("انڈھا کیا چاہے دو آنکھیں") مزید تفصیلات کا بھی بعد شوق منتظر ہوں گا۔

الحمد للہ بجا فیت ہوں دعائے مغفرت و حسن خاتمہ دل سے کرتا ہوں اور جناب سے بھی اس کی درخواست کرتا ہوں۔

والسَّلام ووصی اللہ عفی عنہ

حضرت مولانا محمد الباری صنادیدی کا دوسرا خط

حضرت مخدوم و محترم مدظلہم۔

السَّلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

جامع المجددین تجدید تصوف اور تجدید تعلیم و تبلیغ یہاں سے تین ہفتے سے زائد ہوئے ہیں کہ رواد خدمت کردی گئی ہیں۔ رسیدی والا نامہ کا انتظار رہا۔ رجسٹری سے گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ اب ملاحظہ سے بھی گزر چکی ہونگی۔ بمنظر اصلاح ملاحظہ کی درخواست نہ تواضعاً بلکہ واقعاً اپنی غلطیوں پر مطلع ہونا مقصود ہے تاکہ دوسری طباعت میں اصلاح ہو سکے۔ دیباچہ میں بھی یہ درخواست حضرت علیہ الرحمۃ کے حضرات سے خصوصاً کی گئی ہے۔ اہل علم بھی کب اس سے مستغنی ہوتے ہیں تو یہ ناکارہ تو یقیناً

فرمیں کہ علم و عمل دونوں سے خالی ہے۔ بس حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے سہارے کچھ
اکٹک اکٹک کر اجل لیتا ہے۔

اب چوتھا اور آخری حصہ تجدید سیاسیات و معاشیات کا زیر تحریر ہے اس میں
سب سے زیادہ دشواری پیش آرہی ہے اس لئے خصوصیت سے تیسرے و تیسریں کی
دعا کا طالب ہوں۔

والسلام مع الاکرام
عبدالباری غفرلہ

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرسلہ ہر سہ کتب موصول ہوئیں ڈاک خانہ کی رسید کو خط سے معنی سمجھ کر
علحدہ کوئی خط نہیں لکھا گیا آپ کو اس کی وجہ سے انتظار کی جو زحمت گوارا کرنی پڑی
اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ قلت فرصت اور کثرت مشاغل کی بنا پر ابھی تک
کچھ ہی حصہ دیکھ سکا ہوں بقیہ ابھی زیر مطالعہ ہے تاہم اس اتنے کے بھی دیکھنے
سے اندازہ ہوا کہ آپ کی نیت درخواست سے خواہ تو واضح کی رہی ہو یا نہ رہی ہو یہ سکن
دوسروں کو تو آپ کے سامنے تو واضح کرنی ہی پڑے گی اس لئے کہ خلافت تو واضح وہ
شخص کچھ کر سکتا ہے جو پہلے اس سے بڑھ کر یا کم از کم اس کے برابر کوئی خدمت اس کے
مقابلہ میں پیش کرے اور اگر اپنا دامن اس سے خالی ہے تو اہل خدمت کی خدمات
کا اعتراف کئے بغیر جارہے کار نہیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور حضرت کے مسلک کو اس علمی دنیا میں ابھرنے کی
زبان میں آپ نے ایک نئے اور مخصوص طریقہ سے پیش فرمادیا ہے جزاکم اللہ تعالیٰ
اب ضرورت مرثیہ اسکی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے اقتدار بیدار کئے جائیں اور
اس جماعت میں یو مافیو ما اصفافہ ہو کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ
کوئی جماعت نہ ہو اس کا اعتبار ہی کیا۔ چوتھے حصہ کی تصنیف سے مسرت ہوئی

اس کی تیسیر و تکمیل کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

والسلام۔ وحی اللہ عفی عنہ

ان مکاتیب میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ مولانا ندوی مدظلہ نے ایک کام کیا اور اس میں شک نہیں کہ بڑا کام کیا۔ یعنی یہ کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی تعلیمات اور حضرت کے مسلک کو موجودہ زبان اور زمانہ حال کے طرز بیان میں منتقل کر کے پیش فرمایا اور یہ خیال فرما کر کہ حضرت مولانا فچپوریؒ چونکہ مزاج شناس حضرت تھانویؒ ہیں اس لئے اگر حضرت کی نظر سے بھی یہ مجموعہ گزر جائے تو مقصد حکیم الامتؒ کی ادائیگی اور مناشیح کی تکمیل پر مزید اطمینان کامل ہو جائے۔ انھیں حضرت کی خدمت میں بھیجا اسکے جواب میں حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ نے بھی کس خوبصورتی سے مولانا ندوی مدظلہ کی اس خدمت جلیلہ کا اعتراف فرماتے ہوئے اس سے اگلی منزل کی نشاندہی فرمائی۔ یعنی فرمایا کہ

”اب ضرورت اس کی ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں..... کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ (ان تعلیمات اور خصوصیات سے متصف) کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار کیا؟“

مطلب یہ کہ کوئی ”مسلک“ جو محفوظ رہتا ہے ”کتاب“ سے اور خارجاً باقی رہتا ہے ”افراد“ سے۔ آپ نے ایک تحفظ کا تو ماشاء اللہ خوب انتظام فرما دیا جزاکم اللہ تعالیٰ۔
اب دوسرے کی جانب بھی کچھ اور توجہ فرمادیجئے۔

اس کے بعد مولانا عبد الباقی صاحب ندوی نے ایک اور خط لکھا جس میں اپنے ایک صاحبزادہ کے متعلق تحریر فرمایا تھا کہ۔
اس کی اصلاح سے تنگ آجکا ہوں خیال ہوا کہ حضرت ہی کے پاس بھیج دوں
حضرت والا نے جواب مرحمت فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے بیچ دیجئے۔ اور یہ شعر بھی لکھ دیا کہ ۵
 تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافزیت
 راہروگر صد ہنر دارد توکل بایدیش
 اور حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ جواب مولانا سید ظہور احسن صاحب مدظلہ کے قلم
 سے گیا جو ان دنوں خانقاہ نقیہ تال زجاہیں موجود تھے۔
 چنانچہ خط ملاحظہ فرما کر مولانا ندوی نے حضرت کو لکھا

خط جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ بنام حضرت مصلح الامۃ

حضرت مخدوم و محترم
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 مولوی ظہور احسن صاحب کے قلم سے حضرت کے سراپا شفقت جواب کے پاتے ہی
 کو بھیج دینے کا ارادہ کیا مگر پہلے تو کچھ جڑا دل اور کپڑوں کا عذر کیا
 گیا پھر کچھ اور موانع نکلتے رہے جس میں آج کل آج کل ہوتا رہا۔ مگر الحمد للہ کہ اس میں
 ایک بہت بڑا نفع ہوا کہ سمجھانے سمجھانے سے اب رغبت کے ساتھ خود آنے پر آمادہ
 معلوم ہوتا ہے ورنہ میری زبردستی ہی تھی۔ میں تو اس کو بھی حضرت ہی کی غائبانہ
 توجہ کا فیض جانتا ہوں ورنہ سمجھاتے سمجھاتے تو عمر گزر گئی
 خیال یہ آیا کہ حضرت سے اجازت لئے ایک مہینہ سے زائد ہو گیا ہے مناسب ہے
 کہ پھر عرض کر کے اجازت لے لوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اجازت آتے ہی روانہ
 کر دوں گا۔

اس سراپا مریض کے ایک بہت بڑے مرض کی تشخیص تو حضرت نے ایک ہی
 مصرع میں خوب فرمادی تھی کہ ع

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافزیت
 (تقویٰ) کی قوت تک دہم اپنی نسبت نہیں لیکن (دانش) یا تدبیر کا ہیضہ
 طبعاً ہے۔ اُمید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔ والسلام مع الاکرام سراپا نالائق و ناکارہ عبدالباری

خط مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ

(چار ہفتہ قیام کھٹ کی واپسی کے بعد)

حضرت مخدوم و محترم بابرک اللہ فی برکاتکم

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَکَاتُہُ

آنحضرت کی گوناگوں شفقتوں اور دعاؤں سے لدا پھندا یہ مسافر الحمد للہ لعافیت دطن پہنچا۔ کھرہٹ اسٹیشن پہنچ کر مسافر نوازی کی انتہا بے انتہا شرمندہ فرمانے والی بات معلوم ہوئی کہ کماروں کی کہاری اور مزدوروں کی مزدوری تک ادا کرنے کی اجازت نہ عطا ہوئی۔

فجطور کو یہ ناکارہ ادارہ اپنے حق میں دوسرا تھانہ بھون بنانے کا کچھ منصوبہ دل میں لیکر آیا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی شفقتیں بھی اس نالائق پر کیا عرض کروں کیسی کیسی تھیں تاہم ہفتہ عشرہ کی مختصر حاضری میں تو اب حضرت اقدس کی طرف سے خود اپنے انتظام کی اجازت نہیں مرحمت ہوتی تھی لیکن طویل یا اہل و عیال کے ساتھ حاضریوں میں عطا ہو جاتی تھی۔ یہی درخواست آنمخدوم سے بھی ہے تاکہ آئندہ جب اور جتنا تنہا یا کسی کے ساتھ حاضری سے مستفید ہونا چاہوں بے تکلف ہو سکوں۔

حضرت کی دعا و توجہ سے اس ایک مہینہ کی حاضری ہی میں کچھ تدبیر ذہن میں ایسی آئی ہے کہ کیا عجب ہے اللہ تعالیٰ خانگی مخلصوں سے اتنی آزادی کی صورت عطا فرمادیں کہ جب اور جتنے روز چاہوں فجطور میں پناہ گیر رہ سکوں یہی آرزو تھانہ بھون سے متعلق تھی اسکی دعا کا بدستور طالب ہوں۔ والسلام مع الاکرام
احقر العباد عبد الباری

حضرت مصلح الامۃ؎ کا جواب

مولانا المحترم السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَکَاتُہُ

بخیرت پہنچنے سے اطمینان ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اطمینان سے رکھے۔ خط میں

جو محبت کی باتیں تحریر فرمائی ہیں مزہ دے رہی ہیں۔ جناب نے جو میری قدر بڑھادی ہے میں اس کو کیا لکھوں اللہ تعالیٰ آپ کو اسکا اجر عطا فرمائے اور اپنے صالحین بندوں میں شامل فرمائے۔

تشریف آوری کی اُمید اور خبر سے ہر وقت آنکھیں نہایت اشتیاق کیساتھ منتظر ہیں۔ دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے بندوں کے لئے دعا کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب، مولانا علی میاں صاحب اور مولانا محمد منظور صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام خیر مقام

وصی اللہ عفی عنہ
شوال ۱۳۶۲ھ

خط مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ

بنام یکے از حاضرین خانقاہ
ایک زحمت اور قبول فرمائیں مسجد تو اب غالباً مکمل ہو گئی ہوگی۔ پُرانی مسجد میں تو کل ایک ہی درجہ تین یا پانچ دروں کا تھا۔ نئی میں سولہ دو درجے اور سات در ہیں۔ اندر باہر گنجائش بھی غالباً دو چاند ہو گئی ہوگی۔ اسی حساب سے مزدور بھی تیس چالیس ہونگے اور جو محمولات آپ مختصراً دے سکیں ایک مقصد سے مطلوب ہیں۔ والسلام دعا جو
احقر العباد عبد الباری

جواب از راقم عفی عنہ

آپ نے مسجد کے بارے میں چند اہم دریافت فرمائے ہیں تو اسیں تو شک نہیں کہ مسجد اب وسعت میں پہلے کی چار گنا ہو گئی ہے۔ تین صفوں کا اگلا دالان ہے اور دو کا بچھلا اور گیارہ صفوں کا صحن ہے اور ہر صف میں چالیس آدمی آتے ہیں۔ اندر کے ستون اور باہر کے مینارے انتہائی سبک اور حسین ہیں۔ میان فضل باری تو

کہتے تھے کہ اس میں جھلک ندوہ کی مسجد کی آتی ہے اور مزدور تیس چالیس تو کیا کبھی کبھی انکی تعداد پچاس تک ہو جاتی تھی۔

چنانچہ سو سو سو روپیہ بلکہ اس سے بھی زائد مزدوری دے جاتے تھے۔ میں نے کئی دن خود دیکھا ہے اور مزدوروں سے زیادہ کام تو اہل بستی اور اہل خانقاہ نے جو کیا وہ الگ رہا۔

رہا یہ کہ روپیہ کہاں سے آیا تو اُس کے متعلق عرض ہے کہ چندہ تو حضرت والا نے کیا نہیں اور اگر کسی نے کچھ از خود دیا تو انکار بھی نہیں فرمایا مگر اس قسم کی رقمیں دیکھنے میں اول قلیل ہی تھیں اور حضرت والا سے دریافت کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تاہم مختلف اوقات میں حضرت والا سے اس سلسلہ میں جو کچھ سنا ہے اور حضرت کے روزمرہ کے معاملات اور معمولات میں جو کچھ دیکھتا رہتا ہوں اسکا خلاصہ آپ کو لکھتا ہوں وہ یہ کہ جس طرح آپ کے لئے یہ مسئلہ باعث استعجاب بنا تو ہو سکتا ہے کہ اور بہت سے لوگوں کے لئے بھی بنا ہو اس لئے کہ حضرت کے یہاں اس قسم کے کاموں کے لئے نہ تو زبانی یا اشتہاری تحریک چندہ ہے اور نہ اسکا حساب و کتاب ہی شائع کر کے قوم کے سامنے جوابدہی کرنا ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو تفصیلات کا علم ہو۔

باقی یہ ضرور ہے کہ جب کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے تو حضرت کے یہاں کے امور بھی مقررین بالاسباب ہی ہونگے مگر لوگ کام کو تو دیکھ لیتے ہیں اور اسباب انھیں نظر نہیں آتے اس لئے استعجاب میں پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت کے پاس بہت روپیہ جمع ہے یَحْسَبُکُمْ الْجَاهِلُ أَغْنَاءَ مِنَ التَّقَاتِ اور اس نوع کے کچھ معاملات ہوتے ہیں جسے اعتقاد میں آکر بعض لوگ شیخ کا دست عیب کہنے لگتے ہیں اور ایسا دہی لوگ کرتے ہیں جو کم فہم ہوتے ہیں اور بزرگوں کے معاملات سے محض نا آشنا۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا بھٹا نوٹی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ جن کو دست عیب کہتے ہیں میں اس کو دست عیب کہتا ہوں۔ بزرگوں کا دست عیب تو یہی توکل ہے۔

پس ہمارے حضرت بھی بحمد اللہ تعالیٰ اپنے اسلاف کے طرز کے مطابق اُسی

طریقہ پر گامزن ہیں جس پر حضرت حاجی صاحبؒ تھے جس پر مولانا قاسم صاحبؒ جس پر مولانا ٹھانویؒ تھے اور ایسا نہ صرف یہ کہ اسی دور میں ہوا بلکہ قدیم سے بزرگوں کا یہی طرز چلا آ رہا ہے کہ جس کسی اللہ کے بندہ سے اللہ تعالیٰ کو کام لینا مقصود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے حامی اور ناصر بن اہل دل میں سے پیدا فرمادیتے ہیں حتیٰ کہ یہ سنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ جو عرب کی میا سیر نساء میں سے تھیں اُن کے قلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کا خیال پیدا ہونا اور پھر انکا اپنے تمام مال و متاع کو حضور پر قربان کر دینا بزرگوں کے اس طریق کی خشتِ ادل ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کے بعد امتنان فرماتے ہوئے فرمایا کہ
 وَوَجَدَكَ عَسَاۗءً اٰتٰنَاكَ لِيُغۡفِرَ لَكَ ذُنُوۡبَكَ ۚ لَئِيۡلَآءَ اٰتٰنَاكَ ۚ
 پھر اُس کے بعد سے برابر یہ سلسلہ ہی قائم ہو گیا۔

چنانچہ مسلمانوں کے عروج و زوال میں لکھا ہے کہ سلطانِ سحر امام غزالیؒ کے اشاروں پر چلتا تھا اور شہاب الدین غوریؒ فخر الدین رازمیؒ کا بڑا معتقد تھا۔ اسی طرح سے احواءِ اسلام میں حب فی اللہ کے بیان میں امام لکھتے ہیں کہ

بَلْ نَزَيۡدُكَ عَلَیۡكَ وَنَقُوۡلُ اِذَا اَحَبَّ مَنۡ يُنۡفِقُ عَلَیۡهِ مِنْ مَّالِهٖ وَوِلَیۡسِهٖ
 بِكِسُوۡتِهٖ وَطَعَامِهٖ وَمَسٰكِنِهٖ وَجَمِیۡعِ اَعۡرَاضِهٖ اَلَّتِیۡ یَقۡصِدُهَا فِیۡ دُنَیَاہٖ وَمَقۡصُوۡدُہٗ
 مِنْ جُمَلَهٗ ذٰلِكَ الْفَرَاغُ لِلْعِلٰمِ وَالْعَمَلِ الْمُقَرَّبِ اِلَی اللّٰهِ فَهُوَ مُحِبٌّ لِی اللّٰهِ
 فَقَدْ كَانَ جَمَاعَةٌ مِّنَ السَّلَفِ تَكْفُلُ بِكِفَايَتِهِمْ جَمَاعَةٌ مِّنۡ اُولٰٓئِ الشُّرُوۡعِ وَ
 كَانَ الْمُوَاسِیۡنِ وَالْمُوَاسِیۡ جَمِیۡعًا مِّنَ الْمُتَحَابِّیۡنِ لِی اللّٰهِ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی بعض اہل ثروت علماء و مشائخ کے متکفل ہوتے تھے اور یہ مواسی اور مواسی دونوں متحابین فی اللہ ہوتے تھے۔

اسی طرح یہاں حضرت والا نے نہ خانقاہ بننے کی تحریک از خود کی اور نہ مسجد کی لیکن جب ضرورت واقع ہوئی تو بعض مخلصین نے حضرت والا سے اجازت لیکر تنہا اپنے کو اس خدمت کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ خانقاہ کا اُدپری حصہ اسی طرح بنا اس کے بعد دوسرے صاحب نے مسجد کی اجازت لی۔ چنانچہ ایک ہی صاحب کا اسمیں اتنا بڑا

حصہ ہے کہ اگر کل کو انھیں کی جانب نسبت کی جائے تو غلط نہ ہوگا۔ باقی یوں جن جن مخلصین پر اعتماد و اعتبار ہوا ان کی پیش کردہ رقوم سے انکار بھی نہیں کیا گیا لیکن باینہم اب حضرت کو غالباً یاد بھی نہ ہوگا کہ کس نے کتنا دیا اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ مال کے بارے میں چونکہ کسی کا اعتبار جلدی نہیں ہوتا بالخصوص اس زمانہ میں اسلئے حضرت والا اس بارے میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔

امید کہ آپ اب اس جواب سے مطمئن ہو گئے ہونگے۔ ایک بات اخیر میں اور عرض کرنی ہے وہ یہ کہ حضرت مدظلہ العالی نے اس تعمیر مسجد کو بھی آنے جانے والوں کے لئے دینی عقل و فہم و تجربہ حاصل کرنے کا ذریعہ قرار فرما رکھا تھا چنانچہ علوم و عوام علماء اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس قسم کے کاموں میں عملی شرکت کا گویا جذبہ ہی نہیں رکھتے حالانکہ کسی کا گھر نہ تھا مسجد تھی پھر بھی بہت ممکن ہے کہ کسی کو اسکا کام کرنے میں بھی عار آتی ہو۔

حضرت والا نے اس موقع پر اسی مرض کی اصلاح فرمائی۔ چنانچہ خود کام میں شریک رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن دنوں آنے جانے والے مہمان (علماء اور غیر علماء) اور مقیمین خانقاہ سبھی لوگوں نے خوب محنت سے کام کیا۔ اسی طرح اہل بستی نے بھی شہانہ رُ کام کیا جس کی وجہ سے بہت سا کام جلد اور کم خرچ میں پورا ہو گیا اور حضرت والا نے اس بہانے گویا ہم لوگوں کو معاش کے ایک اہم شعبہ کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ شاید ہی کوئی ہو جس نے کچھ نہ کچھ تجربہ تعمیر کا اس سے نہ حاصل کر لیا ہو اور تھا یہ بھی ایک ضروری شعبہ کیونکہ ہر شخص کو دنیا میں اس سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک چیز یہاں ایسی ہوئی جس کی جانب شاید ہی کوئی التفات کرتا ہو۔ چونکہ آپ ان امور کی قدر فرماتے ہیں اس لئے آپ کو لکھ دیا۔ والسلام

خادم و عابجو۔۔۔۔۔

فتح محمد۔ مال زجا

۱۳۶۴ھ

گزشتہ سے پیوستہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حالات حضرت مصلح الامت

نقل خط جناب مولانا عبد الباری صنادیدی مدظلہ العالی

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی کتابیں وغیرہ اب کیا ب کیا نایاب ہوتی جا رہی ہیں اس سلسلہ میں احقر نے کوئی دو مہینے ہوتے ہیں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی خدمت میں ایک تجویز بھیجی تھی مدوح نے پسند فرمائی اور اس کا کارہ کو طلب فرمایا..... اس کا جواب عرض کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ چار پانچ دن ہوئے حضرت امرتسری کا دوسرا والا نامہ مشرف فرما ہوا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کی سہی بلا رہی ہے اور انشاء اللہ یقیناً وہاں سامان ہو جائیگا۔ ایک اہل ہمت کا خط والا نامہ کے ساتھ ملفون بھی تھا۔ حضرت مدوح کی توبہ لائے تھی کہ مختلف شہروں میں الگ الگ اس کا انتظام ہو۔

بہر حال اب مفصل تجویز مع دو تجویزوں اور عرضہ کے پرسوں وہاں بھیج دی ہے۔ ایک نقل آں محترم کی خدمت میں بھی ملاحظہ کے لئے ملفون ہے۔ یہ نالائق تو کچھ کاغذی گھوڑے دوڑا لینے کے سوا کسی اور لائق ہے نہیں۔ آپ اگر ان تجاویز یا انکے کسی حصہ کو کسی صورت میں قابل توجہ مشورہ تصور فرمائیں تو توجہ اور مشورہ دونوں سے مستفید فرمائیں۔

وَالسَّلَامُ مَعَ الْاَحْکَامِ

احقر العباد عبد الباری

حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا جواب

آپ کا گرامی نامہ اور ایک تحریر مشتمل بر مصنون "اصلاح کی تین کارگر تدابیر" موصول ہوئی۔ تحریر مرسلہ پڑھی۔ باقی آپ نے اس سلسلہ میں مجھ سے مشورہ جو طلب فرمایا ہے تو اسکے متعلق مختصر آبیہ عرض ہے کہ فہمور کے واقعہ سے مجھے بہت سے تجربے بھی ہوئے منجملہ انکے ایک بات یہ بھی سمجھ میں آئی کہ کوئی دین کا کام ہو یا دنیا کا اس میں اختلاف سے بہت

حاشیہ ۵۷ ان دونوں سے مراد حضرت مولانا مفتی محمد بن صاحب امرتسری خلیفہ حضرت تھانوی ہیں۔

دور رہنا چاہئے، یہ وقت نفوس کی انتہائی درندگی اور سرکشی کا ہے خواہ کتنی ہی دسوسڑی کے ساتھ عوام کو انکی نفع کی باتیں بتائی جائیں لیکن جب انکے نفوس کے حلات ہوگا تو جانی دشمن ہو جائیں گے اسلئے میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جس حد تک کام انسان کے خود قابو میں ہو بس اتنا ہی کام کرنے کا وہ مکلف ہے اگر اخلاص کے ساتھ کریگا تو اللہ تعالیٰ قلوب کو خود بخود اس کی جانب متوجہ فرمادینگے اور جو چیز اسکے قابو و اختیار سے باہر ہے اسکی فکر کرے نہ اسکی فکر کرے کہ اسکو تمام عام ہی کر دے۔ اس اصول کے پیش نظر جتنا کچھ سپر تا ہے کام کر رہا ہوں اور اپنے احباب سے بھی یہی کہتا ہوں۔

آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپکو پریشانیوں سے نجات عطا فرمائے اور زندگی کے یہ آخری ایام چین و سکون سے بسر ہوں۔
وَالسَّلَامُ خَتَامُ
وصی اللہ غفری عنہ

خط مولانا عبد الباری صناد ظلہ

لکھنؤ ۲۸ رجب ۱۳۷۶ھ

حضرت مخدومی و محترمی بابرک اللہ فیہ برکاتکم

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ

گرامی نامہ نے بہت مستفید فرمایا لفظ بلفظ، بجا تحریر فرمایا کہ بس یہ زمانہ واقعتاً بالکل اپنے اندر ہی محدود و منحصر ہو جانے ہی کا ہے۔ آپکو جو کچھ تجربہ فنیچور سے ہوا اس تباہ کار (وَتَشَوُّنَ أَنْفُسِكُمْ) کے شدید ترین مرض کے ساتھ ساتھ (تَأْتُمُّ دُونَ النَّاسِ بِالْبَرِّ) کے مریض کو تو کہنا چاہئے کہ ساری زندگی کا وہی تجربہ ہے حضرت (تھانومی) علیہ الرحمۃ نے بھی اس سراپا امراض کا ایک مرض "خیر خواہی" ہی تجویز فرمایا تھا مگر کیا کروں حضرت دیکھ کر رہا نہیں جاتا آپ ہی کوئی علاج تجویز فرمائیں میری سمجھ میں تو لے دے کہ ایک ہی تدبیر آتی ہے تاہم امکان تعلقات سے دور رہوں لیکن کم سے کم کرنے پر اور نہراں تدبیریں سوچنے پر بھی اہل و عیال سے چھٹکارہ کی کوئی راہ نہیں نکل رہی ہے درنہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ کسی ایسی جگہ کم ہو جاؤں کہ لوگ جیتے جی مردہ سمجھ لیں۔ ان گھبریلو تعلقات سے نجات کیسے ہو؟

اسی کی خصوصاً دعا اور دوا فرمائیں۔
والسلام
احقر العباد عبد الباری

۳۱
۵۷

حضرت مصلح الامت کا خط بنام مولانا عبد الباری صنادیدی مدظلہ

حضرت مولانا صاحب دام مجدکم السّلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
آپ نے جن حالات کی بنا پر گم ہوجانے کا خیال ظاہر فرما کر مجھ سے اس امر میں مشورہ
طلب فرمایا ہے اسکے متعلق یہی کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے قلب میں اس داعیہ کا آنا نہایت
درجہ محمود ہے "یفسرُ بدینہ من الفتن" ارشاد نبوی ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ ایک زمانہ
ایسا آئیگا کہ آدمی فتنوں سے تنگ آکر اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے جنگل جنگل پہاڑ
پہاڑ بھاگتا بھڑیگا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھاگنا کس قدر نفاذ شریعت کے مطابق ہے۔ چنانچہ
آپ بھی اگر تنہا ہوتے یا اور لوگوں کو آپ کی ضرورت نہ ہوتی تو اس میں شک نہیں کہ آپ کے
لئے یہی حکم ہوتا لیکن آپ جن حالات میں ہیں کہ ایک جانب آپ کے سر بال بچوں اور خاندان
کے لوگوں کی ذمہ داری بھی ہے اور دوسری جانب کچھ طلباء آپ کے علم سے مستفید ہو رہے
ہیں نیز حضرت کی باتوں کی ایک مخصوص طبقہ میں آپ کے ذریعہ اشاعت ہو رہی ہے۔ یہ
سب امور ظاہر ہیں کہ مسئلہ خمول میں انجام پذیر نہیں ہو سکتے اسلئے آپ کے لئے وہ حکم نہیں
بلکہ آپ کو اسی طرح رہنا چاہئے۔ اور گو موجودہ حالات آپ کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور
صبر آزماسی لیکن اول توصایحین کے لئے یہ آیت بھی کس قدر تسلی اور تسکین کا
ذریعہ ہے قُلْ اَدْعُوا شُهَدَاءَكُمْ ثُمَّ کُیْدُوْنَ فَلَا یُنْظَرُوْنَ اِنَّ دَرِیَ اللّٰهِ الَّذِیْ نَزَلَ الْکِتَابَ
وَهُوَ یَتَوَاتٰی الصّٰحِحِّیْنَ

دوسرے یہ کہ حالات یکساں نہیں رہا کرتے اللہ تعالیٰ کو کسی کا دل بدلتے کچھ دیر نہیں
گنتی اور نہ یہ اسکے لئے کچھ دشوار ہے کہ آج جو مخالف ہے کل وہی دوست ہو جائے۔ دَمَا
ذَٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَعْرِیْزُ۔ اسکا ایک تازہ واقعہ سنئے۔

میری بستی میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں جو دوسرے خیال کے ہیں اور اپنے مسک
میں نہایت متشدد تھے۔ ایک زمانہ گزر گیا کہ وہ برابر میری مخالفت ہی کرتے رہے لیکن آج

یہ حال ہے کہ خانقاہ میں آتے ہیں مجھ سے ملنے ہیں سلام مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔ مجھ سے دعا کرتے ہیں۔ مجھ ہی سے کہتے تھے کہ عمر میری زیادہ ہے لیکن پایہ آپکا بلند ہے اور لوگوں سے میری تعریفیں کرتے ہیں۔ انتہایہ کہ ابھی چند روز ہوئے کہ خانصاحب کے بھوٹے لڑکے خانصاحب بریلی سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب بھی اُن سے ملنے گئے اور جب انھوں نے یہاں آنے جانے کے مسئلہ پر اُن سے گفتگو کرنی چاہی تو اُنکو ٹکاسا جواب دیدیا (یعنی جب وہ مجھ سے ملنے گئے اور میرے پاس آنے جانے لگے تو اُنکی جماعت میں ہلچل مچ گئی کسی کی ہمت خود تو مولوی صاحب کے روکنے کی پڑی نہیں اسلئے خانصاحب سے کہا کہ آپ ہی مولوی صاحب کو سمجھا دیجئے کہ اُنکے یہاں نہ آیا جابا کر۔ اس اسکی وجہ سے مسلک کی سبکی اور جماعت کی ہیٹی ہوتی ہے۔

چنانچہ اُن صاحب نے اس بحث کو چھیڑا اور مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ بھی وہاں جلتے ہیں اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ بس اس مسئلہ کو رہنے دیجئے۔ یہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ کل ایک شخص کیا تھا اور آج کیا ہو گیا۔

لہذا اسی طرح سے صبر و شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کئے جائے کہ کیا عجب کہ کل کو

نقشہ دوسرا ہی ہو جائے۔ فقط والسلام
وصی اللہ عفی عنہ

خط مولانا عبد الباقی صاحب ندوی مدظلہ

حضرت مخدومی و محترمی مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حاضری خدمت کا پورا پورا ارادہ ہو چکا تھا کہ دوسری ہی صبح کو گر کر پاؤں میں ایسی چوٹ آئی کہ ہلنگ سے اترنا ہی دشوار ہو گیا۔ پھر بھی اُمید تھی کہ دو چار روز میں سفر کے لائق ہو جاؤں گا لیکن کل اور پاؤں کی تکلیف بڑھ گئی ساتھ ہی حرارت بھی ہو گئی۔ اپنے ارادوں کے جو پیہم تجربات ہو رہے ہیں اُس کے بعد تو بس اُرید ان لا اُرید ہی کا جی ہوتا ہے لیکن اُس کا ظن کہاں اور یہ کم ظن کہاں۔ بے حیا طبیعت دن رات کے ان تجربات پر بھی ارادہ بازی اور تدبیر سازی ہی میں ہنساہ ڈھونڈھتی

رہتی ہے۔
آپ کے طالب صادق کا حال تو اس سرایا بد حال کے لئے رشک ہی رشک کا حال
تھا۔ مجھ کو تو اب اپنے اندر صدق و اخلاص کی کمی نہ کیا بلا مبالغہ ایمان ہی میں کھوٹ نظر
آتی ہے۔ نفاق اور ریا کی گتہ گتوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اسلئے اب سب سے بڑی
درخواست تو حضرت والا سے ایمان پر خاتمہ ہی کی ہے۔

ہائے کچھ بھی دوست شناسی ہو جاتی تو پیکار دشمن کی یہ نوبت ہی کیوں آتی یہاں
تو اب پیکار دشمن سے اُلٹی سیدھی جو نماز تھی وہی اب زبان دجوارح کی بے جان حرکات
کے سوا کچھ نہیں رہی۔ آں مخدوم اسپیں مبالغہ ذرا نہ تصور فرمائیں اور دعا سے زیادہ
سے زیادہ مدد فرمائیں کہ کسی طرح ایمان تو نصیب رہے۔ سب سے زیادہ دبال بظاہر
مکان و باغ وغیرہ کی صورت میں مال ہو رہا ہے۔

آپ تو ماشاء اللہ فتویٰ اور تقویٰ دونوں کے جامع ہیں فرمائیں کہ کیا گھر
اور گھر والوں سب کو جھوٹ چھاڑ کہیں اور روپوش ہو جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔
تعلقات میں اپنے لئے نہ جان کی خیر باتا ہوں نہ ایمان کی بس بے تعلقی ہی کی دعا و
تدبیر دونوں سے مدد فرمائیں۔ دعائے خاص کی درخواست ہے۔ والسلام مع الکلام
دعا گو و دعا جو

احقر العباد عبد الباری غفرلہ

۱۱ صفر ۱۳۸۷ مطابق

۹/۵

حضرت مصلح الامت کا جواب

مکرمی زاد لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ بخیریت ہوں۔ تاویخ معینہ پر آپ کا انتظار رہا لیکن عدم تشریف آوری
کا عذر معلوم ہوا اور حادثہ سے افسوس بھی ہوا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے
اُسی میں خیر ہے۔ آپ کے لئے دل سے جملہ مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔ بیشک ایمان کا
خاتمہ سب سے بڑی دولت ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو نصیب فرمائے۔ آمین

مال فی نفسہ تو وبال نہ تھا۔ لیکن آپ واقعی اسکی وجہ سے خاصی رحمت میں مبتلا ہو گئے۔ خیر اللہ تعالیٰ آپ کو اسکا اجر جزیل عطا فرمائے۔ آپ نے اس دفعہ پھر وہی فتویٰ دریافت کیا ہے جس کو آپ پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اس کے متعلق یہی عرض ہے کہ اگر کسی کے بال بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ ایسے کہ اب وہ اسکی پرورش کے محتاج نہیں ہیں تو اُنکو چھوڑ کر تو دوسری جگہ جاسکتا ہے۔ لیکن اگر ابھی وہ اسکی پرورش کے محتاج ہوں تو اس کے لئے اُنکو چھوڑنا جائز نہیں۔ بس یہی سمجھ لیجئے اور اسی سے اپنے حالات کا اندازہ کر لیجئے..... کے حالات سن کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُنکو فہم سلیم عطا فرمائے اور دین کی جانب مائل فرمائے۔

آپ نے اپنے تاثرات اور ضیق و رنج کے جو حالات لکھے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ آپ حق بجانب ہیں اور معذور ہیں آپ کیلئے دعا کرتا ہوں۔

وَالسَّلَامُ خَيْرُ خَتَامٍ
وَمِنْ شَافِعِي عَنْهُ

خط مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ

حضرت مخدوم و محترم السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ
یہ نیم حاضری بھی بعد مدت میسر آ رہی ہے۔ خیریت اور فیوض و برکات کی کیفیت الحمد للہ ملتی رہیں۔ رمضان مبارک کا قرب اسکی مزید برکات کی یاد دل رہا ہے۔ جی بھی بہت چاہ رہا ہے۔ کیا عجب ہے کہ فتنجوری ماہ مبارک کی کیفیات اس سال الہ آباد میں نصیب ہو جائیں خصوصاً اگر اُن محترم کی دعا و بخشش مساعت فرمائے۔

مزید غیر حاضری کی کسر نکالنے کے لئے کچھ خاص آپ بیتی بھی دعا اور دوا کے لئے عرض کرتا ہوں۔ ایک خلیجان حضرت اقدسؒ کی خدمت میں بھی اور غالباً آنحضرتؐ کی خدمت میں بھی پہلے پیش کر چکا ہوں۔ ادھر وہ بہت بڑھ رہا ہے اور کچھ توجیہ بھی سمجھ میں آئی۔ استفادہ کے لئے اعادہ کرتا ہوں جب تک عقائد اور اعمال سب میں آزادی رہی آزادی کا غلبہ تھا۔ دنیا (جاہ و مال) دونوں ہاتھ باز سے لڑائی کی طرح کھڑی رہتی تھی۔ اپنی اہمیت و حیثیت سب سے بدرجہا زیادہ ہی زیادہ حاصل رہا۔ اور بلا غیر معمولی فکر و سعی کے بلکہ بارہا بلا مبالغہ

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال مثبت حق سے ہے۔ دوسرا اسی طبیعت اس کی توجہات میں دو طرفہ جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ پہلا عقائد و اعمال کی آزادی کا زمانہ ظاہر و باطن کی یکسانی کا تھا۔ اب ظاہر میں تو گویا بڑا دیندار۔ بعض غلط فہمی میں بڑا بزرگ جانتے ہیں اور باطن میں بخدا اپنا حال یہ پاتا ہوں کہ ایمان کا بھی اطمینان نہیں یعنی العیاذ باللہ نفاق میں مبتلا ہوں۔ یہ سوچا دعا کرتا رہتا اور دوسروں سے کہتا رہتا ہوں کہ کسی طرح خاتمہ ایمان پر اللہ تعالیٰ فرمادیں تو بڑا پالا مارا۔ حضرت سے بھی اس کی دعا کی بہت حاجت سے التجا ہے۔

دوسرا مرض یہ کہ تقدیر کے مسئلہ میں عرصہ سے بڑھی الجھن میں گرفتار رہتا ہوں۔ یہاں تک کہ کسی معاملہ میں "بد قسمتی" کا لفظ تک زبان پر لانا یا دوسروں سے سننا گوارا نہیں ہوتا کہ یہ تو صراحتاً بدی کی تمت اعاذ باللہ! اللہ ہی پر رکھ دینا ہے..... بیشک تقدیر کا مسئلہ ہے ایسا ہی نازک اور خطرناک کہ نہ یہ عقل سے سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ اس خطرہ میں پڑنا چاہئے۔ الحمد للہ اتنا اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہی فضل ہے کہ اس الجھن کے باوجود اجمالی ایمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے علم میں جو بھی اس مسئلہ کی حقیقت ہو، اس پر ایمان لاتا ہوں..... اور اسی پر ایمان لانا چاہئے۔

بس رہ رہ کر بھی خیال آتا ہے کہ منافقانہ و مصنوعی دینداری کی یا تضادِ قدر کے معاملہ میں اس گمراہ کو سزا تو نہیں مل رہی ہے کبھی کبھی یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ صرف کفارہ سیئات کا معاملہ ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو تو عزت و دولت کی چنداں پرواہ نہیں

ع "گو سخت است پس از جاہ تحکم بردن"

البتہ ذر قی معاملہ میں اَلْخَوْرُ بَعْدَ اَلْکَوْرِ زیادہ سخت معلوم ہو رہا ہے پھر لاکھوں کروڑوں
بندہ خدا سے بہتر حال پاکر یہ شکایت بھی ناشکری ہی معلوم ہونے لگتی ہے۔ دعا اور دوا دونوں
ہی سے مدد فرمائیں۔ والسلام

والسلام
عبدالباری

حضرت مصلح الامت کا جواب

کرم محترم جناب مولانا صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 تاخیر خط سے طرح طرح کے خلجاناٹ ہوئے..... صاحب کے زبانی معلوم ہوا تھا
 کہ آپ تفصیل سے کچھ لکھنے والے ہیں میں سمجھا کہ شاید اسی کی وجہ سے دیر ہوئی ہے۔
 بہر حال انتظار رفع ہوا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو ذریعہ ہدایت خلق اللہ کا بنائے۔ تقدیر کے
 باب میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کسی وقت اسکے متعلق زبانی کہوں گا۔ ایک شبہ جو پہلے
 بھی آپ نے کہا تھا اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ روزی کا معاملہ بڑا نازک ہے۔
 اس میں شک نہیں کہ اس میں تنگی معصیت سے ہوتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہاں
 ایسا نہیں بلکہ روزی کی تنگی کبھی دوسروں کے سبب سے بھی ہوتی ہے اور اصل
 تنگی انھیں پر ہوتی ہے اسکا تعدیہ دوسروں پر بھی ہو جاتا ہے ۵

شنیدم کہ بر مرغ دور و دراز شود تنگ روزی بفعل بدایں

یہاں بتلایے کہ یہاں جو مرغ و مور اور دیر روزی تنگ ہے اسکا اس میں کیا دخل ہے
 بدلوگوں پر انکی بدی سے روزی تنگ کیجاتی ہے اسکا اثر انکو بھی پہونچتا ہے اسی طرح خیال
 فرمائیے کہ ایک صالح شخص ہے اس پر تنگی انکی وجہ سے نہیں بلکہ اسکے ساتھ جو اور طالع شامل
 ہیں یہ اسکی نحوست ہے اور میں یہ سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔ امید یہ ہے کہ آپکی سمجھ میں بھی یہ آتا ہوگا
 میں اسکا انتظار کروں گا کہ آپ نے اس کو صحیح سمجھا یا نہیں؟ (اور آپ نے) آئے کے باب
 میں لکھا ہے بہت شوق سے ان ایام میں یاد کروں گا۔ برکت کی دعا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ
 سے اس کی امید کرتا ہوں۔ والسلام وصی اللہ عفی عنہ

(دائم عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا مظلہ اپنے اوپر جس نفاق کا اندیشہ فرما رہے ہیں وہ نفاق علمی ہے
 ادبی وہ نفاق ہے جس سے حضرت صحابہ تک ڈرا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے الخیر الکثیر میں نفاق کی اسی قسم
 کو بیان کر کے لکھا کہ وَآيَاكَ كَانَتْ الصَّحَابَةُ يُخَافُونَ اور اسی کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ
 مَا أَمْنَهُ إِلَّا مَسَافِحٌ وَمَا خَافَهُ إِلَّا مَوْتٌ۔ یعنی اس نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے
 اور منافق مطمئن ہوتا ہے۔) از ناقل

خط مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ ”تغزیت نامہ“

کل عزیز کرم میاں سلمہ کی زبانی اچانک آنمخدم کے ہاں کے دوسرے حادثہ کی ایسی اطلاع ملی کہ ”اَسْتَدْبِلَاءُ“ کا مشاہدہ ہو گیا! تغزیت بھی خصوصاً آپ کی اُنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِہٖہٗ رَاجِعُوْنَ سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے جو بندوں کے رب نے بندوں کو سکھلائی ہے اور جس کا نقد دم صلہ بھی خود اسی کی طرف سے ”صلوات ورحمت“ کی نوازشیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی نوازیں - دونوں مرحومات کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ہی رحمت سے نوازیں اور ہم سب کی مغفرت فرمائیں۔
دونوں دامادوں سلمہا کی خدمات میں بھی تغزیت اس دعا گو کی طرف سے فرمادیں
وَالسَّلَامُ مَعَ الْاَحْکَامِ

عبد الباری
۶ شوال ۱۳۹۹ھ م ۳۰ یو ۶

خط مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ

(جب کہ حضرت والا۔ اہل وطن کی معافی اور انکی عاجزانہ درخواست پر فقیہ پورہاں نرجا تشریف لے گئے)
حضرت مخدومی و محترمی بارک اللہ فیہم کا تہم

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ
ہجرت کے بعد اخلاق کی پوری فتح کے ساتھ فقیہ پورہاں داخلہ نے الحمد للہ سنت پوری کراچی اور الہ آباد کے مستقل دارالہجرت بن جانے کی طمی مصلحت بھی نتیجہ میں آ رہی ہے۔
کہ ماشاء اللہ افادات و برکات کا دائرہ ہی وسیع بہت فرمادیا گیا بلکہ اس وقت شہر ہی جس طرح دینی فتنوں کا مرکز بہت زیادہ ہو رہے ہیں۔ اصلاح کا مرکز بھی انھیں کو زیادہ ہونا چاہئے۔

حق تعالیٰ امت کو بیش از بیش متمتع اور آسودہ کو زیادہ سے زیادہ
ماجور فرمائیں۔ والسلام

احقر العباد عبد الباری

حضرت والا کا جواب

مکرمی حضرت مولانا سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
واقعی میں اس وقت فقیہ ہوں، بظاہر لوگ خوش معلوم ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے
میرے سب شرائط منظور کر لئے ہیں اس لئے آگیا ہوں۔ آیا تو تھا چند روز کے لئے مگر آنے کے
بعد زمین ہموار نظر آئی اور توقع ہوئی کہ شاید اب لوگ سنیں اور قبول کریں اس لئے
قیام کچھ زیادہ ہو گیا۔

الہ آباد سے یہاں گرمی کم ہوتی ہے۔ وہاں کی ٹو اور گرمی کی شدت برداشت سے باہر
ہو جاتی ہے اس لئے الہ آباد کے بعض حضرات نے یہ کہا کہ گرمی کا زمانہ یہیں گزاریں۔ لہذا ٹھہر گیا
کام کر رہا ہوں۔ دعا فرمائیے۔

اور اصل ہجرت تو یہ ہے اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ عَمَّا نَهَى اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ۔ اللہ تعالیٰ
اس کی توفیق عطا فرمائے اور میرا منشا یہی ہجرت تھی جس کا ذکر حدیث میں ہے یَفْرُجْ بَدَنِيْهِ
مِنَ الْفِتَنِ (یعنی اپنے دین کو فتن سے محفوظ رکھنا)۔

بس یہ فرار اسی لئے تھا۔ اس فرار سے وہاں بھی کچھ صورت دین کی پیدا ہو گئی اور یہاں
بھی لوگوں کی سمجھ درست ہو گئی۔ اصل بانی فساد مٹے ہوئے اور یہی لوگ الہ آباد جا کر خلوص
سے معہ یہاں کے اکابر ہنود اور دیگر اشخاص معززین کے درخواست کی کہ فقیہ چلے بیچا پنچ
بمقتضاء اخلاق الہی انکی درخواست منظور کی۔ اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جس طرح
فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ مکہ میں ہوا تھا (اسی سنت کے مطابق) فقیہ
میں داخلہ ہوا اس طرح کہ راستوں پر عورتیں و مرد درویش استقبال میں کھڑے نظر آتے تھے
غرض منظر عجیب دیکھنے کے قابل تھا۔ پہلے مسجد میں داخل ہوا تحیۃ المسجد ادا کی اور سب کچھ
نے بھی ادا کی اس کے بعد گھر میں داخل ہو کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی فَاَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
عَلٰی ذٰلِکَ اور خوشی خوشی یہاں ہوں اور کام کر رہا ہوں۔ اہل الہ آباد بھی یہاں آتے ہیں

تو یہاں کی فضا سے متاثر ہو کر جاتے ہیں۔ اہل الہ آباد پر بھی اسکا اثر خاصا پڑ رہا ہے یہ وہ یہاں
قیام طویل کی ہے۔ آگے اللہ کی مرضی۔
وَالسَّلَامُ خَيْرُ خَتَامٍ
وَصِي اللّٰهُ عَفَى عَنْهُ

ذیقعد ۸۳۰ھ

خط مولانا عبد الباری صنادیدی مدظلہ

حضرت مخدوم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ملفوظ افادات کے بہت مستفید فرمایا جزاکم اللہ۔

تذکرہ العلما پر تو پہلے ہی سے استفادہ کے لئے نشانات لگا رکھے ہیں حضرت کی اس
تشخیص اور ”ذیرینہ مسلسل تجربہ“ سے ہم مسلمانوں کی موجودہ حالات کے سمجھنے میں بڑی گرہ کشائی ہوئی
کہ ہمارا عام بڑا مرض الا ماشاء اللہ تفاق ہے۔ باقی سب دراصل اس کے اندر سے نپچے ہیں۔
اس سلسلہ کی کوئی اور مطبوعہ چیز ہو تو اس سے بھی مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ ملفوظ تازہ
افادات سے بھی انشاء اللہ کام لوں گا۔ ”علم علی اللسان“ کا زور اتنا بڑھ گیا کہ مکمل و مخاطب
میں علم فی القلب سے غافل ہو کر اسلام کی زبانی داد ہی داد میں سارا علم جاننے لگے ہیں۔
آپ کے الہ آبادی عارف اکبر نے اپنے رنگ میں خوب ہی فرمایا ہے ۵

وادم اسکی نہ دو بھائی عمل اس پر کرو پیش درگاہ خدا داہ کی حاجت کیا ہے

ہمارا اسلام اب وہی اعراب والا زیادہ سے زیادہ رہ گیا ہے کہ
قُلْ لَمْ تَوْفُّوْا وَلَکِنْ قَوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔
اللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔
والسلام

احقر العباد عبد الباری

اسکے چند ہی دن کے بعد دوسرا خط آیا و ہو ہذا

حضرت مولانا عبد الباری صنادیدی مدظلہ کا دوسرا خط

حضرت مخدوم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آنمخدوم کے مرسلہ حدیثی اقتباسات میں جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کے

و وہی کلمات نے شرح صدر و شفا کے صدر سب فرمادیں فِدَاکَ بِأَبْنِي دَاوُدَ۔
 اس ننگ امت کے فہم میں امت کے حق میں اس وقت کے فتنوں کا بڑا سرچشمہ
 ”مُتَنَافِقُ عَلِيمُ اللِّسَانِ“ اور ائمۃ المصليين ہی کی کثرت ہو رہی ہے۔ اس نابکار
 کی کچھ بھڑاسی سلسلہ کی طباعت کے ابتدائی مراحل میں ہے۔ مقدمہ زیر تحریر ہے انشاء اللہ
 اس میں حضرت کے مراسلات سے استفادہ ہوگا۔ اپنی کم علمی کی وجہ سے علم
 بہت رُک رُک کر چل رہا ہے۔ تحصیل تکمیل اور عند اللہ قبول کی دعا فرمائیں۔
 لیکن حضرت حقیقت حال یہ ہے کہ اپنی زبانی جمع خرچ پر بھی بار بار شبہ منافق
 عَلِيمُ اللِّسَانِ ہی کا ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے نہ اسکا کوئی نفع پاتا ہوں نہ علیم اللسانی قلم ہی
 زیادہ چلتا ہے۔ کام تو بس علمی و انفرادی تربیت و تعلیم کا وہی معلوم ہوتا ہے جو کہ
 حق تعالیٰ آپ سے لے رہے ہیں۔

مَتَعَنَّا اللَّهُ بِطَوْلٍ بِقَا عِلْمٍ۔ فقط۔ والسلام
 احقر العباد
 عبد البقاری

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب (بقلم یکے از خدام)

مکرمی و معظی دام مجدہم
 السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
 گرامی نامہ صادر ہوا۔ حضرت والا نے آج اُسے مجلس میں بھی سنایا۔ یہ معلوم کر کے بہت ہی
 مسرور ہوئے کہ یہاں سے ارسال کئے ہوئے بعض مضامین کی آپ نے بہت قدر سنائی
 اور بروقت پہونچکر وہ آپ کے کام آگئے فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک مزید مسرت کا
 سبب جناب کا یہ ارشاد ہوا کہ ”اس ننگ امت کے فہم میں امت کے حق میں اس وقت کے
 فتنوں کا بڑا سرچشمہ مُتَنَافِقُ عَلِيمُ اللِّسَانِ اور ائمۃ مصلیین ہی کی کثرت ہو رہی ہے
 اسلئے کہ آپ کا یہ خیال حضرت والا کے طرز فکر اور مذاق سے بالکل ہم آہنگ ہے
 چنانچہ آج کی ساری مجلس ہی اسی مضمون پر رہی جس کا خلاصہ عرض ہے:-
 (۱) فرمایا کہ آج علماء نے ان عوام اور جاہلوں کی اصلاح سے بالکل قطع نظر کر رکھا ہے

بس اُن کی خوشنودی ان کے پیش نظر ہے۔ سب کام اسی سے بگڑا ہے یعنی کام کرنیوالوں میں للہیت اور خلوص نہیں رہا۔ خالق کی رضا اُنکے پیش نظر نہیں رہی ہے بلکہ اُس کی جگہ مخلوق کی چالوسی نے لے لی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب خالق کو چھوڑا تو مخلوق نے بھی اپنی نظروں سے انھیں گرا دیا اور جاہلوں کے سامنے انھوں نے اپنے کو ایسا کچھ گرا دیا کہ اجیر اور مزدور سے بھی بدتر ہو گئے۔

۲۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ علماء سلف اور سلف صالحین سے جو کام ہوا تو اُن کے اخلاص کی وجہ سے ہوا کیونکہ ان حضرات نے خلوص کو برابر پیش نظر رکھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے عوام کو بھی انکی جانب متوجہ فرما دیا پھر بھی ان حضرات کے پیش نظر رضا، حق ہی رہی مخلوق کی انھوں نے مطلقاً پرواہ نہیں کی۔ اس پر یہ واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا شہید نے ایک دفعہ بعد اختتام وعظ مصافحہ کرتے ہوئے برسرِ مجلس ایک رئیس کی ناک پکڑ کر زور سے ہلادی اس پر انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم نے کچھ دیکھ سمجھ کر آپکو پکڑا ہے۔ آپ ہماری عقیدت اور محبت کا امتحان نہ فرمائیں۔ اور یہ تو آپ نے جمع میں صرف ناک ہی پکڑی ہے اگر آپ میرے کپڑے اتروا کر برسرِ بازار جوتے بھی لگائیں تب بھی بندہ کی عقیدت اور محبت میں سرمو فرق نہ آئیگا۔

۳۔ نیز فرمایا کہ یہ علماء عوام سے ڈرتے ہیں اور انکی نظریں مسبب الاسباب سے ہٹ کر اب اسباب پر مقصود ہو گئی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ صاف فرمایا ہے:

اَتَخْشَوْنَهُمْ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يَّخْشَوْهُ (یعنی کیا تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔

چنانچہ علماء بنی اسرائیل کی تباہی اور ذلت کا یہی امر سبب بنا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صریح نہی کے بعد خود کو نہ بدلا اور اپنی نظر مخلوق ہی پر رکھی۔

۴۔ جناب والا کے مکتوب کے آخری جملہ سے کہ۔ ”کام تو بس عملی و انفرادی تربیت و تعلیم کا وہی معلوم ہوتا ہے جو حق تعالیٰ آپ سے لے رہے ہیں۔“ یہاں کے کام کی جو تحسین مفہوم ہوئی اُس سے بھی حضرت والا خوش ہوئے۔ چنانچہ فرمایا کہ آجکل جو ان مجالس اور محافل میں اثر نہیں رہ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اخلاص کو یکسر ترک کر دیا

ہے اب ظاہر ہے کہ کلام میں تاثر اُسے تو کہاں سے آئے کیونکہ اب اس زمانہ میں وعظ و تقریر تو صرف الفاظ کی درستگی کا نام ہے۔ چنانچہ اسی میں مقابلہ ہوتا ہے اور عوام سے داد اور تحسین طلب کی جاتی ہے رہا مطالبہ عمل تو یہ تو اُن سے بالکل نظر انداز ہی کر دیا گیا ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ عوام اپنے کو اعلیٰ اور علماء کو ادنیٰ تصور کرنے لگے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ علماء کا معیارِ فضل اب ہمارے ہاتھ میں ہے ہم جس کو بڑھا دیں وہ بہتر اور جس کو گھٹا دیں وہ کمتر ہے لہذا جب تک علماء اپنے اس طرز کو نہ بدلیں گے وہ اپنے حقیقی منصب پر کبھی فائز نہ ہو سکیں گے اور فلاح سے محروم ہی رہیں گے۔ اسی لئے میں صرف لفاظی اور محض حسن تقریر کو پسند نہیں کرتا بلکہ کلُّ مُتَارِفٍ عَلَیْمُ اللِّسَانِ کا مصداق ہی سمجھتا ہوں۔ باقی دیکھتا یہی ہوں کہ ان لوگوں نے عوام کو بھی تحسین لفظ بندش تراکیب اور خوبی عبارت میں بالکل پھنسا لیا ہے اور مقصد سے یہ سب کے سب دور ہو گئے ہیں۔ اسی لئے عوام کا آج بالکل بڑا ہو گیا ہے۔

۵۔ آج حضرت والا نے اپنا ایک واقعہ سنایا اور آپ کے پاس بھی اس کو لکھنے کے لئے فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صرف آپ کو اس کی اطلاع دے رہا ہوں باقی اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ:-

حضرت والا کا معمول صبح کو تفریح میں جانے کا ہے۔ آج حسب معمول اپنے ایک خادم خاص کے ہمراہ ایک رکشے پر تفریح کیلئے تشریف لے جا رہے تھے کہ سردی زیادہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں ان خادم صاحب سے چلے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اب یہاں تو ہوٹل ہی کی چلے بروقت دستیاب ہو سکتی ہے۔ آگے ایک ہوٹل ہے اجازت ہو تو وہیں سے لے آؤں۔ فرمایا کہ اگر یہ کچھ نشہ آور چیزیں وغیرہ نہ ملائے ہوں تو خیر وہیں سے لائے اس وقت ضرورت تو محسوس ہو رہی ہے۔

غرض چلے لائی گئی اور حضرت نے (دکان کے قریب آکر) رکشے ہی پر بیٹھے بیٹھے نوش فرمائی۔ اس کے بعد اُن صاحب سے فرمایا کہ اگر صبح صبح نہیں عس المسکر کا ثواب آپ کو مل جائے تو کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بہت اچھا ہے۔ فرمایا کہ اچھا تو مالک ہوٹل صاحب سے میرا پیغام جا کر کہئے اور جن لفظوں میں میں کہتا ہوں وہی کہئے گا۔ جا کر اُن سے کہئے کہ آج ایک مولوی آپ کی دکان پر آ گیا ہے کچھ کہنا چاہتا ہے اس کی بات مانئے گا۔

اُن صاحب نے مالک ہوٹل سے یہ پیغام جا کر کہا، انھوں نے کہا ضرور مانوں گا۔ ارشاد فرمائیں فرمایا کہ یہ کہئے کہ آپ کے ہوٹل میں یہ جو تصویریں آویزاں ہیں انکو ہٹا دیجئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مکان میں تصویریں ہوتی ہیں اس میں جنت اور برکت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ ایک عالم دین کی لاج ضرور رکھ لیں گے۔

اس پیغام کو سنتے ہی اُن مالک ہوٹل صاحب نے فوراً اپنے دو شخصوں کو حکم دیا اور انھوں نے چاقو سے سب تصاویر کاٹ کر پھینک دیں اور خود بہت ہی نادم ہوئے۔ پھر حضرت والا نے اُن صاحب سے فرمایا کہ آپ جا کر صاحب ہوٹل سے کہئے کہ آپ کے اس اقدام سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے حکم شریعت کا فوراً امتثال کیا۔ میں بھی آپ کھے لئے اور آپ کے دوکان میں برکت کے لئے دعا کرونگا۔

اس بات سے مالک ہوٹل صاحب اور زیادہ متاثر ہوئے پھر حضرت نے روانہ ہونے کے بعد کچھ دور چل کر رکشا رکوایا اور اُن صاحب کو باپنج روپیہ مرحمت کر کے فرمایا کہ جائیے مالک ہوٹل صاحب کو میری جانب سے یہ ہدیہ پیش فرما دیجئے اور کہئے کہ آپ کے اس فعل سے بہت ہی خوش ہیں۔ ہوٹل والے صاحب اول و ہلہ میں تو جھجکے اور کہا کہ ارے میں اس قابل کہاں ہوں کہ حضرت مجھے ہدیہ دیں۔ تاہم اُن صاحب کے کہنے سے کہ یہ حضرت کا تبرک ہے اس کو تو قبول ہی کر لیجئے انھوں نے یہ کہتے ہوئے لے لیا کہ خیر میں اس کو خرچ نہ کرونگا برکت کیلئے اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ اس معاملہ کو دیکھ کر اُن ہوٹل والے صاحب سے رہانہ گیا اُبل ہی پڑے اور دوکان سے اُٹھ کر باہر رکشا کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میاں نے اس گنہگار کے ساتھ جس کرم کا معاملہ فرمایا ہے یہ نایجز اسکا اہل نہ تھا۔ یہ سب میاں کا کرم ہے۔ حضرت نے بھی انکو گلے سے لگا لیا اور بہت دعائیں دیں۔ اور خوشی خوشی وہاں سے اپنی تفریح کے لئے روانہ ہو گئے۔

حضرت والا نے آج اس وجد آفریں واقعہ کو سنا کر فرمایا کہ مولانا کو لکھ دو کہ آپ جو کچھ اشاعت فرمانا چاہتے ہیں وہ کیجئے۔ لیکن کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اب اس زمانہ میں صرف مصنفین کی اشاعت سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس وقت تو ضرورت ہے اُس نوع کی تبلیغ کے جیسی حضرت مولانا شبید صاحب نے سرمایہ تھی یعنی لوگوں کو وعظ اور عمل سے تبلیغ کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اس لئے کہ یہ زمانہ

ہے علیم اللسان منافق کی بھرمار کا تو اب صرف تحریر یا تفسیر اس لئے کافی نہیں کہ عوام کو منافق علیم اللسان میں اور علمائے ربانی میں امتیاز ہی دشوار ہو رہا ہے اور یہ چیزیں ان میں تمیز کے لئے ناکافی ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ بولتے اور لکھتے یہ بھی ہیں اور لکھتے اور بولتے وہ بھی ہیں لہذا دونوں جماعتوں میں اشتباہ ہو جانے کی وجہ سے وہ اہل حق سے مستفید نہیں ہو پاتے بلکہ اکثر افراد پر تو یہ اشتباہ برعکس معاملہ کا سبب بن جاتا ہے یعنی وہ نا اہل ہی کو اہل اور منافق ہی کو مخلص سمجھ لیتے ہیں اور ساری عمر اس چکر سے نہیں نکلتے اس لئے فارق کی اشد ضرورت ہے اور میرے نزدیک وہ فارق یہی دینی و اصلاحی و عطا۔ عملی تبلیغ اور نفع مسلم مع الاطلاق ہے کیونکہ منافق اپنی زبان کو عالم بنا سکتا ہے مضامین میں بھی اہل حق کی نقل کر سکتا ہے لیکن اخلاص۔ نفع اور عمل کہاں سے لائے گا اس سے عوام کو اہل و نا اہل میں فرق کرنا آسان ہو جائے گا۔

(والسلام یکے از حاضرین خانقاہ
بحکم حضرت والا دامت برکاتہم)

”ناظرین معرفت کے لئے ایک بشارت“

ایک طالب نے حضرت قاری محمد بن حنا مظلہ العالی کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا اسیں لکھا کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (میری) اہلیہ سے (خواب) میں فرمایا کہ تم فلاں سے (یعنی عجب سے) حدیث پڑھا کر سنا کر دو (یعنی کوئی دینی کتاب) اس طرح سے آپ نے تین دن فرمایا۔ بندہ نے اُن سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لینا کہ کونسی کتاب (پڑھا کر سنوں) چنانچہ انھوں نے دوسرے دن دریافت کیا۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ

پرچہ معرفت حق۔ بہشتی زیور۔ - - - - -

ظاہر ہے کہ اس خواب کی صحت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ لہذا اس سے اگر ان کتب کی مقبولیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور عنایت بے غایت پر بطور فال نیک کے استدلال کر لیا جائے تو حق ہے۔

اللہ تعالیٰ اسکی برکات سے ہم سب کو مستفید فرمائے۔
جامع عفی عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حالات حضرت مصلح الامت

خط حضرت مولانا عبد الباقی صاحب دہلی مدظلہ العالی

حضرت مولانا اکرم متعنا اللہ بطول بقائکم مع الصیحة والعافیة

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

اب تو یہ راقم الحروف لفظاً بھی عاجز رقم ہو کر رہ گیا ہے۔ خصوصاً لکھنے لکھانے دونوں کے معاملہ میں۔ اس لئے نیم حاضری سے بھی محرومی ہی رہتی ہے۔ تاہم بحمد اللہ آں محرم کی خیر و خبر برابر ملتی رہتی ہے۔ سب سے مستند واسطہ تو ہمارے حضرت حکیم صاحب ہیں۔ محبوب کرم اید اللہ صاحب بھی جب لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو مشرف فرماتے ہیں۔ ادھر تشریف آدمی حجاز سے بھی ہوتے ہوئے ہوتی تو کیسی گھنٹے احقر کے پاس گزارے۔ اور حضرت والا کی صحت و خیریت پوری تفصیل سے اور شفعی بخش معلوم ہونے کی سرکے نصیب ہوئی۔ باقی ماشاء اللہ معرفت حق غیب ہی خوب حق کی معرفت کا حق ادا کرتا رہتا ہے۔ اس طرح سے مکانی قرب کی سعادت سے محرومی کے باوجود تعلیمی فیوض و برکات اس سے بہت زیادہ نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ جتنا کبھی کبھی کئی حاضری سے ہوتے تھے۔ پھر بھی حاضری سے مستقل محرومی کا خیال باعث قلق و ملال ہی رہتا ہے۔

تازہ معرفت حق میں ایجادات کی حیثیت و حقیقت کے تحت افادات پڑھ کر بار بار دل و زبان سے بیاختہ ماشاء اللہ اور سبحان اللہ نکلتا رہا۔

اس سلسلہ میں حضرت کی زبان حق ترجمان سے توحی تعالیٰ نے ایسی حقیقت کو واضح فرمایا کہ شاید ہی اکابر وقت میں سے کسی کو انتفات ہوا ہو۔ لوگ اس بے جانانہ بے شعور جمادی طرح کی ایجادات یا مشینوں پر حیرت کرتے اور انکی داد دیتے تھکتے نہیں۔ لیکن ظالموں کی بے بصری کی یہ کیسی بیداد ہے کہ خود اپنے علمی و شعوری۔

ظاہری و باطنی علم و شعور والے آلات کے موجب و صالح سے جمل و عقلت کا یہ عالم کہ جس سے ایسی ایسی عجیب ایجادات کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اس سے اندھے بنے رہتے ہیں۔ اور لَحْنٌ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور ذَنِّيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَنْصُرُوْنَ تنبیہات و نصیحتات سے بھی "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ مَا بَيْنَهُ كَيْفَ كُنْهِنَّ" نہیں کھلتیں۔

ایک خوشخبری رہتے رہتے اور ملتی رہتی ہے۔ حضرت نے جب پہلا سفر افادات اپنے مقامی مطب سے باہر فرمایا تو اس بے بصرو بے بصیرت کے ذوق و وجدان نے کچھ قبول نہ کیا پھر علی گڑھ کے سفر کے جو حالات سنے اور مقالات معرفت حق میں پڑھے تو خیال ہوا کہ کیا عجب ہے کہ اب حق تعالیٰ ہی کی طرف سے آپ کے افادات و برکات کی اس طرح بھی ترویج کی ایک صورت پیدا فرمائی گئی ہو۔ پھر جب معرفت حق ہی میں عزیز کرم قاری صاحب کی طرف سے کچھ ایسا اعلان پڑھا کہ اب ایسے بیرونی سفروں کا ارادہ ترک ہی فرمادیا گیا ہے تو پھر اس سے اپنے پرانے ذوق والی مسرت لوٹ آئی۔ لیکن ادھر کچھ صحت و علاج ہی کی غرض سے لکھنؤ کے سفر و ارادے کی خبریں پھر ملتی رہیں اور اب بمبئی کے سفر کی اصل غرض یہی معلوم ہوئی کہ الہ آباد کی گرمی حضرت کی صحت کے لئے اب موافق و مناسب نہیں سمجھی گئی۔ مزید دو دن پہلے ہی کرمی بدحسین صاحب سے یہ اطلاع ملی کہ ان حضرات کی درخواست لکھنؤ کے لئے بدستور قائم ہے تو اس میں تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح گرمی کا موسم صحت ہی کے لئے بمبئی کا مناسب تصور فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح غالباً سردی کا موسم اسی غرض سے لکھنؤ کی سعادت کے لئے اختیار فرمایا جاسکتا ہے اور عام اعلان بھی ہو کہ یہ سفر اصلاً بغرض صحت و علاج ہی ہے۔

اپنی خود غرضی بھی اس میں ابھی خاصی شریک معلوم ہو رہی ہے کہ کچھ نہ کچھ اس طرح قرب مکانی کی دولت بھی نصیب ہوتی رہے گی خصوصاً اگر قیام کے لئے کوئی قابل قبول صورت خود غریب خانہ کو نصیب ہو گئی۔

..... سردست اس طرح اپنے نہ سہی ایک دوست ہی کے قلم سے نیم حاضری کی سعادت بسر آگئی۔

والسلام مع الالکام
دعا گو اور خصوصاً سلامتی ایمان کے ساتھ خاتمہ اور مغفرت کا طالب
احقر العباد
عبدالباری غفرلہ

حضرت مصلح الامت کا جواب

(بقلم یکے از خدام)
السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته
کرمی و معظمی دام مجدکم

حضرت والا نے بعد سلام مستون کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ الحمد للہ اب پہلے سے
بہت اچھا ہوں۔ اپنی صحت اور اصلاح کے لئے آنجناب سے دعا کا طالب ہوں۔
راقم عرض کرتا ہے کہ آپکا خط آیا حالات معلوم ہوئے۔ مولوی..... صاحب
سے تو آپ کو صرف حضرت کی صحت کا حال معلوم ہوا ہوگا اس لئے کہ انھوں نے حضرت والا
کو اسی حال میں دیکھا تھا۔ مرض کا حال وہ کیا بتلا سکتے تھے۔
آپ نے ذوق اور وجدان کو جو لکھا ہے بہت مبارک ذوق ہے۔ چنانچہ حضرات
اہل اللہ جو بھی کام کرتے ہیں وہ ذوق ہی سے کرتے ہیں لیکن اذواق میں اختلاف
ہو سکتا ہے اور کسی کا ذوق دوسرے پر حجت نہیں ہے۔
یوں تو حضرت والا کہیں کا بھی سفر نہیں فرماتے لیکن کوئی ضرورت ہی درپیش ہو
اور مقامی طور پر وہ مشکل حل نہ ہوتی ہو تو مجبوراً دوسری جگہ کا سفر کرنا ہی پڑتا ہے
وَالضُّرُورَاتُ تُبَيِّضُ الْخُدُّرَاتِ اور سردی میں وہاں آنے کے متعلق جو فرمایا ہے تو اس
سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ حضرت والا کا تو مرض ہی سردی کا ہے اس لئے موسم سرما اور
تکلیف وہ ہے۔

لہذا جتنا آرام اپنے گھر میں مل سکتا ہے ظاہر ہے کہ دوسری جگہ ممکن نہیں چنانچہ
یہی امر موسم گرما میں بھٹی آنے کے لئے مزاج بنا کہ یہاں حضرت کے بہت سے عزیز رہتے
ہیں اور وطن کے بہت سے لوگ ہیں جن سے راحت ملنے کی توقع تھی چنانچہ ملی۔

یہ دوسری جگہ میسر نہ آئی ورنہ تو بعض احباب نے دہرہ دودن اور بہاڑ پر جانے کی بھی رائے دی تھی نیز وہاں تو آپ حضرات موجود ہیں ہی اور بہت سے اہل فضل و کمال حضرات ہیں کام کر سکتے ہیں۔ ایسی جگہ جانے سے اور وہ بھی کام کرنے کے لئے حضرت والا کا ذوق ایسا کرتا ہے۔

چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ ایک آدمی کہاں کہاں جائے۔ کام کا طریقہ یہی آسان ہے کہ جو لوگ جہاں ہیں وہیں کام کریں۔

والسلام خیر ختام
یکے از خدمت حضرت والا
۳۲ محرم ۱۳۸۶ھ

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہ کے مابین جو مراسلت رہی اسے آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ حضرت مولانا ندوی مدظلہ العالی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ زمانہ حال کے اُن چند علماء میں سے ہیں جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ بڑے شخص ہیں لیکن حضرت سے جس انداز میں مکاتبت فرمائی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے جہاں حضرت مولانا ندوی مدظلہ کے خلوص اور تواضع کا علم ہوتا ہے وہیں حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کی حیالت شان کا بھی اندازہ لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ مولانا ندوی مدظلہ کے فقہور (مال نرجا) تشریف لیجانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے اپنے وطن عزیز ہی کو خیر باد کہہ دیا۔ پھر کچھ دنوں گورکھپور اور پھر اسکے بعد چند ہی سال الہ آباد میں منتقل قیام فرمایا تھا کہ پھر علالت ہی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ادھر خود مولانا ندوی مدظلہ بھی کچھ اس وجہ سے اور کچھ اپنے ذاتی حالت اور علالت کی بنا پر بھی مجبور رہے ورنہ طے فرما چکے تھے کہ ہر سال کچھ مقدمہ زمانہ حضرت والا کی معیت میں گزارا کریں گے۔ اس سے اندازہ فرمایا کہ مولانا ندوی مدظلہ بھی حضرت کی مجالس میں کچھ قلبی سکون اور طمانیت ضرور محسوس فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت والا مدظلہ

ان دنوں اپنی مجالس میں جن اُمور و اباحت پر زیادہ زور دیتے تھے وہ "نفاق کی بحث" تھی۔ تو آپ نے دیکھا کہ مولانا ندوی مظلہ بھی اس سے کس قدر متاثر ہوئے اور ان اباحت کی اہمیت اور ضرورت پر حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی کیسی کچھ تائید فرمائی ہے۔

حضرت والا ہی سے کسی موقع پر فرماتے مٹا کہ ایک عالم دوسرے عالم کو جلدی مانتا نہیں یعنی جلدی اسکا معتقد نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد اگر کوئی عالم کسی دوسرے سے اپنا اعتقاد ظاہر کرے تو یہ اس کا تو کمال ہے اور اُس کے اہل ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ مولانا ندوی مظلہ نے بھی حضرت مصلح الامت کو جیسا کچھ جانا پہچانا اور مانا وہ انکی اپنی مراسلت سے ظاہر ہے۔

اور صرف یہی نہیں کہ مولانا ندوی مظلہ نے حضرت سے بذات خود محبت عقیدت کا تعلق رکھا ہو بلکہ دیکھا تو یگیا کہ معاصرین میں سے کوئی دوسرا جلیل القدر عالم بھی اگر حضرت مصلح الامت کے علم و فضل کا اعتراف کرتا تھا تو خود مولانا ندوی کو بھی اس سے بے حد مسرت ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر عرض ہے کہ دیکھئے مولانا ندوی نے اپنے ایک مضمون میں پہلے تو حضرت مصلح الامت کا سراپا اس طرح بیان فرمایا کہ "ظاہری رنگ اس بوئے خدا کا ذرا جذب و جوش و جلال کا ہے مگر باتیں ماشاء اللہ خوب ہوش و کمال کی ہیں۔ سالک مجذوب کی بڑی دلکش جامعیت و شخصیت۔ نکلا تو کھپا زیادہ تر کچھ تھا ندوی شخصیت۔ تعلیم و تربیت کی اُسید لگا کر لیکن باپنی ساتھ ساتھ حکیم الامت کے حکیمانہ و عارفانہ علوم کی شان بھی۔"

اس کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مظلہ العالی کو اس کی شہادت میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس کی زبردست توثیق اپنوں سے بڑھ کر پراپوں کے محب اعز و اکرم مولانا علی میاں سلمہ کی شہادت ہے جو بڑی حد تک بالکل ایک دوسرے مذاق و مسلک کے بزرگ سے وابستہ و فیض یافتہ رہے ہیں۔

احقر کے دوران قیام ہی میں ممدوح کا ایک مکتوب مولانا مدظلہ کی خدمت میں گیا
 صہل درخواست تو ماہ مبارک (رمضان) میں خود اپنے حق میں خاص دعاؤں کی تھی
 ضمناً حضرت مولانا کے علوم و افادات سے اپنی مناسبت و استفادہ کا بھی ذکر بطور
 خاص ہی تھا۔ علم و فضل کے گونا گوں کمالات کے باوصف چونکہ موصوفہ سلمہ کا رنگ
 دوسرا ہی ہے اس لئے تھا نوی رنگ کے کسی بزرگ سے انکی اتنی مناسبت پر کچھ
 جرت کے ساتھ مجھ کو مسرت زیادہ ہوئی اسکا اظہار بمیاختہ فہمور ہی سے ایک نیا زمانہ
 میں کیا تھا جواب لکھنؤ کی واپسی پر توثیق مزید کا وہی ملا کہ :-

”واقعی مولانا مدظلہ کی خدمت میں دوبار حاضری ہوئی اور اُن کے
 علوم و افادات سے مناسبت معلوم ہوئی اور بہت فہمور اور
 عازفانہ باتیں معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ اُن ذات بابرکات کو مادیر
 سلامت رکھے۔“

(چار ہفتہ ایک گفت میں)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی شہادت کی وضاحت کے سلسلہ میں آپ کے
 سامنے اُن گفتگو اور مراسلات کو بھی گزار دوں جو حضرت مصلح الامتؒ اور خود
 حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی کے مابین ہوئیں۔ امید ہے
 کہ ناظرین کے لئے یہ سب باتیں سبق آموز ہی ثابت ہونگی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ

اور حضرت مصلح الامتؒ

اوائل فروری ۱۹۵۴ء میں مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کا غالباً اپنے کسی
 تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں موصولہ عظیم گدھ تشریف لے جانا ہوا۔ چنانچہ وہاں سے حکیم
 مولوی حبیب اللہ صاحب مومئی کے ہمراہ حضرت سے ملاقات کے لئے مولانا ندوی مدظلہ
 فہمور (مال زجا) بھی تشریف لے گئے۔

یہ حضرت سے مولانا کی غالباً پہلی ملاقات تھی۔ راقم الحروف بھی اُن دنوں خاتما
 فہمور ہی میں مقیم تھا۔ حضرت سے مل کر اور مجلس میں شرکت فرما کر مولانا ندوی مدظلہ

بہت ہی مسرور ہوئے اور مجھے یاد ہے کہ مجھ سے فرمایا مولوی صاحب! یہاں آنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوا کہ یہ جگہ تو مستقل طور سے سفر کر کے آنے کی ہے۔ میں نے اس سے یہی سمجھا کہ مولانا چونکہ مؤ مبارک پور وغیرہ تشریف لائے تھے اور یہاں فتنہ تشریف لانا اس بار گویا ضمناً ہوا ہے اسی کو مولانا قرار ہے ہیں کہ یہ جگہ اسی نہیں ہے کہ آدمی یہاں ضمناً اور تبعاً آئے۔

بلکہ یہاں کا حق ہے کہ یہاں مستقل طور سے سفر کر کے آیا جائے۔
 بہر حال مولانا دوسری کو یہاں کے مختصر سے قیام میں وہ لطف آیا کہ اسکی چاشنی بہت دنوں تک باقی رہی۔ چنانچہ واپسی کے بعد اپنے رفیق جناب حکیم صاحب قبلہ کو جو خط لکھا وہ مولانا کے قلبی تاثرات کا پورا ترجمان ہے۔ دھوہذا

خط مولانا سید علی میاں صاحب ندوی مدظلہ بنام حکیم مولوی حبیب اللہ صاحب ندوی
 ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۵۴ھ ۱۱ فروری ۱۹۳۵ء

مجھے دکر می السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 آپ سے رخصت ہو کر دیور یا پہنچا۔ وہاں سے یہاں لکھنؤ آیا۔ واپسی پر طبیعت کچھ متاثر دے کیفیت رہی۔ اب الحمد للہ بہتر ہے مگر اضمحلال دے لطفی باقی ہے آپ کی عنایات دل پر نقش ہیں۔

فتنہ کا مبارک اور پُر لطف سفر برسوں نہ بھولے گا۔ آتے جاتے آپکی مخلصانہ و محبانہ ادائیں اور فتنہ میں حضرت والا دامت برکاتہم کی بزرگوار شفقتیں اور نوازشیں اب بھی یاد آتی رہتی ہیں اور دل میں چٹکیاں لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر وہ پُرسرت لمحات نصیب فرمائے اور آپ کی معیت میں فتنہ کا سفر نصیب ہو۔

آپ فتح پور جائیں تو اس ناکارہ کا حضرت والا کی خدمت میں خادمانہ سلام پیش کریں اور اسکے قلب کی اصلاح اور کمیونی کیلئے دعا کی درخواست۔ نیز یہ کہ پہلی حاضری آئندہ کیلئے محرک اور شوق ثابت ہوئی۔ اللہ جلد توفیق دے۔ والسلام

خاکسار ابو الحسن علی۔ مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ کچہری روڈ۔ لکھنؤ

نقل خط حضرت مولانا یحییٰ ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی بنام حضرت مصلح الائمہ علیہ الرحمۃ

۳۱ رمضان ۱۳۸۷ھ

مخدوم معظم مصدر فیوض وافادات جامع البرکات دامت فیوضہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید قوی ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بعافیت ہونگے۔
اور ماہ مبارک بسہولت و راحت اپنے مشاغل مبارکہ کے ساتھ گذر رہا ہوگا۔ یہ محب دعا گو
بھی بحمد اللہ بعافیت ہے۔ اپنی حقیر و ناکارہ ذات کے ساتھ جناب والا کی جو شفقتیں
رعایتیں دیکھیں اور اپنے اندر حضرت والا کی ذات گرامی کے ساتھ جو عقیدت و محبت
اور جناب کے علوم و افادات کے ساتھ جو مناسبت محسوس کرتا ہوں اس کی بنا پر یہ عرض
محض طلب دعا کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ جناب والا سے درد مندانہ و مخلصانہ التجا ہے کہ
اس ماہ مبارک اور اس کی ساعت میں اسکی دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے
اور اپنا بنائے اور اپنی ذات عالی کے ساتھ سچا اور مخلصانہ تعلق پیدا فرمادے
اپنی محبت سے دل کو لبریز کر دے اور نفاق سے محفوظ کر کے ایمان حقیقی نصیب
فرمادے۔

امید ہے کہ اس دعا کے ذریعہ ائمت محمدیہ کے ایک حقیر ترین فرد اور ایک
ناکارہ و آوارہ انسان پر مدۃ العمر احسان فرمائیں گے۔ فاوت لنا الکیل و تصدق
علینا ان اللہ یجزی المتصدقین۔

چونکہ مقصود صرف اتنی درخواست تھی اور جواب سے حضرت والا کا
قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا اس لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیج کر طبیعت پر
پابندی کا بار نہیں ڈالا۔

نفع اللہ المسلمین بطول بقائکم۔

ناجیز ابو الحسن علی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حالاتِ مصلحِ الامت

حضرت اقدس کا جواب

مجی و مخلصی زاد اللہ جبکم داخلا قسم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ ملا۔ آپ نے خیریت دریافت فرمائی ہے الحمد للہ آپ کی دعا سے بخیریت ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عاقبت ظاہری اور باطنی کے ساتھ رکھے چونکہ آپ نے دعا کی درخواست کی ہے لہذا امتثالاً للامر دعا کرتا ہوں۔ اپنی طلب صادق عطا فرمائے اور آپ کو مخلصین میں شامل فرمائے آپ سے بھی اسی دعا کی درخواست ہے۔ والسلام ایک مضمون درج کرتا ہوں امید ہے حسب حال ہوگا۔ دھو ہذا ۲۔

۱۔ حق سبحانہ بآں بزرگی و کبریائی بندہ ہارا از کمال بندہ نوازی بخواب قدس خویش بر زبان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والبرکات دعوت فرمودہ در راہ وصول را بیان در روشن ساخت افسوس است کہ از میں قسم دعوت چشم پوشیدہ و اعراض کردہ در دعوت نفس شیطان در آید و از دولت قرب و لذت وصال محروم گشتہ بعذاب و حرمان گراید آں لذت زیادہ از لذات بخات نعیم است و ایں عذاب بدتر از عذاب حجیم۔

فَقِفْ وَاِلٰى اللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ مِنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

(ترجمہ) حق سبحانہ نے تو باوجود اس بزرگی و کبریائی کے جو کہ انھیں حاصل ہے۔ محض اپنی کامل بندہ نوازی سے اپنی جانب توجہ کرنے کی تمام انسانوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام کی زبان پر دعوت دی ہے اور راہ وصول (طریق) کو بالکل واضح اور زیادہ روشن فرما دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انسان اس دعوت سے تو اعراض کر لے اور بالکل آنکھیں بند کر لے اور نفس اور شیطان کی دعوت کو قبول کر کے حق تعالیٰ

کے قرب کی دولت اور وصال کی لذت سے یکسر محروم ہو کر عذاب و حرماں میں مبتلا ہو جائے
آنحالیسکہ وہ لذت جس سے محروم ہوا جنتِ نعیم سے بھی بڑھ کر اور یہ عذاب جس میں
مبتلا ہوا عذابِ جحیم سے بھی برتر ہے۔

لوگو! خدا کی طرف دوڑو دیکھو میں تم کو ڈرانے والا ہوں۔
۲۔ ایں بزرگو! ایں در محبت حق جل و علا از خود و از غیر خود گسستہ اند و
در عشق و از افاق و انفس گزشتہ ماسوا را در راہ اور در باختہ و یاد ساختہ اند
اگر حاصل دارند اور دارند اگر حاصل اند باطن شان را بنیج
انقطاع از دون اولیٰ روتے دادہ است کہ اگر سالہا یاد ماسوا نمایند
بیاد شان نیاید و از انانیت نفس ہنوع گزشتہ اند کہ عود کلمہ انما از خود
شرک می دارند۔ بِحَالٍ صَدُّ قَوْمًا عَاهِدُ ۲۰ اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
تَلٰہِیْہُمْ بِجَارَہٗ وَلَا یَمْنَعُ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ خداوند امر از میں قوم بگرداں یا از
نظارہ گیان ایں قوم گرداں کہ قوم دیگر طاقت ندارم۔

۳۔ ہر کس کہ ہوس ایں راہ دارد و تخم ایں اندیشہ در دل می کار و باید کہ ہمہ
چیز را گذاشتہ صحبت ایں اکابر اختیار نماید و جاں نثار لوازم طلبکاری کند
و از ہر جا کہ بجائے از میں دولت بمشام جاں برسد از پے آں شود
خوش گفت بود۔ ۵

بعد از میں مصلحت کار در ایں می بینم کہ مردم بر در میخانہ و خوش نشینم

(مکتوب بست و دوم)

ترجمہ :- ان بزرگوں نے حضرت حق جل و علا کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا اور
نہ غیر کو بلکہ سب سے یک نخت خالی ہو گئے اور عشقِ مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی
جہان کو چھوڑ دیا۔ اور ماسواے اللہ کو اللہ کے راستہ میں خیر باد کہہ کر خود کو انکے ساتھ واصل
کر لیا۔ اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اسی سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی
سے واصل ہیں تو اسی سے واصل ہیں۔

چنانچہ ان حضرات کے باطن کو ماسواے اللہ سے ایسا انقطاع کلی ہو جاتا ہے کہ اب

اگر ماسوائی کو سالہا سال یاد کریں تب بھی یاد نہ آدے اسی طرح سے نفس کی انانیت اور رعوت سے ایسا نکل جاتے ہیں کہ اب اس کے بعد لفظ اَنَا کا استعمال بھی انکو شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد باندھا تھا اسکو سچ کر دکھایا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مشغول نہیں کرتی۔ جسدا وندا تو مجھے بھی اسی قوم میں سے کر دے یا کم از کم انکی زیارت کرنے والوں ہی میں سے بنائے کیونکہ ان دو کے علاوہ تیسری قوم میں ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اب جو شخص کہ طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کے خیال کا بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کر کے مشائخ طریق کی صحبت اختیار کرے اور لوازم طلب کے آگے اپنی جان نثار کر دے اور جس جگہ سے بھی اس دولت کی خوشبو اسکے مشام جان میں پہونچے اس کی تحصیل کے درپے ہو جائے کسی نے خوب کہا ہے کہ اب اس کے بعد مصلحت کار اس میں سمجھتا ہوں کہ مے خانہ کے دروازہ پر جا پڑوں اور خوشی خوشی وہیں ایام گزار دوں۔

۳۔ عزیز مے فرماید کہ لَوْ اَخْبِلُ مُقْبِلٌ عَلَى اللّٰهِ مِدَّةَ عُمُرٍ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهُ لَخُطَّةٌ فَكَانَ مَاقَاتِهِ اَكْثَرُ جَنَاحًا مِّنَالِہٖ۔

(مکتوب دوصد و پنجاہ و پنجم)

ترجمہ :- کسی اللہ والے کا کہنا ہے کہ اگر کوئی طالب خدا ساری عمر اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے لیکن اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اگر اس نے اس سے اعراض برتا تو اس سے فوت شدہ امور کی تعداد حاصل شدہ سے بڑھ جائے گی۔ یعنی اس کی وجہ سے اس کو نقصان پہونچے گا وہ اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہوگا۔

(مکتوب ۲۵۵)

وَالسَّلَامُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ
رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ

ادب مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا جو خط نقل کیا گیا ہے۔ یہی وہ خط ہے جو مولانا عبد الباقی صاحب ندوی مدظلہ العالی کے زمانہ قیام فیتھور میں آیا تھا اور اسی کے متعلق مولانا نے فرمایا تھا کہ — "احقر کے دوران قیام میں مدوح کا ایک مکتوب مولانا مدظلہ کی خدمت میں گیا۔ صہل درخواست تو ماہ مبارک میں خود اپنے حق

میں خاص دعاؤں کی تھی۔ ضمناً حضرت مولانا کے علوم و افادات سے اپنی استفادہ کا بھی ذکر بطور خاص ہی تھا۔

چنانچہ مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کا ایک اور مکتوب نقل کرتا ہوں جو انھوں نے کسی موقع پر حضرت مصلح الامتؒ کو لکھا تھا۔ دیکھئے کس عقیدت اور خلوص و محبت کے ساتھ عرض مدعا کیا ہے۔ افسوس کہ اس خط کا جواب نہ مل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ صرف دلی دعا ہی اسکا جواب رہا ہو جیسا کہ مولانا علی میاں صاحب ندوی کے خط کا آخری جملہ بھی اسی کا مؤید ہے۔
اب خط ملاحظہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت سراپا خیر و برکت رحمت و شفقت حضرت مولانا دامت فیوضہ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے،

عرصہ سے کوئی عریضہ ارسال خدمت کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی اور خود اپنا ہی نقصان کیا کہ اگر عریضہ لکھتا تو حضرت والا کا قلب مبارک متوجہ ہوتا اور اس ناکارہ و آوارہ کی یاد تازہ ہوتی، سفر سے پہلے بھی عریضہ لکھنے اور دعا کی درخواست کرنیکا ارادہ تھا مگر توفیق نہ ہوئی۔ اب پھر قلب پر تقاضا ہوا اور الحمد للہ کہ اس کی تکمیل کی توفیق ملی۔

اگرچہ حضرت والا سے بہت دور دور رہا اور بہت دیر میں نیاز حاصل ہوتا ہے مگر حضرت کی محبت سے اپنے قلب کو معمور اور اس محبت کی وجہ سے قلب کو مسرور پاتا ہوں، اور طبعی کشش محسوس کرتا ہوں۔ تین مہینے سے زاید باہر رہنے کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ شاید کچھ عرصہ کے بعد حاضری کی سعادت حاصل ہو، ابھی پھر ایک سفر درپیش ہے اور مشاغل و ذمہ داریوں کا اقتضا یہاں کچھ عرصہ قیام کا ہے۔

اس عریضہ کا مدعا قلب مبارک کو متوجہ کرنے اور اپنے حق میں دعائیہ کلمات کہلوانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ امید ہے کہ اس مقصد میں یہ عریضہ کامیاب ہو۔
والسلام مع الاکرام۔ ناچیز و ناکارہ ابوالحسن علی

نقل مکتوب گرامی مولانا ابوالحسن علی صنادوی مدظلہ

مخدومنا و برکتنا حضرت مولانا دامت برکاتہ و فیوضہ

اَسْلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ

اللہ تعالیٰ کی ذات کریم سے اُمید قوی ہے کہ حضرت والا کا مزاج گرامی اب اور بہتر ہوگا اور درمیان میں جو اثر پڑ گیا تھا وہ زائل ہو گیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت کی ذات والا صفات کو تادیر سلامت باکرامت رکھے اور طحالبین اور عامۃ المسلمین کو منتفع ہونے کی بیش از بیش توفیق اور اس وجود گرامی کی قدر و معرفت عطا فرمائے اَللّٰهُمَّ اٰمِیْن۔

اس سفر میں حضرت والا نے جس شفقت و ذرہ نوازی کا برتاؤ فرمایا اس کا مزہ آج تک دل میں ہے اور ع۔

کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید

کہاں یہ عامی کہاں شیخ وقت کے الطاف عصر و مغرب کے درمیان کی مجلس میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ بیماری میں ہر چیز سے یہاں تک کہ گفتگو کرنے سے بھی طبیعت برداشتہ ہو جاتی ہے ایسی حالت میں جی چاہتا ہے کہ کوئی اور گفتگو کرے اور ہم نہیں۔ چونکہ مرض کی ایک کیفیت ہے اس لئے دعا تو یہی ہے کہ یہ کیفیت زائل ہو چکی ہو اور حضرت والا کی طبیعت گفتگو اور نطق کی طرف متوجہ ہو اور خدام و مخلصین ارشادات عالیہ اور تحقیقات طیبہ سے مستفید ہو رہے ہوں۔ لیکن اگر اسکا کچھ بھی اثر ہو تو اسکا ایک بدل تجویز کیا ہے کہ اپنی ایک حقیر (تاریخ دعوت و عزیمت) پیش خدمت کروں اور وہ کبھی کبھی حضرت کی مجلس میں پڑھ کر سنا دی جائے۔ اس کی جرات اس لئے بھی ہوئی کہ اس کتاب کے بعض مضامین سے (جو اکابر کے کلام و تالیفات سے ماخوذ ہیں) حضرت کے اذواق و ارشادات کی تائید ہوتی ہے۔ نہ اس کا تقاضا ہے کہ یہ کتاب ضرور ہی سنائی جائے اور نہ اس کا انتظار رہے گا۔ نہ حضرت والا سے کسی تبصرہ یا اظہار رائے کا مطالبہ، صرف یہ کتاب وہاں موجود ہے۔

اور اگر وہ کچھ بھی تفسیر صحیح طبع کا ذریعہ ہو سکے تو اپنی سعادت سمجھوں گا۔

وَالسَّلَامُ
ناپتیر ابوالحسن علی۔ ندوی

جواب از حضرت مرشدی مصلح الامت نور اللہ مرتدہ

مکرمی جناب مولانا دام مجدکم۔ اَللّٰهُمَّ عَلَیْکُمْ وَحْمَةً اللّٰهُ وَبَرَکَاتُهُ
الحمد للہ اب طبیعت بہت اچھی ہے اس وقت کے اعتبار سے اب قوت بھی الحمد للہ
ہو گئی ہے اور روز افزوں ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح قوت عطا فرمائے
تاکہ کچھ کام کر سکوں۔ آپ نے چند کلمات میں جس محبت کا اظہار فرمایا ہے اس پر
دل سے آپکا ممنون ہوں اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں آپ کے مراتب بلند فرمائے اور
بیش از بیش اپنے تعلق اور اپنی رضا کی تحصیل کی توفیق عطا فرمائے باقی آپ نے
جو لکھا ہے کہ ع

”کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید“

تو اسکا صحیح مصداق تو یہ تھا کہ میں اسے پڑھتا۔ کیونکہ ایک بادشاہ نے کسی دہقان
کے یہاں نزول فرمایا تھا اس پر اس نے یہ کہا تھا۔ تو آپ کی مثال شاہوں کی سی ہے
کہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں نزول فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک دہقان کے یہاں بھی
نزول فرما کر اس کو شرف بخشا اسی لئے اگر میں یہ کہوں تو حق بجانب ہوں کہ ع
”کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید“

بلکہ پورے ہی قطعہ کو دہراتا ہوں کہ ع

ز قدر و شوکت سلطان نگشت چیزے کم

التفات بہماں سر لے دہقانے

کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید

کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

اور آپ نے اپنی بعض تصانیف کے متعلق جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ مرض کی وجہ سے
گفتگو کرنے کو جی نہیں چاہتا تو مجلس میں اس کو پڑھ کر سنایا جائے تاکہ تفریح طبع کا

ذریعہ ہو سکے۔ اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ اس کے مضامین ارشادی ہیں جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا تو میں ارشادی مضامین کو تفریح کا سبب نہیں بنائوں گا کیونکہ یہ اس کی ناقدری ہوگی بلکہ میں یہ کرونگا کہ اسکا از خود مطالعہ کروں گا اور جس طرح سے بزرگوں کے اقوال سے اثنائے گفتگو میں استدلال کرتا ہوں اسی طرح سے اس کے مضامین کو بھی لوگوں کے سامنے پیش کروں گا۔ لیکن یہ سب کچھ ابھی نہیں بلکہ معتدبہ قوت کے بعد کروں گا کیونکہ ابھی تو یہ حال ہے کہ صرف فرائض اور سنن پر اکتفا کرتا ہوں نوافل کی ادائیگی میں بھی لقب محسوس کرتا ہوں۔ مغرب کے بعد بھی صرف دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہتا ہوں اور یوں کسی کی گفتگو سننا جھیل و قفات بھی ہوتے رہتے ہیں اس میں تو لقب نہیں ہوتا ہے بلکہ کچھ نشاط ہی ہوتا ہے اور کسی کتاب یا مضمون کو مسلسل سننا اس کا لقب خود پڑھنے یا خود کلام کرنے سے کم نہیں ہے اس لئے فی الحال شاید مستفید نہ ہو سکوں باقی بعد صحت تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے پورا کام لوں گا۔ جس کے لئے آپ حضرات کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ
۲۴ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ حال مقیم گورکھپور

خط جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت کی شفقت و عنایت جو اس بندہ حقیر و گنہگار پر ہے اس سے دل بہت ہی متاثر ہے۔ یہ عاجز اس کو اللہ رب العزت کی خاص نعمت خیال کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس تعلق کی خاطر کی وجہ سے ایمان پر خاتمہ ہو اور وہاں کے عذاب سے نجات مل جائے۔ صبح کی مجلس میں حاضری کی سعادت ہوئی تھی۔ ارشادات عالیہ سے بہت ہی نفع ہوا اور اپنی شامت اعمال کا احساس رہا۔ اپنے لئے اور ہمیشہ کے لئے دعا کی استدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر قائم رکھیں۔

ابوالحسن علی ندوی

حضرت والا کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کی عنایت و محبت سے بندہ خود متاثر ہے۔ آپ ہی کے اثر کا یہ اثر ہے۔
یہ تعلق خاطر الحمد للہ بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ باقی رکھے اور اس پر حنائت
فرمائے اور عذاب سے نجات مل جائے۔ مجلس کی باتوں سے نفع اور احساس کی زیادتی یہ
مناسبت دینیہ کی بین دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو روز بروز بڑھائے اور اپنے صالح
بندوں میں داخل فرمائے۔

ہمیشہ صاحبہ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں اور آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں۔

والسلام
وصی اللہ عفی عنہ

خط مولانا ابوالحسن علی صاحب ندویؒ

خدمت و معظی دامت برکاتہ و الطافہ و مکارمہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آداب خادمانہ کے بعد گزارش ہے کہ یہ ناچیز و ناکارہ حضرت والا سے رخصت ہو کر
بعایت اپنے مستقر پر پہنچا۔ حضرت والا کی شفقتیں اور ذرہ نوازی برابر یاد آتی رہی۔
حضرت والا نے جس اہم و مبارک موضوع کی طرف توجہ دلائی وہ میری اصلاح و تعلیم
کے لئے بہت مفید تھی۔ ہم لوگوں نے اس موضوع و مضمون کو بالکل فراموش و نظر انداز
کر دیا ہے۔ بخاب والا کے ارشاد سے اس کی اہمیت و عظمت تازہ ہوئی اور اس موضوع
پر اپنی بے بضاعتی کا احساس ہوا اب جی چاہتا ہے کہ خاص طور پر اسکا مطالعہ کرے
اور اگر خدا توفیق دے تو حافظ ابن قیم کی کتاب ”حادی الارواح“ کے طرز پر اردو میں
اسکا ذوق بڑھانے اور عام کرنے کے لئے بھی ایک کتاب لکھے جو مستند احادیث و منتخب
آثار و اخبار پر مشتمل ہو۔

سفر الہ آباد اپنی صعوبت و موسم کی سختی کے باوجود اس لئے قیمتی تھا کہ حضرت والا

کی زیارت ہوگئی اور کچھ دیر صحبت بابرکت میں بیٹھنے کا موقع ملا اور ارشادات سے مستفید ہوا اُمید ہے کہ حضرت کا مزاج بالکل بغافیت ہوگا۔

والسلام مع الاکرام
ابو الحسن علی ندوی
۲۵ شوال المکرم ۱۴۳۷ھ

جواب حضرت مصلح الامت

جی و محبتی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اَکسَلَام عَلَیْکُمْ وَحَمَہُ اللہ وَبَرَکَاتُہُ
مکرم نامہ نے شرف صدور بخشا باعث ازدیاد محبت و خلوص ہوا جو حضرات اہل علم
میرے پاس آمد و رفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب
کی طرف ہوتا ہے ارقام فرمایا ہے کہ جس اہم و مبارک موضوع کی طرف توجہ دلائی ہے
وہ میری اصلاح و تعلیم کے لئے بہت مفید تھی۔ ہم لوگوں نے اس موضوع و مضمون کو
بالکل فراموش و منظر انداز کر دیا ہے، اس کو سن کر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو
جی چاہتا ہے ۵

لگ چلا تھا دل قفس میں پھر پریشاں کر دیا
ہم صغیر و تم نے پھر ذکر گلستاں کر دیا
اب میں جناب سے اجازت چاہتا ہوں۔ کچھ عرض کرنے کی بعد آنے اجازت نامہ کے
قدرے تفصیل سے عرض کروں گا۔
وَالسَّلَام
وصی اللہ عنہ

(نوٹ:- اس کے ساتھ کچھ اور مضمون بھی گیا۔)

(مضمون جو بھیجا گیا)

آج حضرت والا نے آپ ہی کے خط سے مجلس کی ابستاد فرمائی اور آخر مجلس تک
اس پر گفتگو جاری رہی چند باتیں عرض کرتا ہوں تاکہ جناب والا بھی اس سے لطف اندوز
ہو سکیں۔

۱۔ فرمایا کہ جنت اور آخرت کا مضمون بیان کرنے کے لئے قرآن شریف ہی کیا کم ہے۔ ان پہیزوں کا ذکر قرآن شریف میں مجملاً نہیں آیا ہے بلکہ مفصل آیا ہے اس لئے کسی قدر وضاحت کے لئے اگر علماء کی کتابوں سے چاہے تو استعانت حاصل کرے باقی اصل مضمون کے لئے جس قدر مؤثر قرآن کریم کا بیان ہے کسی کا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کے الفاظ بھلی معجز ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس لئے بھی معجز ہیں کہ اور دوسرے کلام میں اتنی تاثیر نہیں جتنی کہ قرآن کریم میں ہے اس لئے قرآن شریف کے ذریعہ زیادہ اثر کی امید ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم جیسا طرز بیان اور اس جیسی شوکت کوئی کیسے لاسکتا ہے ۵

مگر مصدور صورت آں دستان خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش را چنناں خواہد کشید

۲۔ فرمایا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ اُمت کے تعامل سے جو بات معلوم ہو سکتی ہے وہ صرف کتاب کے ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے آج ہم نماز کس قدر آسانی سے سیکھ لیتے ہیں یہ تعامل اور صحبت کا اثر ہے ورنہ صرف کتابوں میں تو دیکھ کر اُمت کو رکوع کرنا بھی نہ آتا اور صرف ایک رکوع میں بڑا اختلاف ہو جاتا۔ کوئی کہتا کہ یوں ہونا چاہئے کوئی کہتا ہے یوں ہونا چاہئے۔ مگر خلفاً عن سلف چونکہ چلا آ رہا ہے اس لئے کوئی بھی اختلاف نہیں۔

۳۔ فرمایا کہ دین دیندار کی صفت ہے کتاب کی نہیں اس لئے خوف رجا۔ خشیت اور محبت و خلوص وغیرہ جتنی قلبی چیزیں ہیں یہ اہل خوف و رجا اور اہل خشیت و محبت اور کسی غلصہ ہی کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کتابوں سے تو آپ نے ابھی معلوم کیا کہ ظاہری عبادات کی صحیح کیفیت بھی سمجھ میں آنی دشوار تھی پھر باطنی چیزیں کیا مل سکتی تھیں اور جب کہ علماء باعمل سے استغنا نہیں ہو سکتا ہے تو پھر قرآن شریف سے کیسے استغنا ہو سکتا ہے اگرچہ اسکی ہزار تفسیر و تفاسیر ہوں۔

۴۔ فرمایا کہ کوئی کتاب ہو یا اسکا ترجمہ قرآن شریف سے بے نیاز نہیں بنا سکتا آج لوگوں نے قرآن شریف کو تو ترک کر دیا ہے اور دوسری کتابوں کو اس کی جگہ

لئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے غیرت آتی ہے۔
 چنانچہ شامی میں لکھا ہے۔ قال المزی قرات کتاب الرسالة علی الشافعی رحم
 ثانیین مرۃ فامن مرۃ الا وکان یقف علی خطا فقال الشافعی ہیہ ابی اللہ
 ان یکون کتاباً صحیحاً غیر کتابہ۔

۵۔ نیز فرمایا کہ قرآن شریف میں داذا قتلتم نفسا فادسائتم میں بنی اسرائیل
 کے زندہ ہونے کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا کہ کذلک یحیی اللہ الموتی یعنی بس اسی طرح
 سے اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ فرمائیں گے۔ یہ واقعہ کسی مزید تشریح کا محتاج ہی نہیں ہے
 خود احیاء موتی پر مفصل دلیل ہے۔

اس کے بعد فرمایا ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِکَ فَهِيَ کَا حُجَّاسٍ اَوْ اَشَدَّ
 قَسُوۡةً وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشْقٰوُ فِیْخْرُجُ مِنْہُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْہَا لَمَآ یَهْبِطُ مِنْ خَشِیۡۃِ اللّٰہِ وَاِنَّ
 مَا لِلّٰہِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ہ اس میں کتنی تفصیل کے ساتھ نصیحت فرمائی اور کیسا
 وعظ فرمایا۔

۶۔ یہ بھی فرمایا کہ اس کے بیان کے لئے ضرورت صرف اس کی ہے کہ پہلے علماء
 خود متاثر ہوں تب دوسروں پر اثر ڈال سکیں گے اور اثر کے لئے معین یہ بھی ہے کہ
 الفاظ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہوں ترجمہ وغیرہ کرنے سے آخرت اور جنت کا کچھ
 تھوڑا بہت نخطور قلب میں ضرور ہو جاتا ہے مگر کامل اثر تو اسی وقت ہوگا جب
 خدا کے کلام کے ذریعہ اثر ڈالا جائے گا۔ والسلام دعا ہو

(کے از حاضرین خانقاہ)

دیکھئے مولانا ندوی مدظلہ نے تو انتہائی عقیدت سے لکھا تھا کہ ”کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید“
 لیکن حضرت اقدسؒ نے بھی اس کے جواب میں اپنے شایان شان تواضع اختیار فرمایا۔

اسی طرح سے مولانا ندوی مدظلہ نے تو مزاج والا کی پوری رعایت فرماتے ہوئے غایت ادب
 ملحوظ رکھ کر عرض سکون و راحت حاصل ہونے کے خیال سے اپنی کتاب سنائے جانے کا مشورہ پیش فرمایا
 تھا۔ مگر حضرت والا نے بھی کتاب کی قدر و عظمت باقی رکھتے ہوئے عام گفتگو اور مضامین کتاب کے
 اثر میں جو فرق بیان فرمایا وہ وجد آفریں ہے۔ سبحان اللہ

خط حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ

مخدومی و شفقی دامت برکاتہ و الطافہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اُمید ہے کہ حضرت والا کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ مجھے..... خانصاحب جناب والا کا شفقت نامہ اور ارشادات عالیہ کی نقل لائے میں سفر میں تھا۔ وہاں سے بہت خستہ و شکستہ آیا۔ گرمی کا طبیعت و صحت پر اثر پڑا تھا اس لئے جلد مکتوب گرامی کی نقل روانہ نہ کر سکا۔ اب بعد استفادہ کے روانہ کر رہا ہوں، اصل مکتوب تبرکاً رکھ لیا ہے۔

جناب نے ازراہ شفقت و کرمیت تفصیل سے ارشاد فرمانے کا جو وعدہ گرامی فرمایا ہے۔ اس کے تحقق کا انتظار ہے۔ اُمید ہے کہ جلد مستفید فرمائیں گے، اور اس ناچیز کی اصلاح و تربیت سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

جناب والا کے اس ارشاد گرامی کو بار بار بڑے فخر و سرور سے پڑھا کہ جو حضرات..... میرے پاس آمد و رفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی طرف ہوتا ہے "یہ جملہ میرے لئے بشارت عظیم اور سرمایہ تسکین ہے۔ اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اُمید ہے حضرت والا کا مزاج گرامی بجائیت ہوگا۔

ناچیز طالب الجہد

ابوالحسن علی۔ و زلیقہ ۱۳۸۸ھ

حضرت مصلح الامت کا جواب

مکرمی زاد اللہ عمرہ فانکم . اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ
 الحمد للہ۔ بخیرت ہوں۔ اور آباد میں ارسال گرمی شدید ہوئی۔ بہت سخت تکلیف
 ناقابل برداشت ہوئی۔ ادھر تو گرمی کی تکلیف ادھر ایک مکان لینے اور پھر اُس میں
 منتقلی کے انتظامات و رہائش رہے اس لئے مضمون کے ارسال میں تاخیر ہوئی۔
 آپ کو انتظار میں تکلیف ہوئی ہوگی اُمید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ ایک سب سے بڑی
 وجہ حیاتھی حضرات اہل علم سے مخاطب میں اپنی کم مائیگی اور ان کے مرتبہ کے پیش نظر
 ہونے سے سخت حیا و خجالت دامگیر ہو جاتی ہے۔ مگر آج ہمت کر کے پیش کر رہا ہوں
 اُمید کہ اس جرات و جسارت کو اپنے اخلاق کریمانہ سے منظر انداز فرما کر معاف
 فرمائیں گے۔
 والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

(چونکہ اس خط کے ہمراہ طویل مضمون بھی تھا اس لئے اس کو بذریعہ رجسٹری
 بھیجا گیا۔ پورا مضمون آگے آ رہا ہے۔ اس سے قبل اسی سلسلہ کے دو خطوط اور
 ملاحظہ فرمائیے۔ ناقل)

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

شفق محترم مخدوم معظم دامت برکاتہ والطفانہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ

اُمید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔ گرامی نامہ رجسٹری شدہ موجب رشتہ
 و باعث استفادہ ہوا اللہ تعالیٰ ان تو جہات عالیہ اور حیات عالیہ کو بلند سے
 بلند تر فرمائے۔ لیکن یہ گرامی نامہ اچانک بخاری شریف کے اس جملہ پر ختم ہو جاتا

ہے۔ فاعلم انہ لا الہ الا اللہ قیلاً
 اب یا تو اس کے بعد کے اوراق لفاظ میں رکھنے سے رہ گئے یا دوسری قسط میں
 موصول ہونگے۔ درخواست ہے کہ اس گرامی نامہ کو مکمل فرمادیا جائے کہ نہایت مفید
 اور موثر ہے۔ نیز اگر رائے عالی کے خلاف نہ ہو تو "الفرقان" میں اس کو اشاعت کے
 لئے دیدیا جائے کہ باعث افادہ عام اور تہنیت علمائے کرام و مواعظین عظام ہو۔
 امید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔

طالب دعا
 ابو الحسن علی

۱۶ محرم ۱۳۸۸ھ

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

بجی سلمکم اللہ تعالیٰ و زادکم عسراً فاناً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 الحمد للہ بخیریت ہوں۔ ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی
 کہ الحمد للہ آپ کو یہ مضمون پسند ہوا۔ آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہاں سے
 آخر تک نقل کر کے دوبارہ روانہ ہے اس کو شامل مضمون کر لیجئے۔ نقل دوسرے
 پرچہ پر ہے اور ایک تیسرے پرچہ پر کچھ زائد مضمون اور ہے جو اس دفعہ کا اضافہ
 ہے اسکو بھی اسی کے ساتھ ملا لیجئے۔

اور آپ نے اس کی اشاعت کے متعلق فرمایا ہے تو اگر مفید تصور فرمائیں
 تو ضرور طبع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اسکے نفع کو عام و تمام فرمائے۔
 جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب نیز مولانا محمد منظور صاحب کی خدمت میں
 سلام مسنون فرمادیں۔

والسلام خیر ختام
 وحی اللہ عفی عنہ

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

مخدومی و معظی دامت کا تم

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَکَاتُهُ
گرامی نامہ نے سرفراز کیا اور مضمون کی تکمیل ہو گئی۔ حقیقتہً مضمون بادیہ و عبارت آرائی اور تکلفات سے دور ہونے کے نہایت موثر اور مفید ہے۔ الحمد للہ جناب والائے اسکی اشاعت کی درخواست کو منظور فرمایا وہ انشاء اللہ الفرقان کے آئندہ نمبر میں شائع ہو جائے گا۔

اس کے پہلے محترمی شاکر حسین خاں صاحب نے حضرت کے دور سائے "اخوت" اور "مضمون ذکر" بچھے تھے وہ بھی نہایت مفید ہیں خصوصیت کے ساتھ ذکر والا رسالہ تو بہت ہی بصیرت افروز ہے۔ اللہ تعالیٰ فیوض علیتہ اور اخاضات قدسیہ کو قائم و دائم رکھے۔ سفر کی وجہ سے رسید میں تاخیر ہوئی۔ والسلام مع الاکرام

ابوالحسن علی

۱۸ اگست ۱۳۵۸ھ

ناقل عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون جس کے متعلق مولانا ندوی مدظلہ نے حضرت والا کو لکھا کہ "الفرقان" میں شائع ہو جائے گا — وہ رسالہ "الفرقان" مکتبہ میں بھی طبع ہوا اور علیحدہ کتابی صورت میں بھی "التذکیر بالقرآن" کے نام سے شائع ہو چکا تھا تاہم ناظرین کی سہولت اور افادہ کے لئے ہم اس کو یہاں پر بعینہ نقل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بات اپنے محل پر کچھ اور ہی لطف دے جاتی ہے۔

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ
کا وہ مکتوب گرامی جو ماہنامہ ”الفسر قان“ لکھنؤ
میں شائع ہوا

”التذکیر بالقُرآن“

[از افادات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فچپوری مدظلہ]
رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی گذشتہ مہینہ الہ آباد تشریف لے گئے تھے جہاں
انکو ایک تقریر کرنی تھی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ کچھ عرصہ سے الہ آباد
ہی میں مقیم ہیں بموصوف حضرت مدوح کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اس صحبت میں
حضرت مدوح نے وعظ و تقریر کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ
سب سے زیادہ مؤثر تذکیر بالقُرآن ہے۔ لیکن اب اسکا رواج بہت کم ہو گیا ہے
مولانا ندوی نے اس دعا کی کہ اس مضمون کو حضرت قلمبند فرمادیں۔ چند روز کے بعد
حضرت مولانا کا ایک گرامی نامہ مولانا ندوی کے نام آیا۔ اس کی اصل حیثیت مضمون
یا مقالے کی نہیں، بلکہ مکتوب کی تھی۔ مولانا ندوی نے اس کی اشاعت کیلئے درخواست
کی تو حضرت مولانا نے اس کو قبول فرمایا اور اس میں کچھ اضافات کر کے اس کی افادیت
میں اور اضافہ فرمایا۔ وہی مکتوب ذیل میں شروع کے چند سطریں حذف کر کے جزکا تعلق
مضمون سے نہیں ہے، درج کیا جا رہا ہے۔
ثانی

مکرمی زاد اللہ عرفانکم
السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
حسن اتفاق سے جس مضمون کو میں پیش کرنا چاہتا تھا وہ نہایت عمدہ اور بلیغ
عنوان سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے کلام میں مل گیا اس لئے بعینہ

ارسال خدمت ہے، اُمید ہے کہ نہایت محفوظ ہوں گے۔ وھو هذا
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ الفوز الکبیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ
نعم الہی دربارہٗ ایں بندہٗ ضعیف بشمار اندو اجل آہنا توفیق فہم
قرآن عظیم ست۔

ومن حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام برکترین امتیان
سیارند و عظم آہنا تبلیغ فرقان کریم است۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قرآن را تلقین فرمود بقرن اول تا ایشان بقرن ثانی رسانیدند و ہکذا و ہکذا
تا آنکہ ایں در ماندہ را نیز از روایت و درایت آں حصہ رسید اللہم صلّ
علیٰ ہذا النبی الکریم سیدنا و مولانا و شفیعنا افضل صلواتک و امین
برکاتک و علیٰ آلہ و اصحابہ و علماء اُمتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین
(الفوز الکبیر ص ۲)

ترجمہ:- حق تعالیٰ کے انعامات اس بندہٗ ضعیف و ناتواں پر بشمار ہیں۔ لیکن
اُن سب سے بڑھ کر نعمت قرآن شریف کے سمجھنے کی توفیق ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات اپنے اس کترین امت
پر بہت زیادہ ہیں، مگر ان میں سب سے بڑا احسان آپ کا یہ ہے کہ آپ نے قرآن حکیم کو
ہم تک پہنچایا (اس طرح سے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو
قرآن کریم مرحمت فرمایا اور پھر صحابہؓ نے تابعینؒ کو پہنچایا اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔
یہاں تک کہ اس عاجز کو بھی اس کی روایت اور درایت (یعنی تلاوت اور فہم معانی) سے
حصہ ملا۔ اے اللہ تو رحمت و برکت بھیج ایسے نبی کریم پر جو ہمارے سید ہیں اور ہمارے مولیٰ
ہیں اور محشر میں ہمارے شفیع ہیں، اپنی فضل ترین رحمت اور مبارک ترین برکت اُن پر
بھی اور اُنکے جملہ اصحاب پر بھی اور ان کی اُمت کے تمام علماء پر بھی برحمتک
یا ارحم الراحمین۔

پھر کچھ دور بعد فرماتے ہیں۔

و مقاصد ایس رسالہ منحصر است در پنج باب۔ (باب اول) در بیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تنصیف بر آہنہا دلالت فرمودہ است و گویا نزول قرآن بالاصالہ برائے آں بودہ است (باب دوم) در بیان وجوہ خفا، نظم قرآن بہ نسبت اذہان اہل زمان و علاج آں وجوہ با وضح بیان (باب سوم) در بیان لطائف نظم قرآن و شرح اسلوب بدیع آں بقدر طاقت و امکان (باب چہارم) در بیان فنون تفسیر و حل اختلاف واقع در تفسیر صحابہ و تابعین (باب پنجم) در ذکر جملہ صالحہ از شرح غریب قرآن و اسباب نزول آں کہ مفسر را حفظ آں مقدار ضرور است و خوض در تفسیر بدون ضبط آں ممنوع و مخطور۔

(الفوز الکبیر ص ۲)

ترجمہ۔ اس رسالہ کے مقاصد پانچ بابوں میں منحصر ہیں، باب اول ان پانچ علوم کے بیان میں کہ قرآن شریف نے بطور تصریح کے ان پر دلالت فرمائی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کریم کا نزول ہی گویا دراصل انھیں کے بیان کے لئے ہوا ہے۔ (باب دوم) نظم قرآن کے خفا کے وجوہ کے بیان میں جو اہل زمانہ کے بعض اذہان کے اعتبار سے ہیں اور ان وجوہ کا علاج واضح بیان کے ساتھ (باب سوم) نظم قرآنی کے لطائف اور خوبیوں کا بیان اور بقدر طاقت و امکان اس کے اسلوب بدیع کی تشریح کے بیان میں (باب چہارم) فنون تفسیر کے بیان میں اور صحابہ و تابعین کی تفسیر میں واقع شدہ اختلافات کا حل، (باب پنجم) غرائب القرآن اور اس کے شان نزول سے متعلق اس قدر کلام کہ ہر مفسر کے لئے اس مقدار کا یاد ہونا ضروری ہے اور علم تفسیر میں بدون اس کے حفظ و ضبط کے خوض کرنا منع ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

باب اول در بیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تنصیف بیان آں فرمودہ است۔

باید دانست کہ معانی منظومہ و ستر آن خارج از پنج علم نیست، علم احکام از واجب و مندوب و مباح و مکروه و حرام خواه از قسم عبادات باشد یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاسیات مدنیہ و تفصیل این ذمہ فقیہ است و علم مخاصمہ با چہار فرقہ ضالہ یہود و نصاریٰ و مشرکین و منافقین و تفریح بریں علم ذمہ متکلم است و علم تذکیر بالا اللہ از بیان خلق آسمان و زمین و الہام بندگان با پنجہ ایشان را درمی بایست و از بیان صفات کاملہ او تبارک و تعالیٰ و علم تذکیر با یام اللہ یعنی بیان وقائع کہ آنرا خدا تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین و تعذیب مجرمین و علم تذکیر بموت و ما بعد آن از حشر و نشر و حساب و میزان و جنت و نار و حفظ تفصیل این علوم و الحاق احادیث و آثار مناسبہ آن وظیفہ و اعطای و مذکور است۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۳)

ترجمہ :- پہلا باب ان علوم پنجگانہ کے بیان میں کہ قرآن حکیم نے بطور تفصیل و تصریح کے انکو بیان فرمایا ہے۔

جاننا چاہئے کہ معانی ستر آن ان پانچ علوم سے خارج نہیں ہیں۔ علم احکام یعنی واجب و مستحب و مباح اور مکروه و حرام خواہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات کی جنس سے ہوں یا تدبیر منزل کی قسم سے ہوں یا سیاست مدنیہ کے قبیل سے ہوں بہر حال اس علم کی تفصیلات کا بیان فقیہ کے ذمہ ہے اور دوسرا علم مخاصمہ اور مناظرہ ہے۔ ان چار گمراہ فرقوں کے ساتھ یعنی یہود و نصاریٰ و مشرکین اور منافقین اور اس علم کے مسائل کا بیان کرنا متکلم کا کام ہے۔ اور تیسرا علم تذکیر بالا اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا۔ مثلاً آسمان اور زمین کی تخلیق کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کو انکی تمام ضروریات کا الہام فرمانا نیز حق تعالیٰ شانہ کی صفات کاملہ کا بیان۔

اور جو تھا علم تذکیر بایام اللہ ہے یعنی ان واقعات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جنہیں واقع فرمایا جو کہ از قبیل انعام مطیعین اور تغذیب مجربین کے ہیں اور پانچواں علم تذکیر بموت و مابعداں ہے یعنی موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کا ذکر کرنا مثلاً حشر و نشر، حساب و میزان جنت و دوزخ وغیرہ اور ان علوم ثلثہ کے تفصیل کا محفوظ کرنا اور بیان کرنا اور اس کے ساتھ اسکے مناسب احادیث و آثار کو بھی ملا لینا یہ واعظ اور مذکر کا وظیفہ ہے۔

دیکھئے حضرت شاہ صاحب نے خطبہ میں حمد و نعت کو کس قدر موثر اور تبلیغ انداز سے ادا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام (اپنے اور) توفیق فہم قرآن اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان تبلیغ فرقان کو فرمایا۔ پھر اپنے اس رسالہ کے مضامین کو جن پانچ ابواب میں منقسم فرمایا ہے، ان میں سے پہلے باب میں قرآن عظیم کے ان علوم خمسہ کو بیان کیا ہے جن کے لئے گویا نزول قرآن ہی بالاصالت ہوا ہے۔ یعنی علم احکام، علم خاصہ یا فرق ضالہ، علم تذکیر بالآلاء اللہ، علم تذکیر بموت و مابعداں اور پھر ان علوم خمسہ مذکورہ میں سے اول کو وظیفہ فقیہ، ثانی کو وظیفہ متکلم اور بقیہ ثلثہ یعنی تذکیر بالآلاء اللہ، بایام اللہ اور بموت و مابعداں کو وظیفہ واعظ و مذکر قرار دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیے کہ ہمارے واعظین اور مذکرین فی زمانہ کہاں تک اپنے اس وظیفہ پر عامل ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ لوگوں کی مناسبت دینی آج اس درجہ ضعیف ہو چکی ہے کہ اگر آپ اس بات کو سمجھنا ناچاہیں کہ واعظ اور مذکر کا کیا وظیفہ ہے تو لوگ اس کو مشکل سے سمجھیں گے کیونکہ وظیفہ کا مفہوم انکے ذہن میں کچھ اور ہے اس کو کوئی وظیفہ سمجھنے اور کہنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میں اسی بات کو آپ سے ذرا تفصیل سے عرض کرنا چاہتا تھا، پھر یہ خیال ہوا کہ بجائے اس کے کہ اپنے لفظوں میں کہوں حضرت شاہ صاحب ہی کے الفاظ نقل کر دوں کہ ان میں برکت بھی ہے اور یہ حضرات کھوڑے سے لفظوں میں معانی کے دریا بہا دیتے ہیں۔

پس جیسا کہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ”حفظ تفصیل این علوم والحقاق

احادیث و آثار مناسبہ آں وظیفہ واعظ و مذکرست "صل منصب واعظ و مذکر کا تو یہی ہر کہ ان امور کو قرآن شریف ہی سے بیان کرے۔ کیونکہ ان سب مضامین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور اللہ تعالیٰ جس مضمون کو بیان فرمادیں گے تو ظاہر ہے کہ اس سے عمق اور اس سے زیادہ مؤثر کس کا بیان ہو سکتا ہے؟ اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ہی متاثر نہ ہوگا تو پھر وہ کسی اور کے کلام سے کیا متاثر ہوگا؟ قِبَاۤیِ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ہاں اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے اصل مضامین قرآنیہ کی وضاحت اور تشریح کے لئے اس میں احادیث اور آثار کا بھی الحاق کر لے تو کر سکتا ہے باقی صرف احادیث اور آثار تو یہ قرآن شریف سے ہم کو مستغنی نہیں کر سکتے۔

میں آپ سے یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ لوگوں نے اس زمانہ میں قرآن مجید کو جو کہ ہدایت ہی کے لئے آیا تھا اور ہدایت کا خدائی ذریعہ اور طریق تجویز ہوا تھا اسکو تو چھوڑ رکھا ہے اور اس کے بدلہ میں دوسری کتابوں کو لے رکھا ہے۔ بزرگوں کا کلام دیکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کلام سے شغف نہیں رہا۔ جب یہ حال ہو تو پھر ہدایت کیسے ہو سکتی ہے اور مسلمانوں کی حالت کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ جو قوم قرآن پر ایمان نہ لاوے گی وہ غیر قرآن سے ایمان کیسے حاصل کر سکتی کر سکتی ہے۔ قِبَاۤیِ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ یُؤْمِنُوْنَ ہ اس سلسلہ کی ایک روایت بھی یاد آئی۔ سنئے :-

مفتخ کنز العمال میں ہے کہ :-

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ بَنِي إِسْرَآئِیلَ کَتَبُوا کِتَابًا فَاتَّبَعُوهُ وَتَرَكُوا لِقَوْلِ اللّٰهِ۔

(مفتخ کنز العمال)

ترجمہ۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک کتاب لکھی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تورات کو چھوڑ دیا۔
شامی میں ایک حکایت حضرت امام شافعیؒ کی لکھی ہے کہ

قال المزني قرأت كتاب الرسالة على الشافعي ثمانين مرة فما
من مرة الا وكان يقف على خطأ فقال الشافعي هيه ابي الله
ان يكونه كتاباً صحيحاً غير كتابه -

(شامی مزاج ۱)

ترجمہ: مزنی فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب الرسالۃ کو حضرت امام شافعیؒ
پر اتنی بار پڑھا مگر ہر بار ایک نہ ایک غلطی کا پتہ چلتا۔ پس حضرت شافعیؒ نے فرمایا
کہ ہٹاؤ جی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں کہ ان کی کتاب کے علاوہ کوئی اور
کتاب بالکل صحیح ہو۔

اسی سلسلہ میں ایک بات اور کہنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کہ قرآن کریم تاثر اور تاثیر
کے لئے نازل ہوا ہے اور لوگ اس سے خود بھی متاثر ہوئے ہیں اور دوسروں کو
بھی متاثر کیا ہے۔

پہنچانچہ روح المعانی میں ہے کہ :-

قراءتیم الدادی سورۃ الجاثیہ فلما اتی علی قوله لعلی ام حسب الذین
الایۃ لم یزل یکررها ویبکی حتی اصبح وهو عند المقام -
عن بشیر مولی الربیع بن خثیم ان الربیع کان یصلی الفجر بھذہ
الایۃ ام حسب الذین الخ فلم یزل یرددھا حتی اصبح وکان لفضل
بن عیاض یقول لنفسه اذا قرأھا لیت شعری من ای الفریقین

(روح المعانی - ج ۲۵)

انت؟

ترجمہ: حضرت تیم دارمیؒ نے مقام ابراہیم کے پاس سورہ جاثیہ تلاوت فرمائی
اور جب آیت ام حسب الذین اجترحوا السیات پر پہنچے تو اسکو بار بار پڑھتے
رہے اور روتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ حضرت بشیر بن ربیع بن خثیم کے غلام
ہیں کہتے ہیں کہ ربیع نماز پڑھ رہے تھے اور جب اس آیت ام حسب الذین پر
گزرے تو اسی کو بار بار صبح تک تلاوت فرماتے رہے۔ حضرت فضل بن عیاض

جب اس آیت کو پڑھتے تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتے کہ کاش اے نفس میں یہ جانتا ہوتا کہ ان دونوں فریقوں میں سے تو کس میں سے ہے؟

چنانچہ اس آیت کو اسلاف میکاۃ العابدین کے لقب سے ملقب فرماتے تھے۔ کیونکہ بہت سے عباد اس کی تلاوت کر کے روتے تھے۔ لیکن دوسروں کو وہی لوگ متاثر کر سکتے تھے جو پہلے خود اس سے متاثر ہوں۔ آج دوسرے لوگوں پر آیات کا بھی اثر نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ خود ہی متاثر نہیں ہوتے اسلئے دوسروں کو بھی متاثر نہیں کر پاتے۔ اور جب غیر متاثر قلب دوسروں کو بذریعہ قرآن متاثر نہیں کر سکتا تو ایسا شخص غیر قرآن سے تو بدرجہ اولیٰ قوم میں کچھ تاثر نہیں پیدا کر سکتا۔ پس یہی وجہ ہے آج اثر کے ختم ہونے کی۔ ورنہ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے اندر موجود ہو اور پھر گمراہی؟ کس قدر تعجب کی بات ہے۔

آپ نے حدیث شریف کی کتاب کا ترجمہ کرنے کا ذکر فرمایا تھا اسی پر جی چاہا کہ آپ سے اس سلسلہ میں جو کچھ خود سمجھا ہوا ہوں عرض کروں اس لئے مختصر کچھ پہلے لکھ چکا ہوں اور بعض باتیں لکھنے کا وعدہ جو کیا تھا وہ اب عرض کر رہا ہوں ورنہ یہ مقصد نہیں کہ ہم حدیث سے یا اس کے ترجمہ سے معاذ اللہ مستغنی ہیں اور نہ اس کی وجہ سے قرآن شریف ہی سے مستغنی ہو سکتے ہیں اور نہ قرآن شریف کو لے کر علماء سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ قوم کو علماء کی بھی حاجت ہے۔ حدیث کی بھی قوم محتاج ہے۔ اور قرآن کریم سے تو کسی درجہ میں بھی استغنی نہیں ہے لیکن جہاں یہ سب ہے وہاں یہ بھی سمجھئے کہ علماء کے لئے بھی دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے صرف حدیث و قرآن کا پڑھ دینا بھی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود انکا قلب ان مضامین سے پورا پورا متاثر ہو چکا ہو۔ اب اس وقت اگر وہ صرف قرآن شریف کا ایک رکوع یا واعظ اور مذکر اپنے وظیفہ کے مضامین میں کی ایک آیت ہی پڑھ دیگا اور زیادہ تفصیل نہ سہی صرف اسکا ترجمہ ہی

کر کے عوام الناس کو سنا دیگا تو مجھے یہ یقین ہے کہ اسکا صرف اتنا بیان بھی غیر متاثر القلب کے لئے بھی تقریروں سے زیادہ نافع ہوگا۔ اور فائدہ اسکا لازم بھی ہوگا اور متعدی بھی۔ یعنی اس کا دوسروں پر بھی اثر ہوگا اور خود اس کو بھی اجر ملے گا۔

نمونہ کے طور پر قرآن کریم کی چند آیات آپ کے سامنے تلاوت کرتا ہوں اور آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ بتائیے قلوب کو متاثر کرنے کے لئے یہ بیان کچھ کم ہے۔

سنئے! اللہ تعالیٰ ایک جگہ دوزخیوں کا اور دوزخ میں ان کے کھانے وغیرہ کا کیا ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

إِنَّ شَجَرَةَ النَّارِ قَوْمٌ طَعَامُ الرَّحِيمِ ۝ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ
كَغَلِيِّ الْحَمِيمِ ۝ خَذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْحَجِيمِ ۝ ثُمَّ صَبُّوا
فَوْقَ رَأْسِهِ مِثْرًا مِّنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۝ ذُوقْ أَلْظَمَ الْكَرِيمِ ۝
إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝

(سورہ دخان ۲۵)

ترجمہ :- بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جو تیل کی پلچھن جیسا ہوگا اور پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھوتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو، پھر گھیٹے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑو (اور اس سے استہزا کیا جاوے گا کہ) لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے (اور دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

اور پھر اس کے بعد جنتیوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-
 اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ فِيْ جَنَّتٍ وَعِيُوْنَ ۝ يَلْبَسُوْنَ مِنْ
 سُنْدُسٍ وَّاَسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَرَوَّجْنٰهُمْ مَّجُوْبِيْنَ عِيْنٍ ۝
 يَدْخُوْنَ فِيْهَا كُلِّ فَاكِهَةٍ اَمِيْنٍ ۝ لَا يَمْنَعُ وَتُوْنٌ فِيْهَا الْمَوْتُ اِلَّا الْمَوْتَةَ
 الْاُولٰٓئِ وَوَقَّعُھُمْ عِنْدَ اَبِ الْجَحِيْمِ ۝ فَضَلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ
 فَاِنَّمَا بُسِّرْتُمْ بِمِلْسَانِكَ لَعَلَّھُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنَّ لِّعَبٰدِ اِلٰھِمْ
 مُّرْتَبُوْنَ ۝

(سورہ دخان)

بیشک خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہونگے۔ یعنی باغوں میں اور نہروں میں۔
 وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیر ریشم کا۔ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ بات اسی طرح
 ہے اور ہم انکا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے۔ اور وہاں وہ
 اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہونگے اور وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں
 آچکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ انکو دوزخ سے بچالیکا
 یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ بڑی کامیابی یہی ہے جو ہم نے
 اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ نصیحت قبول کریں تو آپ
 منتظر رہئے یہ لوگ بھی منتظر رہیں۔

(بیان لقمان)

سبحان اللہ کلام کی شوکت اور شان ملاحظہ فرمائیے، کوئی اہل دل اگر صرف ان
 آیات کو تلاوت ہی کر دے اور صرف ترجمہ ہی کر دے تب بھی اہل ایمان کے
 قلوب ہل جائیں اور بدن میں کپکپی ہونے لگے۔ یہی مطلب میرا تھا کہ اصلاح کے لئے
 لوگ قرآن شریف کا وعظ کیوں نہیں کہتے۔ صرف قرآن بھی اصلاح کے لئے کافی ہو
 اور اس میں بھی جو تفصیل جنت و دوزخ اور آخرت میں نشر و نشر کی بیان کی گئی ہے وہ احادیث
 کے مقابلہ میں گو کم سہی تاہم فی نفسہ وہ بھی بہت ہے۔

اور سنئے !

ایک اور مقام پر مسیئین اور محسنین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
 اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَ
 عملُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

(سورہ دخان)

یہ لوگ جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انکو ان لوگوں کے
 برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ اُن سب کا جینا اور مرنا
 یکساں ہو جاوے۔ یہ بُرا حکم لگاتے ہیں۔

(بیان لہتر آن)

اس کے شان نزول کے متعلق صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ

والاٰیة وان كانت فی الکفار علی ما نقل عن البحر وهو ظاهر
 ماروی عن الکلبی من ان عتبة وشيبة والولید ابن عتبة قالوا
 لعلی کرم الله وجهه وحمزةؓ والمومنینؓ واللہ ما انتم علی شیء
 ولئن کان ما تقولون حقاً لحالنا افضل من حالکم فی الآخرة کما هو
 افضل فی الدنیا فنزلت الاٰیة اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ
 هٰی متضمنة للرد علیہم علی جمیع اوجہہا کما لعرف بادی تدبر ویستنبط
 منها بتاٰین حالی المؤمن الطائع والمؤمن العاصی وبہذا کان
 کثیر من العباد یکون عند ملاوتہا حتی انها تسمی سبکاة العابدین

(روح المعانی ص ۲۵)

اور یہ آیت اگرچہ کفار کے متعلق ہے جیسا کہ بحر سے منقول ہے اور یہی کلبی کی
 اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عتبہ و شیبہ اور ولید بن عتبہ نے حضرت علیؓ
 حضرت حمزہؓ اور دیگر مومنین سے کہا، خدا کی قسم! تمہارا دین تو کچھ بھی نہیں ہے، اور
 اگر بالفرض دنیا میں تم لوگوں کی باتیں حق بھی ہوں تب بھی ہمارا حال جس طرح

سے کہ دنیا میں تم سے بہتر ہے اسی طرح آخرت میں بھی بہتر ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ يَّهْدِيَهُمْ اللّٰهُ سُبُلَ الدِّينِ اَمْ يَكُنْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (سورہ اعراف ۳۱)۔
 رد کو متضمن ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے اس سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ مومن مطیع اور مومن عاصی کے احوال بھی متباہن ہوتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے عباد اس کو تلاوت کر کر کے روتے تھے چنانچہ اس آیت کا لقب بھی مبکاة العابدین (یعنی عابدوں کو رلانے والی) ہو گیا۔

دیکھئے جس زمانہ میں لوگوں میں قرآن شریف کی تلاوت اور اس سے اثر لینے کا معمول تھا تو لوگ صرف اسی ایک آیت سے کیسا کیسا اثر قبول کرتے تھے اور دل ہی جب اثر سے خالی ہو تو پھر ایک آیت کیا سارا قرآن بھی اسکے لئے ناکافی ہو انسان جب اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ
 اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ اَلَمْ يَكُنْ اَنْ اَمْ عَلَىٰ قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔

(سورہ محمد)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

(بیان ہترآن)

اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ باقی عام قفل کا تو یہ قاعدہ ہے کہ وہ کنجی سے کھل بھی جاتا ہے لیکن قلب پر جب قفل پڑ جاتا ہے تو پھر بڑی مشکل سے کھلتا ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں یہ دعا مانگی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَفْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِكْرِكَ وَاَنْتُمْ عَلَيْنَا بِغَمَّتِكَ وَاَسْبِغْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَاَجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(مناجات مقبول ۵۳)

یا اللہ کھول دے قفل ہمارے دلوں کے اپنے ذکر سے اور پورا کر ہم پر اپنی نعمت کو اور کامل کر ہم پر اپنا فضل اور کر دے ہمیں اپنے نیک بندوں میں سے

ایک اور جگہ قیامت کا کیسا نقشہ کھینچتے ہیں۔ سنئے فرماتے ہیں:-
 وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَُوْمَ عِلٰلٍ
 يَخْسِرُوْنَ الْمُبْتَطِلُوْنَ ۝ وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتَابِهَا
 الْيَوْمَ تُحْزَنُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ
 اِنَّا كُنَّا نَسْنَخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
 يَدْخُلُوْنَ فِيْ رَحْمَتِ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ
 كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تَتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ تُؤْمَرُوْنَ
 وَ اِذَا قِيلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَ السَّاعَةُ لَآتِيَةٌ فَيَسْأَلُكُم مَّا تَدْرِى
 مَا السَّاعَةُ اِنْ نُّظِرُّ اِلَّا طَنَآءٌ مَّا الْحَنُ بِمُسْتَتِقِيْنَ ۝ وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ
 مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِئُوْنَ ۝ وَ قِيلَ الْيَوْمَ نَنْسُكُمُ كَمَا
 نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اَوْ مَا وَكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِنْ نَّاصِرِيْنَ ۝
 ذٰلِكُمْ بِاَنكُمْ اَخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُرًّا وَاَوْغَرْتُمْ اَلْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَا لِيَوْمٍ
 لَا يُخْرِجُوْنَ مِنْهَا وَاَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ فَلِلّٰهِ الْحُكْمُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ رَبِّ الْاَرْضِ
 رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبَرِيَّاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ
 الْحَكِيْمُ ۝

(سورہ جاثیہ)

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس روز قیامت
 قائم ہوگی اس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے
 کہ زانو کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائیگا۔ آج
 تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک
 بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال کو لکھوائے جاتے تھے۔ جو لوگ ایمان لائے تھے اور
 انھوں نے اچھے کام کئے تو انکو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح
 کامیابی ہے۔

اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جاوے گا کہ) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا تھا اور تم بڑے مجرم تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے۔ اور ہم کو یقین نہیں اور انکو اپنے تمام بُرے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ انکو آگھیرے گا اور کہا جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ اسوجہ سے ہے کہ تم نے خدائے تعالیٰ کی آیتوں کی کہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے! درنہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا۔ سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا۔ پروردگار ہے تمام عالم کا اور اسی کو بڑائی ہے آسمان اور زمین میں اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے۔

(بیان القرآن)

دیکھئے ان آیات میں قیامت کا کیسا منظر سامنے کر دیا اثر ڈالنے کے لئے یہ مضمون اور یہ آیتیں کچھ کم ہیں۔ اگر کوئی اس سے متاثر نہ ہوگا تو وہ دوسری اور کتا بوں سے بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ مگر جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اثر ڈالنے کے لئے بیان کرینوالے کا خود بھی تاثر ہونا شرط ہے۔

ایک اور جگہ جنت اور دوزخ کی کیفیت بیان کر کے جنت کی ترغیب اور جہنم سے ترہیب کس عنوان سے فرما رہے ہیں سنئے۔
ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

مثل الجنة التي وعد المتقون تجري من تحتها الانهار اكلها دائم وظلها تلك عقبى الذين اتقوا وعقبى الكافرين النار ۵

اور جس جنت کا متقیوں سے (یعنی شرک و کفر سے بچنے والوں سے) وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت ہے کہ اس (کی عمارات اور اشجار) کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا۔ یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔

(بیان القرآن)

ایک اور جگہ عذاب کفار کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-
 وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۚ مُمِطِعِينَ مُقْنِعِينَ رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَنْقَدَتْ لَهُمْ هَوَاءُ ۚ وَاتَّخَذَ النَّاسُ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ لِقَوْلِ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نَجِبْ دَعْوَتَكَ وَتَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أُولَٰئِكَ تَكُونُوا آفَئِئْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا كُنْتُمْ مِنْ ذَوَالِ ۚ وَكَانَتْ فِي مَسْكِ الْكَافِرِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَبَيَّنَّ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآمَثَالَ ۚ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۚ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۚ يَوْمَ يُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۚ وَتَرَىٰ الْجُحْرَ مِثْنًا يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۚ سَرَابِطُهُمْ مِنْ قَطَرٍ يَنْفُشُ ۚ وَجُوهُهُمُ النَّارُ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۚ هَٰذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ الْوَاحِدُ وَلِيُنذَرُوا أُولَٰئِكَ الْآلَاءُ ۚ

(سورہ ابراہیم)

اور (اے مخاطب جو کچھ یہ ظالم لوگ کر رہے ہیں۔ ان سے خدا تعالیٰ کو۔ بخبر مت سمجھ ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں

بھٹی رہ جائیں گی۔ دوڑتے ہونگے اپنے سر اوپر اٹھا رکھے ہوں گے ان کی نظر انہی طرف ہٹ کر نہ آوے گی اور انکے دل بالکل بدحواس ہوں گے اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپڑیگا پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کو مہلت دیجئے (اور دنیا میں پھر بھجودیکھئے) ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے (جواب میں ارشاد ہوگا کہ کیا ہم نے دنیا میں تم کو مہلت طویلہ نہ دی تھی) اور کیا تم نے (اس مہلت کے طول ہی کے سبب) اس کے قبل (دنیا میں) قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تم کو کہیں جانا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی ذات کا نقصان کیا تھا اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا۔ اور ہم نے تم سے مثالیں بیان کیں اور ان لوگوں نے اپنی سی بہت بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے بہاڑ بھی ٹل جاویں۔

بس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے۔ جس روز دوسری زمین بدل دیجاوے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہونگے۔ اور تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا۔ انکے کرتے قطران (تارکول) کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہوئی ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کی سزا دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی جلد حساب لینے والا ہے یہ لوگوں کے لئے احکام کا پہونچا تا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جاویں اور تاکہ اس بات کا یقین کر لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے۔ اور تاکہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

(بیان فقرات)

ایک اور مقام پر مخالفت اور معصیت سے ترہیب کے لئے پچھلی امتوں کے واقعات کا کیا ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَمُتْسِدُونَ فِي الْأَمْصِ مَاتَيْنِ
وَلَعَلَّكُمْ عَلَوًا كَبِيرًا ۖ فَآذَاجَاءَ وَعْدُ أُولَاهَا ۖ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا
أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۚ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ
الْكِسَاءَ عَلَيْهِمْ ۖ وَأَمَدَدْنَا لَكُمْ بِلُؤْلُؤٍ مَّنِينٍ ۚ وَجَعَلْنَا لَكُمْ لُؤْلُؤًا نَافِرًا ۚ إِنَّ
أَحْسَنَ مَا أَحْسَنَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ ۚ وَإِنْ أَسَأَلْتُمْ فَلَهَا ۚ فَآذَاجَاءَ وَعْدُ الْآخِرِ
لِلنَّاسِ ۚ وَأَوْجُوهُمْ ۚ وَلَيْسَ خُلُوعُ الْمَسْجِدِ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَلِيُتَبَرَّوْا
مَا عَلَوْا ۚ تَتَّبِعِرَاهُ عَسَىٰ مَا يَكُمُ أَنْ تَبْرَحَهُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُمْ عَدُنَا ۖ وَجَعَلْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۚ (بنی اسرائیل)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلا دی تھی کہ تم سرزمین میں دوبار
خرابی کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے۔ پھر جب ان دوبار میں سے پہلی بار کی میعاد
آوے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر
وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر جب تم
نادم و تائب ہو گے تو پھر ان پر تمھارا غلبہ کر دیں گے اور مال اور بیٹوں سے تمھاری
جماعت بڑھا دیں گے۔ اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے نفع کے لئے اچھے کام کرو گے
اور اگر تم بُرے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی تو ہم
پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ تمھارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد
میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس چیز پر ان کا زور چلے سب کو
برباد کر ڈالیں۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اس بعث ثانی کے بعد جب دورہ شریعت محمدیہ
کا ہو تم مخالفت و معصیت سے باز آ کر شریعت محمدیہ کا اتباع کر لو تو (عجب نہیں کہ تمہارا
رب تم پر رحم فرمادے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔

اور ہم نے جہنم کا فروزا جیل خانہ بنا رکھا ہے۔ (بیان لقمان)
 اسی طرح سے ایک موقع پر اول تو شاہانہ استغناء کیساتھ کلام شروع فرمایا، پھر
 اس کے بعد نافرمانوں کو حاکمانہ انداز سے تنبیہ فرمائی اور مطیعین پر اپنی انتہائی
 شفقت کا اظہار فرمایا، ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وَقُلِ الْحَقُّ مِنِّي مَّا يَكُمُ فِتْنَةٌ فَكُلُوا مِن شَاءَ فَلْيُكْفِرُوا إِنَّا
 اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَامًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا
 يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ
 مُرْتَفَقًا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّمَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ
 عَمَلًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 يُكَلِّفُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ
 سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَكُمْ فِيهَا الثَّوَابُ وَ
 حَسُنَتْ لَكُمْ تَفَقَّاهُ (سورہ کہف)

اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جس کا جی چاہے ایمان
 لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔ بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار
 کر رکھی ہے کہ آگ کی قسائیں انکو گھیرے ہوں گی اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی
 سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی پلچھٹ کی طرح ہوگا۔ موٹھوں کو بھون ڈالیں گے
 کیا ہی بُرا پانی ہوگا۔ اور وہ دوزخ کیا ہی بُری جگہ ہوگی۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع
 نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔ انکے
 نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ
 کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے۔ وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے
 ہوں گے۔

کیا ہی اچھا صلہ ہے اور کیا ہی اچھی جگہ ہے۔ (بیان لقمان)
ایک جگہ حق تعالیٰ کے سامنے مجرمین کی پیشی اور وہاں انکی بیکسی اور بے بسی کا نقشہ
کیسا کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

وَبَرِّزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا لَأَنُكَلِّمُكُمْ
بَعْدَ فَهْلٍ أَنتُمْ مَعْنُونٌ عَنَّا مِنَّ عَذَابٍ اللَّهِ مِنَّ شَيْءٍ قَالُوا لَوْ هَدَانَا
اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُنَا أَمْ صَبْرُنَا مَا لَنَا مِنَ الْحِسَابِ ۝

(سورہ ابراہیم)

اور خدا کے سامنے سب پیش ہوں گے۔ پھر چھوٹے درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے
لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ جزو ہم سے
ہٹا سکتے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو راہ بتلانا تو ہم تم کو بھی بتلا دیتے۔ ہم
سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں۔ ہمارے بچنے
کی کوئی صورت نہیں۔ (بیان لقمان)

بعض روایات میں ہے کہ یہ لوگ پانچ سو برس تک جزع فزع کریں گے اور پھر پانچ سو
برس تک صبر کریں گے مگر سب بیکار ہوگا۔

قَالَ مَقَاتِلٌ يَقُولُونَ فِي النَّارِ تَعَالَوْا لِنَجْزِعَ فَيَجْزِعُونَ حَمْسَ مِائَةٍ

عَامٍ فَلَا يَنْفَعُهُمُ الْجُزْعُ فَيَقُولُونَ تَعَالَوْا لَنَصْبِرَ فَيَصْبِرُونَ خَمْسَ مِائَةٍ

عَامٍ فَلَا يَنْفَعُهُمُ الصَّبْرُ فَخَيَّرَهُمُ اللَّهُ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُنَا أَمْ صَبْرُنَا مَا لَنَا
مِنْ الْحِسَابِ ۝

منقول از تفسیر طبرسی ص ۱۳۱

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ وہ لوگ دوزخ میں آئیں گے کہ آؤ فسر یاد
کریں، پس وہ لوگ پانچ سو سال تک جزع فزع کریں گے۔ لیکن کچھ نفع نہ ہوگا، پھر کہیں گے
کہ آؤ اب صبر ہی کر کے دیکھیں، چنانچہ پانچ سو سال تک صبر کریں گے۔ مگر صبر سے بھی نفع نہ
ہوگا۔ اس وقت کہیں گے کہ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں
خواہ ضبط کریں۔ ہمارے چھٹکار کی کوئی صورت نہیں۔

ایک جگہ جنت اور اہل جنت کا ذکر کر کے کس مؤثر عنوان سے اس کی جانب ترغیب اور تشویق فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

إِنَّ الْكَبَرَادَ لَفِي لَعْنِمِهِ عَلَى الْأَمْرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۝ لَعْنَةُ فِئَةٍ
وَجُوهِهِمْ نَصْرَةً النَّعِيمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُمٍ ۝ خَمَمُهُمْ سِكِّطٌ
وَفِي ذَلِكَ قَلِيلًا قَلِيلًا ۝ الْمُنَافِسُونَ ۝ وَهِيَ أَجْحَهُ مِنْ لَسَنِ ۝ عَيْنًا
لَيَسْرِبَ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا
كُنُوا لَهُمْ يَغْمُزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝
وَإِذَا أَرَادُوا هُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُونَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ۝
فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۝ كُلُّ
تُوبٍ الْكُفَّارِ مَا كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ (سورة التطفيف)

نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے۔ مسہریوں پر بیٹھے بہشت کے عجائبات دیکھتے
ہونگے۔ اے مخاطب تو انکے چہروں سے آسائش کی بشارت پہچانے گا۔ ان کو پینے کے
لئے شراب خالص سرمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی
ہی چیز کی حرص کرنا چاہئے اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے
مقرب بندے پئیں گے۔

جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے سامنے
سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے اور جب اپنے گھروں
کو جاتے تھے تو دل لگساں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ
یقیناً غلطی میں ہیں حالانکہ یہ لوگ ان پر نگرانی کرنے والے کر کے نہیں بھیجے گئے۔ سو
آج ایمان والے کا فروں پر ہنستے ہونگے مسہریوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے
ہوں گے۔ واقعی کا فروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔ (بیان القرآن)

ایک جگہ منکرین کی تعذیب کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح پر شوکت انداز میں کلام

فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ:-

وَالْجُحْرُوهَ وَلَيَالٍ عَشْرٍه وَالشَّفْعَ وَالْوَتْرَہَ وَالْأَيْلَ إِذَا أَيْسَرِهَ هَلْ
فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حُجْرٍه أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍه إِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِہ
الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِہ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِأُلُوَادِہ
وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِہ الَّذِينَ طَعَنُوا فِي الْبِلَادِہ فَاكْتَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍه إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُنْصَادِہ

(سورة الفجر)

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور حفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ
چلنے لگے۔ کیونکہ اس میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں
کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے
قد و قامت ستون جیسے تھے جن کے برابر شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا۔
اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادی القریٰ میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے اور مینحوں
والے فرعون کے ساتھ جمنوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں فساد
مچا رکھا تھا، سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا گڑا برسایا۔ بیشک آپ کا رب
گھات میں ہے۔ (بیان القرآن)

میں یہی آپ سے کہنا چاہتا تھا، کہ واعظ اور مذکر کا جو وظیفہ ہے، اللہ
تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو علی وجہ لافہذید علیہ بیان فرمادیا ہے۔ انہیں
چیزوں کی کچھ تفصیل حدیث شریف میں آئی ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں حوض کوثر
نہر، باغ، محل وغیرہ کا ذکر ہے اور حدیث میں اس کی وسعت اس کے دروازے
جنت کے برتنوں اور پیالوں کی تعداد وغیرہ کا بیان ہے جس سے مزید معلومات
توضو رہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب مقاصد قرآن نہیں ہیں۔ جتنا حصہ بیان سے
مقاصد قرآن میں سے تھا وہ پورا پورا قرآن شریف میں مذکور ہے اور یہ اس لئے
کہ قرآن کریم شاہی قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور بادشاہوں کا کلام مجمل ہی ہوتا

ہے۔ اس کی شرح و زراہ فرماتے ہیں۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف سے وعظ کہنا اور اس کا وعظ کہنا آج لوگوں نے بالکل چھوڑ ہی دیا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین اس کی ایک ایک آیت سے متاثر ہوتے تھے اور دوسروں کو متاثر کرتے تھے اور لوگ شب کی تنہائی میں جس چیز سے اپنا غم غلط کرتے تھے وہ تلاوت قرآن ہی ہوتی تھی صحابہ کرام تہجد کی فریضت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی شب کو اٹھتے تھے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہوتے تھے۔ اس کے متعلق چند آیتیں سنئے اور پھر اس کی تفسیر بھی سنئے:-

ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ
وَتَقْلُبُكَ فِي السَّجْدِ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اور آپ خدا کے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

(بیان القرآن)

اس کے تحت صاحب کشف لکھتے ہیں:-

(عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ) عَلَى الَّذِي يَقْهَرُ أَعْدَاءَكَ بَعَثَتْهُ وَبَنَصَرَكَ عَلَيْهِمْ بِرَحْمَتِهِ۔ ثُمَّ اتَّبَعَ كَوْنَهُ رَحِيمًا عَلَى رَسُولِهِ مَا هُوَ مِنْ أَسْبَابِ الرَّحْمَةِ وَهُوَ ذَكَرُ مَا كَانَ يَفْعَلُهُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ مِنْ قِيَامِهِ لِلتَّجِدِ وَتَقْلِبِهِ فِي تَصَفُّحِ أَحْوَالِ الْمُتَجِدِّينَ مِنْ أَصْحَابِهِ يَطْلُعُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ وَيَسْتَبْطِنُ أَسْرَارَهُمْ وَكَيْفَ يَعْبُدُونَ اللَّهَ وَكَيْفَ يَعْمَلُونَ لِآخِرَتِهِمْ كَمَا يَحْكِي أَنَّهُ حِينَ نَسَمُ فَرَضَ قِيَامَ اللَّيْلِ طَائِفَ تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِوَتِ أَصْحَابِهِ لِيَنْظُرَ مَا يَصْنَعُونَ لِحُرْصَةٍ عَلَيْهِمْ وَعَلَى مَا يَوْجِدُ مِنْهُمْ مِنْ فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَتَكْثُرِ الْحَسَنَاتِ فَوَجَدَهَا كِبُوتَ الزَّنَابِيرِ لَهَا سَمْعٌ مِنْهَا مَنْ وَبَدَّ بِتَهْمٍ بِذِكْرِ اللَّهِ وَالتَّلَاوَةِ (كشاف ص ۳۷)

آپ توکل کیجئے عزیز رحیم پر۔ یعنی اس ذات پر جس نے کہ آپ کو عزت دے کر آپ کے دشمنوں کو مقہور و مغلوب کر دیا اور اپنی رحمت سے آپ کی ان کے مقابلہ میں نصرت فرمائی، اپنے رسول پر اپنا رحیم ہونا بیان کر کے پھر اسباب رحمت کو بیان فرمایا۔ یعنی اس چیز کا ذکر فرمایا جو آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادت شریفہ تھی یعنی ہتجد کے لئے آپ کا شب میں قیام فرمانا اور اپنے ہتجد پڑھنے والے اصحاب کے تقیث احوال کے لئے ادھر ادھر آنا جانا تاکہ وہ تو نہ جائیں اور آپ ان کے (ظاہری حالات سے ان کے) قلبی حالات اور کیفیت عبادت معلوم فرمائیں نیز یہ دیکھیں کہ یہ لوگ خدا اور آخرت کے لئے کیسا عمل کرتے ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ جب کہ قیام لیل کی فرصت منسوخ ہو گئی تو اسی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے حجروں اور ان کے گھروں کا چکر لگایا تاکہ آپ دیکھیں اب یہ لوگ کیا کرتے ہیں (یعنی فرصت ہتجد منسوخ ہونے کی وجہ سے اب اس کو ترک کر دیتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور محبت نیز ذکر اللہ سے انس ہو جانے کی وجہ سے اب بھی پڑھتے ہیں) اور یہ اس لئے کہ آپ ان سب پر ان کے طاعات کرنے پر اور ان کی تکثیر حسنات پر حریص تھے (چاہتے تھے کہ لوگ یہ سب کام زیادہ سے زیادہ کریں) چنانچہ آپ نے ان کے حجروں اور گھروں کو بھڑوں کے چھتوں کے ماتہ پایا۔ یعنی یہ کہ ان میں سے آہستہ آہستہ ذکر اللہ اور تسبیح کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آواز کی گنگناہٹ سنائی دے رہی تھی جو بھڑوں کی بھنبھاہٹ کے مشابہ تھی۔

نیز اس کے آگے کی آیتیں سنئے، ارشاد فرماتے ہیں :-

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۖ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۚ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُهُمْ كَذِبُونَ ۚ وَالشَّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْفَأْوَنُ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۚ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۚ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۚ

کیا میں تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں پر اُترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بدکردار ہوں اور جو کان لگاتے ہیں اور بکثرت جھوٹ بولتے ہیں اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور انھوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔ (بیان القرآن)

اس آخری آیت کے متعلق کشاف میں ہے کہ۔

ومعناها ان الذين ظلموا يطعمون ان يتقلوا من
عذاب الله وسيعلمون ان ليس لهم وجه من وجوه
الانفلات وهو لنجاة الله اجعلنا ممن جعل هذه الآية
بين عينيه فلم يعقل عنها۔

معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ہے ان کی خواہش تو یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھوٹ جائیں حالانکہ عنقریب وہ لوگ جان لیں گے کہ چھٹکارے اور نجات کے اسباب میں سے ان کے پاس کوئی بھی سبب نہ ہوگا۔ اے اللہ تو ہمیں بھی ان لوگوں میں سے کر دے جنھوں نے اس آیت کو اس طرح سے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ لیا ہے کہ ذرا دیر کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔

نیز لکھتے ہیں:-

ختم السورة بآية ناطقة بما لا شيء اهي بمنه واهول
ولا انكى لقلوب المتأملين ولا اصدق لا كباد المتدبرين
وذلك قوله (وسيعلم) وما فيه من الوعيد البليغ وقوله

(الذین ظلموا) واطلاقہ و قوله (ای منقلب ینقلبون) وایہا
و قد تلاھا ابوبکرؓ لعمریٰ حین عہد الیہ وکان السلف الصالح
یتواعظون بہا ویتناذرون شدتہا۔

(کشاف ص ۱۳ ج ۳)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو ایسی آیت پر ختم کیا جس کا مضمون ایسا ہے
کہ کوئی شخص اس سے بڑھ کر ہول اور خوف کی نہیں ہے اور نہ غور و فکر اور تدبیر کرنے
والوں کے قلب و جگر کو رنج و الم دینے والی، بلکہ اس کو پاش پاش کرنے والی ہے
اور اس مضمون کو سید علم کے وعید بلغ اور الذین ظلموا کے اطلاق اور ای
منقلب ینقلبون کے ابہام کے ذریعہ ادا فرمایا گیا ہے اور اسی آیت کو حضرت ابوبکر
صدیقؓ نے بوقت سپردگی خلافت حضرت عمرؓ کے رو برو تلاوت فرمایا تھا اور سلف
صالحین کا اس کے ذریعہ سے باہم وعظ وفسر مانا اور ایک دوسرے کو ڈرانا ہمیشہ
سے معمول رہا ہے۔

دیکھئے اس آیت کو مصنف تمام آیات سے زیادہ اہیب۔ اہول۔ انکی نقول
المتاملین اور اصدع لا کباد المتدبرین فرما رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں
کہ اسلاف اسی کا وعظ کہتے تھے اور اس کی شدت سے ایک دوسرے کو ڈراتے
تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متقی شخص کو حضرت صدیقؓ نے خلافت سپرد فرمائی ہے تو
اس وقت یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔

میں نے بھی جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب میں دیکھا کہ ایک شاگرد
خاص نور اللہ نامی کی اولاً بہت تعریف فرمائی چنانچہ یہ فرمایا ہے

لقد بلوتک فی سلم و فی عتب فما وجد تک الا خالص الذہب

ولم لستم بنوم اللہ الا لانیہ عما قلیل تکنون النور فار تقب

تحقیق میں نے تم کو صلح اور نرمی میں بھی آزمایا اور غصہ اور عتاب میں بھی آزمایا لیکن
بہر حال تم کو خالص سونا ہی پایا یعنی ہر امتحان میں تم پودے اترے

اور تمہارا نام جو نور اللہ ہے تو یہ اسی لئے ہے کہ
عنقریب تم نور ہو جاؤ گے (انشاء اللہ) وقت کا انتظار کرو۔

(تفہیمات - ج ۱)

اور پھر انکو اجازت بھی دی لیکن آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ۔
فَانْ وُقِیْ بِالْشَّرْطِ قَدْ لَکَ ظَنِّیْ بِہِ وَاَنْ نَّکْتُ فَمَیْلَعُکُمْ الَّذِیْنَ
ظَلَمُوْا اَیُّ مِّنْقَلَبٍ یَّتَّخِلُوْنَ ۝

(تفہیمات - ج ۱)

پس اگر انھوں نے سب شرائط کو پورا کیا تو (سبحان اللہ) اور مجھے ان سے یہی
توقع بھی ہے اور اگر (خدا نخواستہ) میرے عہد کو توڑا تو عنقریب انکو معلوم ہو جائے گا
جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔
تو مجھے تعجب ہوا کہ ایسے شخص کے بارے میں شاہ صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں۔ مگر اس
روایت کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ سنت صدیقی ہے۔

بہر حال سلف صالحین کے نزدیک جو آیت 'اس درجہ اہتمام کی تھی اور وہ حضرات
اسکا اتنا اثر لیتے تھے۔ آج ہم اس پر سے کس طرح گزرتے ہیں۔ ہم بھی اسکو پڑھتے ہیں،
مگر قلب پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ بس اسی کی ضرورت ہے کہ پہلے حضرات اہل علم آیات
قرآنیہ سے خود متاثر ہوں اور اس کی تلاوت کو اپنا وظیفہ بنائیں اس کے بعد جب
دوسروں کو سنائیں گے تب ان پر بھی اثر ہوگا۔ مگر اپنی اس خامی کو یہ لوگ محسوس کرتے
ہیں، اسی لئے جب اپنی تفسیر کا دوسروں پر اثر ہوتا نہیں دیکھتے تو اشعار وغیرہ
پڑھ کر اس کو مؤثر بنانا چاہتے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے قلب میں قرآن شریف
سے اثر قبول کرنے کی استعداد اور اس کا مادہ پیدا فرمادے تو اس کا آیات
قرآنیہ کا سیدھا سادا پڑھ دینا وعظ سننے والوں میں اثر پیدا کر دے جیسا کہ
ہونا چاہئے۔

اسی طرح موت اور مابعد الموت کے بیان میں ایک حدیث نقل کرتا ہوں
اور یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسے ہی مضامین کے بیان کرنے کی

ضرورت ہے۔

(عن ابی سعید الخدریؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول
اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال علی اعناقہم فان كانت صالحة
قالت قد موتی وان كانت غیر ذلک قالت لاہلہا یا ویلہا ایت
بذلہون بہا یسمع صوتہا کل شیء الا الانسان ولو سمع الانسان
لصعق۔ (رواہ البخاری)

(باب قول المیت وهو علی الجنازة تد موتی)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
تھے کہ جب میت کو تابوت میں رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کو کاندھوں پر اٹھا کر (قبرستان
کی جانب) لے چلتے ہیں تو اگر وہ مردہ صالح ہوا تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو، اور
اگر ایسا نہ ہوا تو اپنے رشتہ داروں سے کہتا ہے، ہلاکت ہو میرے لئے یہ تم لوگ مجھ کو کہاں
لئے جا رہے ہو (اور) اس کی اس آواز کو تمام چیزیں سنتی ہیں، سوا انسان کے اور اگر
انسان بھی کہیں سن لے تو بیہوش ہو کر گر جائے۔

آخر میں جی چاہتا ہے کہ علم اور علماء کی فضیلت سے متعلق بخاری شریف کا ایک
ترجمہ الباب اور فتح الباری سے اس کے بعض حصص کی شرح لکھ دوں جو مضمون ہذا سے
غیر مربوط بھی نہیں ہے اس لئے اسکا بیان بے محل نہ ہوگا۔ وہ ہذا۔

باب العلم قبل القول والعمل لقول الله تعالى فاعلم انه لا اله الا الله فبدأ بالعلم وان العلماء ورثة الانبياء ومن ثواب العلم من
اخذہ اخذ بحظوافرومن سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له
طريقا الى الجنة۔ وقال جل ذكرہ انما يخشى الله من عباده العلماء
وقال ما يعقلها الا العالمون وقالوا لو كنا نسمع أو نعقل ما كنا في
اصحاب السعير وقال هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون
وقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم من يزد الله به خيرا يفقره

فی الدین وانما العلم بالتعلم۔ (بخاری شریف ۱۷۰)

باب اس میں کہ علم قول اور عمل سے پہلے ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاعلم انہ لا اله الا الله اور اس میں ابتداء علم ہی سے فرمائی ہے اور یہ کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور یہ کہ انبیاء علم ہی کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے اس کو اس نے بڑا حصہ پایا۔ اور یہ کہ جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلا جس کے ذریعہ سے علم طلب کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ سہل فرمادیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے خشیت رکھتے ہیں اور فرمایا کہ ان کو نہیں سمجھ سکتے مگر علماء۔ اور فرمایا کہ یہ کفار کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے، نیز فرمایا کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔ اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین میں تفقہ مرحمت فرمادیتے ہیں اور علم تو تعلم یعنی سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ آگے فتح الباری سے اس کی تشریح ملاحظہ فرمائی جائے۔

(قوله باب العلم قبل القول والعمل) قال ابن المنير اراد به ان العلم شرط في صحة القول والعمل ولا يعتبر ان الالبه فهو مقدم عليها لا انه مصحح للية المصححة للعمل فبینه المصنف على ذلك حتى لا يسبق الى الذهن من قولهم ان العلم لا ينفع الا بالعمل بهوين امر العلم والتساهل في طلبه۔

(قوله وما يعقلها) اي الامثال المضروبة (قوله لو كنا نسمع) اي سمع من يعي ويفهم (قوله او نقول) عقل من يميز وهذه اوصاف اهل العلم فالمعنى لو كنا من اهل العلم لعلمنا ما يجب علينا فعملنا به فنجونا۔

(فتح الباری ص ۱۸۱ ج ۱)

مصنف نے یہ جو فرمایا کہ علم کا درجہ قول اور عمل سے پہلے ہے، تو ابن منیر فرماتے ہیں کہ علماء کے لئے یہ شرط ہے کہ ان کا دماغ عقلاً اور لفظاً سمجھنے والا ہو اور ان کو علم کے مطابق عمل کرنے کی قوت ہو۔

دونوں بدون اس کے معتبر ہی نہیں ہیں لہذا علم ان دونوں سے مقدم ہوا اس لئے کہ وہی نیت کو صحیح کرنے والا ہے جو کہ عمل کو درست کرنے والی ہے۔ پس مصنفؒ نے اس پر اس لئے تبنیہ فرمائی کہ مبادا لوگوں کے اس مقولہ سے کہ علم بدون عمل کے نافع ہی نہیں ہوتا۔ علم کی ناقدری یا اسکے طلب میں سستی کا خیال کسی کے ذہن میں راہ نہ پا جائے۔

اور نہیں سمجھتے ان کو یعنی ان امثال کو جو کہ بیان کی جاتی ہیں۔ ”کاش کہ ہم سنتے“ یعنی سن کر بات کر اسکو سمجھنے اور محفوظ رکھنے والوں کا سنا سناتے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”کاش ہم سمجھتے“ یعنی سمجھنا اس شخص جیسا جو اشیاء کے نیک و بد کی تمیز بھی کرتا ہو اور یہ دونوں چونکہ اہل علم کے اوصاف میں سے ہیں لہذا مطلب یہ ہوا کہ کاش ہم بھی اہل علم میں سے ہوتے تو اپنے ذمہ جو امور واجبہ تھے ان کو جانتے اور عمل کرتے تاکہ نجات پاتے۔

حضرت بخاریؒ نے تو یہاں صرف سورہ ملک کی ایک ہی آیت لی ہے۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ

یعنی اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔ لیکن اس کے آگے فرماتے ہیں کہ:-

فَاعْتَرَوْا بِذُنُوبِهِمْ فَتَحَقَّ لَهُمْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ

یعنی۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔

ان میں دوزخیوں کا بیان ہے کہ دوزخ میں جا کر اقرار کریں گے کہ دنیا میں ہم نے سماع قبول نہیں کیا تھا اور عقل و فہم سے کام نہیں لیا تھا اور اب یہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور وہاں اپنے گناہ پر نادم ہوں گے۔ حیث لا ینفعہم الندم۔ اس کے بعد والی آیت میں مومنین کا بیان ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ

یعنی۔ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے

مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اس میں انکی جزاء یعنی مغفرت اور اجر کبیر کو ان کی دنیاوی خشیت پر مرتب فرمایا

ہے۔ یعنی آخرت میں انکو مغفرت اور اجر بکیر اس لئے ملیگا کہ وہ دنیا میں خشیت خداوندی کے ساتھ متصف تھے۔ یہ تو فریقین کا الگ الگ حال بیان ہوا۔ یہاں سے میں یہ کہتا ہوں کہ قرینہ تقابل سے معلوم ہوا کہ کفار نے جس طرح سے دنیا میں سمع اور عقل سے کام نہیں لیا تھا، اسی طرح انکو دنیا میں خشیت بھی نہ تھی اور اسی کے نہ ہونے کی وجہ سے اعتراف بالذنب بھی ان کو نہ تھا اور مومن کو چونکہ دنیا میں خشیت حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ اسکے مقدمات یعنی سمع و عقل سے بھی متصف ہوتے ہیں اور ان کو دنیا ہی میں اعتراف بالذنب بھی حاصل ہوتا ہے۔

اب ان دونوں آیتوں کو ملائے سے مومن کامل کے اوصاف معلوم ہوئے کہ سمع و عقل، خشیت اور اعتراف بالذنب یہ سب مومن کی صفات ہیں۔

اسی طرح سے ایک اور جگہ اہل دنیا اور اہل علم کے اوصاف کا ذکر اس طرح سے فرمایا ہے۔ سورہ قصص میں قارون کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ:-

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْلَتٌ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ (سورہ قصص)

پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے۔ واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔ (بیان القرآن)

یہ تو دنیا داروں کا قول نقل فرمایا جس سے انکا وصف معلوم ہوا کہ دوسرے کی نعمت عاجلہ دیکھ کر رنجہ پڑتے ہیں اور اس کے بعد اہل علم کا جواب نقل فرماتے ہیں۔ سنئے!

وَقَالَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝ (سورہ قصص)

اور جن کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے، ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ ان ہی کو

(بیان القرآن)

دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کی یہ شان ہے کہ ہر وقت ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے ثواب پر اور آخرت پر ہوتی ہے۔ یہ بھی عالم کا ایک مخصوص وصف ہے۔

عالم کے جن اوصاف کا یہاں تک ذکر ہوا یعنی سماع، عقل، خشیت، اعتراف بذنوب، اور نظر بر ثواب، آخرت ان سب کے ذکر کی حیثیت تو ترغیب کی سی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب بعض امور بطور ترہیب کے بھی بیان کر دیے جائیں تاکہ ترغیب اور ترہیب دونوں کے مجموعہ سے تاثر قوی پیدا ہو کہ یہی مقصود بیان ہے۔

اس سلسلہ میں ترمذی شریف کے ابواب الزہد کی ایک روایت نقل کرتا ہوں۔

حدثنا سويد بن نصر قال حدثنا عبد الله بن المبارك نا حيوة بن شريح نا الوليد بن ابى الوليد ابو عثمان المدايني ان عقبه بن مسلم حدثه انه دخل المدينة فاذا هو برجل قد اجتمع عليه الناس فقال من هذا فقالوا ابو هريرة ! قد لوت منه حتى قعدت بين يديه وهو يحدث الناس فلما سكت فخلا قلت له اسئلك بحق وبحق لما حدثتني حديثاً سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم عقلتُ وعلمته فقال ابو هريرة افعل لاحد ثنك حديثاً حد ثينه رسول الله صلى الله عليه وسلم عقلتُ وعلمته ثم نشغ ابو هريرة نشغاً فمكت قليلاً ثم افاق فقال لاحد ثنك حديثاً حد ثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذا البيت مامعنا احد غيري وغيره ثم نشغ ابو هريرة نشغاً شديداً ثم افاق ومسح وجهه وقال افعل لاحد ثنك حديثاً حد ثينه رسول الله صلى الله عليه وسلم انا وهوني هذا البيت مامعنا احد غيري وغيره ثم نشغ نشغاً شديداً ثم مال خارا على وجهه فاسندته طويلاً ثم افاق فقال ثني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالى اذا كان يوم القيمة ينزل

الى العباد ليقضى بينهم وكل أمة جاثية فاول من يدعوبه رجل
جمع القرآن ورجل قتل في سبيل الله ورجل كثير المال فيقول الله
للقارى الم اعلمك ما انزلت على رسولى قال بلى يا رب قال فماذا
علمت فيما علمت قال كنت اقوم به اثناء الليل وآناء النهار فيقول الله
له كذبت وتقول الملائكة له كذبت ويقول الله له بل اردت ان
يقال فلان قارى-

ويؤتى لصاحب المال فيقول الله له الم اوسع عليك حتى لم
ادعك تحتاج الى احد قال بلى يا رب قال فماذا علمت فيما آتيتك قال
كنت اصل الرحم والصدق فيقول الله له كذبت وتقول الملائكة
كذبت ويقول الله بل اردت ان يقال فلان جواد وقد
قيل ذلك-

ويؤتى بالذى قتل في سبيل الله فيقول الله له فيما ذا قتلت
فيقول امرأت بالجهد فى سبيلك فقاتلت حتى قتلت فيقول الله له
كذبت وتقول الملائكة كذبت ويقول الله بل اردت ان يقال
فلان جريئى فقد قيل ذلك-

ثم ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على ركبتي فقال
يا ابا هريرة اولئك الثلاثة اول خلق الله لقسربهم النار
يوم القيامة-

قال الوليد ابوعثمان المدائنى فاخبرني عتبة ان شقيًا هو الذى
دخل على معاوية فاخبره بهذا قال ابوعثمان وحدثني العلاء بن
ابى حكيم انه كان سياتا لمعاوية قال فدخل عليه فاخبره بهذا عن
ابى هريرة فقال معاوية قد فعل بهؤلاء هذا فكيف بمن بقى من الناس
ثم بكى معاوية بكاء شديدا حتى ظننا انه هالك وقلنا قد جاءنا

هَذَا الرَّجُلُ بَشَرٌ ثُمَّ اِفَاقَ مَعَاوِيَةَ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ وَقَالَ صَدَقَ اللَّهُ
 وَرَسُولُهُ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا
 وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَ
 حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ - هَذَا أَحَدٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ
 (ترمذی شریف ص ۶ ج ۲)

حدیث بیان کی ہم سے سوید بن نصر نے کہا حدیث بیان فرمائی ہم سے عبد اللہ بن مبارک
 نے انھوں نے فرمایا کہ حدیث بیان کی ہم سے شریح نے انھوں نے فرمایا کہ ہم سے بیان کیا ولید
 بن ابی الولید ابوعثمان مدائنی نے کہ عقبہ بن مسلم نے ان سے بیان کیا کہ جب وہ مدینہ میں داخل
 ہوئے تو وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ بیٹھ ہیں اور ان کے ارد گرد لوگوں کا ایک مجمع ہے حضرت عقبہ
 بن مسلم نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ ہیں (کہتے
 ہیں کہ) پھر میں ان کے قریب گیا وہ لوگوں سے حدیث بیان فرما رہے تھے۔ میں بھی ان کے سامنے
 جا کر بیٹھ گیا جب وہ خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے عرض کیا کہ آپ سے حق کے واسطے
 سے اور پھر حق کے واسطے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے ضرور بالضرور ایک ایسی حدیث
 بیان فرمائیں جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور سمجھا ہو اور سیکھا ہو
 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا کروں گا اور تم سے ضرور ایسی ہی حدیث بیان
 کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور میں نے
 اُسے سیکھا اور سمجھا ہے۔

یہ کہہ کر ابوہریرہؓ بیہوش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو پھر فرمایا کہ
 میں تم سے ایسی ہی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی
 حجرہ میں بیان فرمائی تھی کہ میں تھا اور حضورؐ تھے اور ہمارے علاوہ کوئی تیسرا نہ تھا یہ کہا
 اور پھر (دوبارہ) سخت بیہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش آیا تو اپنا چہرہ وغیرہ صاف کر کے فرمایا
 کہ میں یہ کام کروں گا یعنی تم سے ایسی حدیث ضرور بیان کروں گا جس کو مجھ سے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا دریاں حالیکہ میں اور آپؐ اسی گھر میں تھے۔

اور ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا (تیسری بار) پھر سخت دورہ غشی کا پڑا اور منہ کے بل گرنے لگے تو میں نے اپنی گود میں آپ کو ٹیک لیا پھر جب بہت دیر کے بعد افاقہ ہوا تو پھر ارشاد فرمایا کہ حدیث بیان فرمائی مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بروز قیامت جب اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کا فیصلہ فرمانے کے لئے نزول فرمائیں گے اور سب کے سب لوگ زانو کے بل پڑے ہوں گے تو سب سے پہلے جن کو بلایا جائے گا (وہ تین قسم کے لوگ ہوں گے) ایک تو وہ ہوگا جو قاری یعنی عالم بالقہر آن ہوگا۔ دوسرا وہ ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا ہوگا اور تیسرا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مالدار ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ اس عالم تہران سے سوال فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ کو اس کتاب کا عالم نہیں بنایا تھا جو میں نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تھا؟

وہ کہے گا بیشک اے میرے پروردگار ایسا ہی تھا، ارشاد ہوگا کہ پھر تو نے اپنے علم پر کیا عمل کیا؟ کہے گا میں اس کی رات اور دن کی گھڑیوں میں تلاوت کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تو یہ چاہتا تھا کہ تجھ کو قاری اور عالم کہہ کر پکارا جائے (سو دنیا میں تو کہا جا چکا)۔ اسی طرح صاحب مال لایا جائے گا۔ اللہ اس سے بھی فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ پر وسعت نہیں کی تھی؟ یہاں تک کہ دنیا میں تجھ کو کسی کا محتاج نہیں رکھا تھا۔

وہ کہے گا کہ بیشک اے میرے پروردگار ایسا ہی تھا، فرمائیں گے کہ پھر میری اس نعمت کو پا کر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں صلہ رحمی کرتا تھا۔ صدقہ و خیرات دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ سن کر فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات نہیں تھی بلکہ تو نے یہ سب اس لئے کیا تھا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے سو دنیا میں یہ کہا جا چکا۔

پھر شہید کو پیش کیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو کیوں اور کس سلسلہ میں مارا گیا۔ وہ عرض کریگا کہ یارب اپنے اپنی راہ میں جہاد کا حکم فرمایا تھا اس لئے میں نے قتال کیا یہاں تک کہ تیری راہ میں کام آگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے

کہ تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تو نے اسلئے قتال کیا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا جبری اور بہادر ہے چنانچہ تیرے متعلق یہ خوب کہا جا چکا۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابو ہریرہ یہی ہیں وہ تین شخص کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے جہنم میں۔ یہی لوگ ڈالے جائیں گے اور دوزخ انھیں سے روشن کی جائیگی۔

حضرت ولید ابو عثمان مدائنی کہتے ہیں کہ مجھ کو عقبہ نے یہ خبر دی کہ شفیاء ہی وہ شخص ہیں جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو اس حدیث کی خبر دی۔

ابو عثمان کہتے ہیں کہ علاء ابن ابی حکیم نے یہ بھی فرمایا کہ وہ حضرت معاویہ کے سیات تھے تو جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو اس حدیث کی خبر دی کہ ابو ہریرہؓ ایسا ایسا بیان فرماتے ہیں۔ تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ ان مذکورہ اشخاص کے ساتھ تو یہ معاملہ ہو گا پھر ان کے علاوہ اور جو لوگ ہونگے ان کا کیا حشر ہو گا؟ یہ کہہ کر حضرت معاویہ بہت روئے یہاں تک کہ ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان کی جان ہی نکل جائے گی اور ہم نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ کہاں سے یہ بڑا شخص یہ خبر لایا۔ جب پھر حضرت معاویہ کو افاقہ ہوا تو انھوں نے اپنا جہسہ وغیرہ صاف کیا اور فرمایا کہ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ) جو شخص محض حیات دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور پر بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہو گا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے۔ (یہ حدیث حسن غریب ہے)

نیز ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ:-

عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
لا تعلموا العلم لتباہوا بہ العلماء ولا لتاودوا بہ السفہاء ولا تحیزوا
المجالس فمن فعل ذلک فالنار النار (ابن ماجہ ص ۲۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم اس لئے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعہ سے علماء پر بڑائی چاہو اور نہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے بے وقوفوں سے جھگڑا کیا کرو اور نہ اس لئے کہ مجلس میں اس کی وجہ سے صدر مقام چل کر رہیں جس شخص نے ایسا کیا وہ جہنم سے ڈرے اور دوزخ کا خوف کرے۔

قولہ ولا تحیزوا کے تحت حاشیہ میں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلوی نے نقل فرمایا ہے کہ

والتحیز ان لم یکن والتقدرا لمراد منه لا تمکنوا فی قلوب الناس
لتكونوا صديقا للمجالس فانه من اشد اغراض الدنيا ان اخرما
يخرج من قلوب الصديقين حب الحياه وهذا عقبة كئودة للعلماء
لا ينجون منه الا المخلصون۔ انتہی (حاشیہ ابن ماجہ شریف)

تجربہ کے معنی تسکین اور تقرر کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ علم سے یہ نہ مقصود ہو کہ لوگوں کے دل میں جگہ حاصل کرو تا کہ ہر جگہ صدر مقام ہی پر بٹھائے جاؤ۔ (اور یہ اس لئے بُرا ہے کہ) یہ چیز اغراض دنیویہ میں سب سے سخت ترین ہے کیونکہ صدیقین کے قلوب سے سب سے آخر میں جو شے نکلتی ہے وہ حب جاہ ہی ہے اور علماء کے لئے یہ ایک سخت اور دشوار گزار گھاٹی ہے جن سے مخلصین ہی نجات پاتے ہیں۔

دیکھئے ترمذی شریف کی اُس حدیث میں اور ابن ماجہ شریف کی اس حدیث اور اسکی شرح میں جو حاشیہ پر ہے کس قدر مؤثر تر ہی ہے۔ علماء کے لئے کہ اگر آج اسی قسم کی احادیث ہمارے پیش نظر ہو جائیں تو اخلاص پیدا کرنے کے لئے یہی اتنا کافی ہے۔ اہل علم کے ایک مجمع میں یہ بات آئی کہ آج علماء میں جو غفلت ہے اسکا سبب ان کا بڑھاپا بڑھانا ہے۔ چنانچہ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان میں غفلت ہو جاتی ہے۔ پھر کسی نے کہا کہ بھائی حدیث کی کتابوں میں کتاب الرقاق اور کتاب الزہد بھی تو ہے (جن میں ایسی ایسی روایات بھی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں) پس غفلت کا سبب تعلیم و تعلم نہیں ہے بلکہ ان ابواب کا پیش نظر نہ ہونا ہے لہذا ضرورت ہے کہ آج علماء ان ابواب کو اور اس قسم کی روایات کو پیش نظر رکھیں اس سے

غفلت زائل ہوگی۔ بس اسی پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

والسلام

حضرت مصلح الامت کا مضمون ”وعظ بالقرآن“ جو بصورت خط حضرت علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کے نام کیا تھا۔ ختم ہوا۔ اس کے جواب میں مولانا علی میاں صاحب نے جن تاثرات کا اظہار فرمایا تھا وہ مضمون سے قبل والے ان کے خط میں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں لکھا تھا کہ — مضمون کی تکمیل ہوگئی۔ حقیقت مضمون باوجود عبارت آرائی اور تکلفات سے دور ہونے کے نہایت موثر اور مفید ہے۔ انتہی

اس کے بعد ایک مرتبہ مولانا ندوی مدظلہ الہ آباد، جلسہ اصلاح المسلمین میں تشریف لائے لیکن قیام حضرت ہی کے یہاں فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ ابجکل کے ان رسمی جلسوں میں شرکت تقریباً ختم کر دی ہے لیکن یہاں کی حاضری اس لایح سے منظور کرنی کہ حضرت سے ملاقات ہو جائیگی چنانچہ یہیں اتر آہوں یہیں سے جلسہ گاہ جاؤں گا اور واپس ہو کر یہیں سے روانگی ہوگی۔ واپس جا کر حضرت والا کے نام یہ عریضہ لکھا۔

(حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کا خط)

مشفق محترم مخدوم و معظمت دامت برکاتہ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ جناب والا سے رخصت ہو کر اور جلسہ سے فراغت کر کے بخیریت و براحت اپنے وطن رائے بریلی آیا۔ راستہ بھر جناب کی شفقتوں اور ارشادات عالیہ کا مزہ لیتا رہا اور التفات خاص سے اپنے شکستہ دل کو تسلی دیتا رہا۔

معنا اللہ بفیوضکم چند رسائل گرامی ساتھ لایا تھا ان کے مطالعہ کا موقع ملا۔ جی چاہا کہ جناب والا کی خدمت میں عرض کروں کہ وصیتہ الاخلاص کے نام سے بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا جاوے خاص طور پر یہ خیال اسکا داعی اور محرک ہے کہ مدارس عربیہ میں پڑھنے پڑھانے والوں کی

بڑی تعداد اخلاص فی العلم و اخلاص فی التعلم سے نہ صرف بے بہرہ بلکہ بے حس ہے اسکا نتیجہ ہے۔ کہ اس کے روحانی و اخلاقی ثمرات مرتب نہیں ہو رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ آخرت میں سخت مایوسی اور شرمندگی ہوگی اگر تعلیم و تعلم کے فضائل احادیث صحیحہ سے اور اُس کے متعلق اپنی تشریحات و تطبیقات قلبیہ فراموش جائیں تو ہم اہل مدارس کے لئے بہت نافع ہوں گی۔

سوال کا مہینہ مدارس دینیہ عربیہ کے افتتاح کا ہوتا ہے اُس وقت اس رسالہ کی اشاعت نہایت مفید ہوگی۔ اگر یہ معروضات ناپسند نہ فرمائی جائیں تو ضرور اس اہم موضوع کی طرف توجہ فرمائی جاوے اور التذکرہ القرآن کی صورت میں ہو یا مستقل رسالہ ہو انشاء اللہ مفید اور نہایت باعث برکت ہوگا۔ واللہ الموفق المستعان۔ والسلام
طالب دعا و توجہ
الواجس علی

(جواب حضرت مصلح الامت)

جی و محی سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
عنایت نامہ موجب مسرت ہوا آپ کے تاثرات اور موجب مسرت ہوئے جس امر کا آپ نے مشورہ دیا ہے۔ ہے تو میری حیثیت سے باہر۔ مگر آپ کی توجہ اور خلوص سے شاید کچھ کام ہو سکے اور اس موضوع پر قلم اٹھا سکوں۔ خاص کر اہل علم حضرات سے مخاطب اور پھر اخلاص کی بحث اور اُن سے اخلاص کا مطالبہ اور اُن کو اس کی ترغیب و تشویق اور اُس کے خلاف سے ترہیب و تنفیر بڑا مشکل کام اور پرخطر امر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جس پر آسان کرے اُس پر آسان ہے۔

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق
بہر حال جس موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے خواہش ظاہر فرمائی گئی ہے وہ تو میرا موضوع بحث ہی ہے اور اب آپ نے بھی توجہ فرمائی ہے تو ارادہ میں مزید تقویت

ہوگئی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو ضرور کچھ لکھوں گا مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ سے بھی یہ درخواست ہے کہ اس معاملہ میں دعا سے میری مدد فرمائیں۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

حضرت مصلح الامۃ کی صاحبزادیوں کے ساتھ ارحال پر

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کے تعزیت نامہ

حضرت مصلح الامت کے نام

(۱)

جناب والا کی خدمت میں درخواست عاکا عریضہ بھیج چکا تھا کہ اگلے روز مختصری شاکر حسین خاں صاحب کے خط سے صاحبزادی صاحبہ کے انتقال کی اطلاع ملی حادثہ قدرتی طور پر باعث حزن و قلق ہے لیکن اس ماہ مبارک میں موت اور اپنے شفیق و مخدوم و مرشد والد اطال اللہ بقاء کے ہاتھوں اپنے مستقر پر پہنچنا اور ان کی دعائیں لینا مستحق تبرک و تہنیت اور لائق رشک و غبطہ ہے اللہ تعالیٰ اس مرحومہ کے درجے بلند فرمائے اور جناب والا اور سب اغزاء کو اجر خزیل عطا فرمائے۔

(۲)

مخدومنا المعظم دامت برکاتہ والطاقۃ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ گرامی نامہ سے نیز شاکر حسین خاں صاحب کے عنایت نامے سے ایک حادثہ کی اطلاع ملی تھی چند روز بعد سیاست جدید کانپور سے دوسرے حادثہ کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ دو صاحبزادیوں نے داغ مفارقت دیا۔ کئی روز تک تو شبہ رہا کہ اخباری اطلاع ہے۔ تصدیق طلب ہے مگر اہل تعلق سے اس کی تصدیق ہوئی تو بڑا قلق ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جی چاہا کہ ایک روز کے لئے حاضر ہو جاؤں اور فریضہ تعزیت ادا کروں مگر ادھر
چند روز سے زبان میں ایک زخم کی وجہ سے تکلیف رہی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت الافاض
الہ آباد میں نہیں بروہی میں مقیم ہیں اور آنے جانے میں زحمت ہے۔ خدا کرے کسی بہتر موقع
سے حاضری کا شرف حاصل ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں کی مغفرت فرمائے۔
جناب والا کے لئے یہ مجاہدات اضطرابی باعث رفیع درجات اور اجور جزلیہ ہو
اللہ تعالیٰ اب ان احزان و اکدار سے محفوظ رکھے اور سب متعلقین کو سلامت و باکرامت رکھے
طالب دعا ابو الحسن علی
(۵ شوال ۱۴۲۹ھ)

جواب

مولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
واقعات جو آپ نے سنے صحیح ہیں آپ اس وقت تشریف لائے ہوتے تو میرے
تقویت قلب کے لئے ایک امر پیدا ہو جاتا۔ جی ہاں بروہی میں قیام ہے اور الہ آباد سے
دور ہے۔ مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہئے۔ مجاہدہ اضطرابیہ میں شک نہیں خدا کرے
صبر حاصل ہو جو اختیاری مجاہدہ ہے۔ دعا فرماتے رہئے کہ اللہ تعالیٰ احزان و اکدار سے
محفوظ رکھے اور سب متعلقین کو سلامت رکھے۔ آمین۔ والسلام
وصی اللہ عفی عنہ

ڈاکٹر یحییٰ عبدالحی صفا کے سوال پر

حضرت مرشدی مصلح الامۃ کا تعزیت نامہ مولانا ابو الحسن علی صفا ندوی کے نام

بخدمت مولانا علی میاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا خط ملا ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہوئی ہم ہماندگان
کے لئے بڑا سانحہ ہے۔ میں آپ کو کیا تسلی دوں مجھ کو خود رنج ہے۔ بیماری میں حاضر نہ ہو سکا کہ
زیارت ہو جاتی اور نہ اس وقت حاضر ہو سکا۔ معلوم ہی نہ ہو سکا ورنہ شاید ہمت کر جاتا۔ بہر کیف میں

آپ لوگوں کے ساتھ رنج میں شریک ہوں ہر فرد کو میری طرف سے صبر کی تلقین پھر حرم صفات
برگزیدہ کے حامل تھے اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے خاص جوار رحمت
میں جگہ دے۔ میں برابر ان کے لئے خلوص کے ساتھ دعا کرتا رہوں گا اور ایصالِ ثواب بھی انکا
حق اپنے اوپر بھگتا ہوں میرے بزرگ تھے اب آپ سے کیا کہوں۔

حضرت ابن عباسؓ کو حضرت عباسؓ کی وفات کے بعد ایک بدوی نے ایک عجیب
غریب تعزیت پیش کی تھی وہی پیش کرتا ہوں ۷

اصبر کن بل صابرین فاما صبر الرعية يعد صبرا
خير من العباس اجرک بعدہ واللہ خير منك للعباس
انما للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک آدھ روز کی تاخیر سے جواب جارہا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں دل برابر آپکی
طرف متوجہ رہا ہے۔ بے اعتنائی نہیں برتی گئی۔ مولانا محمد منظور صاحب سلمہ کی خدمت میں
سلام سنون عرض ہے۔ مولانا عبدالباری صاحب کا بھی خط آیا ہے بڑے رنج و غم کا اظہار
فرمایا ہے۔ بعینہ یہ خط انکی خدمت میں بھی پیش کر دیجئے اور میری طرف آپ حضرات توجہ
فرمائیں۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

خط مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ

مرہم شفقت والطاف دامت برکاتہ و زببت الطائفہ السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا جناب کے بیش قیمت اور بابرکت اوقات میں خلل ڈالنا مقصود
نہیں۔ یہ عریضہ صرف اس مقصد کیلئے ارسال خدمت کیا جا رہا ہے کہ رمضان المبارک کے اس اخیر عشرہ میں
جناب دلا سے دعا کی درخواست کی جائے خاص طور سے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور
حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ عذرا کہ بیان کمالاً دشوار میت "باوجود اپنی مکمل نااہلی اور بے بضاعتی کے
عرصہ اپنے بزرگوں میں جناب دلا کیلئے دعا کر نیکا معمول ہے اور اسکو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ والسلام

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

مولانا المحترم دامت برکاتکم۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ والا نامہ نے عزت بخشی۔ جناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے لئے دعا کا معمول بنالیا ہے اس سے زیادہ میرے لئے مسرت کا کیا باعث ہو سکتا ہے۔ آپ کی خیر خواہی اور محبت کا پورا اور بین ثبوت ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ والسلام وصی اللہ عفی عنہ

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامتؒ کے مابین یہاں تک کی مراسلت مسلسل ملی اس کے بعد جو خطوط ہم کو دستیاب ہو سکے وہ کچھ وقفہ وقفہ سے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہوگی کہ کبھی مولانا ندوی کو فرین ملک کے اسفار پیش آتے رہے اور ادھر خود حضرت مصلح الامتؒ پر بھی فالج کا اچانک پہلا حملہ ہو گیا جس کی وجہ سے علاج معالجہ اور پھر اس کے بعد ضعف و نقاہت کا سلسلہ عرصہ تک چلا۔ اسی درمیان میں حضرت بغرض علاج لکھنؤ بھی تشریف لے گئے اور جناب سید مظفر حسین صاحب وزیر نقل و حمل کے ہنگام میں قیام رہا اور شمس الحکما، جناب حکیم شمس الدین احمد صاحب کے زیر علاج رہے۔ پھر اسکے بعد ہی وہیں سے بعد صحت برائے تبدیلی آب و ہوا بمبئی تشریف لے گئے۔ یہ سارے واقعات اوائل ۱۹۶۵ء کے ہیں۔

اور اس کو ایک سال نہ گزرا تھا کہ حضرت اقدس پر دوسرا حملہ بشکل رُعان ۲۶ فروری ۱۹۶۶ء کو پیش آگیا اور اس کا سلسلہ بھی بہت دنوں تک چلا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں فہم اور محبت دونوں کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت والا کی خیریت مزاج تو بالا بالا دریافت کی جائے لیکن خود حضرت اقدس کو جواب کے بارے میں بھی گراں بار نہ کیا جائے

احقر کے فہم ناقص میں یہی وجہ تاخیر مکاتبت کی آتی ہے۔
 لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت مولانا ندوی مدظلہ کو حضرت والا سے ایک خاص
 قلبی لگاؤ اور روحانی تعلق تھا جس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک مرتبہ برہن ملک
 کا ایک مفرد پیش آگیا جس کی وجہ سے اُس سال الہ آباد کے جلسہ میں مولانا ندوی مدظلہ
 تشریف نہ لاسکے اور حضرت والا کی زیارت و ملاقات کا جو موقعہ مل جاتا تھا وہ فوت ہو گیا
 اس پر جس تاسف اور تاثر کا اظہار فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہوا۔

تحریر فرماتے ہیں کہ

مجھے اپنی اس محرومی پر افسوس ہے کہ ۳۱ - ۳۲ اپریل کے جلسہ میں حاضری نہ ہو سکا ورنہ
 جناب والا کی زیارت و ارشادات سے مشرف ہوتا۔ الہ آباد حاضر ہونے کا یہی فائدہ اور
 کشش ہوتی ہے۔ یہ ناچیز انھیں تار یخوں میں سہا نہ پور سے واپس ہوا تھا۔ صحت بھی
 متاثر تھی اور ایک طویل اور اچانک سفر کی تیاری بھی تھی اسی کی اطلاع اور دعا کی
 درخواست کے لئے یہ عریضہ پیش خدمت ہے۔

شاہ سعود کی طرف سے جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کی مجلس مشاورت کی رکنیت کی اطلاع
 اور اس کی مجلس منعقدہ ۲۰ ذی الحجہ میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی۔ سب احباب اور
 بزرگوں کا مشورہ ہوا کہ اس کو قبول کر لیا جائے چنانچہ آج یکم مئی کو دہلی اور وہاں سے
 بذریعہ ہوائی جہاز جدہ روانہ ہوئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

دعا کی مخلصانہ دعا جزانہ درخواست ہے۔ ع

"برکریاں کار با دشوار نیست"

جناب والا کی جو شفقت اس ناچیز پر ہے اس سے امید ہے کہ دعا سے مدد
 فرمائی جائے گی۔ والسلام۔ ناچیز ابو الحسن علی
 یکم مئی۔ مکھنٹو

جن دنوں حضرت والا کا قیام بغرض علاج مکھنٹو میں تھا اسوقت وہاں کے پندرہ روزہ

رسالہ "تعمیر حیات" میں ایک اطلاع شائع ہوئی اس کی نقل موجود ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ آئندہ خطوط کے مضامین کے سمجھنے میں ہو سکتا ہے کہ اس سے کچھ مدد مل جائے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فنجوری لکھنؤ میں

مارچ کے آخر میں مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فنجوری کی تشریف آوری لکھنؤ میں بغرض علاج ہوئی چند دنوں پہلے حضرت مولانا کو انشاء مجلس الابداد میں بلڈ پریشر کا دورہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اطباء نے مکمل آرام اور علاج کا مشورہ دیا تھا۔ لکھنؤ میں علاج کی سہولت کے پیش نظر حضرت مولانا یہاں تشریف لائے اور سید مظفر حسین صاحب وزیر حکومت یو۔ پی کی خلصانہ دعوت اور اصرار پر انکے بنگلہ کے ایک حصہ میں قیام فرمایا۔

اب الحمد للہ حضرت مولانا کا علاج مکمل ہو چکا ہے اور صحت تقریباً معمول پر آگئی ہے۔ ایسے ہی کہ انشاء اللہ جلد ہی حضرت مولانا کی مجلسوں اور مواعظ کا سلسلہ بھی شروع ہو جائیگا۔ موجودہ دور میں حضرت والا کے ذریعہ مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچ رہا ہے اس سے زمانہ کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہو رہی ہے

شرک و بدعت کے استیصال میں حضرت مولانا کا طریقہ اور ترویج سنت کے لئے انہی کوششیں بیحد شمر ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ دین کی خدمت کے سلسلہ کو اور زیادہ دراز کرے اور انکے فیوض و برکات سے امت کو دیر تک متمتع ہونے کا موقعہ بخشے

"ایں دعا از من از جہلہ جہاں آمین باد"

(ادارہ)

(از رسالہ تعمیر حیات لکھنؤ ۲۵ اپریل ۶۵ء ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ)

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

(دورہ رِعاف کے بعد)

مخدو منا لمنظہم مشفقنا المحترم دامت برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ جناب والا کا مزاج بعافیت ہوگا۔ علالت طبع نے ہم خدام و مجین کو برابر تشویش میں رکھا لیکن احباب کرام کے ذریعہ جو الہ آباد حاضر ہوئے یا جو ٹیلیفون پر خیریت دریافت کرتے رہتے ہیں یہ معلوم کر کے اطمینان ہوتا رہا کہ مزاج رو بہ صحت ہے پھر بھی دل لگا ہوا ہے اور خیریت و حالات کا برابر انتظار رہتا ہے۔ اس زمانہ علالت کے دوران بھی جناب والا کی توجہات کا علم ہوتا رہا اور مختلف احباب کے ذریعہ نوازش فرماتے رہے اللہ تعالیٰ ان شفقتوں کی جزا عطا فرمائے۔

آج صبح کمری صاحب سے ملاقات ہوئی اُن سے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ بعض مخلصین کی خواہش اور تجویز ہے کہ جناب والا بضرع علاج و راحت لکھنؤ تشریف لے آئیں۔ مجھ ناچیز کو بھی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ یہاں علاج کی سہولتیں یقیناً الہ آباد سے زیادہ ہیں۔ شفاء الملک حکیم شمس الدین احمد صاحب بھی مشورہ میں شریک ہو سکتے ہیں جن کو پہلے علاج کا تجربہ ہے۔ اگر جناب والا نے اس درخواست کو ازراہ کرم و شفقت منظور فرمائیں تو پھر میری فخلصانہ اور باصرہ گذارش ہے کہ قیام دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں جو جس کو متعدد خصوصیتیں حاصل ہیں۔ وہاں جناب کے متعدد خدام اور مجین موجود ہیں سکون اور یکسوئی بھی ہے۔ ہم جنس لوگ ہیں۔ شہر سے الگ ہے اور کچھ زیادہ فاصلہ بھی نہیں مجھے بھی اپنی معذوری کی بنا پر حاضری اور خدمت کا موقع زیادہ ملے گا مسجد بالکل متصل ہے۔ اُمید ہے کہ اس درخواست کو غنیمت پذیرائی بخشا جائے گا اور ہم خدام کو سر فراز فرمایا جائے گا۔

والسلام
ناچیز ابوالحسن علی

حضرت مصلح الامتؑ کا جواب

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ

نفع انتظار کے لئے آپ کے خط کا جواب تار سے دیدیا۔ موصول ہوا ہوگا۔ اس سلسلہ میں مزید کہنا چاہتا ہوں کہ اب ان حالات میں میرے لئے کہیں کا سفر بہت مشکل ہو گیا ہے۔ علاج کے لئے اگر کہیں جاتا ہوں تو یہاں رکیاں پریشان ہو جاتی ہیں۔ شب دروز روئے ہی میں گذریگا اور اگر سب کو لے کر آؤں تو یہ اس سے زیادہ مشکل ہے۔ پھر یہ کہ گذشتہ بار علاج کے لئے آپ کے یہاں آچکا ہوں۔ عوام کے ہجوم واژدہام کی وجہ سے طبیعت پریشان ہو گئی اور یہ کچھ آپ ہی کے یہاں کا نہیں سب جگہ کا حال یہی ہو گیا ہے کسی سے عقیدت اور محبت کے معنی ہی انکے نزدیک بدن پر گرنے کے ہیں۔ اب اگر لوگوں سے نہ ملوں تو بد اخلاقی سمجھی جائے اور ہر وقت ملوں تو قومی اس کے متحمل نہیں کوئی نظم مقسّر کر دں تو لوگوں کو ناگوار گذرے۔ غرض عوام الناس کا معاملہ اختیار سے باہر ہے اس لئے اسلم صورت یہی ہے کہ انسان جہاں ہے وہیں پڑا ہے۔

انہیں حالات کی بنا پر کہیں آنے جانے کی اہمیت نہیں پڑتی۔ یوں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم کچھ ایسا ہوا کہ اس مرتبہ بھی یہاں بہت سے مخلصین اطباء جمع ہو گئے۔ حکیم مسعود احمد انجمیری بمبئی سے تشریف لائے۔ حکیم افہام اللہ صاحب یلگٹھ سے اور حکیم محمد عمر صاحب دیوبند سے تشریف لائے اور آپ کے حکیم منظور احمد صاحب جو پور سے آئے اور کئی بار آئے ہوشیار آدمی ہیں۔ انکی گفتگو اور تجویز سے اطمینان بھی ہوا سب حضرات نے نہایت مستعدی اور توجہ سے علاج کیا جس سے بحمد اللہ نفع ہوا۔ اب کئی دنوں سے خون بھی بند ہے۔ نیزیندہ دعوہ بھی آرہی ہے۔ اب سب حضرات نے بالاتفاق یہ بھی کہاہے کہ اب کسی خاص علاج کی ضرورت نہیں۔ غذا ہی سے انشاء اللہ تعالیٰ قوت آجائے گی اور کسر پوری ہو جائیگی۔ آپ حضرات کو اس درمیان میں مختلف خبریں جو آپ کو ملتی رہیں تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رعاف کے دورے ہوتے تھے جس دن خون آجاتا تھا لوگ دیکھ کر گھبرا جاتے تھے اور کہتے تھے کہ

طبیعت زیادہ خراب ہے اور جب بسند رہتا تو بجز کسی قدر ضعف کے اور کوئی بات قابل تشویش نہ تھی۔ اسی لئے میں نے عرض کیا ہے کہ اب علاج کے لئے شاید آنے کی ضرورت نہ پڑے البتہ آپ کی عیادت بھی ایک مستقل مقصد ہو سکتا ہے اس لئے قوت آنے پر طبیعوں کے سفر کی اجازت ہرجی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کروں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(ماہِ پُرب ۱۹۶۶ء)

حضرت اقدسؒ نے آخر میں یہ جو تحریر فرمایا کہ — البتہ آپ کی عیادت بھی ایک مستقل مقصد ہو سکتا ہے اس قوت آنے پر طبیعوں کے سفر کی اجازت ہرجی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کروں۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضرت والا کی علالت اور نقاہت اور پھر صحت وغیرہ کا سلسلہ چل ہی رہا تھا۔ اس درمیان میں مولانا علی میاں صاحب نے بھی آنکھوں کا آپریشن کرایا اور اس کی وجہ سے آنکھوں کی تکلیف ہو گئی۔ بنیائی پر کافی اثر پڑ گیا۔ سخت درد رہنے لگا۔ حضرت والا کو بھی اس کی اطلاع فرمائی۔ حضرت کو مولانا کی اس تکلیف سے بیحد رنج ہوا چنانچہ مولانا ندوی کو لکھا کہ میرے قلب میں یہ آتا ہے کہ آپ اپنے اس مرض کا علاج کسی ہوشیار اور ماہر ہومیوپیتھ سے کرایئے۔

مولانا ندوی نے حضرت اقدس کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور ہومیوپیتھک علاج کیا جس سے الحمد للہ نفع ہوا لیکن آنکھوں میں اثر چونکہ سخت ہو چکا تھا اس لئے خاطر خواہ روشنی نہ آ سکی یہی وجہ ہے کہ مولانا خط وغیرہ کا جواب لکھوانے میں کسی کاتب (معین) کے محتاج ہو گئے جس کا تذکرہ بعد کے خطوط میں خود مولانا نے بھی کیا ہے اور یہی وہ سلسلہ علالت تھا جس کی عیادت کے لئے حضرت اقدس نے انھیں لکھا اور اپنے اسی مرض سے صحت اور افادہ کے اضافہ کو مولانا ندوی نے رائے بریلی کے قیام میں حضرت کے خط میں ارقام فرمایا ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

مخدومنا المعظم مشفقنا المہتمم دامت برکاتہ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

شفقت نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ جواب میں کسی لکھنے والے کے نہ ملنے کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ آجکل اپنے وطن رائے بریلی آیا ہوا ہوں۔ الحمد للہ یہاں کے قیام سے صحت کو بہت فائدہ اور ترقی ہے۔

خدا کرے بمبئی کا قیام صحت کی روز افزوں بحالی اور ترقی کا باعث ہو اور گرمی کا یہ موسم بعافیت ختم ہو کر اپنے مرکز ارشاد و تربیت مع النیر واپسی ہو۔ میرے لئے یہ بات بڑی تقویت و طمانیت کا موجب ہے کہ حضرت والا کی توجہ اس طرف مبذول ہے اور دعاؤں میں فراموش نہیں فرماتے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

طالب دعا۔ ابوالحسن علی

۱۳ مئی ۱۹۶۶ء

حضرت مصلح الامت کا جواب

(از بمبئی)

بھتی و محبی دام محمدکم السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ بڑا اچھا کیا جو آپ نے رائے بریلی تشریف لے گئے۔ یہاں سکون بھی ہو گا اور آب دہوا بھی اچھی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے لکھا ہے کہ مزید صحت حاصل ہو رہی ہے بڑی مسرت ہوئی آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے میں بھی یہاں بحمد اللہ نفع محسوس کر رہا ہوں۔ صحت میں نمایاں فرق دیکھ رہا ہوں آب دہوا اور موسم معتدل ہے۔ باقی یہاں کا آنا تو ادھر کی گرمی ہی کے خیال سے ہوا ہے کیونکہ ڈر معلوم ہوا کہ شدت گرمی کی وجہ سے رعاف کا مرض عود نہ کر جائے۔ اس لئے موسم

بدل جانے پر انشاء اللہ فوراً ادا آباد جاؤنگا اور گویا ہوں لیکن دل آپ لوگوں ہی میں
لگا ہوا ہے اس پر یہ پڑھنے کو جس کو ایک طالب نے آج ہی لکھا ہے جی چاہتا ہے ۵

ایں قالب فرسودہ گراز کوئے تو دور است
والقلب علی بابک یسلاً ونبلاً

دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ صحت کامل عطا فرمائے۔ کام کا بڑا حرج ہوا۔ اب سے
کچھ کام کر سکوں اور اس کی بھی دعا کیجئے کہ جب یہاں آگیا ہوں تو اللہ تعالیٰ یہاں بھی
کچھ کام لے لے۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ۔ ۱۰ مئی ۱۹۶۶ء

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

مخدومنا المحترم وشفقنا المعظم دامت برکاتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
شفقت نامہ باعث سر فرازی ہوا تھا جو عزیز میرے خطوط لکھا کرتے ہیں وہ سفر پر گئے ہوئے
تھے اسلئے جواب میں تاخیر ہوئی حضرت کی صحت کی ترقی ہم سب خدام و مجاہدین کے لئے مستوجب حمد و شکر ہے
اللہ تعالیٰ شکر و قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ یہاں کے قیام میں اسکا قوی تقاضا پیدا ہوا کہ ایک بار
یہاں قدم رنجہ فرمانے کی درخواست کر دوں۔ ع

میرے ویرانہ میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی
موسم اچھا ہو اور حضرت کی صحت متحمل ہو تو ایک دو روز کے لئے تشریف لائیں الہ آباد سے سیدھا
راستہ پر۔ انشاء اللہ کوئی زحمت نہ ہوگی اب خاص بستی تک سواری آنے لگی ہے دروازہ تک
کار آسکتی ہے، خدا وہ مبارک دن لائے۔ اُسید ہے کہ وہاں کے مخلصین و طالبین ضرور مستفید
ہو رہے ہونگے ۵ منعم بہ کوہ و درشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زدو بارگاہ ساخت

دارہ شاہ علم اللہ
رائے بریلی

والسلام طالب دعا
ابوالحسن علی

بقلم ثناء الحق۔ ۲۶ جون ۱۹۶۶ء

جواب حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ

جنتی ومحبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ ملا۔ حالات سے مطلع ہوا۔ آپ نے رائے بریلی آنے کے لئے فرمایا ہے۔ وہاں کے لئے تو میں بہت دنوں سے خود ہی ارادہ کر رہا تھا لیکن کوئی نہ کوئی مانع ہوتا گیا ادھر بیماری سے کچھ اچھا ہوا اور قوت آنے لگی تھی تو رفات کا دورہ پڑ گیا اور پھر گرمی کی شدت کی وجہ سے یہاں چلا آیا۔

بہر حال میرا ارادہ خود ہی ہے۔ رہا یہ کہ کب؟ تو اسکے متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا باقی ایک بڑی وجہ ہم جیسے لوگوں کے لئے کہیں آنے جانے سے جو مانع بنتی ہے وہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو کسی کے حالات اور تعلقات کا تو علم ہوتا نہیں اس لئے وہ ایک جگہ پر قیاس کر کے دوسری جگہوں کے لئے دعوت دینا شروع کر دیں گے۔

دیوبند کے لوگ تیار بیٹھے ہیں۔ میرے حالات موانع کو ہرگز لحاظ نہ کرینگے پھر یہ کہ سفر میں کرڈنگا اور اہل علم حضرات مجھے لکھ کر بھیج دیں گے کہ تمہارا فلاں سفر میرے ذوق کے خلاف ہوا۔ سفر میرا اور ذوق اُنکا اب میں کس کس کے ذوق کی رعایت کروں۔

ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب اس مسئلہ میں محتاط ہونا ضروری سمجھتا ہوں آپ کے یہاں پر قیاس کب کر سکتے ہیں مگر بد ذوقی کو کیا کیجئے۔ ابھی چند روز ہوئے آپ کے مولانا..... صاحب کا خط آیا تھا کہ..... اس میں تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا کہ جس طرح گرمی کا موسم صحت ہی کے لئے بمبئی کا مناسب تصور فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح غالباً سردی کا موسم اسی غرض سے لکھنؤ کی سعادت کے لئے اختیار فرمایا جاسکتا ہے۔ انتہی

میں یہ مضمون دیکھ کر بہت ہنسا کہ مولانا نے خوب قیاس فرمایا۔ یہاں (بمبئی میں) تو گرمی معتدل ہے لیکن سردی کے اعتبار سے تو لاہ آباد اور لکھنؤ دونوں برابر ہیں پھر سردی کو سفر میں کیا ترجیح۔ جب کہ میرا مرض سردی ہی کا ہے۔ اس موسم میں زیادہ

احتیاط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ آپ کو اس پر سنایا کہ ہم جیسے لوگوں پر عوام و خواص سب کی کڑی نگاہ رہتی ہے اس لئے بہت سوچ سمجھ کر اور احباب سے صلاح و مشورہ کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرتا ہوں۔ تاہم آپ کے خط سے بہت مسرت ہوئی اور آپ سے کہتا ہوں کہ ارادہ تھا اور اب بھی ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ صحت عاجلہ کاملہ عطا فرمائیں اور کچھ دین کا کام لے لیں۔ والسلام میر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(جون ۶۶ء)

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کا خط

شفیق محترم مخدوم معظم و امت برکات تم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

جناب والا سے نصحت ہو کر اور جلد سے فراغت کر کے شب میں دو بجے الہ آباد سے روانہ ہوا اور راحت و سہولت کے ساتھ تقریباً ۶ بجے صبح رائے بریلی پہنچ گیا۔ یوں تو جب کبھی اللہ تعالیٰ نے خدمت بابرکت میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائی جناب والا نے اپنی شفقتوں سے سرفراز فرمایا لیکن اس سفر میں خصوصی طور پر عجیب نوازشیں رہیں اور جن کا لطف اور جن کی جلالت ابھی تک محسوس ہوتی ہے اور عرصہ تک انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہے گی باوجود اس کے کہ ہم ناقہ دردوں سے حاضری میں ہمیشہ کوتاہی اور استفادہ میں تقصیر ہوتی ہے لیکن جناب والا کی نظر عنایت اور توجہات قلبی میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ جناب کا سایہ ہم سب پر تا دیر سلامت رکھے اس سے بڑی تقویت اور تسکین ہوئی کہ حالات حاضرہ سے قلب مبارک بہت بیچین اور مضطرب ہے ہم سب کے لئے یہ بات موجب طماننت اور باعث تقویت ہے۔

طالب دعا

نیاز مند ابو الحسن علی ندوی

حضرت مصلح الامتہ کا جواب

محبت مکرم و احم حبکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
کرامت نامہ ملو از محبت و حلالت صادر ہوا جواباً عرض ہے کہ میرا دل اس بار
آپ سے لگ گیا بہت کچھ امید کام کی ہو گئی ورنہ سخت اضطراب میں تھا۔ جزاکم اللہ
لعلی خیر الجزاء و احسنہ۔

یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ روز بروز اس حلالت میں ترقی ہوتی رہے اور یہ دوسروں میں
بھی سرایت کرے کہ اُمت محمدیہ کا کام بن جائے آنکھیں کام کا انتظار کر رہی ہیں
میری وقت کام کا ہے۔
والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

اس کے بعد مولانا ندوی مدظلہ کا جو خط آیا اُس خط کا شان و رود یہ تھا کہ ان دنوں
حضرت نے ادعیہ مسنونہ پر گفتگو شروع فرما رکھی تھی (جس کا کچھ حصہ رسالہ مفتاح الرحمتہ
اور راہِ صفا میں شائع ہو چکا ہے) عام لوگوں نے کیا اہل علم اور کیا عوام سب نے اُسے
پسند کیا۔ چنانچہ اس قسم کی بعض مجالس میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بھی شریک ہوئے
انہوں نے ادعیہ مسنونہ پر حضرت اقدس کی تقریر اور توضیح کو بہت ہی پسند کیا اور خواہش
ظاہر کی کہ اس پر حضرت والا جو گفتگو فرما رہے ہیں وہ ضبط کر کے اگر شائع کر دی جائے
تو مسلمانوں کے لئے ایک بہت کام کی چیز ہو جائے گی۔

مولانا کی اس فرمائش سے متاثر ہو کر حضرت والا نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی سے
بھی دریافت فرمایا کہ مولانا تو یہ فرما رہے ہیں کہ اس کے متعلق کیا خیال ہے اور منونہ
کے طور پر چند ادعیہ اور ان کی توضیح نقل کر کے مولانا ندوی کے پاس بھیجی۔ اُس کے جواب میں
مولانا ندوی کا یہ خط آیا۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

مشفق اعظم وامت برکاتہم

السلام علیکم درحمتہ اللہ وبرکاتہ

ادعیہ ماثرہ سے متعلق جو نہج اختیار فرمایا گیا ہے۔ اُس کے لئے ضرورت تھی کہ اُن ادعیہ کے اسرار و حکم پر نظر رکھنے والے اور انسانی حالات و ضروریات کا وسیع و عمیق مطالعہ رکھنے والے کسی عارف کی زبان سے ان کی تشریح و تطبیق ہو۔ الحمد للہ یہ کام شروع ہو گیا خدا تکمیل کو پہنچائے ضرور اس کو مکمل فرمایا جائے۔ والسلام

ابوالحسن علی

نیز حضرت والا کے مکتوب بالا کے ہمراہ حضرت ہی کے حکم سے ایک اور تحریر بھی لکھی دھو ہذا

حضرت نے فرمایا ہے کہ میں گذشتہ دنوں بمبئی آنے سے قبل لکھنؤ گیا تھا آپ موجود نہ تھے صرن دو ہی دن ٹھہر کے بعض ضروریات کی بنا پر جلد واپس آنا پڑ گیا۔ اُس وقت لوگوں سے یہ کہا تھا کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ علی گڑھ اور لکھنؤ خود سے حاضر ہو جایا کروں گا۔ چونکہ اب آئندہ ہفتہ الہ آباد آ رہا ہوں اس لئے خیال پیدا ہوا کہ آپ سے دریافت کر دوں کہ علی گڑھ کے لوگوں نے تو بہت کچھ قریب ہونے کا ثبوت دیا۔ معلوم ہوا ہے کہ ہفتہ میں جمع ہونے ہیں اور میرے رسائل سنتے سنانے ہیں اور وہاں کوئی دینی ادارہ بھی نہیں ہے اس لئے وہ لوگ دین کے محتاج ہیں مگر لکھنؤ میں تو ماشاء اللہ علماء اور فضلاء کی ایک جماعت موجود ہے جو کام کر رہی ہے۔ ماس عربیہ موجود ہیں۔ دین کا کام ہو رہا ہے۔ اس لئے میرے آنے کی ضرورت مجھے نہیں سمجھ میں آتی تو میں وہاں کیوں آؤں؟ الحمد للہ صحت گواب اچھی ہے تاہم سفر وغیرہ سے تعب ہوتا ہی ہے۔ ضرورت اور نفع سے تو اس کی نمانی ہو سکتی ہے باقی جہاں ضرورت نہ ہو کام ہو رہا ہو وہاں خواہ مخواہ کے لئے اس قدر تعب برداشت کر کے آنا جانا یہ میرے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے

اس کے متعلق آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں کچھ ارشاد فرمائیے۔

والسلام خیر تمام
بجلم حضرت والا۔ بقلم یکے از خدام
اس تحریر کے جواب میں حضرت مولانا ندوی کا یہ خط آیا۔

مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

تمکینہ کلاں رائے بریلی

مشفقنا المحترم محمد و منا المعظم دامت کاتہ والطافہ

۱۰۔ ۶۔ ۸۸ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ جناب والا بعافیت الہ آباد تشریف لے آئے ہوں گے اللہ تبارک و تعالیٰ
مسعود و مبارک فرمائے اور اہل الہ آباد کو اس نعمت کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔
جناب والا نے لکھنؤ تشریف آوری سے متعلق استفسار فرمایا ہے۔

گزارش ہے کہ لکھنؤ بہت سی خصوصیات کی بنا پر اسکا مستحق ہے کہ جناب والا کبھی
کبھی تشریف لایا کریں اور چند روز قیام فرمایا کریں۔ البتہ فوری تشریف آوری کی
میری رائے نہیں ہے اس لئے کہ ابھی سفر کا تعب بھی ہے۔ اور بارش کا تسلسل بھی ابتداء
سرمایں اگر تشریف آوری ہو تو بہت اچھا ہو۔ انشاء اللہ کام کرنے والوں کی تقویت ہوگی
اور ان کے کام میں برکت۔

والسلام مع الاکرام
طالب دعاء ابو الحسن علی ندوی بقلم نثار الحق
۱۸ جولائی ۱۳۸۷ھ

حضرت مصلح الامت کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجی سلم اللہ تعالیٰ

آپ کا گرامی نامہ ملا جس سے حالات معلوم ہوئے بمبئی میں کچھ دنوں سے بہت اچھا کام

ہو رہا ہے جس کی وجہ سے وہاں کچھ قیام زیادہ رہنے لگا ہے مگر اپنے دیار اور خاص طور پر الہ آباد، علی گڑھ، لکھنؤ اور جونپور وغیرہ کے دوستوں کے تعلق اور اصرار کی وجہ سے کچھ ضروری کام چھوڑ کر ان کی خدمت کے لئے یہاں چلا آیا اور یہ خیال ہوا کہ یہاں آگیا ہوں تو مختصر مدت میں ان حضرات کی جتنی بھی خدمت ہو سکے وہ کر دوں اور پھر بمبئی چلا جاؤں تاکہ وہاں جو کام شروع ہو چکے ہیں وہ خراب نہ ہونے پائیں۔

آپ نے اپنی محبت سے میرے لکھنؤ آنے کے لئے موسم سرما کا ابتدائی بہتر زمانہ منتخب فرمایا ہے مگر ان دنوں شاید یہاں نہ رہوں اس لئے اس وقت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے موقع نصیب فرمایا تو پھر آپ حضرات کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ حضرات کے ذریعہ لوگوں کو دینی نفع پہنچائے۔ فقط

والسلام، وصی اللہ عفی عنہ
۱۲ ربیع ۱۲۸۷ھ

رائے بریلی
۱۲ رگت ۱۲۸۷ھ

دعوتِ نامہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب مدنی مدظلہ کا آخری خط

حضرت مصلح الامت کے نام

مخدومنا المنظم وشفیق محترم دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی مجھ ۲۶ ربیع الثانی کو رائے بریلی آنے پر ملا میں دوپہنے

رائے بریلی سے باہر رہا اس لئے مکتوب گرامی تاخیر سے ملا۔
 میں نے جناب والا کے سفر کے تعب اور بارش کے موسم کا خیال کر کے لکھ دیا تھا
 لکھنؤ میں مشتاق صاحب سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ ان نخلصین و مجبین نے ایک
 مکان بھی تجویز کر لیا ہے۔ مولانا منظور صاحب نے بھی مکتوب گرامی دکھایا اب میری
 اپنیز رائے ہے کہ حضرت اسی موسم میں تشریف لے آئیں۔ معلوم نہیں کیا موانع پیش جائیں
 انشاء اللہ ہر طرح خیر و برکت ہوگی۔ اور کام کرنے والوں کو بھی تقویت اور سرپرستی
 حاصل ہوگی میں بھی داعیوں کی دعوت میں شریک اور موید ہوں۔ امید ہے کہ سب کی
 درخواست قبول فرمائی جائے گی۔
 والسلام مع الاکرام
 طالب دعا

ابو الحسن علی

حضرت مصلح الامت کا جواب

مجی دامت عنا یتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 میں ۲۴ جولائی ۱۹۷۷ء کو جوہر گیا تھا۔ پھر وہاں سے واپس ہو کر الہ آباد آیا چند
 یوم کے بعد کوپا گنج چلا گیا۔ وہاں سے واپسی پر مولانا محمد منظور صاحب نعمانی
 کا خط ملا کہ

”ار اگست بروز جمعرات ہم دونوں کو دہلی جانا ہوگا اور اسکا
 امکان ہے کہ وہاں سے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا پڑ جائے، انتہی
 چونکہ اپنے ان اسفار کے بعد کچھ آرام کرنا بھی ضروری تھا اس لئے فوراً تیسرا
 سفر مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اب آپکا دعوت نامہ ملا۔ ادھر ۱۰ اگست کو بمبئی کے
 لئے روانگی کا ٹکٹ لے لیا گیا ہے۔ تاہم آپ اگر فارغ ہوں تو تشریف لاویں کہ
 آپ ہی کے ہمراہ لکھنؤ چلنے کا ارادہ کروں۔
 یا آپ اگر نہ آسکیں تو یہ فرما دیں کہ ادھر آپ کا قیام لکھنؤ میں رہیگا یا نہیں

تا کہ میں ہی آ جاؤں۔

بہر حال وقت تو کم ہے مگر آپ کی خاطر عزیز ہے اس لئے جو فرمایا گے
کروں گا۔

والسلام خیر ختام
اوصی اللہ عنہ
شنبہ ۱۲ اراگت ۱۳۶۷ھ

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا لکھوایا ہوا مذکورہ بالا جواب ایک کارڈ پر
تھا جو کہ کاغذات میں بعینہ محفوظ ملا۔

اس لئے اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا اس کی کوئی نقل مولانا ندوی کی خدمت میں دستی
طور سے بھیجی گئی یا حضرت کی رائے ہی بدل گئی اور جواب مولانا کی خدمت میں روانہ ہی نہیں
کیا گیا۔

بہر حال حضرت ولانے لکھو جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور خواہش تھی کہ وہاں تشریف
لے جائیں لیکن حالات اور اسباب کچھ ایسے پیش آتے گئے کہ جانا نہیں ہوا۔
حالانکہ اسکے بعد خود علی میاں مدظلہ نے بھی دعوت دی لیکن معاملہ ص
شاید کہ نگاہے کسند آگاہ نباشی

ہی کے سامنے آ کر رہا۔ باقی یوں اصل سبب تو ہر معاملہ میں مشیت الہی ہر جوہر شے پر غالب ہے۔
بائیں ہم ہر دہ دہ بزرگوں کے خط سے ناظرین نے اندازہ فرمایا ہوگا کہ ان حضرات میں کس قدر محبت اور
قلبی ربط تھا جسکی وجہ سے ہر ایک بزرگ دوسرے سے ملاقات کیلئے یحییٰ سے رہتے تھے اور اس میں شک
نہیں کہ مخلصین کے تعلقات اسی طرح کے ہوتے ہیں اور صحیح الفت اور حقیقی محبت کا
لطف بھی کچھ اسی میں ہے کہ ص

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی
اللہ تعالیٰ ان مخلصین کی برکت سے ہم کو بھی احسان کا کچھ حصہ نصیب
فرمائے۔ آمین۔
(باقی آئندہ)

جس طرح سے کہ علم کی تکمیل عمل سے ہوتی ہے اسی طرح سے کسی بزرگ سے محبت اور عقیدت کا بھی تکملہ یہ ہے کہ جب کسی انسان کو چشمہ شیریں کے کسی عمدہ گھاٹ کا پتہ چلے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے دوسرے انبائے جنس کو بھی اُسکا پتہ بتا دے اور اس کی جانب رہنمائی کر دے تاکہ اور لوگ بھی اُس سے سیراب ہو کر اپنی تشنگی بجھائیں اور جہل و لاعلمی ان کے لئے سبب محرومی نہ بنے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے بھی اسی پاکیزہ اصول کے ماتحت جب حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ اور ان کے کمالات سے روشناس ہوئے تو پھر اور لوگوں کو بھی بیانِ گدھل حضرت کی جانب متوجہ فرمایا۔

چنانچہ ایک مرتبہ مؤکے ایک عربی مدرسہ کے خصوصی اجتماع میں جس میں اکثر و بیشتر طلبہ اور اہل علم موجود تھے۔ آپ نے اپنی ایک تقریر کے ضمن میں حضرت والا کے کمالات کا اجمالاً ذکر فرما کر عام مسلمانوں کو عموماً اور حضرات علماء و طلبہ کو خصوصاً حضرت اقدس سے استفادہ اور استفادہ پر آمادہ فرمایا اور روحانیت پیدا کرنے پر نہایت ہی شہد و مدد کے ساتھ اُبھارا۔

مولانا کے اُس بیان کو چند حضرات نے اپنی فہم و استعداد کے موافق قلمبند کر کے یہاں بھیجا تھا۔ اولاً تو یہ جی چاہا کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اُسی تحریر کو پیش کر دوں لیکن پھر طبیعت نہ مانی اور دوسرے مخلصین کے بیانات کے ترک کو جی نہ چاہا اس لئے وہ سب ہی بیانات پیش کرتا ہوں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

ایک مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

مورخہ ۲۲ فروری کو دارالعلوم مؤکے لوگوں نے مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کو اپنے یہاں مدعو کیا تھا جہاں بعد نمازِ عشاء، انھوں نے تقریر فرمائی۔ ۲۳ فروری کو صبح کے وقت مفتاح العلوم کے مہتمم صاحب نے ان کو اپنے مدرسہ میں ناشتہ کی دعوت دی۔ ناشتہ کے بعد اہل مدرسہ کی فرمائش پر شاہی جامع مسجد میں جہاں مولانا صاحب مفتاح العلوم

کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ مئو کے مختلف مدارس کے مدرسین، طلبہ اور دیگر علمائین شہر موجود تھے۔ انھوں نے ایک مختصر مگر جامع تقریر فرمائی۔

انھوں نے فرمایا — ”زمانہ بدلتا رہتا ہے لیکن کچھ قدرین دائمی ہوتی ہیں جن پر زمانہ کے تغیر و تبدل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جو حضرات ان قدروں کے حامل ہوتے ہیں تغیرات زمانہ سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ وہ اہل زمانہ پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے اندر روحانیت پیدا کیجئے۔ روحانیت کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے میرا مطلب یہ ہے آپ اخلاص، تقویٰ، زہد و استغنا اور تعلق مع اللہ پیدا کیجئے۔

مختلف تاریخی حوالوں سے انھوں نے یہ ثابت کیا کہ جس زمانہ میں کوئی ایسی ہمتی پیدا ہوئی جو روحانیت اور اعلیٰ قابلیت کی حامل رہی ہے۔ اہل زمانہ ہمیشہ اس کے سامنے جھک گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ آخر کوئی بات تو ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور دوسرے اہل علم حضرات مولانا وصی اللہ صاحب کے یہاں جاتے ہیں جب کہ وہ لچھے دار تقریر بھی نہیں کرتے اور یوں یوں بھی کرتے ہیں (یعنی لوگوں کا سر اور مونڈھا پکڑ کر ہلا دیتے ہیں۔

ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب عظمیٰ نے انکی تقریر کی تعریف کی اور انکی آمد کا شکریہ ادا کیا۔

دوسرے ایک اور مولوی صاحب نے لکھا کہ :-

مولانا ابوالحسن صاحب ندوی نے کٹرہ کی جامع مسجد میں طلبہ و مدرسین کے سامنے جو تقریر کی اُس میں سچی روحانیت اور نمایاں قابلیت پیدا کرنے کی طرف زیادہ زور دیا بالخصوص مدرسین کو کہ انکا اثر طلبہ پر پڑتا ہے۔

سلسلہ تقریریں سچی روحانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے بزرگوں کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ دور کیوں جاتے ہو ہمارے اطراف میں حضرت مولانا مدظلہ کا نام نامی لے کر فرمایا کہ الہ آباد جا کر دیکھو کہ وہاں اور مفسرین کی طرح نہ لچھے دار الفاظ ہیں

اور نہ بندشیں۔ بس سیدھی سادھی باتیں فرماتے ہیں۔ کبھی ادھر کسی کا سر پکڑ کر ہلا دیا اور کبھی ادھر کسی کا ہلا دیا۔ مگر چونکہ سچی روحانیت ہے۔ چاروں طرف سے لوگ کھینچ چلے آ رہے ہیں۔ انتہی

تیسرے ایک اور بڑے مولانا صاحب نے تحریر فرمایا کہ

(تحریر مولانا قاری صاحب)

(خلاصہ جزو مقسّر ریخا ب مولانا علی میاں صاحب ندوی)

در جامع مسجد شاہی۔ مئو
بموجودگی طلبہ و اکابر علمائے مثل صدرین مفتاح العلوم مئو و مدرس اول فیض عام مئو
زمانہ کا تغیر ہر چیز کو متاثر کرتا ہے مگر سچی روحانیت اور نمایاں قابلیت پر انقلاب
زمانہ کا اثر نہیں پڑتا۔ ان کے سامنے اہل زمانہ کو جھکنا پڑتا ہے اور ان کی مخالفت مہضر
ہوتی ہے جیسے فلاں فلاں متعدد اکابر اصحاب روحانیت کا نام لینے کے بعد آخر میں
مزہ لیتے ہوئے محبت کے ساتھ کہا "اور جیسے مولانا وصنی اللہ صاحب مدظلہ جن کی مجلس میں
نا آشنا آدمی کچھ ایسی بات بھی دیکھتا ہے جس کو نہیں سمجھ پاتا۔ ان کے پاس تمام اکابر
جانے کے لئے مجبور ہیں۔

ایک چوتھے صاحب جو کہ ایک ہائی اسکول کے ماسٹر تھے ان کے حوالے سے ایک مولوی
صاحب نے لکھا کہ ماسٹر صاحب سے ملاقات ہوئی کہنے لگے کہ علی میاں نے طلبہ کو
مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ

تم لوگ علم دین پڑھ رہے ہو اور نائب رسول بننا چاہتے ہو اور اسی لئے آئے
ہو یہ سب ٹھیک ہے اور مبارک ہو مگر یاد رکھو کہ جب تک اپنے اندر روحانیت نہیں
پیدا کرو گے اور اپنے ظاہری و باطنی اخلاق درست نہیں کرو گے اس وقت تک تم دین
اور قوم کا کوئی کام نہیں کر سکتے اور تم سے دین اور قوم کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا آدمی خواہ

کتنا ہی علم حاصل کر لے اور کتنی ہی لمبی لمبی تفسیریں و تحریریں کرنے لگے اور خواہ کتنے ہی بڑے بڑے اور دینی لفظ بولنے لگے مگر جب تک اپنے اندر روحانی کمالات نہیں پیدا کر لے گا اس کو نیابت رسول نہیں مل سکتی اور نہ وہ نائب رسول کہلانے کا مستحق ہو سکتا اور نہ اس سے دین و قوم کو فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ ہر زمانہ کے علماء و صلحا کو دیکھ لو کہ وہ روحانیت ہی کے کمال کے بعد کچھ کر سکے ہیں روحانیت ہی کے کمال کے بعد باتوں میں اثر ہوتا ہے۔

دیکھو فلاں بزرگ فلاں بزرگ کے حالات ہیں ان کی باتوں میں کتنا اثر تھا اور نام بہت سے بزرگوں کے لئے۔ آخر میں کہا کہ دور کیوں جاتے ہو اسی اطراف کے ایک بزرگ حضرت مولانا فلاں مدظلہ العالی جو آباد میں رونق افروز ہیں جا کر دیکھ لو آپ لوگ بھی اُنھیں جانتے ہونگے ان کی باتوں میں کتنا اثر ہے۔ ہر طبقہ کے بڑے بڑے چوٹی کے لوگ پروانہ دار گرتے ہیں اور ان سے فائدہ لیتے ہیں اور ان کی باتوں سے نفع و اثر لیتے ہیں آخر کیا بات ہے۔ حالانکہ ظاہر میں وہاں بعض باتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک احمق اور ظاہر میں اُس سے کچھ متوحش بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ان کے علمی اور باطنی کمالات اور ان کی باطن کی گہرائی ایسی ہے کہ اس کے سامنے سب کو جھکنا پڑتا ہے۔

بڑے بڑے چوٹی کے علماء و امراء سب ہی جھک رہے ہیں اور ان سب کو جھکنا ضروری ہے ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔ یہ سب کیوں محض اس لئے کہ ان میں روحانی و باطنی کمالات کا حق حاصل ہیں جو دین و شریعت کی اساس ہیں۔ انتہی

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامتؒ کی مکاتبت کا سلسلہ کچھ طویل ضرور ہو گیا ہے ایسا کہ ہو سکتا ہے کہ بعض ناظرین پر اتنا طول بار خاطر ہوا ہو۔ ہم ان حضرات سے معذرت طلب کرتے ہوئے اس امر میں یوں معذور ہیں کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے انھیں مولانا ندوی مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا تھا — کہ جو حضرات میرے پاس آمد و رفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی

طرف ہوتا ہے اس لئے ”و محبوب الی قلبی حبیب حبیبی“ کی رو سے حضرت مولانا کے جتنے بھی خطوط نقل کئے جائیں کم ہیں تاہم جس قدر خطوط ہمیں دستیاب ہو سکے وہ پیش کئے جا چکے اور آخر میں مولانا کی ایک تقریر بھی ہم نے نقل کر دی۔ اس طور پر حضرت مولانا اور مولانا ندوی مدظلہ العالی کے مابین مکتوبات کا سلسلہ یہاں پر ختم ہوتا ہے لیکن چلتے چلتے ایک بات اور یاد آگئی جو بمبئی کی ایک گفتگو ہے جو حضرت مولانا اور مولانا ندوی کے مابین ہوئی اور یہ راقم ہی اس میں واسطہ تھا۔

ناظرین کو یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت اقدس کا رسالہ ”التذکیر بالقرآن“ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کے نام حضرت کا ایک خط ہی تھا۔ علاوہ ان میں حضرت والا کی ایک دوسری کتاب ”وصیۃ الاخلاص“ کے محرک بھی دراصل مولانا ندوی ہی تھے انھیں کی فرمائش پر یہ رسالہ حضرت نے تالیف فرمایا تھا۔ یہ بھی ناظرین کو معلوم ہو چکا لیکن حضرت اقدس کا ایک عظیم الشان رسالہ جو اب تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔

یعنی نسبت صوفیہ کا حصہ دوم۔ اس کی تالیف کے بھی مؤید مولانا ندوی ہی تھے۔ پورا رسالہ معرفت حق میں مستقر یہ شائع ہونے والا ہے۔ ناظرین کے ملاحظہ سے گزرے گا۔ یہاں صرف اس سلسلہ میں مولانا ندوی سے جو گفتگو ہوئی اسے نقل کرتا ہوں۔

ربط کے لئے اتنا اور سمجھ لیجئے کہ تصوف اور نسبت صوفیہ کے نام سے حضرت اقدس کا نہایت معرکتہ الآرا رسالہ علمدہ سے کتابی شکل میں جو شائع ہوا تو وہ بھی مولانا ندوی مدظلہ ہی کی فرمائش پر شائع ہوا اور ابتداء رسالہ معرفت حق میں جب وہ طبع ہوا تو حسن اتفاق کہ انھیں ایام میں حضرت مولانا ندوی الہ آباد کسی جلسہ میں تشریف لائے اور حضرت ہی کے یہاں قیام فرمایا۔ بعد ظہر حضرت والا نے راقم سے فرمایا کہ وہ مضمون جو مولانا منظور صاحب نے بہت پسند کیا ہے اور جس کے متعلق تم کو لکھا ہے وہ علی میاں کو بھی سناؤ اور پوچھو کہ مولانا منظور صاحب نعمانی نے

تو اسے بہت پسند کیا ہے آپ کی کیا رائے ہے؟
 مولانا کو ان دنوں آنکھوں کی تکلیف تھی اس لئے دھوپ سے احتیاط فرماتے
 تھے۔ راقم جب ان کے کمرہ میں پہنچا تو نماز کے لئے وضو فرمانے جا رہے تھے۔ میں نے
 حاضری کی غرض بیان کی اور عرض کیا کہ حضرت والا نے مجھے بھیجا ہے آپ نماز سے
 فارغ ہولیں تو ایک مضمون سناؤں۔ فرمایا کہ دیر ہوگی حضرت منتظر رہیں گے لہذا تم سنانا
 شروع کر دو میں وضو کر رہا ہوں اور جو رہ جائیگا وہ نماز کے بعد سنا دینا۔

چنانچہ میں نے سنانا شروع کیا مولانا سنتے رہے اور محفوظ ہوتے رہے اور کچھ حصہ
 سننے کے بعد فرمایا کہ کیا بتائیں ابھی ابھی فلاں مولوی صاحب (جماعت اسلامی کے
 ایک مولوی صاحب کا نام لیا) ملنے آئے تھے ابھی واپس گئے یہ اُن کے بڑے کام کی چیز تھی
 مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کاش وہ سنتے تو بہت مستفید ہوتے۔

اس کے بعد نماز سے فارغ ہو کر پورا مضمون سنا اور بہت خوش ہوئے اور فرمایا
 کہ ایسے مضامین کتاب کی صورت میں ہونا چاہئے۔ رسالہ کے اندر مضمون کی اتنی
 وقعت نہیں ہوتی جتنی مستقل کتاب سے ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر مستقبل
 قریب میں یہ کتاب یہاں سے شائع ہو تو مجھے بھی پسند نسخے ارسال فرمائیے گا میں اپنے
 احباب کو تحفہً پیش کروں گا۔ یہ اتنا واقعہ کتاب کے سلسلہ میں الہ آباد میں پیش
 آچکا تھا۔

چنانچہ بمبئی میں ایک بار حجب علی میاں تشریف لے گئے تو حضرت والا کا قیام
 بھی وہاں تھا مولانا ندوی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور پھر اپنے مستقر پر واپس تشریف
 لے گئے اس وقت حضرت نے راقم الحروف کی زبانی ان کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا۔
 چونکہ آپ کو میری کتاب ”نسبت صوفیہ“ بہت پسند ہے اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ
 اگر آپ فرمائیں تو اسی نسبت صوفیہ کی دوسری قسط پیش کروں اور وہ ہوگی ”نفس کی
 بحث“ اس لئے کہ تمام مشائخ جو مشائخ ہوئے تو اسی سے کہ انھوں نے اپنے نفس کو مارا
 ہے۔ اور اس کو رام کیا لہذا ان حضرات کے یہاں کی یہ خاص بحث ہے۔ اللہ تعالیٰ سے

نسبت حاصل ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ آدمی کو اپنے نفس سے نسبت باقی رہتی ہے۔

آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ اس کی بحث چھیڑوں یا نہیں۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی نے راقم سے فرمایا کہ حضرت سے میرا سلام عرض کیجئے گا اور کہئے گا کہ حضرت ضرور اس کی بحث فرمادیں اس زمانہ میں اسی کی تو بحث نہیں رہ گئی ہے۔ یا تو ماضی بعید میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی شدد کے ساتھ اس کی بحث فرمائی تھی جس پر انکی تصانیف بالخصوص احیاء العلوم دال ہے اور یہ انکے اخلاص ہی کی برکت ہے کہ آج تک ان کی کتاب اصل سلوک کے لئے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔ یا پھر ادھر بھی ماضی قریب میں حضرت مولانا تھانویؒ نے اس کی بحث فرمائی ہے اور اصلاح کی ہے اور اب حضرت کی ذات مغفلات وقت میں سے ہے کہ نفس کی بحث فرما رہے ہیں۔ اور اصلاح کر رہے ہیں۔ اس لئے میری تو رائے ہے کہ اس کی بحث تو ضرور ہونی چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حالاتِ زمانہ اور اہل زمانہ کے مطابق ہوگی اور سبھی لوگوں کو مفید ہوگی خاص کر طلبہ اور علماء کو اس سے بہت نفع پہونچے گا۔

دیکھئے جس طرح حضرت مولانا ندوی نے مؤکے اُس جلسہ میں علماء اور طلباء کو روحانیت حاصل کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اس کے لئے مشائخ کی صحبت کو ناگزیر بتایا تھا اور اسی سلسلہ میں حضرت مصلح الامت کی جانب بھی متوجہ فرمایا تھا اسی طرح یہاں بھی مصلح الامت سے درخواست فرما رہے ہیں کہ وہ نسبت صوفیہ کی قسط دوئم ضرور تالیف فرمائیں اس سے انشاء اللہ تعالیٰ طلبہ اور علماء کو نفع پہونچے گا۔

اس بیان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا ندوی بھی اس کی ضرورت محسوس فرما رہے تھے کہ طلبہ اور علماء کو تحصیل نسبت کی فکر کرنی چاہئے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اس کے حصول کے لئے اس زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اکیسر ہے اور حضرت کی

تصانیف اور تالیفات میں ایک طالب حق کے لئے کافی سامان موجود ہے۔
 بہر حال خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت کا زمانہ پایا اور صحبت سے
 مستفید ہوئے اور جن حضرات کو یہ شرف نہ حاصل ہو سکا ان کے لئے حضرت والا کی تصانیف
 اور ارشادات بھی اس مقصد کے حصول کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی و وافی ہیں اور
 بحمد اللہ تعالیٰ آج بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مطالعہ کی اور اس کے مطابق عمل
 کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کی مکاتبت یہاں ختم ہوئی۔
 اب اس کے بعد اپنے بعض احباب کے اصرار سے جامع معقول و منقول اشاذ الاسانذ
 حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلایاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرتدہ
 کے مابین جو مکاتبت ہوئی ہیں اس کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل
 کرنا چاہتا ہوں اور اس میں شک نہیں کہ حالات کا یہ حصہ بھی بڑا ہی دلچسپ اور نہایت
 پر لطف ہے اور گونا گوں افادات و افاضات پر مشتمل ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک
 طالب کے لئے اس میں عبرت و نصیحت کا خاصا سامان موجود ہے۔
 اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی اس مجمع البحرین تک رسائی کو حصول مقصد کا (یعنی
 معرفت حق) کا ذریعہ بنادے۔ آمین

شیخ المتقول المنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صنا، بلیا دئی اور حضرت مصلح الامۃ

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا فچپوری نور اللہ مرقدہ کو جن خصوصیات سے نوازا تھا۔ ان کے منجملہ ایک خاص چیز جو حضرت کے ساتھ پیش آئی وہ یہ تھی کہ ایک ایسی شخصیت جس کا ابتدا و حضرت والا کے اساتذہ میں سے شمار ہوتا تھا وہ انتہاء حضرت اقدس کے مجازین اور خلفاء کے زمرہ میں شمار کی جانے لگی۔

اس طرح سے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جو کبھی طالب تھا وہ مطلوب ہو گیا اور جو مطلوب تھا وہ طالب نظر آنے لگا۔
”إِنَّ هَذَا مِنْ أَعَاذِيبِ الزَّمَنِ“

دنیا میں اس نوع کے واقعات جو نہ شاذ و نادر ہی ہوا کرتے ہیں اس لئے میں نے اسکو خصوصیت کے عنوان سے تبصیر کیا۔ اب جو حضرات کہ حقیقت حال سے واقف نہ ہونگے انہیں شاید اول دہلہ میں یہ سنکر تعجب بھی ہو کہ حضرت علامہ بلیا دئی۔ حضرت مولانا فچپوری کے مجاز اور خلیفہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ بات تو بلاشبہ استعجاب کی ہے لیکن واقعہ یوں ہی ہے اب اسکو کیا کیجئے گا پیش کردہ مکاتبت کے مطالعہ سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا یہ استعجاب دور اور حیرت کا فور ہو جائے گی نیز حضرت فچپوری کے مرتبہ اور مقام سے بھی آپکو ایسی واقفیت ہو جائے گی۔ جو

شاید اس سے قبل آپ کو نہ رہی ہو اور گو حضرت ہم سے دور ہو گئے ہیں لیکن انشاء اللہ تعالیٰ ان حالات کے پڑھنے کے بعد ناظرین، حضرت نور اللہ مرقدہ سے اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ قریب پائیں گے۔ بشرطیکہ حضرت علامہ نے جو سبق اپنے ان کمات میں دیے ہیں ہم اس کو سمجھیں اور اس پر عمل سے غور کریں ورنہ تو سرسری طور سے ان پر گزر جانے سے اول تو بات ہی سمجھ میں نہیں آتی اور اگر آ بھی جاتی ہے تو نفس و شیطان اپنی تزویر تسویل سے اس کو ہذا مخصوص واقعہ لا عموم لہا کہہ کر اُدھر سے انسان کو ہٹا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تو کامیاب ہو جاتا ہے اور ہم محروم رہ جاتے ہیں اور بقول حضرت اسکا مصداق ہو جاتے ہیں کہ ۵

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق، توں کا
زورم بھی پیسا پر نہ سمجھی آگ جگر کی
اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے مکائد سے ہیں محفوظ رکھے اور بزرگوں کے فیوض و برکات سے
بہرہ ور نہ رہے۔ آمین

حضرت مصلح الائمہ کا گرامی نامہ جو حضرت علامہ کی تشریف آوری پر
بطور تشکر ان کے نام ارسال فرمایا

بخدمت حضرت استاذی المکرم و المعظم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں قدوم مہنت لادوم کے شکر کے طور پر کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کی تشریف آوری میرے لئے باعث کمال فخر بنی نیز اس سے بہت بہت خیرات و برکات کا درود و نزول ہوا منجملہ انکے ایک بہت بڑا نفع مجھے یہ ہوا کہ میرے قلب کو بہت ہی تقویت پہنچی و زقوان دنوں خود کو بہت ہی زیادہ ضعیف اور کمزور پاتا تھا اور یہ ضعف خارجی آثار کے اعتباراً

سے تھا یعنی حالاتِ زمانہ نے مجھے کمزور و ناتواں بنا دیا تھا۔ اصلی و ایمانی ضعف نہ تھا بلکہ خارجی و عارضی تھا۔

صاحبِ روح المعانی آیت وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْجُزُ اللَّهُ عَلَى حَرْفٍ إِنَّ أَصَابَهُ خَيْرٌ لِّطَبْعِهِ بِہ کی تفسیر میں اطمینان سے اطمینان ظاہری مراد لیتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ مومنین جس اطمینان کے ساتھ متصف ہوتے ہیں وہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی تیز و تند ہوا بھی اس کو حرکت نہیں دے سکتی اور نہ کوئی موڑنے والی چیز اس کو موڑ سکتی ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

قوله تعالى - اطمئن به - اے ثابت علی ما کان علیہ ظاہراً
 لا اِنَّه اطمئن به اطمینان الموصوف الذین لا یُحز حَم عاصف
 ولا یُشْنِم عطف۔

بہر حال آپ کی ملاقات سے اپنا عارضی ضعف بھی تبدیل بقوت ہو گیا اور جناب کی تشریف آوری سے مجھے جس قدر مسرت ہوئی اس کو میں بیان نہیں کر سکتا چونکہ میں تو آپ ہی کا ہوں آپ میرے بزرگ اور بڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑائی عطا فرمائی ہے کہ ایک بڑی جگہ پر فائز ہیں ظاہر ہے کہ آپ کو میری کسی امر میں احتیاج نہیں تاہم آپ نے اس کبر سنی میں اس قدر طول و طویل اور دشوار گزار سفر جو اختیار فرمایا اس کی بڑی قدر ہوئی کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ ایسے ایک معاصر دوسرے معاصر سے ملنے کا روادار نہیں اور عقیدت کا توبہ چھنا ہی کیا ہے لیکن آپ کا اکابر میں سے ہو کر بھی اپنے اصغر کے ساتھ حسن ظن قائم فرما کر یہاں اس طرح سے تشریف لانا بلاشبہ آپ کی کرامت ہے۔ اور غایتِ درجہ تواضع اور انکسار کا نمونہ اور مثال قائم کرنا ہے۔

یہ میں آپ کی تعریف نہیں کر رہا ہوں بلکہ اُس مرکز کی تعریف کر رہا ہوں جس کے اسلاف کی سنت کے ساتھ آپ کو متصف دیکھ رہا ہوں۔ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع اپنے حضرات میں ضربِ المثل تھی پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس دور میں اس ادارے کی ممتاز شخصیت کو حضرت کا یہ فیض نہ پہنچتا۔ یہی چیز اپنے اکابر کا طغرل امتیاز

تھی اور اسی نے انکو تمام عالم میں چمکایا تھا۔ لیکن اب اس زمانہ میں اگر یہ مفقود ہو گئی تھی تاہم احمد اللہ کہ پھر اس کی ابتدا ہوئی اور اپنے مرکز ہی سے ہوئی جو ہر جہاں کی ہوتی ہے وہی سے ملتی ہے۔

بڑی خوشی اس امر کی ہوئی کہ آنجناب نے اصل کام کی طرف توجہ کرنے کو فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بزرگوں کا یہی کام تھا جس کی جانب جناب نے توجہ فرمائی ہے۔ یوں بعض دوسرے حضرات نے بھی مجھ سے وہاں کی اصلاح کے متعلق کچھ فرمایا تھا اور اسکا مجھ پر اثر بھی ہوا تھا مگر جس انداز سے آپ نے فرمایا اُس طرح کسی نے نہیں کہا اس لئے آپ کے فرمانے سے میں بہت ہی متاثر ہوا۔ بہر حال آپ کے بیش نظر اس وقت چونکہ محض دین اور بزرگوں کا طریق ہے چنانچہ اسی کے لئے آپ نے یہ تکلیف اٹھائی تو آپ نے تو اخلاص پر قدم رکھ ہی دیا۔

میں بھی اخلاص پر قدم رکھ دوں پھر تو دوسری آدمی بہت کچھ کام کر سکتے ہیں اگر ایک دل ہو جائیں آپ اندر سے کام کریں اور میں باہر سے تو بس پھر کسی اور کی طرف نظر کرنے کی ضرورت نہیں بس اسی طرح کام شروع کر دیا جائے تو بھی انشاء اللہ تعالیٰ کثیر نفع متوقع ہے اب طریق کار کے متعلق عرض کر رہا ہوں۔

ہمارے اکابر سب کامل صوفی تھے اور جامع شریعت و طریقت تھے اور ہر دور میں انھیں حضرات سے اصلی خدمت دین کی طور میں آئی ہے چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک طویل مکتوب میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ وھذا قصہ۔

(۱) الحمد للہ الذی اقم فاجزل داعطی فافضل خمدہ
ولمستغفرہ ولغوڈ باللہ من شرور انفسنا ومن سلیات
اعمالنا من یومئذ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ
واشهد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان
محمد عبیدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ

و بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

(۲) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَقْوُوا اللَّهَ وَأَتَّبِعُوا

إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

(۳) وَقَالَ تَعَالَى فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ

طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

(۴) وَقَالَ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ

فَوْقَ أُمْنِيِّهِمْ فَهُمْ يَزِيدُكَ فَايْمًا يَكُتُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى

بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ۔ (۱) تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے انعام فرمایا

اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا۔ عطا فرمایا اور خوب ہی خوب بخششوں سے سرفراز فرمایا

ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے استعانت اور مغفرت طلب کرتے ہیں اور اسی

کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفس کے شر سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے جس کو خدا

ہدایت بخشنے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کرنا خدا تعالیٰ ہی کو منظور ہو

اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اد میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ

ذات واحد ہے اسکا کوئی سیم و شریک نہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ

کا اُن پر صلوٰۃ و سلام ہو اور برکتیں نازل ہوں اور اُن کے تمام آل اور اصحاب

پر بھی۔

(۲) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی

جانب وسیلہ اختیار کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔ ہو سکتا ہے کہ تم صلاح

پا جاؤ۔

(۳) نیز فرمایا کہ کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی سی جماعت سفر کیا کرے تاکہ دین کا علم حاصل کرے اور جب بڑی جماعت کے پاس واپس آوے تو یہاں آکر انکو بھی اپنے حاصل کردہ علم کے ذریعہ ڈراوے (یعنی وعظ و تبلیغ کر کے انہیں خون و خشیت خداوندی پیدا کرے) شاید یہ لوگ بھی ڈر جائیں۔ (اور دین کے راستہ پر لگ جائیں)۔

(۴) نیز فرمایا کہ جو لوگ (اے رسول) آپ سے بیعت کرتے ہیں (دراصل وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان سب کے ہاتھوں کے اوپر ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس بیعت سے باخبر ہے اور ان کے اس عہد پر شاہد ہے) لہذا جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا وہ اپنا ہی کچھ نقصان کرے گا۔ اور جو شخص اپنے اللہ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد کا پاس و لحاظ رکھے گا اور اسکو پورا کر دکھائے گا تو غریب اللہ تعالیٰ اسکو اس پر اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

۱۔ اما بعد فيقول خادم العلماء والصوفية والمتسك باذيا لهم العلية ولي الله بن عبد الرحيم عاملهما الله تعالى بفضلهم العظيم ان من اجل نعم الله تعالى التي لا يستطيع العباد شكرها ان بعث الانبياء مترجمين عن الغيب هادين الى طرق التقرب الى الله تعالى ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حي عن بينة ثم جعل لهم ورثة يقومون بعلمهم بين الناس ولجيون سنتهم وميدعون الى رشدهم.

۲۔ ومظم ما دعت الى اقامته الرسل امور ثلاثة تصحيم العقائد في المبدء والمعاد والمجازاة وغيرها وقد تكفل بهذا الفن اهل الاصول من علماء الامة شكر الله تعالى مساعيمهم وتصحيح العمل في الطاعات المقربة والاحترافات الضرورية على وفق السنة وقد تكفل بهذا الفن فقهاء الامة

فهدى الله بهم كثيرين واقام لهم فرقه عوجاء وتصحيح الاخلاص
والاحسان الذين هما اصلا الدين الخفيف الذى امرتضاه الله
لعبادته - قال تبارك وتعالى وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ
وَيْنُ الْقِيَمَةِ ط

٣ - وقال ان المتقين فى جنت وعيون آخذين ما اتاهم ربهم
انهم كانوا قبل ذلك محنين كانوا قليلا من الليل ما يهجعون وبالاسحار
ليستغفرون وفى اموالهم حق للسائل والمحروم وفى الارض آيات للموقنين
وفى انفسكم افلا تبصرون -

٤ - وقال رسول الله صلى عليه وسلم انما الاعمال بالنيات وقال
فى جواب جبرئيل الاحسان ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه
فانه يراك - والذى نفسى بيده هذا الثالث ادق المقاصد الشرعية
ماخذاً واعمقها محتداً وهو بالنسبة الى سائر الشرائع بمنزلة الروح
من الجسد وبمنزلة المعنى من اللفظ وقد تكفل به الصوفية ^{الله} رضوان
عليم جميعين فاهتدوا وهدوا واستقوا واستقوا ونازوا بالسعادة القصرى وحازوا
السهم الا على قلته ثم ما اعم نفهم واتم نورهم -

٥ - ولما كان رضاء الحق ان علماء الامة ان يسعوا فى
بقاء النور لما خوذ من الانبياء صلوات الله عليهم واشاعته
وحمل الناس على الاهتداء به كما قال فلولا نفر من كل
فرقة - الآية -

وقال فكنتم كنوا ربانيين بملكتم تعلمون الكتاب وبما كنتم
تدرون واثروا نصب الخلفاء وبعث الدعاة عصر بعد عصر وطبقة
بعد طبقة لتكون كلمة الله هى العليا وليتحقق على ايديهم

ما دعد الله فی محکم کتابہ حیث قال دانا لہ لحافظون۔

۶۔ والخلافة ظاهرة وباطنة فالخلافة الظاهرة اقامة الجها

والقضاء والحدود والجباية والثور والخراج وقسمتها على مستحقها
وقد حل اعباءها العادون من ملوك الاسلام والخلافة الباطنة
تعليم الكتاب والحكمة وتزكيتهم بالنور الباطن بقوارع الوعظ وجواذب
الصحة۔ كما قال عز من قائل لقد من الله على المؤمنين اذ بعث
فيهم رسولا من انفسهم يتلو عليهم اياته ديزكيتهم ويعلمهم الكتاب
والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين وفيهم قال النبي
صلى الله عليه وسلم العلماء ورثة الانبياء وقال فضل العالم على العابد
كفضلني على ادناكم ولا يكون الخليفة الا من جمع المقاصد الثلاثة
التي ذكرناها وحفظ الكتاب والسنة وتدارب في قوانين السلوك
وتربية السالكين۔

اما الدعاة فلا يشترط فيهم الا العدالة والسمت الصالح
والوفاء بشرط الخليفة الباعث فيما ائتمنه وقد جرت السنة عن
النبي صلى الله عليه وسلم بكل ذلك كما فصلنا ذلك في موضعه هذا
(تفهيمات الهمية ص ۱۷۰)

ترجمہ :- ۱۔ بعد حمد و صلوة کے حضرات علماء اور صوفیاء کرام کا یہ حنادم
جو کہ ان حضرات کے بلند و مقدس دامنوں سے لپٹا اور چمٹا ہوا ہے یعنی ولی اللہ بن عبد الرحیم
(اللہ تعالیٰ ان باپ بیٹے دونوں کے ساتھ اپنے فضل عظیم اور لطف عظیم کا معاملہ فرمائے)
عرض پر داز ہے کہ منجملہ حق تعالیٰ کی اُن بڑی بڑی نعمتوں کے کہ بندے جس کا شکر
ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہیں ایک نعمت حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانا بھی ہے جو کہ
غیب کے ترجمان اور تقرب الی اللہ کے راستوں کی جانب رہنمائی فرمانے والے ہیں (یعنی
انہوں نے غیب کی ترجمانی اور راہ حق کی جانب رہنمائی فرمادی) تاکہ اب اسکے بعد جو ہلاک ہو

عہ ترجمہ میں نہیں تھا اب افادہ عوام کے لئے کیا جا رہا ہے۔

وہ دلیل و برہان دیکھنے کے باوجود ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ علی وجہ البصیرت دلائل اور شواہد حق کی روشنی میں زندہ ہے۔

پھر انبیاء کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کے ورثہ بھی بنائے تاکہ وہ لوگوں کو انبیاء کی تعلیمات بتائیں اور اُن کا طریقہ سکھائیں اور اُن کی صداہیات کی جانب رہنمائی فرمائیں۔

۲۔ (جاؤ کہ) انبیاء علیہم السلام نے جن اُمور کے قائم کرنے کی جانب دعوت دی ہے اُن میں جوڑ کی تین چیزیں ہیں ایک تو مبادیٰ و معاد اور مجازاۃ وغیرہ (یعنی بیدارگی قیامت اور آخرت کی جزا و سزا) کے متعلق عقائد کی تصحیح۔ چنانچہ علماء امت میں سے اس فن کی تکمیل کی کفالت حضرات علماء اصول نے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن حضرات کی سعی مشکور فرمائے۔

دوسری چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی طاعات اور دیگر دنیوی ضروریات سے متعلق جو افعال و اعمال کرنے ہوں انکا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں صحیح طریق کار بیان کرنا۔ چنانچہ اس فن کی کفالت فقہاء امت نے فرمائی جن سے اللہ تعالیٰ نے ایک کثیر جماعت کو ہدایت یاب فرمایا اور بہت سے کج رویوں پر آگے۔

(فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء)

تیسری اہم چیز جن کی جانب حضرات انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی ہے۔ وہ احسان اور اخلاص کی تصحیح تھی۔ جو کہ دین حنیفی کی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے اصل ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔ یہ لوگ نہیں حکم دئے گئے تھے مگر اسکا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کریں کہ طاعت کو اسی کے لئے خالص کرنے والے ہوں یعنی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں۔ شرک سے اجتناب کریں اور تمام ادیان باطلہ سے رخ پھیر کر صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی جانب رخ کریں اور نمازیں قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں۔

اور یہی مستحکم اور پسندیدہ دین ہے۔

۳۔ نیز فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بیشک متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہونگے اور اُن کو ان کے لئے آپ نے جو کچھ مرحمت فرمایا ہوگا اُس سے لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔ (یہ صلہ ہے اسکا کہ) یہ لوگ اس سے قبل یعنی دنیا میں نیکو کار یعنی مخلص تھے۔ راتوں کو کم سوئے تھے اور آخر شب یعنی سحر کے وقت استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے اموال میں سوالی اور غیر سوالی سب کا حق ہوتا تھا۔ اس میں یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں بلکہ خود تمھارے نفس کے اندر بھی نشانیاں موجود ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

۴۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ :- احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کرو گویا کہ تم اسکو دیکھ رہے ہو۔ اور تم کو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو کم از کم اس تصور کے ساتھ عبادت کیا کرو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔

اور قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان جس کے قبضہ میں ہے یہی قسم مقصد بعثت انبیاء کا جملہ مقاصد شرعیہ میں دقیق ہے ماخذ کے اعتبار سے اور گہرا ہے جڑ کے اعتبار سے اور بمنزلہ روح کے ہے۔ بدن کے اعتبار سے اور یہ بمنزلہ معنی کے ہے اور سب لفظ ہیں چنانچہ اس فن کی کفالت حضرات صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ چنانچہ یہ حضرات خود بھی ہدایت یاب ہوئے اور دوسروں کو ہدایت یاب فرمایا۔ خود پیا اور دوسروں کو بھی پلایا اور سعادت قصویٰ کے ساتھ کامیاب ہوئے اور اسکے بڑے حصہ کو سمیٹا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ ان کی خوبی۔ کیا ہی عام ہوا ان کا نفع اور تمام ہوا انکا نور۔

۵۔ اور جب کہ منظور نظر حق تعالیٰ کو یہی بات تھی کہ اس اُمت کے علماء اس نور کے

تحفظ اور بقاء میں کوشش کریں جو کہ حضرات انبیاء سے ماخوذ تھا اور اس کی خوب اشاعت کریں اور اس کے ساتھ ہتھی ہونے پر لوگوں کو ابھاریں جیسا کہ فلولا نفر من کل فرقة الخ سے ظاہر ہے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تم لوگ اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب کو پڑھتے پڑھاتے ہو اور اسکا درس دیتے ہو (توان آیات سے منشاء خداوندی کے ماتحت) علماء ربانی اور صوفیائے حقانی سے خلیفہ بنانے کا طریقہ جاری کیا اور ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں واعظین اور دعاۃ بھیجنے کا دستور ایجاد کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلسن ہو اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں اسکی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا (یعنی۔ وانا لہ لحاظون) وہ ان کے ہاتھوں پر پورا فرمائے۔

۶۔ (پھر یہ سمجھو کہ) خلافت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ خلافت ظاہری میں جہاد و قصائد یعنی (فیصلہ حصومات) کا بندوبست حدود و قصاص کا قیام عشر و خراج کی وصولی اور مستحقین پر اس کے تقسیم کا نظم یہ سب امور انجام دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان سب کی مشقت کو عادل سلاطین اسلام نے برداشت کیا۔ اور خلافت کی دوسری قسم یعنی باطنی میں یہ امور داخل ہیں۔ کتاب و حکمت کی تعلیم۔ لوگوں کا تزکیہ نور باطنی کے ساتھ اور ایسے مواعظ کے ساتھ جو قلوب کو ہلادینے والے ہوں اور ان صحبتوں کے ذریعہ جو قلوب کو جذب کر لینے والی ہوں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جو ان میں انھیں کے جنس سے ایک رسول بھیجا جو ان کو آیات پڑھ کر سناتے تھے اور انکے نفوس کا تزکیہ فرماتے تھے اور انھیں علم و حکمت کی باتیں سکھلاتے تھے اور بلاشبہ یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اسی قسم کی خلافت والوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور منسرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے

جیسی میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر۔

پس خلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ مذکورہ بالا مقاصد ثلثہ کا جامع ہو اور اسکے ساتھ ساتھ کتاب و سنت کا حافظ (عالم) ہو اور سالکین کی تربیت اور سلوک کے قواعد جو درجہ بدرجہ سالک پر برتے جاتے ہیں ان سے واقف اور تجربہ کار ہو۔

یہ تو خلیفہ کے اوصاف کا بیان ہوا باقی رہے دُعا اور مبلغین تو ان میں صرف عدالت اور حسن خلق کے ساتھ انصاف اور خلیفہ وقت کی شرطوں کا دفا کرنا جن امور میں کہ انھوں نے ان پر اطمینان کیا ہے اور جن کا ان کو امین بنایا ہے انکو پورا کرنا بس یہی شرط ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر تا ایں زمانہ ان دونوں قسموں کی خلافت اور دُعا کا سلسلہ چلا آ رہا ہے جیسا کہ میں نے اپنے مقام پر اس کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

(تفہیمات ص ۱۲ ج ۱)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس میں یہ فرما رہے ہیں کہ چونکہ رضائے حق علماء اُمت کے لئے اس میں تھی کہ وہ سعی کریں۔ اس نور کے باقی رکھنے میں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ چلا آ رہا ہے جیسا کہ فَلَوْلَا نَفَاةٌ مِنْ كُلِّ فِرَاقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ الْاٰیۃ اور كُوْنُوْا رِبَّآ نَبِيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے اس بناء پر عصر بعد عصر اور طبقہ بعد طبقہ خلفاء عن سلف سب نے توارث کر لیا۔ خلفاء کے نصب کرنے کا اور دُعا کے بھیجنے کا اکناف و اطراف میں۔

یہ تھا منون طریقہ کار اپنے بعد والوں کیلئے اور یہ تھی حفاظت دین اس سے بڑھ کر اسکا کوئی طریق تھا ہی نہیں۔

چنانچہ شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں جو وعدہ دَنَا لَكَ لِحَافِظُوْنَ کا فرمایا تھا وہ ان خلفاء کے ہاتھوں پر پورا کیا گیا۔ کیا ہی مبارک ہیں

وہ لوگ جن کے ہاتھوں دین کی اصلی حفاظت کا وعدہ پورا ہوا۔ رہے سعادت نہ نصیب مگر یہ خلفاء وہ ہیں جو کہ کتاب و سنت کے حامل ہوں اور ان کے پورے متبع اور اس کے ترجمان ہوں۔ یا تو خلفاء ہی کے ہاتھوں دین کا اتنا بڑا کام ہوا یا اب ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں کے ہاتھوں یہ کام بگڑ رہا ہے اور پوری طرح یہ مثل صادق آتی ہے۔ ع۔

”اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے“

غرض جو طریق کار تھا وہ ہی بگڑ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ کام یوں چلا آ رہا ہے جب کہ اہل کے ہاتھ میں تھا اور یہ لوگ اس کے حامل تھے اور حجب نا اہل کے ہاتھ میں جائے گا فساد اس کا دھرا ہوا ہے۔

جنانچہ مشاہد ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ولا یمکون الخلیفۃ الامت جمع المقاصد الثلاثۃ التواذک ناھا (ای تعجیم العقائد فی المبداء والمعاد وتصحیح العمل فی الطاعات المقربۃ وتصحیح الاخلاص والاحسان وحفظ الکتاب والسنة وتمدرب فی قوانین السلوک و تربیۃ السالکین)۔

اور آج حال یہ ہے کہ ان شرائط میں کس قدر اخلاص ہو گیا ہے بلکہ مطلقاً ان کا اہمال ہی ہو گیا ہے کہ نہ کتاب و سنت ہی کا علم ہے نہ قوانین سلوک کا تجربہ ہے اور نہ سالکین کی تربیت کا ڈھنگ اور سلیقہ ہے اور یہیں خلیفہ۔ ع۔

”بہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا“

اب ظاہر ہے کہ جب حالات یہ ہوں تو یہ لوگ فَاُولَٰئِکَ کَانَ سَعٰیہُمْ مَّشْکُوْرًا کا کیا مصداق ہو سکتے ہیں اور ان کی سعی کیونکر مشکور ہو سکتی ہے آخرت میں تو کیا مبر و مشکور ہوتی دنیا میں بھی ان لوگوں کی سعی نامشکور ہی رہتی ہے۔

اگے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وان اخانا الصالح الراغب فی اتباع حبیب اللہ صلوات اللہ علیہ و سلامہ المستقر بذک اللہ والتفکر فی الائمہ الشیخ محمد عابد

بن علاء الدين بن سيف الله زاد الله في توقيقه صاحب سیدی
الوالد وجدی لای قدس اسرارهما واخذ عنهما اشغال
الطرق الثلاث-

التشبه بديه والجبلانية والجنسية وعمل بهما مدة طويلة
وصحب بعدهما هذا الفقير عفا الله عنه والمحقة بسلفه
وحصل السكينة الباطنة واليادداشت على ما احب-

ثم انه شرح الله صدری ان اختاره داعيا الى اشغال الطرق
الثلاث وارضىه من كيا بفيض صحبة الموفقين من عباد الله
والهمنى انه حقيق بان يخذ عنه الاشغال ويستفيض بنور صحبه
الساكنون وان الله جاعل في صحبه للناس خيرا فها انا اجيزه
لتبليغ الاشغال والا وراى الى سمع منى ومن سيدى المذكورين
وعمل بهما وراى اثارها الى من توسم فيه الخير من الناس
كما اجازنى السيد الوالد قدس سره بسند المصل بالنبى
صلى الله عليه وسلم صحبة وتلقيا لاحسان بل اجازة ايضا ان شاء الله تعالى
فيدة كيدى وامره كامرى-

واوصيه خاصة نفسه بتقوى الله ومجانبة الهوى وترك صحبة الملو
والامراء والقيام بالاذكار وكظم الغضب الا فى الله ولزوم جادة السنة
فى المكرة والمنشط وترك السؤال من الناس وان يعقد فى الحديثين
والفقهاء خيرا وان يجلس نفسه عن الشطح وكل ما يكرهه
الشرع ما استطاع واوصيه بمن معه ان يامرهم بالمعروف
ينهاهم عن المنكر ويحضهم على طاعة الله ويعجده فى اصلاح امرهم
والشفقة عليهم-

ويامر كل من بايعه بالاذكار المستوتة ونحفض والمستعدين

منهم على الاشغال القلبية والمواقبة -
 واوصيه في حق نفسه ان يدعو الله لي وينا صحنى و يفعل
 بمشائى مثل ذالك فان وفى بالشروط قل الذ ظنى به وان نكث
 فسيعلم الذين ظلموا انى منقلب يتقلبون -
 (تفہیمات ۱۵ ج ۱)

ترجمہ : بیشک میرے نیک و صالح بھائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع
 میں رغبت کرنے والے ہیں اور ذکر اللہ کے عاشق نیز تفکر فی آلہ اللہ کے شیعائی ہیں۔
 محمد عابد بن علاء الدین بن سیف اللہ اللہ تعالیٰ ان کی توفیق میں اضافہ فرمائے میرے
 والد اور نانائے کی صحبت میں رہے اور دونوں بزرگوں سے تینوں سلسلے یعنی نقشبندیہ
 قادریہ اور چشتیہ کے اشغال اخذ کئے اور ایک طویل مدت تک اس پر عامل رہے پھر
 ان دونوں حضرات کے بعد اس فقیہ کی صحبت میں رہے (اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے
 اور اپنے اسلاف کے ساتھ لاحق فرمائے) اور سکینہ باطنہ اور نسبت یادداشت میری صوابدید
 کے مطابق حاصل کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو اس بات کے لئے کھول دیا کہ میں ان کو طریق ثلاثہ
 کے لئے داعی منتخب کروں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے فیض صحبت کے لئے
 اُن کو مزکی بنائوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ الہام فرمایا کہ بیشک یہ اس کے لائق ہیں
 کہ ان سے اشغال اخذ کئے جائیں اور سائیکین انکے نور صحبت سے روشنی حاصل کریں۔
 اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحبت میں لوگوں کے لئے بھلائی کرنے والے ہیں۔ لہذا میں
 ان کو اجازت دیتا ہوں کہ جن لوگوں میں خیر کے آثار دیکھیں ان کو وہ اشغال وادارہ
 تعلیم کر دیں جو انھوں نے مجھ سے اور میرے والد صاحب اور نانائے سے سنا ہے اور اُن پر
 عمل کیا ہے اور ان کے آثار کو دیکھا ہے۔ جیسا کہ مجھ کو میرے والد صاحب نے اجازت دی
 اپنی اس سند کے ساتھ جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے۔ میں ان کو

صحبت نیز احسان کے تلقی کی اجازت دیتا ہوں بلکہ دوسروں کو اجازت دینے کی بھی۔
 پس انکا ہاتھ میرا ہاتھ ہے اور انکا فرمان میرا فرمان ہے۔

اور میں ان کو ان کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی اور
 ہوئی ہے محابنت کی اور امراء و سلاطین کی صحبت سے پرہیز کرنے کی اور اذکار کے
 التزام کی اور سوائے غضب فی اللہ کے غصہ کو ضبط کرنے کی اور مکروہ اور منشط میں
 سنت کے طریق کو لازم پکڑنے کی۔ اور لوگوں سے سوال ترک کرنے کی نیز یہ وصیت
 کرتا ہوں کہ محدثین اور فقہاء کے بارے میں اچھا گمان رکھیں اور اپنے
 نفس کو حتی الوسع شطیحات اور ہر اُس چیز سے محفوظ رکھیں جو کہ شرعاً
 مکروہ ہو۔

اور جو لوگ ان کے ساتھ رہیں اور ان کے بارے میں انھیں یہ وصیت کرتا ہوں
 کہ ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر
 ان کو ابھاریں اور ان کے حال کی اصلاح اور ان پر شفقت کرنے میں پوری
 کوشش کریں اور جو لوگ کہ ان سے بیعت کریں ان کو اذکار مسنونہ کا حکم کریں
 اور ان میں سے جو لوگ مستعد ہوں ان کو اشغال قلبیہ کی تلقین کریں۔

اور خود اپنے بارے میں ان کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ
 سے دعا کریں اور میرے حق میں خیر خواہی کیا کریں۔ اور میرے مشائخ کے ساتھ
 بھی یہی برتاؤ رکھیں۔

پس اگر انھوں نے یہ شرط (بیعت) پوری کی تو خیر ان سے مجھے یہی توقع
 بھی ہے اور اگر (خدا نخواستہ) انھوں نے عہد کے خلاف کام کیا۔ تو عنقریب
 اُن لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔ جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انھیں
 لوٹ کر جانا ہے۔

حضرت شاہ صاحب ان ساری تفصیلات و تحقیقات کے بعد ایک شخص کو خلافت نامہ تحریر فرما رہے ہیں اور بہت سے وصایا و نصائح سے اس کو مزین فرما رہے ہیں جو قابلِ حرز جان بنانے کے ہے میں اس کی تفصیل لکھنا نہیں چاہتا اس کے بعد بھی آخر میں یہ فرما رہے ہیں کہ۔

فان دُفِيَ بِالْشَّرْطِ فَذَلِكَ ظَنِّي بِهِ دَانَ نَكَثٌ فَيَنْعَلِمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا
أَمْثًا مُنْقَلَبٍ يَنْفَلِيُونَ۔

اس پر اس کو ختم فرما رہے ہیں اسکا حاصل یہ ہے کہ جو نکث کرے ان عہود و وصا کا وہ ظالم ہوگا اور اس کو اس کے ظلم کی سزا ملے گی۔
یہ تھی اکابر کی خدمت دین جزا ہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔
آخر میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ کی مشہور و معروف کتاب ارشاد الطاہرین سے ایک نہایت ضروری مضمون جو علماء کے لئے حرز جان بنانے کے قابل ہے نقل کرتا ہوں دھو ہذا۔

دلیل چہ ارم آنکہ جماعت بے نہایت کہ اتفاق شاہ را بر کذب عقل محال
می دانند و آن جماعتی بنفسی است کہ ہر ہر فرد شاہ بسبب تقدیری و علم بنفسی است کہ بہت
کذب بروئے روانہ باشد بزبانِ قلم و قلم زبانِ خبر می دہند کہ مارا بسبب
صحبت مشائخ کہ سلسلہ صحبت شاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم می رسد در باطن حالت
پیدا آیدہ سوائے عقائد و فقہ کہ قبل از صحبت شاہ بداں متعلی بودند و انہیں حالت کہ
حاصل شدہ محبت با خدا و دوستانِ خدا و اعمالِ صالحہ و توفیقاتِ حنات و رسوخ
در اعتقادات حقہ زندہ شدہ و ایں حالت کہ البتہ کمال است و موجب.....
کلمات است۔

سبحان اللہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مضمون کے ذریعہ
 قصوں کو زندہ فرمادیا۔ چنانچہ جو یہ فرمایا کہ در باطن حالت پیدا آدہ سوائے عقائد و فقہ
 اس سے معلوم ہوا کہ متکلم و فقیہ ہونے کے باوجود باطن کی اس حالت کے خلو کے سبب یہ
 لوگ ابھی ناقص ہی ہیں۔ چنانچہ حضرات شائخ کی زبان سے یہ جو سنا جاتا ہے کہ وہ کسی کو
 خشک اور کبھی کور فرمایا کرتے ہیں تو اس سے انکی مراد اسی نقص پر تنبیہ کرنا ہوتا ہے اسی
 طرح سے حضرت قاضی صاحب نے یہ جو فرمایا و اس حالت کہ البتہ کمال است
 و موجب کمالات است۔ اس سے شیخ کے کامل و مکمل ہونے کا مطلب
 واضح ہوا۔

یعنی یہ کہ یہ ایسی حالت ہے کہ ایک جانب تو خود اپنے صاحب کے لئے دیگر کمالات
 کے حصول کا موجب بنتی ہے اور دوسری جانب اسی کے ذریعہ دوسرے لوگوں میں
 بھی اس کمال کا تقسیم ہو کر ان کی بھی تکمیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی لحاظ سے شیخ
 کو مکمل بھی کہتے ہیں کہ اُس کے ذریعہ سے دوسروں کے کمالات کی بھی تکمیل
 ہوتی ہے۔

والسلام خیر ختام خویہ کم وصی اللہ عفی عنہ
 یکم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ۔ الہ آباد
 ۱۵ اپریل ۱۹۱۲ء

گرامی نامہ استاذ الاساتذہ جامع علوم عقلیہ امام منطق و فلسفہ حضرت علامہ ابراہیم صاحب
 بیادینی صدر المدرسین مدرسہ عربیہ دارالعلوم۔ دیوبند

بجواب تشکر نامہ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ کرم نامہ کئی ہفتہ ہوئے ملا تھا۔

طبیعت کی نادرستگی کی وجہ سے تفصیلی جواب نہ دے سکا۔ البتہ مختصر سید حاضر خدمت کرچکا ہوں جو غالباً جناب کو مل گئی ہوگی۔

مخدوم ابوالفتح تھانہ بھون درآئے پھر اور گنگوہ کی دیرانی کے بعد طبیعت بہت افسردہ رہتی تھی البتہ آپ کے احوال و کوائف سن کر یہ مایوسی بدل بہ توقعات و مسرت ہو جاتی تھی اور سمجھ میں آتا تھا کہ دقت کی عام مایوسیاں مستثنیات سے خالی نہیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ سے ملاقات کے مسائل ہم پہنچائے اور میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی آپ سے ملاقات کے بعد مسرت کی بے پایانی میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ ملاقات کی مدت اگرچہ بہت مختصر تھی مگر اس ملاقات سے جو تاثرات مرتب ہوئے وہ بہت دیر پا اور بے پایاں ثابت ہوئے۔ اب بھی اس ملاقات کی مسرتیں اور سرشاریاں میرے دل میں بحالہ باقی ہیں۔

آنحضرت کو میں نے کمال صلاح و اصلاح سے متصف پایا اور آپ کے طریق اصلاح کو اس آیت کا پورا نمونہ پایا۔

وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مَعَ دُؤُنِ اللَّهِ فَيسَبُّوْا اللَّهَ عَدُوًّا

بِغَيْرِ عِلْمٍ - (آیۃ) تم انکے معبودوں کو برامت کہو مبادا وہ جہالت کی وجہ سے خدا کو برا کہنے لگیں۔

اس نفاق اور سلب کمال کے زمانہ میں غیروں کو اپنانا اور اپنوں کو گلے لگانا وہ جنس گر امنایہ ہے جس کا کم از کم اس زمانہ میں ملنا دشوار ہے۔ آپ کا اندازہ صلاح مدعیان نصرت کو بلا کسی جنگ و جدل و حیلہ و تدبیر کے شکست فاش دے چکا ہے۔

اور یہ شعر آپ کی اصلاحی مساعی پر پوری طرح صادق آتا ہے ۵
 گراں مدعی دوست شناختے بہ پیکارِ دشمن نیرداختے
 کیوں نہ ہو آپ نسبت محمدی کے مظہر کامل ہیں۔ اس نسبت کے حاملین کی جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

محترم! آپ نے تکمیل کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اسکی اہمیت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے تو مجھے بھی اس کی اثریت اور اہمیت سے انکار نہیں ہے بلکہ میں تکمیل کو

فی زمانہ اہم واجبات دینی سے سمجھتا ہوں اور ممکن حد تک اس کے لئے کوشاں ہوں۔ ہاں یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں اس درجہ کی تکمیل جس سے سلف صالحین متصف تھے پایا جانا بہت مشکل ہے جس کے چند وجوہ ہیں۔

۱۔ اثرات ہلکی میں ضعف جسے صوفیاء نے بھی موثرات میں شمار کیا ہے۔

۲۔ بشری استعداد کا ضعف دلی۔

۳۔ عام اقتصادی بد حالی۔

۴۔ حلال مطلق کی ہر منزل میں نایابی۔

یہ چیز بھی نظر میں ہے کہ آخر قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے اور اس کے لئے سلب کمال بھی ضروری ہے تاکہ باری تعالیٰ کا غضب کائنات کو اپنی زد میں لے سکے۔ اگر تکمیل علی اثرہ ہوتی رہی تو سلب کمال کب ہوگا جو اسباب موجب قیامت میں سے ہے۔ بہر حال ہمیں حسب مقتدرہ صلاح و تکمیل کی سعی کرنی ہے۔ ان موانع متذکرہ بالا کے علاوہ ایک اور مانع جو اس..... کو اپنی سخت گرفت میں لئے ہوئے ہے وہ موجودہ ڈپلومیسی کے جراثیم ہیں

ان حالات میں ہمیں کام کرنا ہے ہاں طلباء میں ابھی ایسے افراد موجود ہیں جنہیں اسلامی قدروں کی حفاظت کی تڑپ موجود ہے اگر صرف انہیں ہی راہ پر لگادیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ایک وقت آجائے گا جب کہ اساتذہ و اراکین بھی اپنے حالات بدلنے پر مجبور ہوں گے۔

میں اپنی مساعی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کر دینگا کہ اساتذہ کو مناسب راہ پر لگادوں۔ مگر اس عام بے راہ روی کے زمانہ میں کسی کو اپنا ہمنوا نہیں پاتا۔ ان حالات میں آپ کی توجہات کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوں۔ آخر میں اپنی اس خواہش کا پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ آپ اپنے اسی انداز پر پیکار دشمن کے ساتھ کبھی کبھی رحمت گوارا فرمائی

اور سال میں چند مواعظ ہو جائیں تو طلباء جن کے بارے میں بُرا امید ہوں اور جوانی ملواری کی وجہ سے الآباد حاضری کی سکت نہیں رکھتے مستفید ہو جاتے اور ممکن ہے کہ اساتذہ بھی آپ کی تاثیر صحبت سے متاثر ہوتے۔ اُمید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہونگے آپکی توجہات عالیہ اور دعوات صالحہ کا ہر وقت محتاج ہوں۔

محمد ابراہیم بلیادی
مورخہ ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۸۳ھ - دیوبند

نوٹ۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب کے خط کے بارے میں حضرت والا نے چند مقیمین علماء سے استفسار فرمایا کہ آپ لوگوں نے مولانا کے اس خط سے کیا سمجھا؟
چنانچہ ان حضرات نے اپنے اپنے تاثرات تحریر فرمائے جو کہ حضرت والا نے پسند فرمائے ان میں سے دو خطوط یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

خط نمبر ۱

سیدی و سندی مرشدی و مولائی حضرت والا دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کے گرامی نامہ سے اس ناکارہ کی ناقص فہم میں جو باتیں آئی ہیں عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔
ایسی صاحب فضل و کمال و صاحب علم کا اس قدر جھکنا اور اعتقاد محبت و خلوص کا اظہار کرنا اس دور فاسد میں بہت بڑا کمال ہے جو کمال تو اضع سے ناشی ہے اور اپنے کو فنا کر دینا ہے اور طسریق میں اول قدم ہے اسی سے تمام کمالات کی راہیں کھلتی ہیں حضرت والا سے اکثر سنا ہے ع

نیستی بگزیں گرا بلہ نیستی

اور اس سے حضرت والا کی معرفت میں مزید بصیرت نصیب ہوئی آخر ایسے ایسے

صاحبِ فضل و کمال کا جھکنا اور حضرت والا کے درجہ و کمالات کا اعتراف کرنا بے معنی نہیں۔

انھوں نے اس دورِ فاسد و جہالت میں حضرت والا کی ذاتِ مبارک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضوان اللہ اجمعین اور سلفِ صالحین کا کامل نمونہ پایا، جو حضرت والا کی ذاتِ نسبتِ محمدیہ کی حامل کتاب و سنت کی سچی ترجمان اور حضور علیہ السلام کے مگدامِ اخلاق کا سچا نمونہ ہے۔

۲۔ اور یہ سمجھ میں آیا کہ اگر آدمی میں فہمِ سلیم اور اعتقادِ صادق و خلوص و تواضع ہو تو مرشدِ کامل کی بھڑمی سی بھی صحبتِ کیمیا کا اثر رکھتی ہے اور فی الحال بصورتِ طلا بنا دیتی ہے ورنہ فہم و اعتقاد کی کمی سے آدمی برسہا برس بلکہ ساری زندگی اکتابِ فیض سے محروم رہتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۔ اگر علمِ صحیح ہو تو وہ کبھی حجاب نہیں بنتا بلکہ اس سے راہ کھلتی ہے۔
۴۔ یہ بھی سمجھ میں آیا کہ مولانا موصوف نے حضرت والا کے طریقہٴ اصلاح و تربیت کو جو اس نازک دور میں خاص حضرت والا کا طرہٴ امتیاز ہے یعنی اغیار کو بلانا اپنوں کو گلے لگانا جو حقیقت میں کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع سے ہے۔ خوب سمجھا ہے اور سراہا ہے سچ تو یہ ہے کہ اس دورِ پُر فتن میں طریقہٴ اصلاح اسی میں منحصر ہے جس کے اثرات و برکات روزِ روشن کی طرح سب کے سامنے ہیں۔

حقیقت میں حضرت والا کی ذات و صفات اس دورِ فاسد میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس میں بیک وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیِ شیخِ اکبر۔ امامِ تمیمہ و غزالی۔ و شاہ ولی اللہ صاحب کی روح اور حضرت جنید و شبلی و حضراتِ سلسلہٴ اربعہ کا فیض کار فرما ہے۔ مگر اس کے لئے دیدہٴ بنیا کی ضرورت ہے ۵

زمخربِ نظرے دام کن بدوستِ نگر کہ تا بدیدہٴ کامل کمالِ ادینی

مجھ جیسا بد فہم اور کوڑ مغز کیا عرض کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل میری بانی
آنکھیں کھول دیں۔

اور نسیم سلیم و اتباع کامل کی توفیق عطا فرمائیں۔
اور حضرت والا کے طفیل میں ایمان کامل و حسن خاتمہ نصیب فرمائیں۔

فقط والسلام
یکے از حاضرین خانقاہ

خط نمبر ۲

سیدی دسندی حضرت والا دامت برکاتہم و بد فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حال۔ گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ صدر مدرس
دیوبند کے طالبانہ و عقیدت مندانہ مکرمت نامہ پر احقر کے بعض احباب فی استعداد
نے اپنے اپنے تاثرات پیش کئے ہیں جو نظر سے گزرے ان حضرات کے گلستان سخن فہمی
سے گل چینی تو نہ ہو سکی مگر ان ہی لوگوں کی قلم فرمائی کے خاکہ پر قلم چلانے کی کوشش کی
ہے یہ بھی اسلئے جرأت ہوئی ہے تاکہ نافرمانوں کی صف سے نکل کر فرمانبرداروں کی صف میں
بیچھے ہی ہی اپنے آپ کو کھڑا ہوا پاؤں۔

تحقیق۔ مبارک ہو فرمانبرداروں کی صف میں قیام اور کیا کہنا اس صف کا اور اس
صف کے قیام کا۔

حال۔ عرض ہے کہ حضرت جیسی جو ذات کہ جن قدر عالی قدر و بلند منزلت ہوتی ہے
وہ اپنی معرفت اور صحیح حقیقت پہنچوانے کے لئے اسی درجہ دل سوزی اور فکر کی
بلند پروازی چاہتی ہے۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو مگر حضرت رومی فرماتے ہیں۔ ع
در نیاید حال پختہ ہیچ خام

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی رسائی ہوتی ہے مشائخِ محض سبب ہیں۔
 حال۔ یوں تو ہر شخص اپنے اپنے گمان میں سمجھتا اور خیال کرتا ہے کہ میں سمجھ رہا
 ہوں مگر حقیقی اور صحیح معرفت سے بہت کم لوگوں کو حصہ ملتا ہے۔ ۵

دردِ رہ عشق نہ شد کس بے یقینِ محرمِ راز

ہر کے بر حسبِ فہم گمانے دارد

تحقیق۔ یہ بہت اونچا مقام ہے اسی لئے کہا گیا ہے ۵

ہر کے از ظنِ خود شد یادِ من و از درونِ من بختِ اسرارِ من

حال۔ ایسی صورت میں اس ذاتِ گرامی کے ساتھ اس زمانہ کے اہل فضل و کمال
 کے برتاؤ کو دیکھ کر سراغ لگانا آسان

ہو جاتا ہے۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو۔ ہر زمانہ میں لوگوں نے اسی طرح پہچانا ہے۔

حال۔ اس زمانہ میں اہل فضل و کمال جو کہ اپنے اپنے اداروں اور مرکز کے مایہ ناز اور
 مستقل ہیں ان میں سے بعض کا دم قدم اور بعض کا دم قلم سے حضرت دالاکہ
 ذاتِ گرامی اور حضرت کی تعلیم و تربیت کی تائید کرنا اور سراہنا اور حضرت دالاکہ
 دو برو اپنے آپ کو ایک مشت خاک سمجھنا اس زمانہ میں بہت بڑی بات ہے۔
 بالخصوص مولانا موصون کو اپنے آپ کو اس طرح پیش کرنا بہت ہی خاکساری اور
 تواضع کی دلیل ہے اور جس مرکز میں جس منصب پر کہ فائز ہیں وہاں کے اسلاف کی
 سنتوں کو زندہ کرنا ہے۔

تحقیق۔ اس سے علم کی فضیلت بکلی کہ علم حقیقت تک پہنچاتا ہے اگر صحیح ہو میں نے
 ٹھان لیا تھا کہ نا اہل کو اجازت نہ دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے ایک اہل کو بھیجا جس سے
 میرے کام کی ابتدا ہوئی۔

(باقی آئندہ)

حال۔ ان متدین حضرات کا اس طرح پیش آنا یہ پتہ دیتا ہے کہ علم و فضل کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جس کے یہ حضرات تلاشی ہیں کہیں نہیں پاتے مگر حضرت والا کے ضمیر منیر میں بدرجہ اتم پاتے ہیں۔

تحقیق۔ بھائی میں کیا چیز ہوں طلب مجبور کرتی ہے۔

حال۔ اور وہی چہرہ لوگوں کو جھکنے پر مجبور کرتی ہے اور یہ خاصیت نسبت محمدی و اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے جو بدرجہ اتم حضرت والا کو منجانب اللہ عنایت کی گئی ہے۔

تحقیق۔ میرے لئے کس قدر سعادت ہے اس کا سننا باقی آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ مقام کس قدر بلند ہے۔

حال۔ اللہ تعالیٰ کو جن سے دین متین کا کام لینا ہوتا ہے اس کے قلب میں یہ دولت جس کے صوفیائے کرام حامل ہوتے ہیں بدرجہ اتم القاء و مودعہ کر دیتا ہے یہی حضرات سچے نائب رسول ہوتے ہیں۔

تحقیق۔ یہ سچ ہے۔

حال۔ جو شخص ان حضرات کی تعلیم و تربیت سے موافقت کرتا ہے اور اس کو اپناتا ہے وہ دین و دنیا کی سعادت پاتا ہے اور جو انکار کرتا ہے اور اس سے ٹکر لیتا ہے وہ ٹھوکر کھاتا ہے اور شقاوت خریدتا ہے۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو۔

حال۔ اس قسم کی مرجوعات مسرت خیز اپنے دامن میں لازماً نہ عبرت مخفی رکھتی ہیں۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور آواز دہل ہم جیسے نااہلوں اور کور باطنوں کو غیرت دلاتی ہیں۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور اس بات پر اُبھارتی ہیں۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ کہ میں خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہئے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور جو ہوا سو ہوا اب سے اپنے ماحصل زندگی کا جائزہ لینا چاہئے اور اس میں ایک نئی زندگی اور اپنے ارادے میں ایک ذوق و شوق اور دھن پیدا کرنا چاہئے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور حضرت دالاک کی ذات گرامی جس دولت کی حامل ہے اس کے حصول میں سعی و یلغ کرنا چاہئے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ حسب استطاعت جتنا بھی دامن میں آجائے کم ہے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور یہ واقعات ہم جیسے بد فہموں کو درجہ یقین تک پہنچاتے ہیں کہ یہ راستہ جس قدر آسانی سے بذریعہ تواضع و انکسار می طے ہوتا ہے۔ فہم و ادراک سے نہیں۔

تحقیق۔ یہ عطر نصوت ہے ۵

فہم و خاطر تیز کر دن نیست راہ جز شکستہ کس نگیرد و فضل شاہ
حال۔ بالخصوص ہم جیسے بد فہموں کند ذہنوں کے لئے تو یہی راستہ متعین ہے۔

تحقیق۔ بھائی راستہ سب کے لئے ایک ہی ہے غبی ہو یا ذکی ۵

بلندیت باید تواضع گزین کہ این بام را نیست سلم ازین

فرق یہ ہے کہ عقل سے عقل والے چوں و چرا کر سکتے ہیں اور جس کو یہ نہیں وہ اندھے کی طرح کسی کی لاشٹھی کے سہارے چلے اس کے لئے یہ آسان ہے مگر عقل والے کو بھی اسی طرح چلنا ہوگا ورنہ یہ راستہ دشوار ہو جائے گا۔

حال۔ کہ اپنی ذات اپنے عزم و ارادے اور خواہشات کو حضرت دالاک کی مرضیات میں فنا کر دے تو انشاء اللہ ضرور اپنے کو کامیاب پائے گا۔

تحقیق۔ فتاویٰ کرنا ہی ہوگا سب نے یہی کیا ہے یہی والذین جاہدوا فینا ہے اس لئے

کہ لنھدایتھم سبلنا ہے والذین جاہدوا فینا کے بعد

حال۔ دست نہی رسد کہ بچنے گلے ز شاخ بارے بیائے۔ گلبن ایشاں گیاہ باش

تحقیق۔ یہ فضل الہی کی علت تامہ ہے۔

حال۔ حضرت والادعا فرمائیں۔

تحقیق۔ دعا کرتا ہوں۔

حال۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بد فہم کو حضرت کی معرفت سے نوازیں اور صحیح راستہ پر لگا دیں اور اپنی

نسبت اور محبت سے بہرہ ور فرمائیں۔

تحقیق۔ آمین۔

والسلام طالب دعا

پکے از حاضرین خانقاہ

حضرت مصلح الامۃ کا خط بجواب گرامی نامہ علامہ محمد ابراہیم ضابطیادویؒ

بجناب حضرت استاذی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والانامہ مفصل نے آج ثمرن سعادت بخشا۔ اس سے پہلے اجمالی خط بطور رسید مکرمت

بخش ہو کر مسرت بخش ہوا تھا۔ میرے متعلق جناب گرامی نے جو تحسینی کلمات ارشاد فرمائے ہیں

اس کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ ع

ہر عیب کہ سلطان پسند ہنراست

اور یہ محبت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کہ میں آپ ہی کا ہوں اور اپنی اولاد کا کمال

ہر شخص کو بالطبع پسند ہی ہوتا ہے۔ بایں ہمہ جناب کی یہ تحریر میرے لئے طفرائے کمال ہے

میں اس پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔

چاند نکات جو ارشاد فرمائے گئے ہیں نہایت اصولی بات ہے۔ کمالات ایمانی و عملی

ابتدائے نبوت سے اب تک متفاوت ہوتے رہے ہیں انہیں میں سے نسبتِ صوفیہ بھی ہے یہ بھی منقطع ہوتی رہی ہے مگر ہے وہی چیز۔ ایک ہی چیز جلی آرہی ہے تفاوت استعداد سے متفاوت ہے۔

جس طرح سے قرآن و سنت بھی ہر دور میں اصل رہیگی اگرچہ ان پر ایمان متفاوت رہا اور رہیگا۔ اکابر کے طرز کو جناب والا نے جس طرح عقیدہ و عملاً بکڑا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہے۔ باقی جناب والا نے یہ جوارِ شاد فرمایا کہ زمانہ کی ڈپلومیسی کے برائیم ہیں۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ بالکل بجا ارشاد فرما رہے ہیں اور میں نے اپنے تجربہ سے اسکو بہت مضر پایا ہے۔ بالخصوص دین کے حق میں تو یہ مہلک ہی ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ مرض عام طور پر پیدا ہو گیا ہے حتیٰ کہ ہر طبقہ میں ہو گیا ہے۔ مولویوں میں بھی گھس گیا ہے یہاں تک کہ جو لوگ مشائخ کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں ان کے اندر بھی راہ پا گیا ہے۔

چنانچہ بعض لوگ بہت دنوں تک (بزرگوں) کے پاس رہے ان سے بھی یہ مرض گیا نہیں بس اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے اس سے بچنا ممکن ہے۔ کوئی ادارہ کوئی خاص جگہ ان سے خالی ہو یہ ممکن نہیں۔ اب صرف اسی سے لوگوں کو نکالنے کے لئے اور یہ بتلانے کے لئے کہ یہ مرض ہے اور براہ ایک مدت چاہئے۔ یہ اس زمانہ والوں کا حال ہو گیا ہے اسی لئے کام ترقی نہیں کر رہا ہے کہ ترقی خلوص سے ہوتی ہے اور یہ طرز خلوص کے خلاف ہے۔ اسی چیز نے علماء ربانی و مشائخِ حقانی پر سے بھی عوام کا اعتبار اٹھا دیا ہے۔ اور اسے جانے والوں پر اعتماد کرنے کا بھی سید باب کر دیا ہے حالانکہ کام کے لئے اعتبار اور اعتماد ضروری ہے۔

اسی طرح جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ کبھی کبھی زحمت فرمائیں اور سال میں چند موعظ ہو جائیں تو امید ہے کہ طلبہ اور اساتذہ مستفید اور متاثر ہوں اس کے متعلق میں یہ سمجھتا ہوں کہ دو چار بار نہیں اگر آٹھ دس بار بھی آیا جائے تب بھی کوئی مستبدہ فائدہ عامہ تامہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مقامی شخص وہاں رہے اور ہر وقت انکی ظاہری و باطنی نگرانی کرتا رہے تب فائدہ متوقعہ کی امید کی جاسکتی ہے اور اسکا مجھ کو تجربہ بھی ہوا کہ اگر آباد میں جو لوگوں کو نفع ہوا تو اس کی سب سے بڑی وجہ میرا یہاں منتقل قیام ہے۔ میں نے ایک

دن بھی دوسری جگہ جانا گوارا نہیں کیا اس لئے کہ شیطان بیچ میں آجاتا ہے یہ سب مسرفیات تدبیر ظاہری کے بارے میں کہہ رہا ہوں باقی یوں تو سبب الاسباب کی تدبیر حقیقی اور اصل تدبیر ہے سب انبیاء اور اولیاء اسی تدبیر سے کامیاب ہوئے ہیں۔

اب بھی اس سے ناامیدی جائز نہیں۔ دعا اور توجہ باطنی یہ بھی باطنی تدبیر میں داخل ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو اہل اللہ کو اس طرف توجہ دے دیتے ہیں ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

ایک بات اور مسئلہ کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں کا کوئی بڑا ادارہ جو مسلمانوں کی خدمت دینیہ کے لئے موضوع ہوا ہے اس میں ایسے صلحاء یا صالح کا رہنا ضروری ہے جو لوگوں کو حقیقی اصلاح اور حقیقی دین کی طرف متوجہ کرتا رہے تاکہ کسی دور میں وہاں خلو و خلاء نہ ہو جائے۔ ظاہری خدمت کی طرح یہ بھی ضروری ہے۔

میں نے گزشتہ عرصہ میں عرض کیا تھا کہ جناب والا اندر سے کام شروع کریں اور میں باہر سے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کچھ کام ہونے کی توقع ہے۔ الحمد للہ کہ آپ نے کام شروع فرمادیا میں نے بھی جناب والا کا ارشاد پہلے بھی بسمع قبول سنا تھا اور اب بھی اسی طرح سن رہا ہوں امداد غیبی منجانب اللہ اور امداد باطنی روحانی منجانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسکا طالب ہوں۔

چنانچہ مدرسہ کے لئے دُعا یوں تو وظیفہ میں داخل ہی تھی تاہم اب خصوصی توجہ کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

ایک بات اور عرض کرنا ہوں وہ یہ کہ اصولی اور بنیادی کام سے ابتدا کرتا ہوں ایسا اقدام ٹھوس اور نختہ ہوتا ہے اور اب تو اسی اصول پر عقلاء زمانہ بھی آرہے ہیں۔ یہ اصولی اور بنیادی امور بہت ہیں سردست جس کے ذکر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ میں ادبِ اہتمام کے ساتھ مزاحمت پسند نہیں کرتا یا کوئی ایسا عمل جس کو وہ اپنے اہتمام کے خلاف تصور کریں بلکہ تجربہ سے اس کو سخت مضر سمجھتا ہوں اسکے تلخ تجربوں کا مشاہدہ کر چکا ہوں اس کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ مدرسہ کے لئے خلائ سمجھتا ہوں ہاں کام کرنے کے لئے راضی ہوں اور

دل سے خدمت کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

”اجازت نامہ“

ابھی میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ضرورت ہے وہاں کوئی مقامی شخص ظاہری و باطنی نگرانی رکھے اس سے کام ہو سکتا ہے تو اس سلسلہ میں ابھی منجانب اللہ یہ بات قلب میں آئی کہ کیوں نہ آپ ہی کے سپرد اس کام کو کر دوں اس لئے کہ کام جب بھی ہوا ہے کسی مخلص ہی سے ہوا ہے اور میں نے آپ کے اندر جس قدر اخلاص پایا کسی دوسرے کے اندر نہیں پایا بلکہ خود اپنے اندر بھی دیا نہیں پایا۔ جو درد مدرسہ کا آپ کو ہے میں نے کسی دوسرے کے اندر دیا نہیں دیکھا نہ کسی مدرس میں نہ اور کسی میں۔ اس لئے وہاں کے کام کے لئے زیادہ اہل آپ ہی ہیں۔ اب کام وجود میں آئے یا نہ آئے ہم اس کے مکلف بھی نہیں ہاں اس کے مکلف ہیں کہ کوئی کام ہو اسکے اہل کے حوالہ کیا جائے۔

اہلیت کی شرط اولین اخلاص ہے جو کہ آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے ۵
ہر کہ باخلاص قدم می زند عیسیٰ دقت است کہ دم می زند
چنانچہ منجانب اللہ آپ کو تو کلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں اور بصیرت سے کہہ رہا ہوں کہ آپ وہاں کام شروع کر دیں۔ یعنی لوگوں کو بیعت کریں اور انکو تعلیم و تلقین فرمائیں۔ اور حضرت کی تصانیف و مواعظ و ملفوظات طلبہ و مدرسین کو سنایا کریں اور آپکی اجازت گویا کہ حضرت مولانا بقا نومی قدس سرہ کی جانب سے ہوگی۔
الحمد للہ کہ آپ میں علماً و عملاً ہر طرح سے صلاحیت و اہلیت موجود ہے جو بنیاد اجازت بنتی ہے آپ میری اس تحریر کو طلبہ و مدرسین کو سنادیں۔ امید ہے کہ مدرسہ کی کایا پلٹ ہو جائیگی اور بزرگان دین کی امداد خوش ہوگی اور اس باب میں چونکہ مجھے بہت مسرت ہوئی اس لئے آپکی مٹھائی کے لئے ایک حقیر سی رقم مرسل ہے۔

والسلام نوید کم دمی اللہ عفی عنہ۔ الآباد

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ

گرامی نامہ اساتذہ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم - دیوبند

مخدومنا المحترم! دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج شریف
اعزاز نامہ نظر نواز ہوا بلکہ دلنواز ہوا۔ محترما! میں نے آں محترم کے بابے میں جن جذبات
و خیالات کا اظہار کیا ہے وہ کسی تصنع اور بناوٹ کی باتیں نہیں ہیں بلکہ وہ حقائق ہیں جن کا
اعتراف کرنا میں اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ ان خیالات کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے
بلکہ قلبی تاثرات ہیں۔

میں نے اکابر کی پیروی کو ہمیشہ سے سرایہ کامرانی دارین سمجھ رکھا ہے اور اس پر
مشاہدات و تجربات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ سعادت ازلی انھیں اکابر کی پیروی میں
مضمربے دغا کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں۔

مکرم! مجھ جیسے نااہل اور بے مایہ کو آپ نے جس عزت سے نوازا ہے اس کے لئے میرے
پاس زبان نہیں کہ اسکا شکریہ ادا کر سکوں ہاں اس سلسلہ میں اپنی چند کمزوریاں آں محترم کے سامنے
رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی چیز جو مجھے اس کام کے عزم سے روکتی ہے وہ ہمدردی مشاغل ہیں۔
دومش میں خود کو صفت صلاح سے متصف نہیں پاتا ہوں۔

تیسری بات طبعی و فطری ہے وہ یہ کہ ہجوم و اجتماع سے بہت گھبراتا ہوں۔ ابتدا سے
لیکر آج تک اس مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔ خلاف مزاج اجنبی لوگوں کی نشست و
برخاست طبیعت پر ایسی گراں گزرتی ہے کہ بادل ہا تجربہ میں آیا ہے کہ اگر کوئی اجنبی میرے پاس
دیر تک بیٹھ جائے تو میری طبیعت کمزور ہو جاتی ہے اور مجھے بخار و دیگر تکلیف جسمانی شروع
ہو جاتی ہیں جس کے لئے مجھے ہفتوں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کام میں لوگوں کے ساتھ
جن مراحل سے گزنا ہوتا ہے وہ حضرت والا سے مخفی نہیں۔ بڑی بڑی ناگواریاں انگیز کرنی ہونگی

میں اس کے لئے بھی تیار ہوں مگر اس کبرنی کے باعث اضمحلال قوت کے دور میں مجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کس طرح عمدہ برآ ہو سکوں گا۔ ہاں چند ایسے لوگوں کو جو بڑے اخفا سے کام لیتے ہیں تعلیم و تلقین کا سلسلہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے جاری رکھتا ہوں مگر عموم جو حضرت کی خواہش ہے اس کے لئے دعا کی ضرورت ہے کہ طبیعت جو اجتماع سے متوحش ہوتی ہے اس کی خوگر ہو جائے۔ اور حکم فرمودہ پر عام طور سے کام کرنے لگوں ان تمام مشکلات کے باوجود میں خود کو کام کرنے پر آمادہ پاتا ہوں۔ یہ آمادگی آپ کی توجہات و دعا کے سہارے ہی قائم رہ سکتی ہے۔

آں محترم کو یاد ہو گا کہ مولانا حبیب الرحمنؒ اور حافظ احمد جیسے فاضلین و باہمت حضرات بھی حضرت شیخ الہندؒ کی رہنمائی کے محتاج تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت تھانویؒ کا ہے ملے تشریف لاکر ان حضرات کی پشت پناہی کرتے تھے۔ جب ایسے گرامی حضرات بھی ان اکابر کی توجہ و دعا اور تشریف آوری سے تازہ دم اور مضبوط ہو جاتے تھے تو میں اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود حضرت گرامی سے بالکل ایسی ہی توقعات کیوں نہ رکھوں۔

آخر میں ایک بات اور عرض کروں گا کہ میرا (کسی) سے کسی طرح کا منافقہ نہیں ہے۔ ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو..... پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور نکتہ چینی اور رخنہ اندازی ان کا شیدہ ہے اس لئے جیسا کہ سابق میں کام کرنے والوں کو ان سے نہٹنا پڑا۔ اسی طرح مجھے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں ایسی باتیں جو غیر ارادی طور پر ان لوگوں کے خلاف پڑ جائیں اس سے میرے کام میں رخنہ اندازی نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ کی توجہات و دعا کا محتاج ہوں۔

ان سطور میں اپنی کمزوریوں کے پیش خدمت رکھنے کا مقصد صرف آگاہی اور جناب کی بے پناہ بصیرت و حسن تدبیر سے فائدہ اٹھانا ہے اُمید ہے کہ آپ کی توجہات سے پوری طرح نوازا جاؤں گا۔ جس حقیرمہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ آپ کی حیثیت سے یقیناً حقیر ہو گا مگر میری نسبت سے وہ خطیر و فراواں ہے۔ والسلام محمد ابراہیم بلیاوی۔ دیوبند ۲۳ محرم ۱۴۰۴ھ

حضرت مصلح الائمہ علیہ الرحمۃ کا جواب

بخدمت گرامی جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں گرامی نامہ آج ہی ملا جو بہت مضامین پر مشتمل تھا بہت معظوظ
و مسرور ہوا پورے خط کے جواب میں صرف ایک بات لکھنا چاہتا ہوں کہ جس خدانے یہ کام
جناب کے سپرد فرمایا ہے اس کی طرف سے آپ کی اعانت اور امداد بھی ہوگی۔
جو کوئی سامنے آئیگا اپنے منہ کی کھائے گا اب کسی کی مزاحمت چل نہیں سکتی انشاء اللہ
تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ طبیعت میں قوت و ہمت بیش از بیش عطا
فرمائے اور اسی قوت کی برکت سے وہ تو حش بھی رفع ہو جائے جو اغیار کی وجہ سے ہوتا
ہے بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ اغیار بھی اب یاد ہی نظر آئیں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بھروسہ
سے لکھ رہا ہوں وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

اور ایک بات اس سلسلہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تو حش کچھ بُرا بھی نہیں ہے بلکہ
حال محمود ہے اور آپ کا مذاق اس باب میں الحمد للہ حضرت حاجی صاحب کے مذاق سے
متحد ہے امداد المشتاق میں ہے کہ

”فرمایا جب تک کہ اپنے جنس کے لوگ رہتے ہیں طبیعت منسبط اور خوش رہتی ہے
اور جب کوئی غیر آجاتا ہے منقبض اور سست ہو جاتی ہے اور چاہتی ہے کہ جلد اسکو خست
کیجئے۔ انہی کسی نے خوب کہا ہے یہ

ایک تم سے کیا محبت ہوگی ساری دنیا ہی سے وحشت ہوگئی
مخلوق سے وحشت خالق سے تعلق کی علامت ہے۔ نیز حضرت سعدیؒ نے بھی یہی فرمایا
ہے کہ ”دانا کو نادان سے وحشت ہوتی ہے اور نادان کو دانا سے نفرت“

اس خط میں آپ نے مشاغل تدریسی کو بوجہ عوائق کے فرمایا ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ابستدائیں چونکہ یہ مشغولی تعلق مع اللہ میں ضل ڈالتی ہے اس لئے اس سے وحشت ہوتی ہے لیکن بعد حصول نسبت مع اللہ کے یہ بھی اور اعمال کی طرح شمر برکات ہوجاتی ہے۔ خلوت در انجمن اسکا حال ہوجاتا ہے آپ بھی اب حالات بدلے ہوئے دیکھیں گے اب تدریس بھی دوسری نوع کی ہوجائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے اب اللہ تعالیٰ مجلس تدریس میں بھی وہ کام لیگا جو مسند ارشاد سے ہوا کرتا ہے۔

آپ کے جواب کاشت کے ساتھ منتظر اس لئے بھی رہا کہ مجھے یہ فکر تھی کہ شاید بعض مضمون بار خاطر نہ ہوا ہو لیکن آپ کے مکتوب گرامی کے ان جملوں کہ دیکھ کر کہ ”ناگواریاں انگیز کرنی ہونگی میں اس کے لئے بھی تیار ہوں“ نیز یہ کہ ”ان تمام مشکلات کے باوجود میں خود کو کام کرنے پر آمادہ پاتا ہوں“ بہت مطمئن ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء واحسنہ۔

اور بہت مسرت ہوئی یہ معلوم کر کے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے بھی جناب کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا الحمد للہ اپنے وجدان کی تائید حضرت قدس سرہ کے فعل سے بھی ہوئی اس لئے اور اطمینان بڑھا اور منجانب اللہ ہونے کا یقین ہوا۔

جب اکابر موجود ہوتے ہیں تو آدمی اپنی ذمہ داری نہیں محسوس کرتا اور بعد میں تو یہ ذمہ داری اپنے اوپر عائد ہوتی ہے اس لئے ہر طرح کام کرنا ہے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کامل عطا فرمائے اور آپ انجکشن کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ بات یہی ہے کہ اس کی ایک عادت ہی سی ہو گئی ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ شے حقیر کو جو عظیم فرمایا تو اس کے متعلق یہی کہہ سکتا ہوں کہ :-

جناب والا نے اس کو شرف قبولیت بخشا یہی انتہائی کرم ہے ورنہ میں کیا اور میری چیز کیا ہے

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہی کنی - منت شناس از د کہ بخت بداشت

فقط والسلام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

۲۹ محرم ۱۲۸۴

(اس جواب کے ہمراہ یہ تحریر بھی گئی)

روایات میں ایک مصری عالم شیخ علی محفوظ کی کتاب 'الابداع' نظر سے گزری اس میں
تہادون بامور الدین کو بھی منجملہ بدع مذکورہ کے شمار فرمایا ہے اچھا مضمون ہے اسے نقل کر کے
روانہ کر رہا ہوں امید کہ آپ محفوظ ہوں گے۔

ومن البدع المذمومة التهادون بامور الدین حتی أصبح
الوسط مختلاً والمدارسة الاجتماعية اليوم تعلم النش و فنون
الفساد و ضروب الضلال (ومن شب على شئ شاب عليه)
فاستعصى الداء على المرشدين ولم يفلحوا في تقويم المعوج من
اخلاق الامة و تطهيرها من درن الرذائل حتى استولى
عليهم الياس من اصلاح فاهلوا الضم الامة و تعليمها امر
دينها و انضم الى ذلك تلك البدع المشؤمة (بدعة حرية الاديان)
فكانت من اكبر معاول الهدم لبناء هذا الدين الخفيف فناء الحال
وصار كل انسان يرى كل مفعول جائزاً لا ادب يمنعه ولا دين
يردعه و تمكن اعداء الدين من تضليل العامة باغواء لهم بكل
ما يستهوى قلوب البسطاء فوضعوا لهم الشباك و احكموها و الناس
من كل حذب نسل اليها و هم يعلمون انها ما نصبت الا لا غتيا لهم
ولكن عدم المبالاة بالدين جعلهم كالانعام بل هم اضل.

(الابداع ص ۳)

(ترجمہ برائے ناظرین معرفت) منجملہ اُن بدعات مذکورہ کے جو اس زمانہ میں شائع ہیں

ایک یہ کہ کلمہ اور دین میں لوگ نہایت ہی سست اور لا پرواہ ہو گئے ہیں یہاں تک کہ شرفاء میں بھی چالبازی آگئی ہے اور ہمارے ادارے اور سوسائٹیاں نوجوانوں کی طرح طرح کے فسادات اور نوع نوع کی گمراہیاں تعلیم کر رہی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص جس حصلت پر پروردان چڑھے گا اسی پر بڑھا ہوگا۔ ان حالات پر ایک مصلح و مرشد پر ان کی بیماری کا علاج ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اُمت سے اس کی کچی کے دور کرنے میں اور انکو اخلاق و ذلیلہ کے میل سے پاک و صاف کرنے میں کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر انھوں نے اُمت کو نصیحت کرنا اور انکو دین سکھانا ہی چھوڑ دیا پھر اس بدعت کے ساتھ ایک اور بدعت شنیعہ مل گئی اور وہ ہے مذہب اور دین سے آزادی کی لعنت (یعنی شیطان کا یہ نعرہ کہ آج مذہب ہی ترقی سے مانع ہے اگر دنیا کی ترقی چاہتے ہو تو دین سے آزادی حاصل کرو) چنانچہ اس دین صنیف یعنی اسلام کے قصر کے منہدم کرنے کا سب سے بڑا بھاؤ ڈالا یہی ثابت ہوا۔ لوگوں نے اس کی جانب کان لگایا اور سب کا حال تباہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے ہر انسان نے اپنے ہر فعل کو جائز اور مستحسن سمجھا اس لئے جو جی چاہا کیا نہ کوئی ادب انکو اس سے روک سکا اور نہ کوئی دین اس سے باز رکھ سکا اور دین کے دشمنوں کو عوام کا لالچا کے بہکانے کا خوب موقع مل گیا اور انھوں نے ہر وہ چیز پھیلانے کی کوشش کی جس کو عوام کا نفس پسند کرتا تھا۔ چنانچہ ان کو پھانسنے کے لئے انھوں نے نہایت خوشنما اور مضبوط جال پھیلائے اور لوگ ہر جانب سے دوڑ دوڑ کر اس کی طرف گرنے لگے۔ حالانکہ وہ (عوام) اس کو بھی خوب سمجھتے تھے کہ یہ ان کو ہی پھانسنے کے لئے بچھا یا گیا ہے۔ لیکن دین سے لا پرواہی اور بے فکر می نے ان کو بالکل جا لور بنا دیا تھا کہ عقل کی رہنمائی سے قاصر ہے بلکہ ان سے بھی بدتر اور گمراہ تر۔ کیونکہ جا لور بھی کبھی جال کو جال سمجھ کر بھڑک جاتا ہے مگر یہ احمق جانتے اور سمجھتے ہوئے ہلاکت میں پڑ گئے۔

(خط علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ)

مخدو منا المحترم دامت برکاتہم . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزان گرامی

والا نامہ ایک ہفتہ سے زائد ہوا بل کر سکون و طماننت کا سبب بنا شورمئی کی مشغولیت کی بنا پر جواب حاضر خدمت کرنے میں تاخیر ہوئی معذرت خواہ ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی توجہ کی برکت سے ہمہ گیر نفع دیکھ رہا ہوں شورمئی میں بھی پہلے کی بہ نسبت میری باتوں کو زیادہ توجہ سے سنا اور قبول کیا اب طبیعت کی وحشت میں بھی ایک گونہ کمی پاتا ہوں صحت بھی الحمد للہ پہلے کی بہ نسبت بہتر ہے۔ جس انجکشن کی ضرورت ہو کر تھی اُسے اب تک استعمال میں نہیں لایا ہوں مگر اسکے نہ لگنے سے طبیعت میں کسی قسم کی گرائی نہیں پاتا۔

شیخ علی محفوظ کی عبارت سے مخطوط ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تھکادن سے بری ہوں البتہ افتاد طبع کی بنا پر ممکن ہے کہ سستی ہو جاتی ہو دعا فرمائیے کہ یہ بھی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ تمام مراحل میں آسانی و کامیابی عطا فرمائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غیر ملکی تمدن نے حریت ادیان کی دبا عام کر دی ہے اور دین سے واقف طبقہ بھی اس کی لپیٹ میں بڑی طرح آگیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ والسلام

دعوات صالحہ کا محتاج محمد ابراہیم
۱۲ صفر ۱۴۲۸ھ

حضرت مصلح الائمہ علیہ الرحمۃ کا جواب بقلم خاص
بشرت ملاحظہ عالیجناب مولانا صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں الحمد للہ کہ میرا خط سکون و طماننت کا سبب بنا اللہ تعالیٰ

روز بروز بلکہ آناف نا اس سکون و اطمینان میں قوت دکیف عطا فرماتا ہے۔
 خواب والا نے جو تحریر فرمایا ہے کہ ہمہ گیر نفع دیکھ رہا ہوں مسرت کی لہر تمام
 رگ دریشہ میں دوڑ گئی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں ۵
 کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
 مصلحت راستہ بر آہوے چیں بستہ اند
 شور مئی کی حالت بدلنے سے اور مسرت ہوئی ۵

میں تو انی کہ دہی انشک مر احسن قبول ایک در ساختہ قطرہ بارانی را
 طبیعت کے رنگ میں بھی تبدیلی اسی حسن قبول کا اثر ہے۔ صحت سے بھی بہت بہت
 مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ کامل صحت کے ساتھ رکھے اور تائید غیبی شامل حال رہے۔ دیگر مضامین
 جو یہاں سے گئے تھے قبول ہوئے اطمینان ہوا انشاء اللہ تعالیٰ حالات روز بروز اچھے ہی
 ہوتے جائیں گے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ایک بات لکھنے سے رہ گئی۔ کچھ احباب بیٹھے تھے اثنائے کلام میں میں نے کہا کہ کسی
 کام کے لئے بھی تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اخلاص۔ اخلاق اور نظم چونکہ لوگوں نے
 پسند کیا اس لئے لکھتا ہوں شاید قبول خاطر اقدس ہو۔

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

ارکباد

آخر صفر ۱۳۸۷ھ

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا کے نام جس سے حضرت علامہؒ اور
 حضرت مصلح الامۃ کے باہمی تعلقات پر مزید روشنی پڑتی ہو

حال۔ حضرت والا کے فرمودات میں نے علامہ مدظلہ تک پہنچا دیے بڑے غور سے سنا اور
 فرمایا کہ جواب میں ایک کارٹو لکھ دو مگر تاہنوز ان سے ایسی ملاقات نہ ہو سکی جس میں
 انشراح ہو اور مضمون مکتوب بتا دیں کہ میں اسے لکھوں۔ آج بھی صبح گیا تھا مگر

ملاقات نہ ہو سکی۔

تحقیق۔ مکتوب آگیا اور سرت بخش تھا۔

حال۔ ویسے حضرت والا کی قدر و عزت اُن کے دل میں پوری طرح ہے۔

تحقیق۔ بے شک ہے اللہ تعالیٰ انکو عزت و قدر دے۔

حال۔ اور کسی بات کو لکھتے اور کہتے ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی بات حقائق مزاج

نہ ہو جائے۔ ابد تک در کا باعث نہ ہو۔

تحقیق - یہ محبت ہے۔

حال۔۔۔۔۔ اُن کے کلام کا انداز اخفاء و ستر ہے۔

تحقیق۔ ان اللہ تعالیٰ اوحیٰ الی موسیٰ قل لینی اسرائیل تحفوا الی اعما لہم و علیٰ ان اظہر

یہ مذاق اس حدیث کے موافق ہے۔

حال۔ چاہتے ہیں کہ حضرت دالاکے حکم کے مطابق کام شروع کریں مگر مکتوب میں

جس بات کا اظہار کر چکے ہیں وہی بات ان کو طبعی طور پر ابھی اپنی گرفت میں

لئے ہوئے ہے۔

تحقیق۔ اس کے متعلق بلکہ چکا ہوں۔ آپ لکھ رہے ہیں اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے

یہ بے ادبی ہے آپ کو یہ کہنے کا کیا حق ہے میں نے ان کو اجازت دی ہے۔

حال۔ کہہ رہے تھے کہ کھبائی ان کی توجہ کی برکت سے ہر چیز میں نفع معلوم ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ ابھی آپ نے کیا دیکھا ہے انکا تعلق آپ پر جو نعمتیں باقی رہ گئی

...میں انکی موسلا دھار بارش کا سبب بنے گا۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو۔

حضرت علامہ کا ایک خط اور اس کا جواب

(اس درمیان میں حضرت علامہؒ کی طبیعت کچھ نا ساز ہو گئی تھی شب میں بخار ہونے

لگا۔ حضرت دالّا کو مطلع فرمایا اور تفصیلی جواب سے معذرت چاہی اور دعا کی درخواست کی۔

حضرت اقدسؒ کی جانب سے جواب گیا کہ۔

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ عریضہ مسرت بخش و فرح نواز ہوا۔ جب اطمینان ادا و انشراح ہو۔ بہتر ہے اسی وقت جواب مرحمت فرمایا جائے۔

شب میں بخار آنے کا حال معلوم کر کے تردد ہوا۔ ضعف پرانہ سالی اور دن کے مشاغل شاید اسکا باعث ہوتے ہوں۔ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ صحت کاملہ اور پوری قوت کام کرنے کی عطا فرمائے۔

ایک عرض یہ ہے کہ چونکہ جناب والا کو مسرت ہوئی لہذا بندہ کو اس مسرت سے مسرت ہوئی۔ مزید مسرت کے حصول کے خیال سے ایک حقیر رقم ہدیہ ارسال خدمت والا ہے قبول فرما کر ممنون فرمادیں۔

والسلام خیر ختام
خودیکم وصی اللہ عفی عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ

اس کے جواب میں علامہ کا یہ خط آیا

عریضہ کے ارسال کے ساتھ ہی بخار میں کمی ہو گئی اور الحمد للہ آپ کی دعا و توجہ کی برکت سے بالکل تندرست ہو گیا ہوں۔ میں حضرت والا سے صرت توجہ و دعا کا محتاج ہوں اور اسی کو اپنے لئے خیر دنیا و آخرت نیز سعادت ازلی کا سامان سمجھتا ہوں۔

گر انسان ہدیہ کے لئے گرانبار ہوں اس سے اظہار حالات میں خدا نخواستہ حجاب نہ پیدا ہو جائے۔ بہر حال آپ کی مسرت و خوشنودی مقدم سمجھتا ہوں۔ جو بات قلب پر وارد ہوئی اس کا اظہار کر دیا۔

حضرت والا کے مکتوب کا مفصل جواب انشاء اللہ جلد ہی بھیجوں گا۔

والسلام۔ محمد ابراہیم

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

بخدمت حضرت استاذی المکرم والمعظم وامجدکم
السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بعافیت ہوں آپ کی صحت کی خبر سے بیحد مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ
مزید قوت کے ساتھ تندرست رکھے آمین۔ یہ دعا تو گویا اپنے وظیفہ ہی میں شامل ہے
میرے پیش نظر تو آپ سے تعلق کی وہی حیثیت تلمذ ہے اور آپ کو جو تعلق مجھ سے ہوا
اس کو تو بس اللہ تعالیٰ کا فضل اور انکی مہربانی ہی سمجھتا ہوں اور اپنے لئے باعثِ
سعادت تصور کرتا ہوں اسی نسبت کے تقاضے پر کبھی کوئی عمل بھی ہو جاتا ہے۔ باقی
جناب والا کی قلب کی گرانباری و حجاب کا ضرور خیال رکھوں گا اور اس کی صدق
دل سے معافی مانگتا ہوں۔ خط کا انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت اور انشراح کے
ساتھ تکمیل کا موقع عطا فرماویں۔

والسلام خیر ختام خودیکم وصی اللہ عفی عنہ
۱۹ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ = الکیاد

خط حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحبؒ

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ عزت اور مسرت کا سبب بنا۔ جناب والا کی توجہ اور برکات کے اثرات
مجھے روز روشن کی طرح نظر آ رہے ہیں اور مجھے جناب محترم کی عظمت و قوت نسبت کا پوری
طرح اعتراف ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ جہاں جناب محترم کی توجہ سے اس ادارہ میں

اور اطمینان کے لئے یہ سطر میں ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ میرے متعلقین خصوصاً بچوں کی صلاح و اصلاح کے لئے حضرت والا کی توجہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ بھی اس خیر کثیر سے آپ کی برکت سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ اُمید کہ حضرت گرامی کا فراج معہ متعلقین بخیر ہوگا دعا و توجہ کا طالب ہوں۔

والسلام
محمد ابراہیم

اول ربيع الثاني ۱۴۲۷ھ

نوٹ:- ہنوز حضرت والا کی جانب سے اس کا جواب نہ گیا تھا کہ تیسرے دن حضرت علامہ کا ایک دوسرا خط بھی ملا۔

حضرت علامہ محمد ابراہیم کا دوسرا خط

پرسوں ایک عرصہ برائے رفع تشویش خاطر حاضر کر چکا ہوں اور آنحضرت کی عظمت اور قوت نسبت کا پوری طرح معترف ہوں۔ مدرسہ کے حالات تدریجی طور سے روبہ صلاح ہیں اور یہ تدریجی ترقی ہی کامیابی کی ضمانت ہے بقول حضرت شیخ الہندؒ گلے کا گھٹا ہوا رام آہستہ آہستہ ہی نکلتا ہے۔ حالات بہت بگڑ چکے ہیں اس لئے اس میں تدریجی اصلاح ہی سے کام چلے گا میرے حالات بھی اچھے ہیں اور سارے تغیرات خواہ مجھ میں ہوں یا مدرسہ میں صرف آپ کی توجہ اور دعا کی برکت سے ہو رہے ہیں۔ میری زندگی کا پورا حصہ ”اے کہ عمرت گذشت درخواہی“ کا صحیح مصداق ہے اس لئے ان دنوں میں جب کہ عمل میں کسل پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ کی توجہ مزید و دعا مزید کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوں۔ ابھی تک آخرت کے لئے کچھ نہیں ہو سکا ہے اُمید ہے کہ آپ کی برکت سے۔ ”ع“ شاید اس چند روز دریاہی“ کا مصداق ہو جاؤں۔

جو تین اصول حضرت والا نے تحریر فرمائے ہیں وہی حقیقت میں ہر کام کی بنیاد ہیں ان کے بغیر کوئی کام انجام تک نہیں پہنچتا۔ اگرچہ ان میں باہم ترتیب ہے۔ اخلاص

اعمال کی بنیاد ہے جہاں یہ چیز ملی بنیاد سنگین پڑ گئی۔ اخلاص کے بعد سب سے زیادہ ضروری چیز اخلاق ہے جس سے اس کی دیوار تعمیر ہوتی ہے اور نظم بمنزلہ چھت کے ہے۔ غرض کوئی عمل بغیر ان تینوں اصول کو اپنائے تلم ہی نہیں ہوتا اسلئے حضرت والا کا یہ فرمانا بجا ہے کہ ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہے۔

اپنی صلاح و فلاح کے ساتھ میں اپنے خاندان کے ہر فرد کی صلاح و اصلاح کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ حضرت والا اُن کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ انکا حال بھی بدل جائے اور پوری طرح دینداری ان میں بھی آجائے۔

والسلام۔ محمد ابراہیم
(تخمیناً) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

حضرت مولانا دام محمدکم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ بخیریت ہوں۔ آج لفافہ ملا دو روز قبل کارڈ صادر ہوا تھا۔
خیریت مزاج والا سے خوشی ہوئی۔ مدرسہ کے حالات کی اصلاح سے بھی خوشی ہوئی
ترقی بتدریج ہی پائیدار ہوتی ہے۔ میں نے اصول جو لکھے تھے ان کی خوب شرح
فرمائی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

میری نسبت جو کلمات مدحیہ ارشاد فرمائے ہیں ان کو فال نیک سمجھ کر خوش
ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اسکی دعا جناب والا کیلئے کرتا ہوں میں نے اجازت چاروں سلسلوں
میں دی ہے صرف حقیقیہ یا نقشبندیہ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی برکات نصیب فرمائے
اور سب خاندان حضرت والا کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب کو دیندار بنائے۔ آمین

والسلام خیر ختام خودکم
وصی اللہ عفی عنہ ۱۰ ربیع ۱۳۸۷ھ

لکھے تو اب اس کے مفہوم اور مصداق کے بھی سمجھنے کی فکر ہوگی اور جب یہ فکر
 بڑھے گی تو زبان سے قلب میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ اتر ہی جائے گا۔

دین کے لئے اخلاص نہایت ضروری چیز ہے عمل بغیر اس کے مقبول ہی نہیں
 لیکن علماء طریق نے فرمایا ہے کہ جس طرح یہ ہو سکتا ہے کہ علم ہو عمل نہ ہو اسی طرح
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علم و عمل دونوں ہی ہوں مگر اخلاص نہ ہو چنانچہ رسالہ قشیریہ میں
 ہے کہ

سئل محمد بن فضل ما علامة الشقاوة فقال ثلاثة اشیاء
 يورث العلم ويحرم العمل ويرزق العمل ويحرم الاخلاص
 يرزق صحبة الصالحين ولا يحترم لهم — وسمعت محمد بن
 فضل يقول ذهاب الاسلام من اربعة لا يعلمون بما يعلمون لا يعلمون
 بما لا يعلمون ولا يتعلمون بما لا يعلمون ولا ينموت الناس
 من العلم (قشیریہ)

ان امور ثلاثہ اخلاص، اخلاق، منظم کے متعلق اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں
 سے اخلاص تو سب کی اصل ہی ہے حتیٰ کہ ایمان و اسلام کی قبولیت بھی اسی کی وجہ سے
 ہوتی ہے۔ احسان انکی قبولیت کی اصل ہے۔

صاحب مرقاة لکھتے ہیں کہ

الاحسان قيل امراد به الاخلاص فانه شرط في صحة الاسلام

والایمان۔

اور علامہ نووی نے اپنی کتاب الاذکار میں فصل فی الامر بالاخلاص
 وحسن النيات میں آیت لن ینال الله لحومها ولا دماءها ولكن
 یناله التقوی منکم اسی کو لائے ہیں اور اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ
 کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

معناه ولكن یناله النيات منکم۔ اور اس کے بعد حدیث انما الاعمال

(دوسرے ہی دن تفصیلی خط)

حضرت علامہؒ کے نام گیا

کرمی و محترمی جناب حضرت مولانا دام مجسدم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ہی عریفہ ارسال کر چکا ہوں لیکن بعض امور بعد میں ذہن میں آئے،
اس لئے انھیں عرض کرتا ہوں۔

میں نے گذشتہ عریفہ میں جو کام کرنے کے اصول ثلاثہ عرض کئے تھے یعنی اخلاص،
اخلاق اور منظم اور آج جناب نے اپنے گرامی نامہ میں اس کی پسندیدگی کا بھی اظہار
فرمایا تو اس کی وجہ سے بہت قوت آجاتی ہے اور کام کی ہمت بندھ جاتی ہے۔
ورنہ یہی خیال لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں بات ٹھیک بھی سمجھ میں آئی یا نہیں اور
جب کسی بزرگ کی تائید مل جاتی ہے تو پھر کامل انشراح ہو جاتا ہے اور کچھ عرض کرنے
کی بھی جرات ہوتی ہے۔

ایک بات اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میں نے جہان تک لوگوں کے
حالات میں اس بات پر غور کیا ہے کہ آخر ہمارا کام کہاں سے خراب ہوا تو اس نتیجہ پر
پہونچا کہ بزرگوں کے پاس جو لوگ جمع رہتے ہیں ان میں بالعموم مخلص بہت ہی کم
ہوتے ہیں اسکا بزرگوں کے یہاں بھی مشاہدہ کیا اور اب تو خود اپنا تجربہ بھی ایسا ہی
پایا، یعنی یہ لوگ بزرگوں کو صرف اپنے ظاہر سے خوش رکھتے ہیں اور دل سے
انکے معتقد تک نہیں ہوتے بلکہ بعض کو تو انکا بالکل مخالف تک دیکھا گیا جب اسکو
دیکھتے دیکھتے طبیعت عاجز ہو گئی تو پھر میں نے بھی اپنے یہاں اخلاص اخلاص کہنا
شروع کر دیا اور یہ سمجھتا تھا کہ اسکا مصداق اور اسکا معنی قلب میں اتارنا آسان
نہیں ہے تاہم اسکا یہ نفع بھی دیکھا کہ جہاں لوگوں نے اسکو بالکل ہی فراموش کر دیا تھا
وہاں اب انکی زبانوں پر اسکا نام آنے لگا اس سے امید ہوئی کہ جب زبان پر آنے

بالیات لائے ہیں اور اس کے متعلق فرمایا ہے کہ

هذا حديث صحيح متفق على صحته مجمع على عظم موقعه وجلاله
وهذا الحديث الذي عليه مدار الاسلام - وكان السلف و
تابعوهم من الخلف راجعهم الله يستحبون استفتاح المصنفات
بهذه الحديث تنبيهاً للمطالع على حسن النية واهتمامه بهذا الحديث
والاعتناء به - پھر کچھ آگے فرمایا ہے کہ

وبلقنا عن ابن عباس رضي قال انما يحفظ الرجل على قدر نيته وقال
غيره انما يعطى الناس على قدر نياتهم -

اور اخلاق کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ
حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

قُلْ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا إِذْيٌ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ
انكم لا تسعون الناس باموالكم ولكن يسعون منكم لبسط الوجه
وحسن الخلق -

اور میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جس طرح مال کا درجہ حسن خلق سے کم ہے اسی طرح
علم سے بھی اسکا درجہ کم ہے۔ حدیث میں ہے کہ مثل علم لا ينتفع به كمثل كثر لا ينتفع
منه في سبيل الله اس سے تھکا کہ مثل علم ينتفع به كمثل كثر ينتفع منه في
سبيل الله۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم میں جس قدر وسعت اور عموم ہے وہ مال میں
متصور نہیں۔

حضرت سیدنا رفاعی فرماتے ہیں کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ
کیونکہ حسن خلق اور تمام اعمال نافلہ سے افضل ہے۔ مثل مشہور ہے کہ
اذالم تسع الناس بمالك فسع الناس بخلقك -

اور نظم کے اصل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نہایت ہی بانظم تھے۔

شمیم الجیب میں ہے کہ لکل حال عند کا عتاد۔ یعنی ہر حالت کا آپ کے یہاں ایک خاص اہتمام تھا مستند الہام غیر مختلف آپ کا ہر معمول نہایت اعتدال کے ساتھ ہوتا تھا اس میں بد انتظامی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کے انتظام کا تو یہ حال تھا لیکن یاد ہو اس کے کہ منتظم آدمی ذرا سخت مشہور ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کو آپ سے کوئی شکایت نہ تھی بلکہ سب کے سب آپ کے اخلاق کے مداح اور آپ سے بہت خوش تھے آپ کا یہ انتہائی کمال تھا کہ آپ کا مل انتظم ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے حسن الخلق بھی تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّہٗ لَعَلٰی خَلَقَ عَظِیْمٌ اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کہ ان خلقہ القرآن اور آپ کے اخلاص کو تو پوچھنا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کا اخلاص جیسا کچھ تھا اس کا تو اندازہ بھی مشکل ہے۔ ولنعم ما قال حسانؓ

لہ ہمم لاہ منتہی لکبارھا وہمتہ الصغری اجل من الدہم

لہ راحتہ لو ان قطرۃ وجودھا علی البرکان البرامدی من البحر

دوسری گزارش یہ ہے کہ جناب والا نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی جانب سے بھی اجازت کا جو تذکرہ فرمایا تھا تو اب جی یہ چاہتا ہے کہ حضرت اس اجازت کو اب سب لوگوں پر ظاہر فرمادیں اور اس کے بعد یہ بھی فرمادیں کہ فلاں کے واسطے سے گویا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت ہو گئی ہے۔ مجھے تو اُمید قوی ہے کہ اسکا مبین نفع علی روس الہ شہاد۔ ملاحظہ فرمائیں گے۔

ایک بات یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انسان کو جتنا زیادہ بزرگوں سے تعلق ہوگا اسی قدر زیادہ وہ ان بزرگ کے فیوض کا مورد ہوگا۔ چنانچہ میں نے چاروں سلسلہ میں جو اجازت دی ہے تو اس لئے کہ سب بزرگوں سے نسبت اور تعلق ہونے کی وجہ سے سب کے فیوض و برکات حاصل ہوں۔

(حضرت مصلح الامۃ کے جواب کا بقیہ)

جناب دالانے اپنے خاندان والوں کے متعلق جس فکر کا اظہار فرمایا ہے اُس سے بہت ہی زیادہ مسرت ہوئی اس لئے کہ اس زمانہ میں اس چیز کی کمی دیکھ رہا ہوں۔ لوگ دوسروں کے بارے میں تو چاہتے ہیں کہ دیندار ہو جائیں چنانچہ اس کے لئے بہت بہت سعی بھی کرتے ہیں مگر اپنے گھر والوں کو دیندار بنانے کی اتنی فکر نہیں ہوتی ورنہ تو اگر فکر ہو تو اُن کی بھی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو ہی جائے۔ مگر بات وہی ہے کہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ اپنے گھر کے لوگوں سے تو تعریف وغیرہ کچھ ملتی مالتی ہے نہیں اس لئے اُنہی کی فکر کریں اور کیوں بلا وجہ مفت کی درد سری مول لیں۔ چونکہ حالات کچھ اس طرح کے مشابہ ہیں اس لئے جناب والا کے ارشاد کی بڑی قدر ہوئی رب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر سب کو چلائے اور آپ کے لئے اُنکو قرۃ العین بنائے۔

اور جب کہ آپ کو ان کی اصلاح کی فکر ہو گئی ہے تو اُن کی اصلاح بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہو ہی جائے گی۔ اس سلسلہ میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ میں بھی الحمد للہ کام ہوتا ہے آپ نے توجہ فرمادی ہے اس لئے اور زیادہ کام کی امید ہے عرض یہ کرنا ہے کہ مدرسہ میں پچیس برس سے بزرگوں کی توجہ سے خالی تھا اور گویا کہ ایک طرح بگڑ ہی چکا تھا اگر آپ کی توجہ عالیہ سے سدھر سنور گیا اور اسکا بگاڑ مبدل بہ بناد ہو گیا تو اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ اور دیگر اکابر کی روح آپ سے خوش ہی ہو جائے گی اور یہ آپ کا ایک ایسا کا زمانہ ہوگا جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سرخروئی کا ذریعہ بنے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

خط میں جناب دالانے یہ شعر جو تحریر فرمایا ہے

ایک عمرت گذشت در خوابی . شایدہ این چند روز دیابی
 بہت ہی لطف دے گیا اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام بزرگوں کو یہ حال پیش آتا
 ہے یعنی جب حق تعالیٰ سے صحیح نسبت کے بعد یہ حضرات اپنے گزرے ہوئے اوقات
 کا جائزہ لیتے ہیں تو اپنی سابق غفلت پر بہت ہی زیادہ نادام اور شہیمان ہوتے
 ہیں اور انتہائی رنج اور افسوس کے ساتھ یہی کہتے ہیں کہ

ایک عمرت گذشت در خوابی

اسی بنا پر حضرت مشائخ کا یہ ارشاد ہے کہ

من استوی یوماہ فہو مخبون۔

والسلام کمسک النعمان خیر ختام

خوید کم وحی اللہ عفی عنہ

(۳۱ ربیع ۲ ۱۳۸۰ھ ہجری - الہ آباد)

ناظرین کرام حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب اور حضرت مصلح الامت رحمہ کی
 مکاتبت سے خوب لطف اندوز ہوا ہے ہونگے لیکن افسوس کہ آپ کے تسلسل مطالعہ میں
 کچھ رخنہ پڑ جائے گا جس کے بغیر چارہ نہیں۔ بات یہ ہوئی نقل خطوط کے جبرٹ اور
 مسودات کے ذخیرہ میں دو تین خطوط بعض دوسرے حضرات کے نظر سے گزرے جو ظاہر
 نام سے تو دوسروں کے تھے لیکن مضامین اُس کے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ ہی
 سے متعلق تھے۔ موقع اُنکا گزر چکا تھا لہذا اب اس کی دوہی صورت تھی ایک تو یہ
 کہ ختم مراسلات پر اس کو ضمیمہ بنادیا جاتا یا یہ کہ اسی وقت درمیان میں اُسکو بھی
 پیش کر دیا جائے چنانچہ یہی دوسری صورت انسب معلوم ہوئی کیونکہ یہ سب خطوط گذشتہ
 مکتوب سے ۲۱ ۳۱ ہی ماہ قبل کے ہیں اس لئے بہت زیادہ بے ربطی بھی نہ ہوگی۔

جب حضرت مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ کو بیعت و تلقین سے
 متعلق اجازت نامہ ارسال فرمایا جو کہ سال رواں کے ماہ فروری کے صفحہ ۳۰ پر
 درج ہے تو اُس کے فوراً ہی بعد ایک ہدایت نامہ اپنے ایک خادم کے نام (جو کہ حضرت

علامہ کے شاگرد رشید بھی ہیں) راقم سے لکھوایا جس میں انہیں ہدایت فرمائی کہ اسے حضرت علامہ کو بھی سنادیں۔ پس اسکا صحیح مقام تو اجازت نامہ والے مکتوب کے بعد ہی تھا کہ اُس کی اور اسکی تاریخیں قریب قریب ایک ہی ہیں لیکن اس بھول کی وجہ سے اب اس کو میاں پیش کیا جا رہا ہے۔

ہدایت نامہ

غایت فرمائے من۔ اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ

حضرت والا مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ:-

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کے خط کا جواب..... رجسٹری سے جا رہا ہے مولانا آپ کو سنائیں گے ہی۔ آپ سے یہ کہتا ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم نے مولانا موصوف کو بیعت و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی اسکا ذکر آپ بھی اپنے حلقہ احباب میں کر دیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے اور اس امر کی تشہیر ہو جائے اور حسب موقعہ حضرت مولانا کے گوش گزار اِن امور مذکورہ ذیل کو فرمادیں تاکہ بصیرت کا سبب بنے۔

۱۔ حضرت والا مدظلہ نے فرمایا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہاں کے تقریباً سب ہی مدرسین بیعت فرماتے ہیں اور مولانا بایں فضل و کمال اور عظمت و مقبولیت کے جو انکو حاصل ہے اب تک اس سے علیحدہ رہے۔ یہ مولانا کی غایت تواضع تھی۔ بہر حال اب طریقہ بدل دیں اور خوب بیعت کریں اور ذکر و اذکار کی تلقین کریں۔ اس کو وہاں کی اصلاح کا مقدمہ اور پیش خیمہ سمجھتا ہوں۔ اب اس سلسلہ میں تواضع سے کام نہ لیں۔

۲۔ موقع سے حضرت والا کا طریقہ بیان فرمادیجئے کہ فتنہ و فساد سے براہِ حل و درہنہ

ہیں چنانچہ ترک وطن بھی اسی کے نتائج میں سے تھا۔

۳۔ حضرت والا مدظلہ نے فرمایا ہے کہ میں نے گو اصول یہ طے کر رکھا ہے کہ ہر جگہ کے عظیم المرتبت لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھوں تاہم یہ بھی تجربہ میں بار بار آیا ہے کہ جہاں ادراجیں جگہ حضرت نے کام کا ارادہ کیا ابلیس نے اپنی پوری ذریتہ کے ساتھ ردِ عمل کے لئے اپنا پورا زور صرف کیا۔ یہی اپنے وطن میں دیکھا۔ گورکھپور میں دیکھا اور آپ کے وطن میں دیکھا اور ابتداءً یہاں بھی دیکھا اور حوادث اور واقعات سے چونکہ نصیحت لیتا ہوں امدادی پر اپنے کام کی بناء رکھتا ہوں اس لئے کسی نئی جگہ جانے سے بہت گھبراتا ہوں کہ خدا معلوم کہاں کیا ہو جائے۔ خیر یہ باتیں تو آپ کو

یاد دلائیں کہ ایام ماضیہ بھی ذہن میں رہیں۔ اب تو کام کی نوعیت ہی دوسری ہو گئی ہے آپ وقتاً فوقتاً اس کو عمل میں بھی لانے کے متعلق عرض کرتے رہتے گئے۔

۴۔ انشاء اللہ تعالیٰ اتصال سلسلہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری توجہ اور مشلخ سلسلہ کی جانب سے بھی امداد باطنی حاصل ہو کر مولانا کے لئے سبب تقویت بنے گی۔ مولانا نے جس تواضع کا ثبوت دیا اب اس کے بعد کونسی حالت منتظرہ باقی رہ جاتی ہے اور اس قسم کے حضرات بھی اگر کام نہ کر سکیں گے تو کام آخر چلے گا کیسے؟ نہ تو فرشتے ہی آدیں گے اور نہ اب انخطاط زمانہ کی وجہ سے اس سے زیادہ اکل حضرات کے ملنے کی توقع پھر کام کیسے ہو گا۔ لامحالہ انہیں حضرات کو کام سنبھالنا ہے۔

۵۔ آپ حضرت مولانا کے گوش گزار یہ بات بھی ضرور فرمادیں کہ سابق معاملات سے بھی اور حالیہ مکتوب میں طرز خطاب سے مجھے اندازہ ہوا کہ مولانا کو مجھ سے کس درجہ عقیدت ہے۔ ایسی تو میں نے کسی میں دیکھی ہی نہیں۔ اس لئے اس سے مجھ کو نفسانی نہیں بلکہ روحانی مسرت ہوئی اور میں نے یہ سمجھا کہ مجھے ضرور اجازت دینی چاہئے ورنہ تو اجازت وغیرہ کے باب میں میں بہت بخیل ہوں جلدی سے کسی کو اجازت دیتا نہیں مگر مولانا کا حال یہ دیکھا تو دیا نہ یہ ضروری معلوم ہوا کہ جس امانت کا مجھے بزرگوں نے حامل بنایا ہے میں

بھی اسکا قصد یہ کروں اور اہل کے حوالہ کر دوں۔ چنانچہ یہ خیال کر کے دوبالا خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ اجازت بر محل ہوئی کیونکہ اس کی ابتداء مولانا ہی سے ہوئی اور دیوبند "جیسی جگہ سے ہوئی۔ یوں فقہ پہونچانے والے حق تعالیٰ ہیں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے اور جانیبن کے لئے اس کو موجب سعادت بنا دے۔ آپ اس مضمون کو حضرت مولانا کو ضرور سنا دیں

والسلام بقلم یکے از خدام
(ادارہ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ)

یہی وہ خط ہے جو حضرت دالاکے ایک خادم کے توسط سے حضرت علامہ کے ایک شاگرد (جو مدرسہ کے مدرس بھی ہیں ان کے) نام گیا جس میں حضرت علامہ کو بھی سنا دینے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ مدرسہ میں پیش آنے والے بعض ناخوشگوار واقعات سے متاثر ہوئے اور اپنے تاثرات کا اظہار حضرت مصلح الامۃ سے بھی فرمایا۔ حضرت نے پھر انہیں مولوی صاحب کے نام خط لکھ دیا جس کا تمام تر مضمون حضرت علامہ ہی سے متعلق تھا۔ دھو ہذا؟

عنایت نامہ

مکرمی جناب مولوی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت مولانا بلیاوی مدظلہ العالی کے تفصیلی خط کا انتظار ہی تھا کہ ایک کارڈ پھر ملا۔ حالات کا علم ہوا آپ حضرت مولانا سے مل کر یہ کہہ دیں کہ آنجناب نے جو تاثرات ارقام فرمائے ہیں ان سے مجھے بھی رنج ہوا۔ میں بھی اگر آپ کی جگہ ہوتا تو اس سے کم تاثر و غموم نہ ہوتا۔ مگر اس قسم کا تاثر مذموم نہیں ہے بلکہ یہ طریق اصلاح کا عقبہ ہے جس سے ہر مصلح کو گزند ناگزیر ہوتا ہے۔ حالانکہ سید المصلحین صلی اللہ علیہ وسلم تک کو یہ پیش آیا ہے۔ اس لئے بعد میں آئیولے تمام مصلحین امت کے لئے یہ سنت ہی

قائم ہو گئی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا مکتا ذی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس قسم کا تاثر ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض دفعہ کسی کو یہ تحریر فرمادیتے تھے کہ اپنے کو آپ سے ملاقات میں معذور پاتا ہوں۔ اسی طرح مجھے بھی اپنے کام کے سلسلہ میں برابر یہی پیش آتا رہتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں اسی قسم کی ایک بات پیش آئی کہ میں یہاں سے ناخوش ہو کر قریب کے ایک دیہات میں چلا گیا مگر کام کرنے کرتے لوگوں کو اس حد تک لایا ہوں کہ کوئی اب میرے اس قسم کے فعل پر انکار یا اعتراض نہیں کرتا بلکہ یہ معلوم کر کے کہ کس کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی ہے اُسی کو لوگ اس قدر لعنت و ملامت کرتے ہیں کہ وہ معافی چاہنے اور معاملہ صاف کرانے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن یہ ماحول اور ایسی فضا بنتے بنتے بنی ہے یہی حال وطن میں بھی تھا گو مجھے اس کے بنانے میں اول اول لقب و شفقت برداشت کرنی پڑی مگر بالآخر میں ہی کامیاب ہوا۔ اور اصلاح کے لئے زمین ہموار ہی کر لی۔

ان تجربات کی روشنی میں عرض ہے کہ آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ اہل اہتمام سے تعرض نہ کریں صرف طلبہ و مدرسین سے کام کی ابتداء کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد مدرسہ کو اسی راہ پر دیکھیں گے جس پر آپ اُسے دیکھنا چاہتے ہیں باقی یہ ضرور ہے کہ ایک اثر جو قائم ہو چکا ہے اُس کے زائل ہونے اور اُس کی جگہ دوسرے اثر کے قائم ہونے میں کچھ مدت لگتی ہے۔ غرض ہو سکتا ہے کہ طلبہ و مدرسین سے متجاوز ہو کر اور دوسرے حضرات پر بھی اثر پڑ جائے اور اگر بالفرض نہ بھی پڑا تو اپنے ارادہ اور نیت صحیحہ کے باعث اصلاح کا اجر آخرت اور حصول رضا و مولیٰ کے تو آپ مستحق ہو ہی جائیں گے۔ اسیں تو کچھ اشکال ہی نہیں۔

اتنا جواب لکھا تھا کہ آج کی ڈاک سے قاری محمد نعمان صاحب کا خط (حضرت والا کے نام) آیا جو سراپا بشارت اور مبارکباد ہی ثابت ہوا اس لئے (حضرت والا نے فرمایا کہ) آپ حضرت مولانا سے یہ بھی فرمادیں کہ آپ کے تاثرات سے رنج ضرور ہوا تاہم تیری

نعمان صاحب سلمہ کے خط سے خوشی بھی ہوئی اس لئے کہ معلوم ہوا کہ الحمد للہ کام شروع ہو گیا ہے۔ رہیں دشواریاں اور تعب تو وہ تو سب کام ہی میں ہوتا ہے اور ہر کام کرنے والے کو برداشت ہی کرنا پڑتا ہے خاص کر دین کے کام میں انسان جیسا کہ مصاب ہوتا ہے۔ (یعنی اس کو اس سلسلہ میں جس قدر مشقت اٹھانی پڑتی ہے اُس پر.....)۔۔۔۔۔ تاہم انبیاء و اولیاء شاہد ہے لیکن اُس پر اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تثبیت قلب حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصص کے ذریعہ اسی لئے فرمائی گئی کہ یہ منزل سخت تھی۔ مولانا نے یہ بھی فرما دیجئے کہ آپ کہاں جائیے گا۔ مجھے اسکا بھی خوب تجربہ ہے۔

بہر زمین کہ رسیدیم آسماں پید

پھر ہم کام کو تو ترک کر نہیں سکتے صرف مقام ہی ترک کیا جاسکتا ہے۔ لہذا جب کام ہی کرنا ہے تو پھر دہیں جم کر کیوں نہ کیا جائے۔ مخلص کے اخلاص کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے۔ انھیں مشکلات میں سے راہ بھی نکل آئے گی ہمہ کام تو شروع کھیں ہو گیا ہے۔

والسلام

بھرمیے از خدام

۲۰ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

چونکہ اس خط میں جناب قاری محمد نعمان صاحب ابن حضرت علامہ بیادگی کے خط کا بھی ذکر آگیا ہے۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا خط اور حضرت اقدس کا جواب بھی یہاں نقل کر دوں۔

نقل عریضہ جناب قاری محمد نعمان صاحب بلیاوی مدظلہ

محرم عالیجناب قطب العالم حضرت مولانا دعی اللہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم مزاج گرامی

جیب سے حضرت والا سے ملاقات ہوئی اُس وقت سے لے کر برابر آنجناب کی طرف

دل لگا رہتا ہے۔ حضرت دالانے فرمایا تھا کہ میں دل سے شادی کے ہر محاذ پر شریک ہوں تو اتنی بات بغیر تصنع میں عرض کرتا ہوں کہ الحمد للہ ہر کام آپ کی دعاؤں کی بدولت پورا ہوتا ہی چلا گیا۔ اب پھر دلی خواہش یہ ہے کہ دوبارہ حضرت کی مجلس میں شرکت کا موقعہ ہوتا اور کچھ دیر صحبت کے بعد روحانیت کا فیضان ہوتا خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم میں اکثر مدرسین آنجناب کی طرت متوجہ ہو رہے ہیں بس آپ کی دعا شامل حال رہیں تو انشاء اللہ واجب الوجود یقیناً آپ جیسے بزرگوں کی راہ یقیناً اختیار کر ایں گے۔

منتظر جواب

احقر محمد نعمان بلیادی
(وسط محرم ۱۳۸۴ھ)

جواب حضرت مصلح الامتہؒ

کرمی جناب قاری محمد نعمان صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط سے بہت خوشی ہوئی اُس کے ہر لفظ سے اطمینان حاصل ہوا۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تشریف آوری کو میں اپنی سعادت اور اُن کی کرامت ہی سمجھتا ہوں اور وہاں کے جو حالات آپ نے لکھے ہیں اُس کو مولانا ہی کے خلوص کی برکت تصور کرتا ہوں اور آپ کے بیان کو ایک بشارت خیال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس میں یوماً فیوماً ترقی عطا فرمائے اور آپ حضرات کو دارین میں اجر جزیل سے نوازے۔ آمین۔ اور حضرت مولانا کے عزائم کو باحسن وجوہ معرض وجود میں لانا ہر فرمادے۔ حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں سلام مسنون عرض فرمادیں۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(وسط محرم ۱۳۸۴ھ)

الحمد للہ کہ جلد معترضہ کا سلسلہ یہاں ختم ہوا اب آگے بڑھ کر حضرت علامہ اور حضرت مصلح الائمہ کے درمیان مکاتبت کا سلسلہ شروع کرتا ہوں لیکن حضرت علامہ کے لکھے ہی خط میں بعض باتیں ایسی ہیں کہ انکے سمجھنے کے لئے تمہیداً ایک مولوی صاحب کا خط اور حضرت والا کا جواب نقل کر دینا ضروری معلوم ہوا اس لئے پہلے اسے ہی پیش کرتا ہوں۔
واقعہ یہ ہوا کہ حضرت کے خدام میں سے ایک مولوی صاحب نے جن کا قیام دیوبند ہی میں تھا حضرت والا کو ایک خط لکھا۔ اُس کے جواب میں حضرت والا نے انھیں تحریر فرمایا کہ :-

”حضرت والا کا مکتوب گرامی ان مولوی صاحب کے نام“

عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کے اس خط کا مضمون مدح سے تعلق رکھتا تھا اس لئے اس پر مفصل بحث کر دی جو آپ کے افادہ کے لئے روانہ ہے احباب کو بھی سنا دیجئے اور شاب کجئے تو حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مدظلہ کو بھی سنا دیجئے گا امید کہ پسند فرمائینگے اور تحریر فرمایا کہ :-

کتاب الاعتصام جو ابی اسحق الشاطبی کی تصنیف ہے جن کی موافقات بھی ہے مجھے بحد پسند ہے۔ علامہ شاطبی تصوف کے قائل ہیں اور صوفیاء کے حامی ہیں۔ اس جماعت کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے تصوف کے مسائل کو کتاب و سنت پر اس طرح سے مطابق کرتے ہیں کہ بس لطف آجاتا ہے اور جن مسائل میں بوجہ غلبہ حال کے حضرات صوفیہ کا طریق کتاب و سنت سے کچھ مختلف دیکھا ہے تو نہایت ہی ادب سے اس کا نشانہ و تحمل اور توجیہ و تاویل اس طرح بیان فرمائی ہے کہ کتاب و سنت کا مقام بھی ملحوظ رہے اور صوفیائے کرام کا احترام بھی فوت نہ ہو۔ میں نے اس ادب اور

اس طرز سے مسائل تصوف اور شریعت کا امتزاج نہیں دیکھا اس لئے جی چاہتا ہے کہ تصوف کے ایک ایک مسئلہ کو لے کر ان کے انداز بیان کے مطابق کتاب و سنت پر پیش کیا جائے اور اس امر کو دلیل کے ساتھ واضح کیا جائے کہ حضرات مشائخ جو کچھ فرماتے ہیں وہ کسی نہ کسی عنوان سے شریعت میں موجود ہے اس طرح گویا طریقت خلافت شریعت کوئی چیز نہیں ہے۔

آج یہ ایک مغلطہ عظیم ہے جس کی وجہ سے شریعت کو فروغ نہیں ہو رہا ہے اور لوگوں کے قلوب میں اسکا انکار پیدا ہو گیا ہے چنانچہ اس پر سے کشف غطا کرنا چاہتا ہوں لہذا آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں اس کو پیش کر کے استمزازج تو کیجئے کہ حضرت مولانا کا اس کے متعلق کیا مشورہ ہے۔ یہ بات کچھ خدا تعالیٰ کی جانب سے قلب میں آرہی ہے اور اس میں کچھ خیر اور نفع کی امید ہے یا ایک بے ضرورت کام ہو گا جس سے چنداں نفع نہیں۔

والسلام

نیز ان مولوی صاحب کے پاس اس خط کے ہمراہ مدح کے متعلق یہ مضمون بھی گیا۔ دھو ہذا۔

(مضمون متعلق مدح)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مدح کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں بعض سے انتہائی مذمت ثابت ہوئی ہے جس سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً منع ہے۔ مگر بعض روایات مدح کی بھی وارد ہیں اس سے اطلاق منع جو سمجھا گیا تھا صحیح نہ نکلا لہذا اس میں تفصیل ہے۔

بعض حالات میں بعض لوگوں کے لئے یہ منع نہیں ہے۔ اس سے فصوص سب جمع ہو جاتی ہیں۔ عام طور پر جن میں تقویٰ میں رسوخ و کمال فہم و معرفت نہ

ہو یا ریاضت نفس کر کے کبر و عجب سے جو خلاصی نہ پا چکے ہوں بلکہ مدح سے اُن کے نفس کے بگڑنے کا اندیشہ ہو اُن کے لئے مدح کا سننا اور دوسروں کو اُن کی مدح کرنا یہ دونوں منع و حرام ہیں۔ مبالغت کی احادیث کا یہی مطلب ہے۔

اور جو اصحاب کہ ریاضت نفوس کر کے رذائل نفس سے خلاصی پا چکے ہوں۔ اور معرفت نفس کی اور معرفت اللہ تعالیٰ کی حاصل کر چکے ہوں۔ اس لئے اُس سے متاثر نہ ہوتے ہوں اور اُس کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتے ہوں تو دوسروں کا انکی مدح کرنا اور خود اُنکا سننا دونوں اچھا ہے۔

حدیث شریف۔ اذ امدح المؤمن فی وجہہ راجی الایمان فی قلبہ کا یہی مطلب ہے۔

(یعنی جب مومن کے منہ پر اُسکی تعریف کیجاتی ہے تو اس کی وجہ سے اُسکے قلب میں ایمان بڑھتا ہے)۔

اسکا حاصل یہ ہوا کہ عوام کے لئے تو جائز نہیں ہے نہ کسی کا اُنکی مدح اُن کے منہ پر کرنا اور نہ اُنکا سننا۔ اور خواص بلکہ انصاف خواص کے لئے جائز ہے یعنی کسی کا اُنکی مدح کرنا بھی اور خود اُنکا سننا اور اُس پر فرح و شکر کے طور پر خوش ہونا بھی۔ البتہ فرح بطور تو یہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سے مشائخ جب مستزین کے متعلق یہ سمجھتے ہوں کہ اُنکی مدح کر دینے کی وجہ سے اُنکو اپنے معمولات میں نشاط ہو جائے گا یا اضافہ ہو جائے گا یا اُس پر مداومت اُس کے لئے آسان ہوگی یا وہ اقتدار کریگا تو ان صورتوں میں باوجود اُس کی تکمیل نہ ہونے کے بھی مدح کیجا سکتی ہے۔ مگر یہ مشائخ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ عوام کے لئے جائز نہیں اور مشائخ ہی کی رائے پر موقوف ہے اس لئے کہ مریدین کے حالات اور اُنکی اصلاحی مصلح سے دہی حضرات واقف ہوتے ہیں۔ یہی تفصیل اس مسئلہ کی علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں بھی لکھی ہے۔ وھذا الصلۃ۔

(باب النہی عن المدح اذا كان فيه افراط ونخيف منه فتنةً
على الممدوح).

قال النووي ذكر مسلم في هذا الباب الاحاديث الواردة في النہی
عن المدح وقد جاءت احاديث كثيرة في صحيحين بالمدح في الوجه
قال العلماء وطريق الجمع بينهما ان النہی محمول على المجازفة في المدح
والزيادة في الاوصاف او على من يخاف عليه فتنته من اعجاب
دخوه اذا سمع المدح.

باب۔ مدح کی مانعت میں جبکہ اس میں حد سے تجاوز ہو جائے

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ مسلم نے اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا ہے جن میں
مدح سے مانعت وارد ہے لیکن صحیحین ہی میں اور دوسری بہت سی احادیث آتی ہیں جن
میں پر تعریف کا جواز بھی نکلتا ہے۔ علماء نے فرمایا کہ ان میں جمع کی یہ صورت ہے کہ جن
روایات میں مانعت آئی ہے وہاں وہ مدح مراد جو یونہی بے ٹکی اور مکمل تجوہ ہو یا اس میں
مبالغہ سے کام لیا گیا ہو یا اس شخص کی تعریف کی گئی ہو جس کے فتنہ میں پڑ جانے کا
اندیشہ ہو۔ یعنی اپنی تعریف سن کر اس کے اعجاب وغیرہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہو۔

واما من لا يخاف عليه ذالك لكمال تقواه ورسوخ عقله وموقفه
فلا نهى في مدحه في وجهه اذ لم يكن فيه مجازفة بل ان كان
يحصل بذلك مصلحته كنشطه للخير والا زيادته او الدوام عليه
او الاقتداء به كان مستحيا۔

وايضاً قال رحمه الله تحت قوله صلى الله عليه وسلم (قطعت
عنق صاحبك) وفي رواية قطعت ظهر الرجل معناه اهلكتموه وهذه
استعارة من قطع العنق الذي هو القتل لا اشتراكهما في الهدم الا ان
هلاک هذا الممدوح في دينه وقد يكون من جهة الدنيا لا اشته

علیہ من حالہ۔ بالاعجاب۔ (شرح مسلم للذہبی)
لیکن جو شخص کہ ایسا ہو یا اس وجہ کہ وہ کمال تقویٰ کے ساتھ متصف ہے اور کمال عقل
والمعرفۃ ہے تو اس کے منہ پر اس کی تعریف کرنا منع نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ تعریف سچوٹی پر
اور نہ یہ نہی اٹکل پہنچو ہی ہو۔ (اور ایسی تعریف نہ صرف یہ کہ منع نہیں ہے) بلکہ اس سے
اگر مزید کوئی مصلحت حاصل ہو رہی ہو مثلاً اُمور خیر میں اسکو نشاط حاصل ہونا یا اس
کام کو اور زیادہ کرنا یا علی الدوام کرتے رہنا۔ یا دوسروں کا اس کی اقتداء کرنا وغیرہ وغیرہ
تو یہ تعریف مستحسن ہو جائے گی۔

نیز شارح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد قطعت عنق صاحبک کے تحت
فرمایا ہے کہ ایک روایت میں ہے قطعتم ظہر الرجل۔ یعنی تم نے تو اس شخص کی پشت
توڑ دی۔ مطلب یہ کہ اسکو ہلاک ہی کر ڈالا۔ قطع عنق یعنی گردن کے جدا کرنے کو اس سے
استعارہ کیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں ہلاکت کے مفہوم میں مشترک ہیں۔
مگر یہ کہ اس ممدوح کی ہلاکت اس کے دین میں ہوتی ہے اور کبھی دنیوی اعتبار
سے بھی ہو جاتی ہے اس لئے کہ خود اس پر اس کا حال بوجہ عجب میں مبتلا ہونے کے
مشتبہ رہتا ہے۔

بس جن احادیث سے مدح فی الذہب کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ انہی لوگوں کے
متعلق ہے جو ناقص ہیں خواہ سادکین مریدین میں سے ہوں یا مشائخ میں سے اس لئے کہ
ہلاکت کا اندیشہ انہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ جب ناقص ہیں تو گویا مریض ہیں۔
اب اگر کسی مریض جسمانی سے طبیب یہ کہے کہ تم تندرست ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے
وہ کبھی بھی صحتیاب نہ ہوگا۔

اسی طرح سے جب ناقص کی مدح کی جائے گی تو اس پر بھی اپنا امر مشتبہ ہو جائے گا
یعنی وہ خود کو کامل سمجھ لے گا اور پھر اس کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی۔ باقی کا ملین جو نفس
سے چھوٹ چکے ہیں۔ ان روایات میں وہ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ حضرات ان احادیث کے

مصدق ہیں جن میں جواز مدح وارد ہے۔ یہ تفصیل تو روایات کو دیکھنے ہوئے لازم ہے باقی حضرات صوفیا چونکہ نفس سے ہی بحث فرماتے ہیں اور اصلاح نفس پر زیادہ زور دیتے ہیں اسلئے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے مدح کئے جانے اور اُس کے سننے کو پسند نہیں فرماتے بلکہ سالکین اور مشائخ اسکو مہلکہ ہی تصور کرتے ہیں تاہم روایات مدح پر نظر کرتے ہوئے اُن کے اطلاق کو مفید کرنا ناگزیر ہوگا اور یہی کہا جائے گا کہ حکم مبتدئی اور ناقصین کا ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں:-

تعظیم خلق و انگشت مناشدن

از فریب داخلان و حصار جاں	تن نفس شکل است و زباں شد خار جاں
و انش گوید نے منم انباز تو	ایش گوید من شوم ہمداز تو
جملہ جاننا اطفیل حبان لت	انش گوید ہر دو عالم آن لت
آتش گوید گاہ نوش و ہمدی	ایش گوید گاہ عیش و خسری
از تبرمی رود از دست خویش	اوچوں بیند خلق را سرت خویش
دیوان گندست اندر آب جو	او داند کہ هزاراں را چوں او
کم ترش خور او پر آتش لقمہ است	لطف سانس جہاں خوش لقمہ است
دود او طہا ہر شود پایان کار	ہر تشش پہناں و دودش آشکار

ترجمہ۔ تن نفس کے مثل ہے اسی وجہ سے وہ جان اور روح کے لئے مثل خار ہو رہا ہے اور یہ آمد و رفت کرنے والوں کے فریب و اغوا سے ہو رہا ہے۔

ایک کہہ رہا ہے میں آپ کا ہمارا ہوں۔ دوسرا کہتا ہے نہیں میں آپ کا شریک حال ہوں۔ ایک کہتا ہے کہ تمہارے مثل تو دنیا بھر میں کوئی نہیں کمال میں بھی اور فضیلت میں بھی اور احسان و جود میں بھی۔

ایک کہتا ہے کہ دونوں عالم حضور ہی کی ملک ہیں۔ ہماری سب کی جانیں آپ ہی کا طفیل ہے۔

ایک کہتا ہے کہ آپ تو گویا زمانہ عیش و خرمی ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ آپ زمانہ
حلاوت و ہمدی ہیں۔ وہ شخص بیچارہ جب ایک مخلوق کو اپنا سرست دیکھتا ہے۔ پس
تجبر کی وجہ سے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ اس کو اتنی خبر نہیں کہ اس جیسے ہزاروں کو
شیطان نے دریا میں ڈال دیا اور عقاب کر دیا یہ دنیا والوں کا لطف اور تعلق ایک
لذیذ لقمہ ہے۔ اسے ذرا کم کھاؤ کہ یہ پر آتش لقمہ ہے اس لقمہ کی آتش پہناں ہے۔
اسکا ذوق ظاہر ہے لیکن اسکا بخار آخر میں نکلتا ہے۔

پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ
نفس از بس مدح فرعون شد کُن ذلیل النفس هونا لا تسُد
تا توانی بندہ شو سلطان مباحش زخم کش جو گوئے شو چو گاں مباحش

یعنی یہ نفس زیادہ تعریفوں ہی کی وجہ سے فرعون یعنی گمراہ ہو گیا ہے لہذا تم اپنے
نفس کو ذلیل اور بہت اور ٹھان ہی رکھو سرداری مت اختیار کرو۔ جہاں تک تم سے
ہو سکے غلام بنو حاکم اور سلطان مت بنو اور گیند کی مانند زخم برداشت کرو اور چوگان (تجے)
کی مانند مت ہونا۔ مطلب یہ کہ ظالم ہونے سے مظلوم ہونا بہتر ہے۔

سبحان اللہ یہ حضرات عارف باللہ بھی ہیں اور معرفت نفس کے بھی امام ہیں۔ مجال
نہیں کہ نفس کو کسی راستہ سے چوری کا موقع دیدیں باقی خود مولانا کے کلام میں ایسے
اشارات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقصین ہی کو کہہ رہے ہیں کاملین کو نہیں
اور یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ جس امر کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب
سے ہو چکی ہو اس کو یہ حضرات کیسے منع کر سکتے ہیں۔ (مضمون مدح ختم ہوا)

اس خط کے جواب میں اُن مولوی صاحب کا یہ خط حضرت دالاکے نام آیا۔ چونکہ
مضمون ہذا سے وہ خود بھی نیران کے احباب اور حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ سب ہی
بہت ہی زیادہ خوش اور محفوظ ہوئے اس لئے اس کا عنوان سرست نامہ مناسب
معلوم ہوا۔

مسرت نامہ

سیدی و مطاعی حجت اللہ فی الارض شیعنا اللہ بطلول بقائہ
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 مزاج گرامی و سامی - والا نامہ اور اُس کے ہمراہ مضمون مبارک کے مطالعہ سے
 سعادت حاصل ہوئی اُس کے مطالعہ سے جو کیفیت گزری وہ بیان زبان و قلم سے باہر
 ہے۔ ع

دل مرا جانتا ہے دل کا خدا جانتا ہے
 حضرت علامہ مدظلہ نے بھی بغور سنا اور اُس کے ایک ایک حرف سے اتفاق فرمایا
 بلکہ مزید تائید میں مجھے لکھنے کے لئے فرمایا کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کو
 جو ترمذی میں باب المدح و المداحین کے تحت بیان کیا ہے وہ حدیث
 یہ ہے کہ :-

أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يحثوا القلوب

على وجه المداحين -

اور اس کی شرح میں یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد پیشہ وارانہ مدح کی نہیں و
 مذمت ہے۔ دوسرے وہ ممدوحین جو دربار وارانہ مزاج رکھتے ہیں اس لئے یہاں عام
 مدح کی نہیں مراد ہی نہیں ہے اور نہ ہی مطلق کسی طرح سے ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ اس
 سلسلہ میں مولانا فاروق صاحب چریا کوٹلی کا ایک کلیہ بیان کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے
 کہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ کے تحت آتا ہے اس میں تعین جہت نہیں ہے اس لئے نہ ہی
 کی جہت جو اکابر صحابہ تابعین اور مشائخ نے متعین کی ہے وہی مراد لی جائے گی۔ یعنی
 جو مستحقین مدح و ستائش ہیں اُن کی مدح کرنا جائز ہے خواہ یہ مدح اُن کے روبرو ہی
 کیوں نہ ہو بلکہ بعض مواقع ایسے ہیں کہ اُس موقع پر مدح واجب ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علیہ السلام کی مدح حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے سنتے تھے اور سن کر خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وارثین انبیاء کی مدح کرنا بھی سنت ہے مادین کو دہی ثواب ملیگا جو خود صل کی مدح کرنے والوں کو ملتا ہے اس لئے کہ یہ براہِ راست نہیں بلکہ واسطہ نبی علیہ السلام کی مدح ہوئی جیسا کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے قصیدہ کو جو حضرت میاں جی قدس سرہ کو پیش کرنا چاہتے تھے اس کی اجازت کے موقعہ پر میانجی صاحب نے فرمایا کہ میری مدح کیا کرنے ہو اللہ اور رسول کی مدح کرو اسکا جو جواب حضرت حاجی صاحب نے میانجی رحمۃ اللہ علیہ کو دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ (عرض کیا کہ) میری کیا مجال کہ میں اللہ اور رسول کے علاوہ کسی دوسرے کی تعریف کروں اور حضرت کی مدح کو میں اللہ اور رسول ہی کی مدح سمجھتا ہوں۔

حضرت میانجی نور اللہ مرقدہ اس جواب سے مسرور ہوئے اور قصیدہ سن کر دوسرخ جوڑے (خلعت) عطا فرمائے جب ہمارے سرگردہ اس کو اسی طرح سمجھ چکے ہیں پھر ہمیں اس بات کو اس انداز سے سمجھنے میں کوئی زحمت نہیں معلوم ہوتی۔

کتاب الاعتصام کے بارے میں فرمایا کہ شاطبی معتدل مزاج ہیں۔
الموافقات اُن کے فقہی مسائل میں اُن کے اعتدال کی دلیل ہے اور الاعتصام میں طریق صوفیہ و محدثین میں راہ اعتدال کی جانب رہنمائی ہے۔ اُن کی کتاب سے انھیں لوگوں کو مناسبت ہوگی جو معتدل المزاج ہونگے۔ چونکہ حضرت والا مصلح الامت ہیں اسلئے ایک مصلح کو دوسرے مصلح سے مناسبت ہونا بالکل قرینہ عقل و دیانت ہے۔ دوسرے لوگ مثلاً اساتذہ و طلباء جو مانوس تھے

اُس کے (یعنی مضمون کے) مطالعہ کی سعادت اُنکو بھی حاصل ہوئی اور اُس سے وہ متاثر اور نفع اندوز بھی ہوئے۔

میں آجکل آپ کی دعاؤں کی برکت سے تندرست ہوں اور اسباق میں مشغول رہتا ہوں نیز حضرت مولانا بلیاوی کے خطوط علمی وغیرہ کا جواب بھی لکھتا ہوں۔ حضرت علامہ بہت مسرور آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہاری کوشش سے مجھے اللہ نے وہاں تک پہنچا دیا واقعی تم نے میری بڑی مدد کی۔ حضرت کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔ والسلام

کترین خدام

۱۰؎

حضرت اقدسؒ نے چونکہ ان مولوی صاحب کو لکھا تھا کہ اگر مناسب سمجھے تو (اس مضمون کو) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کو بھی سنا دیجئے چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت علامہؒ کو سنایا اور انکی تائید و تحسین کو اپنے خط میں بھی نقل کیا۔ لیکن اس کے بعد تقریباً انہیں تاریخوں میں خود حضرت علامہؒ کا بھی خط جب حضرت مصلح الامۃ کے نام آیا تو اس میں بھی انہوں نے اس مضمون پر اپنے تاثر کا اظہار فرمایا۔ اسی کے ربط کے لئے مضمون مدح کا بیان بطور تمہید وقوع میں آیا۔

اب آگے حضرت علامہؒ کا مکتوب گرامی ملاحظہ ہو۔

گرامی نامہ حضرت علامہؒ معروف ”پہلا عریضہ“

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دام مجد کم العالی

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

ادھر کچھ مصرعیتیں ایسی رہیں کہ تفصیلی خط لکھنے کا ابھی تک موقعہ نہیں نکال سکا لیکن تعلق خاص کا لحاظ کر کے یہ عریضہ اپنی خیریت و صحت کے بارے

میں آنحضرت کو اطلاع دینے کے لئے لکھ رہا ہوں تاکہ حضرت گرامی کو کسی قسم کی تشویش نہ ہو۔ میں آپ کی دعا و توجہ کی برکت سے اس وقت اچھا ہوں اور خود کوئی نرسکایت نہیں پاتا۔ مدرسہ کے معاملات بھی درست جا رہے ہیں۔ معمولی سی تشویش ہو گئی تھی یعنی لڑکوں نے کچھ گڑ بڑی ایک استاد کی واقعی غلط روش پر مچائی تھی جس پر آپ کی توجہ کی برکت سے فوراً قابو پالیا گیا۔ اب حالات بالکل بہتر ہیں۔ سردی کے موسم میں طبیعت مزید توانائی و بہتری کی خواہاں ہے۔ اسی لئے درخواست ہے کہ توجہات مرکوز فرمائیں اُس کی برکت سے مجھے ہر طرح کا خیر نصیب ہونے کی توقع ہے۔

مولوی عزیز الرحمن صاحب نے مضمون متعلقہ مدحت۔ ممدوح و مداحین سنایا سن کر آپ کے ذوق بلند کی سنت و کتاب سے مناسبت بے پایاں کا حال معلوم ہوا۔ واقعی اسی ذوق سے جتنوئے سنت اور اتباع کتاب و سنت کی ضرورت ہے۔ تفصیلات کی طرف میں نے رہنمائی کر دی ہے۔ امید کہ امروز فردا میں اُسے لکھ کر وہ حضرت والا کی خدمت میں روانہ کریں گے۔ گھر کے لوگوں و متعلقین کے لئے دعا کا خواستگار ہوں۔

والسلام

محمد ابراہیم

ارجاء دی الثانیہ ۱۴۲۸ھ

ہنوز حضرت مصلح الامۃ کے یہاں سے اس خط کا جواب نہ گیا تھا کہ حضرت علامہؒ نے ایک اور خط غالباً "تسلل بایدش" کے جذبہ سے متاثر ہو کر پھر حضرت مصلح الامۃ کو لکھا۔ پہلے دوسرا خط اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے پھر پہلے خط کا جواب پیش کروں گا۔

(گرامی نامہ حضرت علامہ بلیاوی جس کو آئندہ خط میں)

دوسرا عریضہ فرمایا گیا ہے

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 آجکل چونکہ طبیعت کا حال لاشم پشتم ہے اس لئے سردست تفصیلی جواب میں
 دیر ہوگی۔ شام کو روزانہ تبخیر میں اضافہ ہو کر اضمحلال بڑھ جاتا ہے اور حرارت سی
 ہو جاتی ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ حضرت والا کو اطلاع دیدوں۔ درحقیقت میرا حال
 اُس ٹٹو کی طرح کا ہے جو بغیر ایڑ لگائے ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ اس لئے میرے
 حال کی بہتری آنحضرت کی توجہ کی مرہون ہے۔ جتنی توجہ زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی جیتی
 اور کام میں برکت محسوس ہوتی ہے۔

آجکل جو حالات ہیں اُن سے مجھے احساس ہوا کہ کہیں آنحضرت کی توجہ میں
 کچھ کمی تو نہیں ہوگئی ہے۔ اس لئے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہوں کہ آپ کی توجہ
 اور دعا کا پوری طرح محتاج ہوں۔ والسلام

محمد ابراہیم
 اس خط کا جواب حضرت مصلح الامتؒ نے ارسال فرمایا لیکن وہ حضرت علامہؒ
 کو ملا نہیں اُسی کے متعلق حضرت علامہؒ نے اپنے اگلے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ میرا
 دوسرا عریضہ غالباً ابھی ملاحظہ سے نہیں گذرا حالانکہ وہ گذرا تھا اور اسکا یہ
 جواب بھی گیا تھا۔

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

عنایت نامہ ابھی ملا۔ ناسازی مزاج کی تفصیل معلوم ہوئی میں توجہ کر رہا
 ہوں انشاء اللہ تعالیٰ پھر طبیعت تازہ ہو جائے گی۔ اس پرانہ سالی کے ساتھ یہ

مشاغل آپ ہی کی ہمت ہے۔ اس عمر میں معمولی سا محرک بھی طبیعت کو اعتدال سے ہٹانے کے لئے کافی ہو جاتا ہے تاہم آپ کی صحت و قوت کے لئے دل سے دُعا کر رہا ہوں اور احباب سے بھی کہتا ہوں۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

اب اس کے بعد حضرت علامہ کے پہلے مکتوب کا جواب جو حضرت مصلح الامت نے مرحمت فرمایا ملاحظہ ہو۔

(حضرت مصلح الامتؒ کا جواب حضرت علامہ کے) پہلے عریضہ کا

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دامت مجدکم العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط عین انتظار ہی میں ملا۔ الحمد للہ کہ مزاج گرامی بخیر ہے۔ مولوی عزیز الرحمن صاحب سلمہ کے خط سے جو جامی صاحب کے نام آیا تھا۔ مدرسہ کے حالیہ واقعہ کا علم ہوا تھا جس کی وجہ سے تردد بھی تھا۔ الحمد للہ کہ بخیر و خوبی معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ آج مولوی عزیز الرحمن صاحب کا خط میرے نام بھی آیا۔ مضمون مدح کی پسندیدگی سے بہت مسرت ہوئی۔ اکابر کی تائید سے بڑی تقویت اور طمانینت حاصل ہو جاتی ہے میں نے اس پر ذرا طویل کلام اس لئے بھی کیا کہ دیکھا کہ مولانا ردم نے مثلاً مدح کی مذمت میں بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ ثنوی میں ایک مقام پر تو بہت دور تک اس پر کہتے ہی چلے گئے ہیں۔ لیکن علماء و ظاہر اور شراح حدیث نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے بہت سے مسائل میں دیکھا کہ صوفیہ ایک مضمون کو بیان کرنے میں اور اس میں شک

نہیں کہ خوب ہی خوب بیان کرتے ہیں یعنی بیان کا حق ادا کر دیتے ہیں مگر جب علماء محققین اس پر قلم اٹھانے میں تو ان حضرات سے کچھ پیچھے نہیں رہتے بلکہ زیادہ ہی لکھتے ہیں۔

چنانچہ میں نے اپنی تحریر و تقریر میں اسکا اہتمام کر لیا ہے کہ ایسے مواقع پر علماء ظاہر یعنی فقہاء و محدثین کے اقوال بالقصد اس لئے بیان کرتا ہوں تاکہ تصوف مستقل نہ ہونے پائے کتاب و سنت کے تابع ہی رہے کیونکہ فی زمانہ دیکھ رہا ہوں کہ لوگ اسکو مستقل کر دینا چاہتے ہیں جس کے متعلق میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی فساد کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ تحریر کے علاوہ مجلس کی تقریروں میں بھی کتاب و سنت ہی سے کلام شروع کرتا ہوں اور سیر اسلاف فیہ بزرگان دین کے اقوال کو بطور تائید کے بعد میں بیان کرتا ہوں۔ اور یہ طریقہ حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل السلوک ماخوذ ہے کہ حضرت نے بھی مسائل سلوکیہ آیات سے مستنبط فرمائے ہیں۔ اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ تصوف کے ایک ایک مسئلہ کو لے کر کتاب و سنت سے اسکو ثابت کیا جائے اور یہ دکھایا جائے کہ محققین صوفیہ جو فرماتے ہیں کتاب اللہ کی اس آیت میں اسکا بیان ہے اور سنت میں اس جگہ اسکا ذکر ہے چونکہ اس طریقہ سے خود مجھے بہت نفع پہونچا ہے اس لئے امید کرتا ہوں کہ شاید دوسروں کو بھی فائدہ پہونچے۔ ایک نفع تو یہی ہوگا کہ کتاب و سنت کا علم ہو جائے گا اور جب یہ ذہن نشین ہوگا کہ صہل مطاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو طریق سنت کے مطابق طے کرنے کا شوق ہوگا اور اس کے جوہر کات ہو گئے ظاہر ہے۔ نیز تصوف میں خلاف سنت جو چیزیں داخل ہو گئی ہیں ان کا علم ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے عوام ایک بڑی گمراہی سے بچ جائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیحات میں فرماتے ہیں:-

ہر کسے کہ برائے دعوت خلق اللہ بجائے نشست و مردم بجانب ہے۔

متوجہ بندہ دے راہماں باید کرد کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام زیر اکفے دریں

مقام مقلد و پس رویشان است۔
اسی چیز کو نمایاں کرنا چاہتا ہوں کہ مشائخ مستقل نہیں ہیں بلکہ مقلد محض اور
پسرو ہیں۔

اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ
”امت را هیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء
حاصل نیست۔“

اسیں شاہ صاحب امت کے لئے اپنے علم و عمل کو شریعت پر تطبیق دینے کو فرار ہے
ہیں کیونکہ محکم و معیار اپن کار کتاب و سنت ہی ہے۔
”وچیزے کہ از شان شیخی مخالف معیار است آں فاسد و باطل۔“
لہذا جس طرح سے علماء ظاہر اور فقہاء امت عرض بر شریعت کے محتاج ہیں
اسی طرح سے علماء باطن بھی تطبیق کے محتاج ہیں یہی راہ سلامتی کی ہے آپ سے
اس لئے عرض کیا کہ دُعائے ربائیں کہ اس ارادے میں کامیاب ہو جائیں۔

والسلام مع الاکرام
وہی اللہ عفی عنہ

(وسط جمادی الثانیہ ۱۲۸۷ھ)
ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت علامہ بلیا دہی نے حضرت کا ”مضمون مرخ شکر
اس کی کس قدر تحسین فرمائی۔ حضرت مصلح الائمہ نے اس کے جواب میں جب مذکورہ بالا
خط حضرت علامہ کو تحریر فرمایا تو اس سے حضرت علامہ بہت ہی مخطوطا اور متاثر ہوئے
جیسا کہ ان کے خط سے ظاہر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ جواب کے لفظ لفظ سے ان کے قلبی
لذت کی چاشنی نمایاں ہے۔

ح
(خط حضرت مولانا محمد ابراہیم ضا بلیا دہی)

(۱)

کل والا نامہ انتہائی شدید انتظار میں اس وقت ملا جب میں تلاوت میں مشغول ہونے

والا تھا۔ ملتے ہی میں نے اسے مطالعہ کیا جس سے بے انتہا نشاط و کیف حاصل ہوا۔ اسے اپنے قریب ہی رکھ کر تلاوت میں مصروف ہو گیا۔ نشاط و کیف میں معتاد مقدار سے زیادہ تلاوت جاری رہی۔ اس سے فراغ کے بعد دوبارہ چاہا کہ اسے پڑھوں مگر اتفاق سے اسی اثناء میں گھر میں سے کوئی بچہ آیا اور اُٹھائے گیا۔ مجھے اسکا قطعاً خیال نہ رہا۔ والا نامہ ڈھونڈنے پر نہیں ملا تو سخت تشویش ہوئی۔ یہ حالت آج تک قائم رہی۔ صبح کو والا نامہ مل گیا تو سکون کا مل نصیب ہوا۔

چونکہ ابھی بار والا نامہ کے ملنے میں دیر ہو گئی تھی اسلئے اضطراب و بیچینی پیدا ہو گئی تھی اب الحمد للہ کہ وہ بیچینی و کرب دور ہو گیا۔ البتہ والا نامہ کے جواب سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے پہلے عریضہ کا جواب ہے۔ دوسرا عریضہ جس میں میں نے اپنی مثال ایک عادی مہینر ٹیو سے دی تھی غالباً ابھی ملاحظہ سے نہیں گذرا۔ حضرت والا کی دعا و توجہات کا محتاج ہوں۔ نیز متعلقین خصوصاً اپنے پوتوں کی صلاح و فلاح کے لئے بھی آپ سے ملتمس ہوں والسلام

آبراہیم

اس خط کا حضرت مصلح الامتؒ کے یہاں سے کیا جواب مرحمت فرمایا گیا۔ باوجود تلاش کے وہ ہم کو نہ مل سکا۔ تاہم اس کے بعد حضرت علامہؒ کا ایک اور خط آیا۔

حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب کا ایک اور خط
(۲)

کرمی و محترمی زیدت عنایتہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ادھر تقریباً دو سال سے بری صحت کا پی گڑھی ہے۔ اس میں کچھ عمر طبعی کے تقاضے بھی شامل ہیں مگر زیادہ حصہ بیماری کا ہے۔ میں نے مولوی عزیز الرحمن صاحب کے ذریعہ آپ کے پاس دعا کے لئے کھلا بھیجا تھا جواب میں دعا سے نوازا گیا۔ الحمد للہ آپ کی دعا کا اثر خاصا محسوس ہو رہا ہے مگر میں مسلسل اور متواتر دعا کا محتاج ہوں اس لئے آپ میرے لئے دعا فرمائیں اور مجھے نہ بھولیں۔ امید کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا۔ والسلام

آبراہیم

حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب (بخط خاص)

حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ بخیریت ہوں۔ سامی نامہ نے شرف فرمایا۔ مولوی صاحب کے ذریعہ
برابر حالات معلوم ہوتے رہے اور آپ کی عنایت کا حال جو اس احقر پر ہے معلوم ہوتا
رہا۔ صدق دل سے دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا کہ جناب والا کو اللہ تعالیٰ صحت کے
ساتھ رکھیں۔ اور خدمات دینیہ برابر ہوتی رہیں اور اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اپنے
لئے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

حضرت علامہ کے مذکورہ بالا دو خطوط اور حضرت والا کا جواب ناظرین نے ملاحظہ
فرمایا۔ خود اس راقم الحروف کو حضرت علامہ بلیا دئی کو قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب نہیں
ہوا اس لئے مجھے حضرت علامہ کے مزاج اور عادات سے چنناں دریافت بھی نہیں مہم
اپنے احباب اور حضرت علامہ کو بہت قریب سے دیکھنے والوں سے جو کچھ علامہ کے متعلق سنا
اس سے ضرور ذہن میں یہ نقشہ کھینچا ہوا ہے کہ حضرت علامہ ایک جید عالم۔ فاضل۔
انسان۔ بیشل ذہن۔ حساس طبع۔ نہایت درجہ متواضع اور خوش طبع۔ خود دار۔ خوشامد اور
خوشامد پسندی سے بہت دور اور نہایت ہی آن بان کے ایک نرالی ہی شان
والے بزرگ تھے۔

اگر یہ صحیح ہے اور انشاء اللہ بالکل صحیح ہے تو اب ایک جانب حضرت علامہ جیسی
شخصیت کو سامنے رکھئے اور دوسری جانب اُن کا پہلا خط پھر سے پڑھئے اور اس کے لفظ
لفظ پر غور فرمائیے اور دیکھئے کہ اللہ اکبر اس اُستاد نے اپنے شاگرد کو کیسا مان کر دکھا دیا۔

اپنے عریضہ میں فرماتے ہیں کہ

والا نامہ کا شدید انتظار — اس کے مطالعہ ہی سے انتہائی نشاط و کیف کا حصول — اور اس کے سبب سے معتاد مقدار سے زیادہ تلامذت کر جانا — پھر دوبارہ خط کے پڑھنے کا شوق ہونا — اور وقتی طور پر اس کے نہ ملنے سے سخت تشویش کا ہو جانا — اور اس کی وجہ سے کئی دن تک فقدان سکون — پھر خط ملنے پر حصول سکون — اور تاخیر خط سے قلبی اضطراب و بیچینی — اور حصول نامہ کا باعث دفع کرب ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ

اب کوئی محب صادق اپنے مرشد کو اس سے زیادہ اور کیا لکھ سکتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ ع

قدر گو ہر شاہ داند یا بداند جوہری
بہر حال مشائخ نے لکھا ہے کہ کسی بزرگ کی شناخت کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں یا تو اللہ تعالیٰ خود کسی کو چشم بصیرت سے نواز دے اور اُس سے وہ کسی کو پہچان لے یا اس کو سمیع قبول سے نواز دے کہ کوئی حقیقت بین اگر اس کو خبر دے تو اُسی کی تصدیق کر لے۔ و نعم ما قیل

و اذالم تر یالہلال قسلم لا یناسراء وہ بالابصار
یعنی اگر تم نے چاند کو آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے تو اب اس کی صورت یہی ہے کہ جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہے ان کی ہی تصدیق کر لو۔
اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان دونوں ہی اسباب ہدایت سے نوازے۔ آمین

خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی

گرامی نامہ کئی روز ہوئے ملا جس سے مسرت میں اضافہ ہوا۔ مزید براں کل رات کو حضرت گرامی اور حضرت شیخ الہند ہر دو کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مگر آنحضرت کو بالکل قریب دائیں شانہ سے ملا ہوا دیکھا اور حضرت کو سامنے ذرا دور قبلہ کی طرف۔

آپ کی زیارت سے طبیعت بہت مسرور تھی اور ہے اس لئے اطلاقاً یہ عریضہ حاضر خدمت کر رہا ہوں امید کہ دعا و توجہاتِ عالیہ سے نوازا جاتا رہوں گا۔ متوقع ہوں کہ حضرت والا کو بھی اس سے مسرت ہوگی۔ والسلام
محمد ابراہیم۔ جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

حضرت اقدس مصلح الائمہ کا جواب

الحمد للہ بخیریت ہوں والا نامہ مبشر بن کر صادر ہوا۔ بہت زیادہ مسرت ہوئی میرا ۱۲ مونس او ترئی لہ دونوں ہی کا مصداق ہوا۔ الحمد للہ خوشی اس کی ہوئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تعلق وہاں مقبول ہو گیا اللہ تعالیٰ اسکی برکات سے جانیں کو حفظ و افر نصیب فرمائے۔ آمین
حضرت تھانویؒ کی طرح حضرت اقدس دیوبندیؒ سے میرا تعلق روحانی بھتا اس لئے میں اور آپ شاگرد اور مقتدی کی طرح نظر آئے۔ یہ ہمارے لئے بشارت ہے۔ والسلام خیر ختام خود یکم
وصی اللہ عفی عنہ ۲۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

حضرت علامہ کا ایک اور نخط

اس کے بعد حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیادچی کا ایک اور خط آیا جس کی نقل ہمیں دستیاب نہ ہو سکی۔ تاہم حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے جواب سے اس کے مضمون کا کسی قدر اندازہ لگ جاتا ہے۔ حضرت کا جواب ملاحظہ ہو۔

حضرت مصلح الائمہؒ کا جواب

گرامی نامہ موصول ہو کر کاشف حالات ہوا۔ مولوی ارشاد صاحب تشریف لائے

اور حسب الحکم میرے ہی پاس قیام کیا الحمد للہ بہت خوش رہے اور مجھے بھی اُن سے تفصیل ملاقات کا موقع ملا بہت مسرور ہوا۔ اُن ہی کے سامنے سفر بمبئی پیش آگیا۔ بمبئی میں الحمد للہ نہایت ہی سکون رہا۔ حضرت والا کو بھی آرام ملا اور اہل بمبئی کو بھی استفادہ کا خوب موقع ملا۔ کل ہی واپس ہوا ہوں۔ غم غلط کرنے کے لئے قاری بین صاحب سلمہ کو بھی ہمراہ لے گیا تھا۔ آپ نے حضرت معاذؓ کے نام جو تفریت تہوی (صلی اللہ علیہ وسلم) تحریر فرمایا ہے بڑے ہی موقعہ کی حدیث سامنے آئی بہت خوشی ہوئی میں نے اس کو نقل کر لیا ہے۔

بیشک ان دنوں امتحان کی مشغولیاں ہونگی۔ تاخیر جواب کچھ مضرت ہوئی کہ میں خود یہاں موجود نہ تھا۔ آپ کی صحت و عافیت کے لئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے بھی صحت اور کچھ کام ہو جانے کی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ والسلام مع الاکرام

خوید کم دھی اللہ اعفی عنہ

حضرت والا نے اپنے اس مکتوب میں سفر بمبئی کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ غم غلط کرنے کے لئے قاری بین صاحب سلمہ کو ہمراہ لے گیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ اُن ہی دنوں جناب قاری صاحب موصوف کا ایک نوزائیدہ بچہ چند ہی یوم زندہ رہ کر فوت ہو گیا تھا جس کا قاری صاحب موصوف پر خاصا اثر تھا ادھر حضرت کو ان ہی دنوں بمبئی جانا تھا تو قاری صاحب کا غم غلط کرنے کے لئے حضرت والا ان کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔

اور مولوی ارشاد صاحب کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے۔ تو یہ مولوی سید ارشاد احمد صاحب دہی ہیں جو آس دقت دار العلوم دیوبند کے مبلغ ہیں۔ اس سے قبل ایک بار حضرت علامہؒ کی رفاقت اور معیت میں بھی تشریف لائے تھے اور اب دوبارہ حضرت علامہ کے حکم کے بموجب حضرت اقدس ہی کے یہاں قیام فرمایا اور الحمد للہ کہ حضرت اقدس کی صحبت سے متاثر ہوئے چنانچہ انکی خوشی اور اپنی مسرت کا ذکر خود حضرت والا ہی نے فرمایا ہے۔

بے محل نہ ہوگا اگر اس مقام پر اپنے احباب میں سے ایک صاحب کا وہ غلط نقل کر دوں

جو انھوں نے حضرت دالا کو اس وقت لکھا تھا جب کہ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ اور اُنکے ہمراہ یہی مولانا سید ارشاد احمد صاحب مدظلہ آباد تشریف لاکریاں سے دیوبند واپس جا چکے تھے۔

دیکھئے اس میں حضرت اقدسؒ سے ان دونوں بزرگوں کی کیسی عقیدت ظاہر ہوتی ہے اور حضرت دالانے ان حضرات کے متعلق جو لکھا ہے وہ تو قربان ہو جانے کے لائق ہے۔ بالخصوص مولوی ارشاد صاحب کے متعلق جو فرمایا وہ لائق صدر رشک ہے۔

یہ صاحب مکتوب بھی حضرت دالا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے یہاں سے دیوبند واپس ہو کر حضرت کو لکھا کہ :-

حال۔ حضرت گرامی کی فیض بار صحبت یعنی بھری برسات سے جدا ہو کر یہاں پہونچنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اچانک لو کے شعلوں میں داخل ہو گیا ہوں وہ شگفتہ گدہ نادابی اور وہ سکون و طمانینت یہاں دور دور میسر نہیں جو حضرت کے پاس رہ کر ہر لمحہ دہراں میسر رہی۔

تحقیق۔ مبارک ہو۔ سچ لکھتے ہو۔ یہ فرق اہل احساس کرتے ہیں۔ سچ کہتے ہو۔

حال۔ حضرت علامہ مدظلہ اور اُن کے رفقا و یار متاثر ہوئے اور آنے کے بعد سے آپ کا ذکر مجلس بعد العصر میں اکثر کیا کرتے ہیں۔ وہاں کی پرسکون نماز اور دیندار حواریین قاری صاحب کی روح انفرادی تجوید۔ غرض درود و یار ہر طرز و ہر ادا پسند آئی۔

تحقیق۔ ماشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ کمال عشق پر دال ہے کہ اُس کے بعد ہی یہ کیفیت ہوتی ہے اس سے ہماری ہمت افزائی ہوئی اور اُنکی غریب نواری۔

حال۔ حضرت دالا کے تواضع اور شوکت ربانی دونوں کے بھرپور قائل ہو گئے ہیں۔

تحقیق۔ یہ کمال معرفت کی دلیل ہے نیز اہل صلاح و تقویٰ ایسا ہی خیال کیا کرتے ہیں۔

حال۔ مولوی ارشاد احمد تو کہنے لگے کہ۔ ”بھئی مجھے تو وہ جگہ ایسی معلوم ہوئی جیسے قدیم مشائخ عظام کی جگہ۔ وہی انداز۔ وہی سلیقہ۔ جی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں اپنی

اصلاح کے لئے ان کی ذرائی مجلسوں اور پاکیزہ صہبتوں میں جا کر قیام کروں اور حضرت کے فیوض و برکات سے مستفید ہوں۔

تحقیق۔ بڑے اچھے آدمی ہیں یہ خود اُن کے اچھے ہونیکے دلیل ہے۔ بہت خوش ہوا اللہ تعالیٰ اکابر کے فیوض و برکات سے اُنکو مستفید فرمائے۔

حال۔ (یہ بھی کہا کہ) مجھے اس حالیہ حاضری کے موقع پر اپنے اُس خواب کی تعبیر پوری طرح سمجھ میں آئی جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ مجھے دیکھنے کی تمنا ہے تو (حضرت والا کا نام لے کر فرمایا کہ) انھیں دیکھو یعنی حضرت گرامی مجدد پر فائز ہیں اور حضرت کا طریق تجدید دین و طریق موجودہ آئندہ نسل کے مشلخ کے لئے مشعل راہ و کامل رہنمائی کا سامان ہے۔

تحقیق۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔

حال۔ مجھے افسوس ہے کہ حضرت گرامی جیسی نور بار صہبت میں رہنے کے باوجود دل دیوانے کی بے راہ آدمی ابھی قائم ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اپنے بندوں میں بنالے اور سعادت حقیقی میرا نصیب بنجائے اور میں اور میری اولاد دے محبت الہی سے سرشار رہے۔

تحقیق۔ بہت پاپکے ہو۔ دعا کرتا ہوں۔

خط حضرت علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

والا نامہ کئی روز ہوئے مل کہ سعادت میں اضافہ کا باعث ہوا۔ آپکی واپسی بخیریت پر (از بلیائی) بہت زیادہ مسرت ہوئی خدا تعالیٰ آپ کی صحت اور دوسرے اُمور کی پوری طرح حفاظت فرمائیں اور ہم لوگوں کو سعادت و خیر اندوزی کے مواقع نصیب ہوں۔ جواب میں تاخیر کا باعث امتحان سالانہ کی مشغولیت اور سردی کی زیادتی رہی۔ ایک مختصر سفر میرے ٹھکانے تک کا جس میں حکیم عزیز الرحمن سلمہ بھی ہمراہ تھے ہو گیا تھا۔

شعبان کا ہفتہ شروع ہونے سے پہلے شور مچی کا اجلاس ہوا۔ الحمد للہ کہ آپ کی توجہات عالیہ کی برکت سے لوگوں نے میری بات مانی اور اکثر باتیں قبول کیں۔ ادھر انظر سلمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کے ذریعہ حالات کا علم ہوا اور آپ کا ارسال کردہ محبوب تحفہ سامان بہبود (یعنی) امرود ملا۔ مسرت ہوئی موسم بناسازگار ہونے کے باوجود میں نے بھی کھایا۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی ضرر نہیں پہونچا بلکہ نفع ہوا۔ اور ماشاء اللہ میٹھے سے میٹھا تھا۔ اس کے لئے تو دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ کی توجہات اور دعاؤں کا ہر آن محتاج ہوں۔ الحمد للہ صحت بھی اچھی ہے۔ والسلام - ابراہیم

حضرت والاؒ کا جواب

آپ کی مصروفیت کا حال معلوم ہوا۔ اس بات سے خوشی ہوئی کہ الحمد للہ وہاں بھی کام ہو رہا ہے اور اس سے زیادہ مسرت آپ کے اس تحریر فرمانے سے ہوئی کہ اہل شور مچی نے جناب کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنا انشاء اللہ تعالیٰ اب کام ہوگا اور فائدہ روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔ آپ نے تحفہ اور اس کی میٹھا س کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ کیا میٹھا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی حلاوت نصیب فرمادے۔ آپ کے لئے برابر دعا کرتا ہوں اور خود اپنے لئے طالب دعا ہوں کہ صحت و قوت قائم رہے اور شر و فتن سے امن رہے تاکہ کچھ کام کر سکوں۔ والسلام خیر ختام
وصی اللہ علیٰ عتہ

خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ

کل ہی ایک عرصہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ آج عزیزم حکیم صاحب سلمہ جارہے ہیں ان کے ذریعہ یہ مختصر یہ جو آپ کی عظمت اور دربار کی شوکت کے سامنے تو بالکل ہی

بے حقیقت ہے مگر اُس ضعیفہ کی حیثیت سے جو کہ خریدار ابن یوسف میں اپنے کو شمار
کرانا چاہتی تھی جسے حضرت جامی نے یوں ذکر فرمایا ہے ۵
ہیں بس گر چہ من کا سد متاشتم
کہ در سلک خسریدارانِ شام
اس مختصر و حقیر چیز کو نذر کر رہا ہوں۔ اُمید کہ قبول فرما کر مشرت و منون فرمائیں گے
دعا و توجہات کا محتاج
محمد ابراہیم عفی عنہ

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کا جواب

الحمد للہ۔ بخیریت ہوں۔ مولوی عزیز الرحمن سلمہ آئے۔ مسئلہ ہدیہ سے
جو کہ میرے لئے بصد سعادۃ کا مظہر و مُجَرَّب ہوا۔ بہرہ ور ہوا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ
احسن الجزاء فی الدارین۔
جناب والائے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کا جو شعر تحریر فرمایا ہے وہ تو آپ کی
غایت تواضع ہے۔ یہ خسریداری اُس کا تو نہیں البتہ اس کا مصداق ضرور
ہو سکتی ہے کہ ۵

داغ غلامیت کرد پایہ خسرو بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید
اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو عام و تمام فرمائے۔ آپ کے لئے دعا کرتا
ہوں اور خود اپنے لئے بھی از دیاد صحت و برکت اوقات کی دعا کا طالب ہوں۔
والسلام مع الاکرام
خوینکم دھی اللہ عفی عنہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؑ کے جواب کی جستگی اور اس کی لطافت لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت پر جذب کا اثر غائب تھا۔ کہیں مجذوب بھی اتنا حاضر جواب اور ایسا باہوش ہوتا ہے۔ خیال فرمائیے کہ ایک انسان کھویا ہوا اور گم بھی ہو اور اس قدر بیدار مغز اور مستحضر العلم بھی ہو ایسا استزاج یا تو ممکن ہی نہیں اور یا نہیں تو پھر اس میں بھی شک نہیں کہ ہے نہایت ہی عجیب و غریب جامعیت و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

دیکھئے حضرت علامہؒ نے اپنے کو، عارف جامی کے اس شعر کا مصداق قرار دیا کہ جس طرح سے اس بڑھیا نے خریدار ان یوسفؑ کی فرست میں اپنے نام لکھا دینے ہی کو اپنے لئے ذریعہ شرف جانا اسی طرح سے حضرت علامہؒ نے بھی حضرتؑ کی خدمت میں ہدیہ پیش کر کے اسی حیثیت اور مقام میں خود کو ظاہر فرمایا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ فرما کر حضرت علامہؒ نے اپنی انتہائی تواضع اور کسر نفسی کا ثبوت دیا جو کہ حق تعالیٰ کا خاص ہی عطیہ ہے جسے وہ اپنے کسی ہی کسی بزرے کو عطا فرماتے ہیں۔

یہ رتبہ عظیم ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں اب اسکے جواب میں حضرت مصلح الامۃؑ نے جو کچھ فرمایا۔ بلاشبہ وہ بھی حضرت ہی کا حق تھا۔ تواضع کا جواب تواضع سے دیا ہی۔ خریداری کا جواب بھی خریداری ہی سے محنت فرمایا۔ یعنی یہ فرمایا کہ آپ کی نفس خریداری تو مسلم بگرنہ دبی، جیسی کہ آپ نے ظاہر فرمائی ہے اور عارف جامی کے شعر سے اس کا اثبات فرمایا ہو بلکہ وہ خریداری ایسی ہے جس کا ذکر امیر خسروؒ نے اپنے شعر میں فرمایا ہے کہ جس طرح سے کوئی بادشاہ ہو اور وہ کوئی غلام خریدے تو اس کی وجہ سے خود غلام میں شرف آجاتا ہے۔ ایسا ہی شرف مجھے آپ کی نسبت سے حاصل ہوا۔

دارغ غلامیت کر دیا یہ خسر دہلند میر ولایت شود بند کہ سلطان خرید
سبحان اللہ۔ کیا ہی عمدہ مضمون ہے اور کیا خوب انطباق ہے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔
اللہ تعالیٰ ان اکابر کے خلق سے ہمیں بھی کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین

(خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صبا لیاوی)

بقلم خاص

مخدومی دامت برکاتہم - سلام مسکون -
 جذبہ قلبی نے مجبور کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ عریضہ پیش کر رہا ہوں ورنہ صنف
 کی وجہ سے ہاتھ کی انگلیوں میں ریشہ ہے مگر باوجود اس کے کچھ عرض کرتا ہوں۔
 اول یہ کہ ایک حقیر و حقیر میر عزیزم حکیم عزیز الرحمن سلمہ کی وساطت سے خدمت
 اقدس میں روانہ کر دیا تھا اور وجہ اس کی وہ روایت ہے جس کو قاضی شوکانیؒ نے نیل
 میں حضرت عائشہ سے بایں الفاظ تخریج کی ہے تہا دو۱ تزد۱ دو احب۱۔
 احقر کو آنجناب سے محبت اور انسیت پہلے سے تھی لیکن پچھلے سال کی ملاقات کے
 بعد سے وہ کیفیت بڑھ گئی ہے اور میں اس کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہوں۔
 دوم یہ کہ دارالعلوم میں کام اچھا ہو رہا ہے۔ لیکن اصلاح کی رفتار دھیمی ہے
 اگر آنجناب کی توجہ کامل رہی تو امید ہے کہ کچھ رفتار بڑھے۔
 تیسری گزارش یہ ہے کہ دارالعلوم کے کچھ حضرات جناب کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔
 احقر کی تمنا ہے کہ انکی طرف خصوصی توجہ سے کام لیں۔ انشاء اللہ پندرہ سورہ رمضان شریف
 کو مکرمی مولانا ارشد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم۔ الہ آباد جناب کی زیارت کے لئے روانہ
 ہو جائیں گے۔ موصوف کی وجہ سے احقر کو بہت کچھ سہارا ملتا ہے۔ اُن کے بعد ممکن ہے کہ
 اور حضرات بھی کسی وقت حاضر خدمت ہوں۔
 جی بہت چاہتا ہے کہ کچھ اور لکھوں مگر ہاتھ کام نہیں دیتا اور عزیز حکیم عزیز الرحمن صبا
 پاس نہیں کہ اُن سے لکھواؤں۔ اتنا ہی پر اکتفا کرتا ہوں اور مزید توجہ کی درخواست پیش
 خدمت ہے۔ فقط والسلام

ابراہیم

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

حضرت مخدومی و محترمی جناب مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا خط دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رعشہ کی تکلیف کو بھی ختم فرمادے اور آپ خود کام کر سکیں۔

مولوی عزیز الرحمن کے دست جناب والا کا تبرک ملا تھا اور اس سے تبرک ہوا۔ میں نے گذشتہ خط میں شاید اسکا تذکرہ نہیں کیا۔ الحمد للہ کہ وہاں کام ہو رہا ہے۔ خیر رفتار سست ہی سہی انشاء اللہ تعالیٰ رفتار تیز بھی ہو جائے گی۔

مولانا مولوی ارشاد احمد صاحب اور مولوی انظر شاہ صاحب وغیرہ کے آنے کی اطلاع ملی امید ہے کہ یہ نوجوان طبقہ جناب کے لئے دست و پائتا بہت ہوگا۔ آپ کی صحت و قوت کے لئے برابر دعائیں کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام

خویدکم دعی اللہ عفی عنہ۔

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علامہ کا یہ مکتوب گرامی — ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ایک استاد بلکہ استاد الاساتذہ نے کس طرح اپنے ایک شاگرد کے ساتھ اس طرح کا نیاز مندانہ معاملہ فرمایا۔ لیکن انکشاف یہ ہوا کہ یہ تعلق کچھ جدید نہ تھا بلکہ دیرینہ اور قدیم تھا۔ یعنی حضرت علامہ کی دور رس نگاہوں نے زبان طالب علمی ہی میں مار لیا تھا کہ انکا مستقبل ایسا تابناک ہونے والا ہے لیکن وہ وقت چونکہ دوسرا ہی تھا اس لئے دل کی تمنا دل ہی میں لئے رہے لیکن الدآباد کی ملاقات کے بعد بالآخر وہ دبی ہوئی چنگاری ابھری اور قلبی محبت قلب سے پھلک کر زبان پر آہی گئی چنانچہ فرمایا کہ — جذبہ قلبی نے مجھ کو دیا جس کی وجہ سے یہ عریضہ پیش ہے — اور یہ فرمادیا کہ — احقر کو آنجناب سے محبت اور انسیت پہلے سے تھی لیکن گذشتہ سال کی ملاقات کے بعد سے

وہ کیفیت بڑھ گئی ہے۔۔۔ حضرت علامہ کی اس محبت اور تعلق کا اندازہ شاید آپ کو بھی اس سے قبل نہ ہوا ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں کہ محبوب جب غائب ہوا اُسوقت کی حالت اور جب وہ نظروں کے سامنے آجائے اُسوقت کے حالات میں فرق ہوا ہی کرتا ہے، گو ادب مانع ہو رہا ہے تاہم اس موقع پر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ۵

سامنے نظروں کے جب وہ درو با آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو اپنے پر وہ نکلا جائے ہے

دیکھئے حضرت علامہؒ نے اپنے مافی الضمیر کو ظاہر فرمادیا اور بباغ دہل یہ اعلان فرمادیا کہ۔۔۔ مجھ کو آپ سے محبت تھی اور ہے اور ملاقات الہ آباد کے بعد سے اس میں اضافہ ہے اور۔۔۔ ”میں اسکو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہوں“

یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت علامہؒ کے خود اپنے تحریر کردہ ہیں۔ کلمات غیر باروایت بالمعنی نہیں ہے کہ اسکو ناقول کی خوش عقیدگی پر محمول کر لیا جائے۔ پس ان حضرات پر جو حضرت علامہؒ کا یہ فرمان حجت ہے جو حضرت علامہؒ سے محبت فرماتے ہیں اور جس طرح حضرت علامہؒ کی سلم اور صدر اکی تقریر آج طلبہ کے لئے باعث فخر ہے۔ اسی طرح سے حضرت علامہؒ کا یہ ارشاد بھی طالبین کے لئے قابل تقلید و لائق عمل ہے یعنی ہمارے لئے اسیں کم از کم اتنا توسیق موجود ہی ہے کہ جامع معقول و منقول ہونے کے بعد بھی تکمیل باطنی کا ایک درجہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ بھروسہ کئے جانے کے لئے یہ علوم ظاہری نہیں ہیں۔ ہاں اگر کسی درجہ میں کسی چیز پر امکان کیا جاسکتا ہے تو وہ بزرگوں کی محبت اور اللہ والوں سے نسبت ہے۔

یہ بھی ایک سبق تھا اور اس میں شک نہیں کہ بہت بڑا سبق تھا جو حضرت علامہؒ بلیا دہی نے ہمیں دیا اور اب دیکھا چاہئے کہ کسے اس کے مطالعہ۔ اور تکرار کی توفیق ہوتی ہے۔ اللہم وفقنا ۵

ماہرچہ خواندہ ایم فراوانش کردہ ایم الاحدیث یاد کہ تکرار می کنیم

نیز آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کو مدرسہ ادر اہل مدرسہ کی اصلاح کی کس قدر فکر دامگیر رہتی تھی چنانچہ حضرت اقدسؒ کو برابر اسکے لئے دعا کی جانب متوجہ فرماتے رہتے اور اپنے رفقاء و خدام میں سے جو بھی حضرت کی جانب ذرا بھی متوجہ ہوتا تو اس بات سے کتنے مسرور ہوتے اور اگر اسکا خیال حاضری کا ہو جاتا تو حضرت والا سے کیسی سفارش فرماتے تھے۔ بایں ہمہ خود سے کسی کو اسکی ترغیب نہ فرماتے۔ ہر شخص کو اس بات میں آزاد رکھتے تھے۔

ان حضرات میں سے جن کا ذکر خط میں ہے مولوی ارشاد احمد صاحب تو متعدد بار تشریف لائے اور حضرت والا سے انکا خصوصی تعلق بھی ہو گیا۔ چنانچہ انکے بعض تاثرات گذشتہ خط کے تحت ملاحظہ سے بھی گذر چکے ہیں۔ اس خط میں مولانا انظر ابن شاہ النور علیہ الرحمۃ کا بھی ذکر ہے۔ مولانا موصوف بھی حضرت والا سے متعدد بار ملے لیکن پہلی ملاقات کا اپنا جو تاثر دیوبند واپس ہونے کے بعد انھوں نے حضرت کو لکھا ہے اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت اقدس کے متعلقین و منتسبین کو آج بھی حضرت کی یاد دلا کر یحییٰ کر دینے والا ہے اور ان حضرات کے لئے جو حضرت کا زمانہ پانے کے باوجود حضرت سے نہ مل سکے انکی حسرت و یاس کو اور بڑھا دینے والا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اور ذکر حبیب سے وصل حبیب کا لطف حاصل کیجئے۔

حضرت والا سے ملاقات پر حضرت مولانا انظر ابن شاہ النورؒ کے تاثرات

دیوبند سے روانگی سے ایک ہفتہ قبل خواب دیکھا تھا کہ آسمان پر پہلی تاریخ کا چاند نمایاں ہے اور کوئی کتاب ہے کہ یہ شعبان کا چاند ہے میں بوقت حاضری یہ خواب حضرت والا کو نہ سنا سکا اس وقت تعبیر سمجھ میں نہیں آئی اب بھی لیکن اب معلوم ہوا کہ شعبان کے ماہ میں در اقدس پر حاضری مقدر تھی جس کے فوائد دینی اور دنیوی حضرت والا کے ذات اقدس سے وابستہ ہیں۔

دس سال کے بعد حاضری پر جہاں افسوس ہے وہاں یہ مسرت بھی کچھ کم نہیں بلکہ

زیادہ ہی ہے کہ اپنے ناقص شعور و بیداری احساس کے ساتھ دیرِ اقدس پر حاضری ہوئی اس عمر و سن میں حضرت اقدس کے کمالات علمیہ و عملیہ کا مکمل نہیں تو ایک ہلکا سا جائزہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل رحمت سے کرا دیا، بے شعوری کے دور میں حاضری اس درجہ اثر انگیز نہ ہوتی۔

الشراکبر حضرت ذیشان کی معصومیت، اخلاص، شفقت، والہانہ تعلق بے ریا حیات، قدسی پاکیزہ نفوس عالم میں انشاء الشراکبر اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ لوگوں سے سنا ہے کہ عام طور پر اہل علم کہتے ہیں کہ اگر ہم حضرت مولانا انور شاہؒ کو نہ دیکھتے تو حفاظ حدیث کے حیرت زرا حفظ و یادداشت کے واقعات و حکایات پر یقین نہ آتا اب یہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ بارہ سال سے دارالعلوم میں قرآن کریم کا درس زیر درس ہے ہمیشہ یہ آیت زیر مطالعہ آتی لعلک باخج نفسک علی آثارہم ان لم یومنوا بهذا الحدیث اسفاہ لیکن سمجھ میں نہ آتا کہ ایک انسان پر دوسروں کے فلاح و بہبود کا اس قدر غلبہ ہو سکتا ہے کہ اس کی جان پاک کا حطرہ ہو جائے۔ سو الشراکبر کا شکر ہے کہ اس مرتبہ حضرت عالی مرتبت کا معاملہ دیکھ کر یقین آگیا کہ نفوس قدسیہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی صلاح میں یوں بیقرار و بے چین سرپا سوز ہوتے ہیں۔

والد مرحوم کے متعلق سنا ہے کہ درس میں ہمیشہ فرماتے کہ ہم کشمیر سے دیوبند آئے تو ہم نے دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں پایا۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں۔ اور اب جس کو دین دیکھنا ہو وہ تھانہ بھون چلا جائے اذکا قال — میں عرض کرتا ہوں کہ اب جس کو دین دیکھنا ہو وہ الہ آباد ہمارے حضرت گرامی مرتبت دینی حضرت صلیح الائمہؒ کے یہاں پہنچ جائے انشاء اللہ دین اپنے صحیح مکمل اور جامع صورت میں مل جائے گا۔

میں حضرت والا سے سچ عرض کرتا ہوں کہ ہندوستان اور پاکستان کے تمام ہی بزرگوں سے الحمد للہ نیاں کا موقع ملا مگر خود اپنے لئے یہ محبت شفقت اخلاص سوز و تعلق

خدا کی قسم میں نے کہیں نہیں پایا۔ اب ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم حضرت اقدس سے کچھ حاصل نہ کر سکیں ورنہ دریا، دریائے فیوض سے تشنگان کام و دین کے لئے سیرابی کے سامان پوری فیاضی سے بہم پہنچا دے۔

بس مختصر یوں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث نے جس پر نظر ڈالی علامہ بنادیا اور حضرت حکیم الامتؒ جس پر ہاتھ رکھا، انسان بنادیا اور یہ آخری کام بہت مشکل ہے بس کہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

سبحان اللہ! ایسی حق میں خالص شفقت کا منظر اختیار کر لینا۔ اعز اللہ اقارب کے ساتھ صلہ رحمی، خدام کی پریش و نگہداشت، وار دیں و صا دیں کی خبر گیری و دور و قریب کے روابط اور ان کی رعایت، بہ معرفت و سلوک، مکارم اخلاق اور گرم گسری کے عنوانات اپنے طویل مضامین کے ساتھ کہاں نظر آئیں گے؟ اصلاح خلق کا یہ سراپا سوز محض کا شانہ نبوت علیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، انبی میراث اور اتباع سنت کا یہ ذوق مشکوٰۃ نبوت کی وراثت ہے۔ چہرہ پر انوار الہی کے جلو میں محبوبیت نمایاں۔ حرکات و سکنات میں سنت کی سنجیدگی۔ کلام میں حکمت کے بہتے دریا۔ ملفوظات میں اخلاص و شفقت کا متوج، محبت میں اثر و عنایت میں گرفت، خلوص میں بندش، لفظوں میں ایجاز لیکن معنی میں لطافت کی مکمل روانی۔

اگر حکیم الامتؒ کا تصوف متن ہے تو حضرت والا اس کے شارح ہیں۔ اگر وہ تعبیر و اسلوب ہیں تو حضرت والا اس کے ترجمان اور ماشاء اللہ ترجمانی متن کی لطافت کشش اور جاذبیت میں بہ ہزار گونہ فائق۔

اے اللہ! آپ کی شانِ کریمی کے تصدیق۔ اپنے بندے ظلوم و جہول کو یعنی بدنام کن رہے نگو نامے چند نظر کو ہمیشہ خود ہی دنیا و دین کا علم دیا۔ تدریس کی حد عنایت فرمائی اور اپنے رحمت کے صدقے بھی الامت خود آگاہ، مرد درویش، عابد، زاہد رئیس الاتقیاء و مظاہر العالی کے یہاں پہنچا دیا۔ الحمد للہ اب حضرت والا کے ارشاد

عالی کے بموجب وہ کام شروع کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ اس ذرہ بے مقدار کو آفتاب ہدایت کی ضیاء پاشی سے محرومی نہ ہو۔ رفیق سفر مولوی ظہور الباری تمام سفر میں حضرت والا کا والہانہ تذکرہ کرتے رہے اور قلباً متاثر اور ذہناً صید سعادت ہو گئے اور والدہ صاحبہ تو عنایات کا تذکرہ سن کر اسی وقت سے مصر ہیں کہ جا جلد الہ آباد پہنچ۔ کچھ چل کر لے تاکہ میں بھی خدا تعالیٰ اور شاہ صاحب مرحوم کو سرخروئی کے ساتھ مسخ دکھا سکوں۔ انشاء اللہ بعد سفر.... در اقدس پر حاضری ہوتی ہے۔

والسلام

(حضرت اقدسؒ کا جواب)

جناب شاہ صاحب دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

آپ نے اپنے تاثرات خوب لکھے ہیں۔ یہ سب صحیح ہیں باقی میں اپنے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں آپ حضرات کا حسن ظن میرے نجات کے لئے کافی ذریعہ ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

والسلام صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا انظر شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری اور حضرت والاؒ کی خدمت میں دوبارہ عزم حاضری کی مناسبت سے اپنے ایک محترم دوست کا خط نقل کرتا ہوں جو انھوں نے دیوبند سے حضرتؒ کو لکھا اس میں بھی اسی کا تذکرہ ہے لکھتے ہیں کہ حال۔ حضرت گرامی کے سفر بمبئی سے واپسی کا حال معلوم ہوا۔ اہل بمبئی کا آپ کی جدائی پر پینچینی اور اضطراب کا حال حکم مختار احمد صاحب اصلاحی سے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوا۔

تحقیق۔ خوب

حال۔ بڑی مسرت ہوئی اور بمبئی والوں کی قسمت پر رشک ہوا

حال۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کا فیض تمام اکثاف و اطراف عالم میں یکساں طور پر پھیلا دے اور بیسویں صدی آپ کی برکات کا معمورہ بن جائے۔
تحقیق۔ آمین۔

حال۔ مولانا انظر شاہ واپس ہوئے اور آتے ہی انھوں نے وہ مکتوب رقم کیا جو حاضری الہ آباد کے تاثر کا نتیجہ ہے اور حضرت والا کی خدمت میں باریاب ہو چکا ہوگا۔

تحقیق۔ ہو چکا۔ جواب گیا۔
حال۔ کہنے لگے کہ میں اخیر عشرہ رمضان میں حاضری ددنگا۔ تم رہو گے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میرا تو وہی گھر ہے۔ اگر کہیں جاؤنگا کبھی تو کچھ دنوں کے لئے پھر وہی در ہوگا اور میرا سر ہوگا۔
تحقیق۔ خوب جواب دیا۔

درمیان کے یہ چند صفحات جو جملہ معترضہ کے طور پر گزرے خدا کرے اس نے آپ کے لطف کو کرکرا نہ کیا ہو۔ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو جو والا نامہ حضرت اقدس کا۔ حضرت علامہ کے نام گیا تو اسکا، رشوال کو یہ جواب آیا۔

خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی

شکر ہے بفضل ایزدی و بدعائے آنجناب احقر عافیت سے ہے اور قدرے بدن میں روح میں طاقت بھی محسوس ہو رہی ہے۔ ہاتھ کا ریشہ بھی کم ہے۔ یہ عریضہ خود ہی لکھ رہا ہوں۔ چونکہ کوئی بیس پچیس سال سے گوناگوں امور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے امر آخرت مبہم ہو گیا ہے۔ بدیں وجہ بعض وقت قلب کی حالت دگرگوں

ہو جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ آنجناب اس طرف قوت سے متوجہ ہوں ورنہ آپ کا یہ کبیرا سن بے مایہ استاد تباہ ہو جائے گا۔ مدرسہ کا کام خدا کے فضل اور آنجناب کی توجہ باطنی اور دعا کی وجہ سے اچھا ہو رہا ہے اور آنجناب کا تذکرہ بھی دارالعلوم میں باحسن طریق ہو رہا ہے مگر طلباء کے طعام کی طرف پوری توجہ کی ضرورت معلوم ہو رہی ہے۔ کیونکہ حکومت غلہ کے انتظام میں ناکام ہو رہی اور بازار میں غلہ کا نرخ ایسا ہو گیا ہے کہ طلبہ کے (تین چار سو ہی کے قریب) طعام کا انتظام مدرسہ کر پائے گا اور ایسا ہونا مدرسہ کے وقار پر بہت برا اثر پڑے گا۔

جناب کا ملفوظ والا نامہ موصول ہوا ہے۔ پڑھا۔ سینہ سے لگایا جس سے قلب کو بہت کچھ سکون ہوا۔ والسلام

محمد ابراہیم مرثوال ۱۲۸۴ھ

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

عنایت نامہ ملا۔ کاشف حالات ہوا۔ جناب والا نے اس دفعہ جس تواضع کا اظہار فرمایا ہے اور اپنے متعلق جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں ان سے بیحد متاثر ہوا۔ آپ کے اطمینان اور تسلی خاطر عاطر کے لئے عرض کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا بلکہ اب روز بروز آپ حالات میں ترقی ہی فرماتے جائیں گے اور نہایت عمدہ حالات میں اللہ تعالیٰ سے ملیں گے جس کے آثار یوماً فیوماً آپ خود بھی محسوس کریں گے اور آپ کا یہ اُمید و بیم کا حال عین مومن کامل کی شان ہے اللہ تعالیٰ اس کو اضعاف مضاعفۃ فرمائے۔

مدرسہ کے لئے بھی دعا کر رہا ہوں۔ حالات تو صبر آزمایا بلاشبہ ہیں تاہم انشاء اللہ تعالیٰ مدرسہ کو نقصان نہ ہوگا۔ غیب سے اسباب راحت پیدا ہوں گے۔ حالات مدرسہ سن کر سرت ہوئی۔ بزرگوں کی جگہ رہ چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی روحانی توجہ

اپنے اس دینی مرکز کی طرف پورے طور سے ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے
مشائخ کی تمنا کے مطابق دین کا سرچشمہ اور سنن نبوی کا مصدر
بنادے۔ آمین

آپ کے لئے ہر طرح کی ترقی کی دعا کرتا ہوں اور خود اپنے لئے طائب دعا
ہوں۔

والسلام خیر تمام
نویدیمکم وصی اللہ عنی عنہ
۹ سوال المکرم ۸۴۷

دیکھا آپ نے حضرت علامہؒ نے اپنے اس خط میں بھی جس تو واضح کس نفس
اور انقیاد شیخ کا ثبوت دیا ہے وہ بلاشبہ انھیں کا حصہ تھا۔ ایسا
لکھ دیا اور اس طرح سے لکھ دیا کہ حضرت مصلح الامۃؒ بھی اسے پڑھ کر
بلبل ہی تو اٹھے اور پھر حضرت نے جس دل سے انکے لئے دعا فرمائی ہوگی
اسے کون جان سکتا ہے تاہم امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول ہی
فرمایا ہوگا کیونکہ دل کی یہی حالت تو نصرت کی روح ہے اور ایسا ہی
قلب فضل الہی کا مورد ہوا کرتا ہے اور یہ حال چونکہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے
کما قال عند المنکرة قلوبہم (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہوں)
اسلے اہل اللہ کو بھی پسند ہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض میں
ایک مقام پر یہ اشعار نقل کئے ہوئے ملے اور یہ ظاہر ہے کہ صفحہ قرطاس پر
آنے سے پہلے اس مضمون نے قلب صافی میں جگہ پائی ہوگی۔

رہے نہ دل کے لئے کوئی مستقل مرکز یہی ہو عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا
لیہا لیا مجھے اے شیخ چشم ساقی نے غور زہد سے مے کا سرور ہی اچھا

دل شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

حضرت علامہ کا علوم ظاہری میں عروج اور تفوق محتاج بیان نہیں اسکو
 ایک دنیا جانتی ہے لیکن طریق اور راہ باطن میں بھی انکا مقام کیا تھا؟
 ہو سکتا ہے کہ بہت سوں پر یہ مخفی رہا ہو۔ نیز موصوف کی مجالس علمیہ
 اس کی تحقیقات اور اس کے لطائف۔ حضرت علامہ کی بذریعہ نکتہ رسی
 اور حاضر جوابی۔ نیز ظرافت اور خوش مزاجی کے ملفوظات بھی آپ نے
 بہت سنے ہونگے۔ لیکن انکے قلب گریاں اور نفس باکی کی حکایت
 شاید اس سے قبل سننے میں نہ آئی ہو۔ یہی حال اہل کمال کا ہوا
 کوتاہ ہے کہ ظاہر میں لوگوں سے ملنا جلنا۔ ہنسنا بولنا سمجھی کچھ ہوتا ہے
 لیکن قلب کسی اور ہی غم کا حامل ہوتا ہے اسی کو کہا گیا ہے ۵
 تو اے آزرده دل زراہر کیے در بزم زنداں شو
 کہ بینی خندہ بر لبہا د آتش پارہ در لہا

حضرت علامہ کا ایک اور خط

والا نامہ کئی ہفتے ہوئے ملا تھا جس سے سکون تام نصیب ہوا۔ الحمد للہ
 جن خلجانوں کا ذکر میں نے اپنے عریضہ میں کیا تھا وہ حضرت والا کی توجہ کی برکت
 سے جاتے رہے۔ جس دن مکتوب گرامی مجھے ملا اسی دن حکومت یو۔ پی کی طرف
 سے چھ سو من ماہانہ کا کوڑہ مدرسہ کے لئے مقرر ہو گیا۔ اور دوسرا خلجان بھی قریب
 قریب دفع کے ہے۔

البتہ ایک دوسری بات یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بعض وقت موت کا تصور اتنا
 شدید ہو جاتا ہے کہ موت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اگر نمازیں رہتا ہوں تو اس کی ادائیگی
 میں خلل ہوتا نظر آتا ہے اتنا قوی تصور پھر نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے حضرت والا
 کے گوش گزار کر رہا ہوں۔ الحمد للہ ہر طرح سکون و عافیت نصیب ہوتا جا رہا ہے۔

والا نامہ کا جواب فری دینے کا ارادہ تھا مگر آنحضرت کی علیگڈھ تشریف فرما
اس میں خارج رہی اس لئے کہ قیام گاہ علیگڈھ کا مجھے پتہ معلوم نہ تھا ورنہ فوراً
مکتوب لکھتا۔ دعائے عالی و توجہات کا میں ہر وقت محتاج ہوں۔

والسلام محمد ابراہیم
(اداکل ذیقعدہ ۱۲۸۴ھ)

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

آپ کے گذشتہ خط سے جن پریشانیوں کا علم ہوا تھا ان سے فکر مند تھا الحمد للہ
کہ اس خط سے فکر رفع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ طلبہ کے لئے طعام کا پورا پورا انتظام
فراوے۔

آپ نے تصور موت کے مستحق تحریر فرمایا ہے۔ الحمد للہ یہ اچھا حال ہے
اکثر واذ کر ہا دم اللذات سے تو اس تصور کو بالقصد والا اختیار طاری کرنے
کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ کو اضطراب کی کیفیت نصیب ہے
اور ان کیفیات کے ٹھود ہونے کی سب سے بڑی علامت ان کا نماز میں
طاری ہونا ہے۔

علیگڈھ کے حالات کا علم تو مولوی ارشاد احمد سلمہ کی زبانی ہوا ہو گا۔ الحمد للہ
سفر بہت کامیاب رہا۔ لوگوں کو طالب دین پایا۔ نفع بھی ہوا اور الحمد للہ وہاں
سے سرور آیا۔

جناب والا کی صحت و وقت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ وہاں کے لوگوں کو
آپ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمادیں۔

والسلام خیر ختام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

ذیقعدہ ۱۲۸۴ھ (اولیل پج ۱۲۸۵ھ)

نوٹ۔ اس کے بعد حضرت علامہ کا ایک اور خط حضرت والا کے نام آیا جس پر دیوبند کے ارادہ سفر پر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔ اس کے مضامین کا ربط چونکہ حالات مدرسہ سے زیادہ قریبی معلوم ہوا اس لئے (مکاتبت حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ) جس کا بیان حضرت علامہ کے بعد ہی آرہا ہے۔ وہاں اس کو نقل کیا جائے گا۔ (مرتب)

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کا خط

آنحضرت کے حالات برابر معلوم ہوتے رہے مگر یہ ساری اطلاعاتیں بالواسطہ رہیں اس سے سکون و طمانینت تو ہو جاتی ہے مگر وہ نور جو بالمشافہ و براہ راست مکاتبت و گفتگو سے ہوتا ہے وہ نصیب نہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد دل کی وہ تکلیف جو پہلے ہو جایا کرتی تھی ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس دورہ کا وقت کم نہ تھا مگر تکلیف میں کمی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تکلیف کا ارادہ کیوں ہوا۔ کیا عقیدت میں ضعف پیدا ہو گیا ہے یا توجہ میں کوئی کمی آگئی ہے۔

بہر حال آپ کے التفات کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوں۔ ایک مکتوب آج کی ڈاک سے بھیج چکا ہوں اسی کے اس خط کے بعد باریاب ہو جائے گا۔

والسلام

محمد ابراہیم
۲۵/۴/۸۵ھ

حضرت والا کا جواب بنام مولوی حکیم عزیز الرحمن صاحب

مولوی عزیز الرحمن صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت مولانا کا ایک خط پہلے ملا تھا جس کا جواب میں نے خود اپنے قلم سے لکھا تھا
آج مولانا کے دو کارڈ ایک ساتھ موصول ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ جواب ابھی

تک نہیں ملا۔

مولانا نے اس خط میں تحریر فرمایا ہے کہ گذشتہ تکلیف عود کر آئی اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکا اعادہ کیوں ہوا؟ عقیدت میں ضعف پیدا ہو گیا ہے یا توجہ میں کوئی کمی آگئی ہے۔۔۔۔۔ اس کے متعلق آپ سے کہتا ہوں کہ کسی موقع سے مولانا سے فرمادیں کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ کوئی اور سبب پیش آگیا ہوگا۔ حالات میں غور فرمائیں تو سمجھ میں بھی آجائے گا۔ میرے سامنے تو تفصیلی حالات ہیں نہیں تاہم اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت مولانا کی پیرائہ سالی ہے کام زیادہ ہے کچھ محنت زیادہ پڑگئی ہوگی یا کھانے پینے کے نظام میں کچھ گڑبڑی ہوگئی ہوگی یا اسی قسم کا کوئی عارض پیش آگیا ہوگا جس کے سبب سے ایسا ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ جا تا رہے گا۔ والسلام

خط حضرت علامہ بلیاویؒ

حضرت المخدم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

تحریر سامی درود لاکر باعث سرور ہوا اور قلب کو منور کیا۔ الحمد للہ علی ذلک عزیزم ارشاد سلمہ کی صحت سے بہت مسرت ہوئی خداوند تعالیٰ عزیز موصوف کو مدام اپنی حفاظت میں رکھیں۔

سر دست جی میں یہ آیا کہ ترمذی شریف کی حدیث جو حسن بن علی رضی سے بایں الفاظ مروی ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحفة الصائم الذہن والجمہر

(ص ۱۱۱ ج ۱) کے پیش نظر آنجناب کی خدمت اقدس میں کچھ اگر کی بتیاں اور ایک

شیخی شمامۃ العنبر کی پیش کردہ۔ ع

گر قبول اقتدا ہے عند وشرق

نصوصی توجہ اور دعا کی سخت ضرورت ہے۔
والسلام
محمد ابراہیم عفی عنہ
(۲۱ رمضان ۱۳۸۵ھ)

حضرت مصلح الائمہ کا جواب اول

(ڈاک سے)

مخدومی و محترمی حضرت دامت برکاتہم
السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَکَاتُهُ
حکیم صاحب سلمہ کے ذریعہ ہدیہ سنیہ موصول ہوا۔ ایک توجہ یہ خود سنت
دوسری حدیث کی اتباع منظم ہو کر نور علی نور کا مصداق ہوا۔ میں اب اس پر اتار دے
(یعنی آمادہ دستعد) ہو گیا ہوں کہ ہر امر میں لوگوں کو اتباع سنت سکھاؤں آپ کے
ہدیہ سے بہت مسرت ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔
والسلام خیر ختام
خودیکم وحی اللہ عفی عنہ

حضرت والا کا دوسرا جواب

(دستی)

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دامت برکاتہم
السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَکَاتُهُ
حکیم صاحب سے جناب والا کا ہدیہ موصول ہوا۔ اس سلسلہ میں غرضہ ارسال
خدمت کر چکا ہوں امید کہ موصول ہوا ہوگا۔
حدیث شریف میں مال کے متعلق آتا ہے کہ مَنْ أَخَذَ بِحَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُونَةُ هُوَ
نیز ایک روایت میں ہے۔ لَعَنَ الْمَالُ الصَّالِحَ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ اور حضرت سعید بن جبیرؓ
کا ارشاد صاحب روح المعانی نے اس کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ نعم الملتاع

ونعم الوسلة۔

بناءً علیہ ایک حقیر رقم ہدیہ ارسال خدمت ہے امید کہ قبول فرمائی جائے گی۔
حسن اتفاق کہ واسطہ بھی رجل صالح کا ہے۔ والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

سبحان اللہ۔ پہلا جواب تو وصولی ہدیہ کی گویا رسید تھی اور لسانِ قلم سے
اداۓ شکر تھا۔ اور دوسرے خط سے معلوم ہوا کہ ایک فعل حسن کا جواب فعل حسن سے
بھی دیا گیا اور اس میں شک نہیں کہ کامل شکر تو یہی ہے کہ ہر ہر ادا سے اس کا
اظہار ہو۔ بقول قائل ے

افادتم النعماء مئى ثلاثة مئى دای ولسانی والضمیر المحجبا
اور جس طرح سے اُس جانب ہدیہ خاص کے انتخاب میں سنت کی روشنی سے
اعانت حاصل کی گئی۔ اسی طرح ادھر سے بھی عروس ہدیہ کو احادیث ہی کے زیور
سے آراستہ کیا گیا۔ اور تھکا دوا تزداد احباً تو بہر حال دونوں ہی جانب مشترک
تھا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ الفت و محبت کے یار زار دیکھنے کو شاید اب نہ صرف ہندستان
بلکہ زمین و آسمان ترس جائے۔

یہی تھیں وہ شمیم انگیزیان عطیہ محبت کی
کہ جن سے بوستان ہند برسوں تک معطر تھا

خط حضرت علامہ بلیاویؒ

محمد ابراہیم عفی عنہ از دارالعلوم دیوبند۔
۱۲ شوال ۱۳۸۵
حضرت المخدم دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
شکر ہے اچھا ہوں۔ البتہ ضعف زیادہ ہے اور زیادتی کا سبب دورہ ہے

جوانیسویں رمضان کو ہوا تھا اور اس کی اطلاع آنجناب کو دے چکا ہوں۔
مگر آنجناب کی کیفیت مزاج اور دیگر عوارض کی اطلاع کچھ متفاوت صورت
سے ہو رہی ہے جس کی وجہ سے متفکر ہوں اور جی چاہتا ہے کہ خود حاضر ہو کر سکون
حاصل کروں مگر صنف اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر تحریر سامی سے کچھ سکون
نصیب ہو جائے تو باعثِ ذرہ نوازی ہوگی۔ فقط والسلام

حضرت علامہ کا دوسرا خط

اس سے پہلے بذریعہ خط و تار حالات کا علم ہوا تھا۔ اب حکیم صاحب سلمہ
کے ذریعہ تفصیلی حال معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ مفتی صاحب و حکیم صاحب سلمہ
کے ذریعہ ہدایات سنیں۔ ماشاء اللہ چٹنی سے دونوں طرح کی لذت مل رہی
ہے۔ ایک طرف کام و دہن کا چٹخارہ ہے تو دوسری طرف روحانی کیفیت۔ اس پر
آپکی عنایات و توجہات کی جھڑپاں سبحان اللہ گویا ہے

قاصد رسید نامہ رسید و خبر رسید در حیرتم کہ جاں بکدامی کتم نثار
تفصیلی خط انشاء اللہ کسی قریبی فرصت میں حاضر خدمت کرونگا۔ اس سے پہلے
جو تکلیف ہو گئی تھی وہ جاتی رہی البتہ نقاہت کا اثر ہے۔ خمیرہ آبہ شیم حکیم ارشد والا
استعمال کر رہا ہوں۔ فائدہ ہے۔ دعاؤں کا محتاج۔ والسلام
ابراہیم عفی عنہ ۲۵ شوال ۱۳۵۵ھ

حضرت علامہ کا یہ خط شوال ۱۳۵۵ھ کا ہے اس کے بعد سلسلہ مکاتبت طویل عرصہ
تک غالباً موقوف رہا کیونکہ میں بھی اس درمیان کا کوئی خط نہیں ملا اور حضرت علامہ
کے ذیل کے خط میں بھی اسکا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ۲۱ محرم ۱۳۵۶ھ کو یہ خط ارسال فرمایا۔

گرامی نامہ حضرت علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

مخدومنا المحترم زید احترامکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
شکر ہے۔ اچھا ہوں۔ لیکن ضعف زیادہ ہے۔ ہاتھ کی انگلیوں میں رعشہ بھی شروع
ہو گیا ہے جس سے خود کتابت سے معذوری ہے مگر آج جی میں آیا کہ کچھ ہو خود ہی خدمت
اقدس میں کچھ لکھوں۔

تعجب ہے کہ عرصہ سے آنجناب کی طرف سے نہ تو کوئی تحریر آئی کہ آنجناب
کہاں ہیں؟ اور نہ کوئی مٹھائی یا پھل آیا جسے کھا کر قلبی نور اور دلی انبساط حاصل
ہو۔ حالانکہ اس عرصہ میں متعدد اشخاص بمبئی سے آئے اور الہ آباد سے بھی۔ کیا
اس ضعیف کی طرف کچھ توجہ میں کمی تو نہیں آگئی ہے۔ فکر ہے اور ضرور ہونا چاہئے
زیادہ کیا عرض کروں لکھنے سے معذوری ہے۔ والسلام

محمد ابراہیم از دارالعلوم دیوبند
۲۱ محرم ۱۳۸۷ھ

حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا جواب

معظمیٰ و محترمی حضرت مولانا دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ بخیریت ہوں۔ آپ کی طرف پوری توجہ ہے۔ برابر آپ کو یاد رکھتا ہوں
بھولا نہیں ہوں لیکن آپ نے جو تحریر فرمایا ہے (یعنی یہ کہ تعجب ہے کہ عرصہ سے الخ)
اسکا جواب تو صرف یہ ہے کہ معاف فرمادیجئے۔ خطا ہوئی۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا
باقی آپ کی جو عنایات اپنے خوردوں پر ہے اس سے خاص مسرت ہوئی۔
آپ کی صحت کے لئے دعا کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ رعشہ بھی جاتا رہے گا۔
اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کامل عطا فرمائے۔ میرے لئے بھی دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ کچھ

کام لے لیں اور مزید صحت و قوت عطا فرما دیں۔

یہاں موسم بہت خوشگوار ہے الحمد للہ ہر طرح کا آرام ہے۔

والسلام خیر خیرت ام
نویذکم وصی اللہ عفی عنہ۔ کرالا۔ بمبئی
جمعہ ۲۴ محرم ۱۳۸۷ھ

حضرت علامہؒ کا یہ خط اور حضرت مصلح الامت کا جواب آپ نے ملاحظہ فرمایا
دیکھے حضرت علامہ کی بھی طلب اور بے لوثی طبع کہ جب خدا کی یاد نے تڑپایا اور فکر
آخرت نے چونکایا اور بطن نہیں باطن کی بھوک نے ستایا تو کس قدر بے تکلفی کے ساتھ
شیخ نورانی سے اپنے قلب کے لئے نور کی غذا اور دل کے لئے انبساط کا سامان از خود
طلب فرمایا۔ اور شیخ وقت کی بھی تواضع بمثل ہی ہے کہ اس تاخیر کو اپنی ہی
خطا قرار دے کر اس کی معافی طلب فرمائی۔ سبحان اللہ۔ ایسا قصور اور ایسی معافی کا ہیکو
کسی نے دیکھی سنی ہوگی۔ اور حضرتؒ نے یہ سب کچھ رسماً اور ظاہراً نہیں کیا کیونکہ
جو شیخ کہ دوسروں کو تصنع اور ظاہر داری سے نکالتا ہو اس کے متعلق ایسا گمان
بھلا کیسے ہو سکتا ہے بلکہ حضرت والا کو واقعہً اس کی ایک چوٹ لگی کہ حضرت علامہ
کے ساتھ جب ایک معمول جاری ہو گیا تھا تو اُس کا وقفہ اتنا طویل کیوں ہوا کہ
حضرت علامہ کو کسی درجہ میں بھی سہی محسوس کرنا پڑا۔ چنانچہ یہ بیچینی اور خلش
اس درجہ بڑھی کہ حضرت والا نے اس کا حل تجویز فرما کر ہی چین لیا۔ یعنی اس کے
تلافی کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ اپنے ایک خادم خاص (یعنی جناب سید حسین صاحب
الہ آبادی مدظلہ العالی) کو جو کہ اُس وقت میرٹھ میں ایڈیشنل کمشنر تھے یہ خط
لکھوایا۔

حضرت والاؒ کا پیغام جناب سید حسین صانڈاؒ کے نام

(بقلم یکے از خدام)

حضرت والا مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ آپ وہاں قریب ہیں۔ وہاں میرٹھ سے کچھ عمدہ عمدہ مٹھائیاں اور دیوبند سے کچھ فیر بنی لے کر حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں میری جانب سے پیش کر دیجئے اور میرا سلام مسنون عرض کر دیجئے اور دعا کی درخواست کر دیں۔ زمانہ طالب علمی میں تو وہاں فیر بنی بہت عمدہ ملا کرتی تھی اب معلوم نہیں کہ ملتی ہے یا نہیں۔ والسلام
بحکم حضرت والا۔ راقم.....

حضرت اقدسؒ کے نام جناب سید صاحب کا جواب

الحمد للہ۔ کل دیوبند ہو آیا۔ روش صدیقی صاحب بھی گئے تھے۔ سیدھے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ کے یہاں گیا۔ اچھی مٹھائی اور..... فیر بنی پیش کی بہت خوش ہوئے۔ میں نے کہا کہ یہ حضرت والا کی طرف سے ہدیہ ہے۔
ہنسے اور فرمایا کہ حضرت کی مہربانی ہے۔ فرمایا کہ اور کوئی کام تھا یا صرف اسی لئے آئے۔

میں نے کہا کوئی اور کام نہیں اور نہ منٹ بھر کو کہیں جاؤں گا۔ کہا کہ محض اتنے کام کے لئے موٹر کا اس قدر خرچہ کیا۔ میں نے کہا کہ حضرت والا کی تعمیل ارشاد کے لئے یہ کیا اس سے بھی دور جگہ ہوتی تو تعمیل میرے لئے سعادت تھی۔ فرمایا کہ ایسی بھی تعمیل ارشاد کیا اہم تھی۔

میں حیرت میں تھا کہ کیا جواب دوں۔ دیر میں عرض کیا کہ حضرت والا کے ارشاد کی تعمیل ہم خدام کے لئے ایسی ہی اہمیت رکھتی ہے کاش اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں

اس پر کچھ متاثر ہوئے۔ ان کے صاحبزادے مولوی نعمان صاحب بھی بہت ہی اخلاق سے ملے۔

مجھے نیز روٹس صاحب کو اور ہمارے ڈرائیور واردی سب کو کھانا کھلایا۔ میں منٹ بھر کو بھی کہیں نہیں گیا۔ ہر چند یہ چاہا کہ دارالعلوم دیکھ آؤں۔ نہیں گیا۔ میں نے کہا کہ اس وقت خالص آپ کی خدمت میں حاضری ہے اور حضرت والا آپ کو بہت چاہتے ہیں۔ فرمایا یہ انکی عنایت اور مہربانی ہے۔

خادم سید حسین عفی عنہ

ادھر جناب سید صاحب نے اپنے شیخ کا حکم پا کر فوراً اس کی تعمیل کی اور حضرت کو اس سے مطلع فرمایا تاکہ انتظار رفع ہو ادھر خلافت توقع اس عجیب و غریب معاملہ کو دیکھ کر حضرت علامہؒ نے بھی حضرت والا کو ایک خط لکھا۔

خط حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب

از محمد ابراہیم عفی عنہ۔ دارالعلوم دیوبند

۶ صفر ۱۳۸۷ھ

مخدومنا المحترم

شکر ہے۔ اچھا ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ آنجناب کو بایں افاضہ ہدایت تادیر اس عالم اسباب میں باصحت تامہ وقوت کاملہ رکھیں۔ آمین۔

بعدہ عرض ہے کہ ۲ صفر ۱۳۸۷ھ کو میرٹھ سے سید صاحب نائب کشر مع جناب روٹس صاحب اور اپنے صاحبزادے کے دیوبند کوئی نو بجے صبح کو پہنچے اور احقر سے فراخ دلی کے ساتھ ملاقات کی اور بہت سی اچھی اچھی مٹھائیاں اور دیوبند سے بہترین فیرینی منگا کر بندہ کو یہ فرماتے ہوئے دیں کہ حضرت مدظلہؒ نے بمبئی سے ہدایت کی ہے کہ یہ چیزیں دیوبند جا کر ابراہیم کے.... حوالہ کریں۔ خیر

میں نے سب کو لے لیا مگر دل محبوب ہے کہ میں نے اپنے خط میں مٹھائی کا ذکر کیا
 کیا تھا؛ کہ آنجناب کو اتنا اہتمام کرنا پڑا۔ حالانکہ مقصود لکھنے سے یہ تھا کہ مزید توجہ ہو
 اور دعا کی زیادتی ہو۔ خود مٹھائی مطلوب نہ تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں آجکل قدس
 صحت میں خلل واقع ہو رہا ہے اور طبیعت زیادہ کمزور ہو رہی ہے۔ میں نے یہ
 عریضہ ۶ صفر کو شروع کیا تھا اور آج ۹ صفر ہے جو پورا کر رہا ہوں جب طبیعت
 کچھ سنبھل جائے گی تو اور کچھ عرض کروں گا۔

والسلام
 محمد ابراہیم عفی عنہ
 ۹ صفر ۱۳۸۷ھ

حضرت اقدسؒ کا جواب

۱۳ صفر ۱۳۸۷ھ

از کرا۔ بمبئی

مکرمی و محترمی حضرت مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ
 الحمد للہ بخیریت ہوں۔ جناب کی دعاؤں کا بصمیم قلب ممنون ہوں۔
 ناما سازی مزاج معلوم کر کے رنج ہوا اللہ تعالیٰ صحت عاجلہ کاملہ عطا فرماوے
 جناب نے جو تحریر فرمایا تھا وہ بھی لسانِ محبت سے تھا۔ اور اس کے جواب میں
 میں نے جو پیش کیا وہ بھی بتقاضائے محبت تھا اور سید صاحب نے جو فوری تعمیل کی
 وہ بھی محبت ہی کی وجہ سے کیا۔ غرض اس معاملہ میں ہم تینوں ہی ایک ہی کشتی کے
 سوار تھے باقی یہ ضرور ہے کہ عقل کی طرح محبت چونکہ موزوں نہیں ہوتی اس لئے
 کبھی کبھی اس کے تقاضے میں اور عقل کے تقاضے میں تصادم بھی ہو جاتا ہے۔
 آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے مزید صحت و قوت کی دعا کا طالب
 ہوں۔

والسلام
 خویہکم وصی اللہ عفی عنہ

دیکھا آپ نے حضرت علامہؒ نے حلاوتِ ایمانی اور قلبی نور حاصل کرنے کے لئے حضرت والا سے مٹھائی یا پھل کا تحفہ طلب فرمایا تھا۔ یوں دیگر اسکو یوں کہا جاسکتا ہے کہ صرف حضرت اقدس کی شیرینی نظر اور توجہ کی لذت کے حصول کی خواہش کی تھی لیکن جب حضرت کی جانب سے اس خواہش کو یوں پورا کیا گیا تو حضرت علامہؒ کی طبع حساس پر کیا گزر گئی اس کو وہی جلتے ہوئے۔ اور قلب مجبوب ہو گیا کہ ارے تو بے! یہ کیا ہو گیا۔ حضرت نے بھی میرے تفریحی اور مزاحی جملہ کو حقیقت ہی کا جامہ پہنا دیا اور وہ بھی اسقدر طول و طویل مقدمات کے ساتھ۔ قلب میں ندامت کا احساس اور حجاب کی سوزش اسقدر بڑھی کہ اس کے ازالہ کی فکر ہوئی۔

چنانچہ اسی کی فی الجملہ تسکین کے لئے سید صاحب سے دریافت فرمایا کہ اور کوئی کام تھا یا صرف اسی لئے آئے؟ لیکن جب انھوں نے یہ جواب دیا کہ حضرت کوئی اور کام نہیں تھا صرف اسی کو پیش کرنے کی خاطر حاضر ہوا ہوں اور اس سفر میں اور کوئی دوسرا کام کرنا بھی نہیں ہے۔ سید صاحب بخاب کے در دولت پر حاضر ہوا ہوں اور یہیں سے واپس بھی ہو جاؤنگا تو اس پر مزید حیرت بڑھی اور سید صاحب سے یوں فرمایا کہ — اے محض اتنے سے کام کے لئے موٹر کا اسقدر خرچہ کیا (سید صاحب غالباً آمد و رفت کے لئے ٹیکسی کر کے تشریف لے گئے تھے)۔ مطلب اسکا صاف یہی تھا کہ حضرت شیخ کے اس برائے تو مجھے عجوب کیا ہی تھا۔ اللہ کے بندے! تم نے بھی کمال ہی کیا کہ محض اس اتنے سے کام کے لئے اس طرح سے موٹر سے مستقل سفر کیا اس کی کیا ضرورت تھی اس کو کسی ضمنی سفر کے لئے اٹھا رکھتے یا کسی آنے جانے والے سے بھجوا دیتے خوا مخواہ کا خرچ کیوں برداشت کیا۔

سید صاحب یہ مشفقانہ عتاب سن کر حیرت و کشمکش میں پڑ گئے کہ شیخ کے حکم کی فوری تعمیل تو گو بہ ہزار دقت سہی محبت اور عشق کا تقاضا ہے۔ اور حضرت علامہ جو فرما رہے ہیں بلا شبہ عقل کا تو وہی فیصلہ ہے۔ اب اس عقل و محبت کے تصادم کو کیونکر رفع کیا جائے اور حضرت علامہ کے سامنے اس پر کچھ کہنا لقمان کو حکمت سکھلانے کے مترادف تھا اس لئے پاس ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بس اتنا عرض کر دیا کہ — حضرت والا کے ارشاد کی تعمیل ہم خدام کے لئے ایسی ہی اہمیت رکھتی ہے کاش اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں۔ ع

”عقلمندوں کا اشارہ کافی است“

حضرت علامہ معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے اور اس جواب سے متاثر ہوئے اور کچھ نہیں فرمایا۔ بات ختم ہو گئی۔

یہ تو جناب سید صاحب مدظلہ کے ساتھ حضرت علامہ کی گفتگو رہی۔ اسکے بعد حضرت علامہ نے حضرت مصلح الامۃ کو جو خط لکھا تھا اس میں بھی اپنے اس حجاب کا تذکرہ فرمایا۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دیکھئے حضرت مصلح الامۃ نے کس طرح سے حضرت علامہ کے حجاب کو بھی دور فرمایا اور سید صاحب کا فعل جو بظاہر عقل کے خلاف تھا (حضرت علامہ کی خلش کو ثابت و مسلم رکھتے ہوئے) کس طرح سے انھیں بھی اس میں معذور قرار دیا۔ چنانچہ حضرت علامہ کو تو ان کے حجاب کی جانب سے یوں مطمئن کیا اور تحریر فرمایا کہ —

”جناب نے جو تحریر فرمایا تھا وہ بھی لسان محبت سے تھا اور اس کے جواب میں میں نے جو پیش کیا وہ بھی بہ تقاضائے محبت تھا۔ اور سید صاحب نے جو فوری تعمیل کی وہ بھی محبت ہی کی وجہ سے کی۔ غرض اس معاملہ میں ہم تینوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔“

اور جناب سید صاحب پر اُن کے مشفقانہ عتاب کا معذرت کے انداز میں یہ جواب مرحمت فرمایا کہ — ”باقی یہ ضرور ہے کہ عقل کی طرح محبت چونکہ موزوں نہیں ہوتی اسلئے

کبھی کبھی اس کے تقاضے میں اور عقل کے تقاضے میں تصادم بھی ہو جاتا ہے۔
 یعنی آپ جو کچھ فرما رہے ہیں بلاشبہ وہ عقل کے عین مطابق ہے اور انھوں نے
 جو یہ اقدام کیا وہ اپنی طبیعت اور میری محبت سے مجبور ہو کر کیا اور ظاہر ہے کہ عقل
 کے تقاضے اور ہوتے ہیں اور عشق کے اور اپنی اپنی جگہ پر دونوں صحیح ہوتے ہیں۔
 بے خطر کو دھڑا آتش نمرود میں عشق
 عقل ہے محبت اشائے لب بام ابھی
 بزرگوں کی باتوں میں دخل دیتے ہوئے مگر معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت والاؒ کا جو انداز
 اصلاح تھا اس سے بعید نہیں کہ اس میں اشارہ اس جانب بھی فرمایا ہو کہ حضرت خود
 آپ کا اولاً مجھ سے فرمائش کرنا بھی تقاضائے محبت ہی تھا۔ لیکن بعد میں جو حجاب
 آپ کو محسوس ہوا تو اب یہ عقل کا دخل ہو گیا۔
 پس جس طرح سے آپ کا پہلا معاملہ محبت اور عشق سے ناشی تھا اور دوسرا
 عقل سے۔ اسی طرح سے آپ کا یہ فرمان اور ارشاد جناب سید صاحب کو عین عقل کے
 مطابق ہے باقی انکا معاملہ جو ہوا وہ بہ تقاضائے محبت تھا۔ تو خیر ایسا تو ہوا
 ہی کرتا ہے لہذا نہ وہ خطا دار اور نہ آپ ہی کے لئے حجاب کی کوئی وجہ۔

حضرت علامہؒ کے اس خط میں محبت کا مظاہرہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اور
 اور محبت ہی وہ چیز ہے جس سے طریق کی مشکلیں آسان ہوتی ہیں
 کسی نے خوب کہا ہے ۵
 محبت انتہا میں مشکلیں آسان کرتی ہے مگر اس فتنہ گر کی ابتدا مشکل سے ہوتی ہے
 اسی لئے اللہ والوں نے ہر زمانہ میں اسی کو وصول الی اللہ کا مرکب بنایا
 ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں ۵

آزمو دم عقل و نور اندیش را بعد از ادا دیوانہ سازم خویش را
 حسن اتفاق کہ حضرت علامہؒ کا یہ خط اُن کے خطوط مسلسلہ میں سے آخری

خط بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی برکت سے ہمیں بھی اپنی اور اپنے
صالحین بندوں کی محبت سے نوازے۔ آمین
پھر تقریباً دو ماہ بعد ایک اور سلسلہ کا حضرت علامہ کا ایک اور خط آیا۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کا گرامی نامہ
(ہدیہ تشکر)

از دارالعلوم دیوبند
حضرت المخدم دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
پرسوں یا ترسوں ایک ملفوفہ عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں کج یہ عریضہ خاص
مقصد کے لئے لکھ رہا ہوں۔ مخدوما! یہ معلوم کر کے از حد مسرت ہوئی کہ آنجناب نے حضرت
مہتمم صاحب دارالعلوم کے حصول صحت اور بقا، ذات میں کمال توجہ اور التفات
ساتھ سے کام لیا ہے۔ علاج اور وہ بھی پُر از کمال طبیب سے کرایا ہے۔ اگرچہ جناب
نے اخوت روحانی اور حفاظت دارالعلوم کا حق ادا کیا ہے مگر آنجناب کا یہ عمل جماعت
دارالعلوم پر جس میں جناب بھی داخل ہیں بہت بڑا احسان ہے اس لئے احقر اور
پوری جماعت ہدیہ تشکر خدمت اقدس میں پیش کر کے مزید توجہ کا مستحق ہے۔ زیادہ کیا عرض
(کردں) ہاتھ (میں) طاقت نہیں ہے۔ والسلام

محمد ابراہیم - دیوبند
۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

حضرت مصلح الامتہ کا جواب

مکرمی و محترمی حضرت مولانا دام مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
کل کی ڈاک سے جناب سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ دارالعلوم کا۔ اور
آج کی ڈاک سے جناب والا کا مکتوب گرامی حضرت مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں بطور

تشکر کے آیا

علاج تو حضرت مہتمم صاحب کا جناب حکیم اجیری صاحب اور ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب کر رہے ہیں جن کا شکر یہ تمام جماعت کی جانب سے ادا کرنے کیلئے میں خود کافی تھا چنانچہ میں ان حضرات کا شکر یہ تقریباً روزانہ ہی ادا کر رہا ہوں۔

آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس سے کہیں زیادہ خوشی مجھے اُس وقت ہوتی جب کہ آپ کے بجائے اُن طلبہ کے خطوط مہتمم صاحب کی دریافت خیریت و دعا گوئی کے آتے جو کم از کم مجھ سے تعلق و محبت رکھتے ہیں اُن لئے کہ حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں تو اظہارِ نیازِ مسمیٰ اور وسائلِ صحت کے لئے ”تشکر“ زیادہ زیب دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔

والسلام خیر ختام
نویدکم وصی اللہ عفی عنہ
اول سب ۲۸ شمسہ

حضرت علامہ بلیا دینی اور مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کے مابین مکاتبت اور تعلقات سے متعلق مجھے ان صفحات میں جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کر چکا۔ آخر میں ایک بات یہ عرض کرنا ہے کہ:-

ایک صاحب نے ایک مولوی صاحب سے حضرت کی حیات ہی میں دریافت کیا کہ سنا ہے کہ حضرت علامہ نے بھی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ سے رجوع کیا ہے۔ حالانکہ حضرت علامہ تو حضرت مولانا کے اساتذہ ہیں سے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہوئی اس کا انھوں نے کچھ جواب دیا، مجھے یہاں اُن کا جواب نقل کرنا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُس جواب میں اُن کی خصوصی عقیدت کو دخل ہو جو دوسرے پر ظاہر ہے کہ حجت نہیں اس لئے اسکا ایک دوسرا جواب عرض کرنا ہوں جو کہ حضرت علامہ ہی کی ایک گفت گو سے ماخوذ ہے۔

دارالعلوم کے ایک مولوی صاحب نے کسی کے حوالہ سے نقل کر کے حضرت اقدس کو

لکھا کہ —

حضرت مہتمم صاحب (یعنی جناب محترمی قاری محمد طیب مدظلہ العالی) حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی سے ایک دن یہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت والا میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام شاہیں دیکھیں اس وجہ سے میں بہت متاثر ہوں۔
اس پر — حضرت علامہ نے فرمایا کہ —

"میری پوری زندگی دارالعلوم میں گزری اور میں نے سب ہی اکابر کو دیکھا اور صحبت بھی میسر ہوئی لیکن میرا دل جتنا (حضرت) مولانا سے لگا اور متاثر ہوا۔ کسی سے نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد خود ہی فرمایا کہ اس کی ظاہری وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ حضرت والا کے اندر تواضع انتہا درجہ کی ہے۔ انتہی کلامہ

دیکھا آپ نے روایت ہے تو خبر واحد ہی لیکن محقق بالقرائن ہے اس لئے اس کو صحیح باور کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہمارے حضرت اقدس کی تواضع تو مشہور و معروف ہی تھی۔ اور حضرت علامہ کو خود حضرت والا نے انہیں مکتوبات میں جگہ جگہ متواضع فرمایا ہے۔ اب اگر ان دونوں بزرگوں میں وجہ سادبت اور جہت جامعہ یہی تواضع بن جائے تو ایک کے دوسرے سے قریب ہو جانے میں کیا الجھ ہے۔
راقم عرض کرتا ہے کہ یہاں ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم کہ نفس اور شیطان چونکہ انسان کو حق تعالیٰ سے دور رکھنے میں اپنی اڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتا ہے اور اہل اللہ، واصل باللہ ہونے کے ساتھ ساتھ موصول الی اللہ بھی ہوتے ہیں اس لئے ان دونوں کی عداوت ادھر بھی بڑی شد و مد کے ساتھ رہتی ہے اور کسی بزرگ سے تعلق، چونکہ خدا سے تعلق کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے ان دونوں پر یہ تعلق بہت ہی شاق گذرتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں طرح طرح کے وساوس، خیالات اور اعتراضات مزین کر کے خود اس شخص کے بھی سامنے (جو حضرات مشائخ سے تعلق

رکھنا چاہتا ہے) اور دوسرے لوگوں کے بھی سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی اُن مولوی صاحب کا یہ (شکال بھی ہے جو انھوں نے کسی سے دریافت کیا تھا کہ — ”سنا ہے کہ حضرت علامہؒ نے (استاذ ہوتے ہوئے بھی) حضرت مولانا فچتوریؒ سے تعلق قائم فرمایا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ قابل غور یہ امر ہے کہ عوام کو اگر یہ شبہ ہو تو خیر ایک بات بھی ہے تعجب اس پر ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ بھی اس گتھی کے سلجھانے میں پریشان ہیں۔ حالانکہ اپنے سلسلہ میں تو ابھی ماضی قریب ہی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ عصر شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ کا تعلق شیخ العرب والجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ سے اسی نوع کا رہ چکا ہے اور اس سے کچھ قبل حضرت سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید ہوئے ہیں۔ حالانکہ سنا ہے کہ حضرت سید صاحب نے حضرت مولانا سے ابتداء کچھ پڑھا بھی تھا۔ اور غالباً اسی خلیفان کے پیش نظر کسی سوال کرنے والے نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے بارے میں مولانا نانوتویؒ سے دریافت کیا تھا کہ حضرت کیا حضرت حاجی صاحب عالم تھے؟ مطلب یہی تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہو کر انکے مرید بنے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا کیا عمدہ جواب مرحمت فرمایا — فرمایا کہ حضرت ”عالم گر تھے یعنی عالم اُن کے یہاں ڈھلا کرتے تھے۔ سبحان اللہ بہر حال یہ شبہ کچھ نیا نہیں ہے اور نہ یہ خلیفان کسی ایک ہی ذات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ کے لوازم ہی سے ہٹ چنانچہ ہر دور میں اس نوع کے وسوسے لوگوں کو پریشان کیا ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مصلح الامۃؒ ہی کا ایک ارشاد اس سلسلہ کا نقل کر دوں جو ایک پُر لطف واقعہ کے ذیل میں ایک بزرگ نے خود مجھ سے بیان کیا تھا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ حکیم..... صاحب جو قصبہ محمدی کے رہنے والے تھے اچھے طبیب تھے۔ دیوبند میں حضرت مولانا (فچتوری) کے ہم سبق

رہ چکے تھے۔ آخر آخر میں جب پرانی صاحبہ (یعنی اہلیہ حضرت مصلح الامۃ) بیمار ہوئیں تو مولوی عبدالمجید صاحب اعظمی کے مشورہ سے حکیم صاحب موصوف کا بلانا تجویز ہوا۔ تو لوگ حکیم صاحب کو بلائے کے لئے محمدی گئے۔ میرا قیام بھی اُن دنوں گھر ہی پر تھا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ چلو فچپور چلتے ہو۔ میں حضرت سے اُس وقت شناسا نہ تھا چنانچہ حکیم صاحب ہی نے فرمایا کہ مولانا فچپوری حضرت مولانا تھانوی کے خلیفہ ہیں۔ مجھ کو چونکہ حضرت مولانا تھانوی سے عقیدت تھی یہ سنتے ہی تیار ہو گیا اور حکیم صاحب کے ہمراہ فچپور حاضر ہوا۔ یہاں کی حاضری پر حضرت کے جو اخلاق دیکھے اور مجلس میں جو ارشادات سنے تو اس سے بہت متاثر ہوا۔

چنانچہ دو چار مجلسوں میں شرکت کے بعد میں نے ایک دن حکیم صاحب سے کہا کہ ہاموں مولانا صاحب تو بزرگ آدمی معلوم ہوتے ہیں مجھے تو یہاں بہت نفع ہو رہا ہے حکیم صاحب نے فرمایا کہ۔ بھائی فائدہ تو مجھے بھی بہت ہو رہا ہے لیکن رہ رہ کر یہی خیال ہوتا ہے کہ میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ ہم دونوں میں یہ باتیں ہوئیں اور ختم ہو گئیں کوئی تیسرا شخص وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کے بعد صبح جو ہم لوگ مجلس میں حاضر ہوئے تو اُس میں یہی گفتگو اور اس خیال کا جواب موجود۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حضرت والا ہماری گفتگو سن ہی رہے تھے۔

مجلس میں ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بھائی سنو!

”میں طب نہیں جانتا۔ یہ حکیم صاحب بیٹھے ہیں یہ میرے ساتھ ہیں لیکن میں اس سلسلہ میں ان سے رجوع کرتا ہوں، جو کچھ یہ کہتے ہیں اُسے کرتا ہوں جس چیز سے منع کرتے ہیں اسے ترک کر دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جس چیز کو میں نہیں جانتا اس کو دوسرے سے پوچھتا ہوں۔ اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟“

اسی طرح سے ایک سلسلہ باطنی طب کا بھی ہے اسے میں نے حضرت مولانا تھانوی سے باقاعدہ سیکھا ہے لہذا جس کو اس سلسلہ کی معلومات

نہ ہوں گی تو اُس کو تو کسی جاننے والے سے رجوع کرنا ہی پڑیگا اس میں
 نہ چھوٹا دیکھا جائیگا نہ بڑا اور نہ ساتھ ہی ہونا ہی مانع ہوگا چنانچہ ساری مجلس
 اسی موضوع پر بیان فرماتے رہے۔

مجلس ختم ہونے کے بعد میں اور حکیم صاحب جب اوپر سے نیچے اُترنے لگے تو
 حکیم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اجی مولانا کا کشف تو بڑا بیڑا تھب ہے۔ دیکھو رات
 جو باتیں میں نے تم سے کی تھیں اسکا کیسا جواب دیا۔ انتہی

یہ میں نے اس پر عرض کیا کہ اس قسم کے خلجان نے ہر زمانے میں لوگوں کو تنگ
 کیا ہے۔ خود حضرت مصلح الامۃ کے اس واقعہ سے اُمید کہ آپ کو تسلی بھی ہوئی
 ہوگی اور لطف بھی آیا ہوگا۔

الغرض حضرت علامہؒ، حضرت مصلح الامۃ کے قریب ہوئے اور ایسے قریب ہوئے
 کہ حضرت سے تعلق اور محبت میں شدیدائیت کے مقام تک پہنچ گئے تھے چنانچہ
 حضرت اقدسؒ کے خطوط کو سینہ سے لگانا اور اس سے سکون حاصل کرنا یہ سب امور
 آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں۔ میرے ایک محترم دوست نے اس سلسلہ میں ایک بات اور
 لکھی۔ انھوں نے مجھے لکھا کہ۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ حضرت مولانا مظلہؒ کے مکتوبات کی ایک نقل اپنے
 پاس محفوظ رکھنے کی ضرورت کا شدید احساس حضرت علامہؒ محترم کو پیدا ہو گیا ہے۔
 چنانچہ انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا کہ جو مکاتبت خود ان کے یعنی حضرت مولاناؒ
 کے سوا دخط میں ہے وہ تو میں اپنے پاس جوں کا توں رکھوں گا مگر جو دوسروں کے
 قلم سے لکھے ہوئے ہیں ان کو اور سارے خطوط کو ایک کاپی میں بہ ترتیب مرتب کر دو۔
 حضرت علامہؒ اپنی پوری زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے مکتوبات کو اس طرح محفوظ رکھنے کا
 کر سکے ہیں۔ (انتہی) راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت علامہؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے مابین مکاتبت
 کا سلسلہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ (اب صفحات آئندہ میں ناظرین کرام حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری
 محمد طیب صاحب مظلہؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ کی باہمی مکاتبت سے مستفید ہوں گے۔)

حالات مصلح الامۃ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند
اور

حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ

راقم نے حالات مصلح الامۃ کے عنوان سے یہ مضمون شروع کرتے وقت پہلے ہی متعین
میں یہ عرض کر دیا تھا کہ یہ ناکارہ خادم اس میدان کا مرد نہیں ہے یعنی اپنی ناقص استعداد
کی رد سے ہرگز اسکا اہل نہیں ہے کہ کسی بزرگ کی سیرت پر قلم اٹھائے اور وہ بھی حضرت
مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ جیسی ہستی کے حالات کا بیان، اس کی تو کسی طرح سے ہمت ہی نہ
پڑتی تھی لیکن بعض احباب کی مسلسل فرمائش کی وجہ سے نیز یہ دیکھ کر کہ زمانہ گزرتا جا رہا
ہے اور کوئی بھی اس کے لئے تیار نہیں ہو رہا بالآخر اس کی ہمت کرنی ہی پڑی کہ ٹوٹے
پھوٹے سہی، مرتب غیر مرتب، ربط و بے ربط کیسا ہی ہو عرض جس طرح بن سکے کچھ حالات
جمع کر دوں بس اُسیں اسکا لحاظ ضرور رہے کہ ربط یا بس سے محفوظ رہے اس لئے حضرت محدثی
کے حالات کا آئینہ حضرت ہی کے مکتوبات کو بنایا کہ ان کے ذلیعہ سے بھی نادان قفین کو بہت کچھ
معلومات حضرت کے حالات کی ہو جائیں گی اور واقفین حضرات کے لئے ان کا اس طرح
سے مرتب جمع ہو جانا بلاشبہ انکے لئے استفادہ کو سہل اور لطف کو دو بالا کر لے والا
ہوگا۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی
حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ اور آخر میں حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب
صدرالہدیین دارالعلوم دیوبند کے خطوط آپ کے سامنے گزر چکے ہیں۔
ادریں تو سیر و تاریخ ایک مسلسل دلچسپی کی چیز ہوا کرتی ہے بھر کسی بزرگ کی سیرت اور

اُن کے حالات پڑھے و سنتے کا شوق تو ایک دیندار مسلمان کی عین فطرت ہی ہے۔ علی الخصوص حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ اپنے آخری ددر میں چونکہ بہت زیادہ مشہور ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرتؑ کو کچھ اس درجہ مقبولیت اور محبوبیت سے نوازا کہ جس نے بھی آپ کے کچھ حالات (حضرت کی زندگی ہی میں) سنے وہ زیارت کا مشاق ہو گیا۔ حتیٰ کہ نقشہ یہ سامنے آیا کہ جب لوگوں میں شوق ملاقات اپنے شباب کو پہنچ گیا اور عرب و عجم حضرت کی ملاقات کے لئے بیتاب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ مقبول بندہ غیرت حق سے نیز اپنی طبعی تمول پسندی کی وجہ سے مخلوق کا مطلوب بننے سے خود کو بچا کر اپنے کو طالب حق ہی کے زمرہ میں رکھتے ہوئے اپنے مطلوب حقیقی کی جانب سدھا رہا گیا۔

کسی نے خوب کہا ہے ۵

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا

دریا سے جو موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

سچ ہے کل مت علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

الغرض حضرتؑ کی اسی شہرت اور مقبولیت کا یہ اثر بعد میں بھی دیکھا کہ لوگ حضرت اقدسؑ کے حالات معلوم کرنے کے برابر ہی مشاق رہے اور بہت سے احباب نے اپنا یہ حال بیان کیا کہ جب معرفت حق پہونچتا ہے تو سب سے پہلے حالات مصلح الامۃ ہی کا مضمون پڑھتا ہوں۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ حالات کا مضمون پڑھنے سے بڑا ہی رطف آتا ہے کاش آپ حضرت والا کے بچپنے کے اور ابتدائی زمانہ کے بھی کچھ حالات لکھ دیتے۔ بہر حال اس سے اندازہ ہوا کہ الحمد للہ موجودہ ہند میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کو حضرتؑ سے فدائیت کی حد تک محبت ہے چنانچہ لوگوں کے اس استحسان اور پسندیدگی کو دیکھ کر ہمت اور بڑھی اور اندازہ ہوا کہ انشاء اللہ ان ٹوٹے پھوٹے اور غیر مربوط بیان سے بھی خاصا نفع ہوگا بلکہ ہو رہا ہے اس لئے بقول حضرت شیخ الہندؒ کے ۵

بے نیک ہیں مرے اشعار گریخ نہیں
 خالی از درد نہیں گرچہ ہیں لاشم پشتم
 اپنے اس سلسلہ کی ایک جدید قسط پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور وہ ہر
 مکاتبت ماہین حضرت مصلح الامتؑ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
 دامت برکاتہم —————

امید ہے کہ مثل سابق ان سے بھی ناظرین بہت ہی زیادہ مسرور و مخطوط ہونگے
 اور نئے حضرات کے لئے انشاء اللہ تعارف مصلح الامتؑ کا نیا باب کھلے گا۔ اسی کے ضمن
 میں اپنے دینی مرکز اور یادگار اکابر مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت کے قلبی تعلق کا حال
 معلوم ہوگا جو اب تک شاید بہت سے حضرات پر مخفی رہا ہو۔
 اس مختصر سی تمہید کے بعد اب مکتوبات کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب ضامنظلہ العالی کا گرامی نامہ

بنام جناب صوفی عبدالرب ضامنظلہ

(مشتمل بر تحسین افادات و تمنائے ملاقات)

مولانا دصی اللہ صاحب کا ذکر والا نامہ میں دیکھ کر اپنا اور اُن کا زمانہ طابعلی یاد
 آگیا۔ میں مبتدی تھا اور وہ منتہی یا کچھ کم فاصلہ ہو۔ بہر حال ۵۰
 ماہ مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
 ادب صحرا رفت و مادر کو چہار سوا شدیم
 اُن کے افادات کی اطلاعات سے دل باغ باغ ہوتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ
 کے فیوض و برکات کو انھوں نے اُسی شکل میں قائم رکھ کر عام کر رکھا ہے جزاء ہم اللہ تعالیٰ
 فی الدادین خیرا۔ ملنے کو بھی اُن سے جی چاہتا ہے۔ مگر اب تک ادھر کی حاضری کی

نوبت نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ باحسن احوال ملاقات نصیب فرمائیں۔ آمین
(مارچ ۱۹۷۵ء)

جناب صوفی صاحب مدظلہ کا گرامی نامہ حضرت مصلح الامتہ کے نام

میں نے اُن کو صرف اتنا حوالہ حضرت والا کا لکھا تھا کہ فی الحال میں اپنے پیر مرشد
حضرت مولانا وصی اللہ صاحب مدظلہ کی خدمت بابرکت میں فتح پور تال نرجا جا رہا ہوں۔ اُسی پر
حضرت والا سے متعلق سطور بالا مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ نے لکھی ہیں۔

حضرت قاری صاحب کی اجازت پر انکے ایک مترشد کی صلاح
حضرت مصلح الامتہ علیہ الرحمۃ نے منظور فرمائی

(اس مترشد کا خط حضرت مصلح الامتہ کے نام)

۵۵ - ۶
۵۵ - ۶

حال۔ یہ بالائق حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی سے بیعت ہے اور عرصہ چھ سال سے
سلسلہ خط و کتابت جاری ہے لیکن حضرت ممدوح کو مدرسہ کے اہتمام کی وجہ سے اس قدر
مشغولی ہے اور بضرورت مدرسہ اسفار بھی بکثرت کرنا پڑتے ہیں۔ بوجہات مذکورہ
احقر کے عریضوں کے جوابات عموماً بہت دیر سے وصول ہوتے ہیں۔ جوابات کی تاخیر
کے سلسلہ میں کمترین نے حضرت سے بھی بار بار عرض کیا۔ حضرت ممدوح یہی فرماتے
کہ کثرت اسفار کی وجہ سے خط دیر سے ملا کرتے ہیں۔ احقر نے حضرت ممدوح کی
خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا کہ احقر کا ارادہ ہے کہ آنحضرت دم سے تعلق بیعت باقی
رکھتے ہوئے تعلق اصلاحی حضرت مولانا وصی اللہ صاحب اعظم گدھی سے قائم کروں

جن پر حضرت ممدوح نے تحریر فرمایا کہ ”میں خود اس کی تحریک کرتا ہوں کہ ایسا کر لیا جائے“
اب آں قبلہ کی خدمت میں مودبانہ التجا ہے کہ احقر کو آنحضرت خط و کتابت جاری رکھنے کی
اجازت مرحمت فرمائیں۔

تحقیق۔ اجازت ہے اس حالت میں کوئی ارماع نہیں ہے۔

ہو سکتا ہے کہ دیوبند میں میرے ذریعہ سے کچھ کام ہو جائے!
(حضرت کا ارشاد ممدوح اس کے ایک خادم کے خط کے جواب میں)

حال۔ ایک واقعہ یاد آگیا کہ چند سالوں کے قبل یعنی غالباً تین سال کا عرصہ ہوا حضرت مولانا
محمد طیب صاحب تشریف لائے تھے میں بھی وہاں گیا تھا۔ کسی مولوی صاحب نے دیوبند
کے بعض حالات کا تذکرہ کیا تو مولانا موصوت (یعنی قاری صاحب) نے فرمایا کہ ہاں
افراد کے اندر خرابی پیدا ہو گئی ہے ابھی بعض بعض اچھے بھی ہیں۔ دیوبند کی بنیاد پر
تقریباً ایک صدی ہو رہی ہے اب یا تو کوئی مجدد اس کی تجدید کرنے والا پیدا ہو جائیگا
یا ادارہ ہی منتقل ہو جائے گا۔ عادیۃ اللہ یونہی جاری ہے۔

تحقیق۔ دیکھئے مہتمم صاحب نے کیسی بات فرمائی۔ اس کے بعد ان صاحب نے لکھا کہ
حال۔ میں نے اُسی وقت سیدی حضرت مفتی (محمد شفیع) صاحب بذطلہ کو یہ واقعہ لکھا تو
انہوں نے تحریر فرمایا کہ بات تو صحیح معلوم ہوتی ہے مگر عرضیہ کہتے ہیں میرے دل میں آتا ہے
کہ ہو سکتا ہے حق تعالیٰ کو یہ منظور ہو کہ حضرت والا کے مبارک ہاتھوں سے یہ کام ہو
کچھ آثار بھی ایسے ہی نظر آ رہے ہیں۔

انا عند ظن عبدی بنی اللہم افعل بی ما انت لہ اہل ولا
تفعل بی ما انت لہ اہل۔

تحقیق۔ کیا عجب۔

جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کا حضرت مصلح الامۃ؎ سے ”عزم ملاقات“

(ایک مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامۃ؎ کے نام)

موسے آنے کے بعد یہاں پر کئی خطوط مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کے مکرری مولوی صاحب کے نام آئے اور آخری خط یہ آیا کہ ۱۶ جولائی ۱۹۷۱ء کی صبح کو میں مسو پہنچ رہا ہوں۔ آپ مسو میں ملیں تاکہ حضرت مولانا فتحپوری زید مجدہ سے باسانی ملاقات ہو سکے چنانچہ مولوی صاحب تاریخ مذکورہ پر وہاں رہے مگر وہ بجائے ۱۶ کے ۱۷ جولائی کو مسو پہنچے اور مدرسہ مفتاح العلوم میں گئے پھر وہاں سے حسب پروگرام مقامات موعودہ پر گئے۔ آخر میں ۲۰ جولائی کی صبح کو گورکھپور کے اسٹیشن پر وارد ہوئے بندہ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ میں تمام حالات کی اطلاع مفصل طور پر الہ آباد کرچکا ہوں انشاء اللہ اکتوبر کے آخر تک الہ آباد بغرض ملاقات حاضر ہونگا۔

ایک اور مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامۃ؎ کے نام
جناب قاری صاحب مدظلہ کا عزم ملاقات اور عرض ملاقات

جناب قاری صاحب نے ۱۶ جولائی ۱۹۷۱ء کو احقر کو مسو کے اسٹیشن پر بغرض روانگی فتحپور آنجناب والا شان کی خدمت میں ملاقات واستفادہ دین کے لئے ماقری کو لکھا کہ تمھاری موجودگی ضروری ہے۔

میں نے لکھا کہ حضرت مولانا مسو ہی میں تشریف فرما ہیں انھوں نے لکھا اور بہتر ہے پھر احقر نے لکھا کہ اب حضرت الہ آباد تشریف رکھتے ہیں لیکن احقر تاریخ مقررہ پر مسو میں حاضر رہیگا۔ قاری صاحب مدظلہ نے لکھا کہ میں بہار جا رہا ہوں تم گورکھپور میں ملنا احقر تاریخ مقررہ پر ملا۔ وہاں سے کھنؤ تک ساتھ ہو گیا۔ اثناء گفتگو میں بار بار اس مرتبہ

ملاقات نہ ہونے پر افسوس کرتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ میں بغرض استفادہ حاضر ہو رہا تھا پھر انشاء اللہ اکتوبر ۱۹۶۱ء تک کوئی صورت ہو جائے گی تم بھی ساتھ رہنا میں نے عرض کیا کہ اطلاع ملنے پر کوشش کر ڈنگا پھر لکھنؤ پہنچ کر دیوبند چلنے کا حکم دیا۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ کے یہاں حضور والا کا تذکرہ آیا انھوں نے بہت اچھے انداز میں حضرت کا تذکرہ فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی اہل زمانہ کی چالبازیوں اور منافقت سے عاجز ہو رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی مل جائے جس سے اپنی بات کہہ کر تسلی حاصل کر سکیں اور جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں انکی اصلاح کریں۔ ہر طرف نظر دوڑا رہے ہیں اچھی کوئی رائے قائم نہ کر سکے ہیں لیکن تلاش زوروں پر ہے۔ یہاں مجھے اس خط کا صرف اتنا ہی جزو مقصود نقل کرنا تھا کیونکہ اس کے آگے صاحب عریضہ کے اپنے ذاتی تاثرات اور حالات ہیں لیکن حضرت مصلح الامۃؑ نے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا جو تک ہم جیسے پڑھے لکھوں کے لئے وہ شمع راہ بنانے کے قابل ہے اس لئے اس خط کا بقیہ حصہ بھی نقل کرتا ہوں۔ انھوں نے لکھا کہ :-

حال۔ حضور والا بہت جگہ لوگوں سے ملنے ملائے کے بعد کیفیت یہ ہو رہی ہے کہ دین اور اخلاص کی تعلیم اور علمی زندگی نیز دینی ماحول صرف حضرت والا ہی کی مجلس کا حصہ ہے۔ ایسا تذکرہ بھی لوگ نہیں کرتے بلکہ باتیں اس طرح کرتے ہیں کہ ہماری قائم رہے اور اُس کو زوال نہ ہو اس لئے جی کہیں نہیں لگتا۔ نیز اور مجلسوں میں بزرگوں کے واقعات سننے میں آتے ہیں مگر ان سے جو دینی اُبھار ہونا چاہئے وہ کسی مجلس میں نہیں ملا۔ حضرت کی مجلس میں داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ کسل اور شرارت نفس کی وجہ سے علمی زندگی بعض وقت نہیں رہتی ہے لیکن علمی تو بہر حال باقی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ماضی کو محض اپنے فضل سے آپ سے ملا یا اسی طرح آپ کے حسبِ نشاء و کام پر لگ جانے کی توفیق بھی دیدے۔

حضرت مصلح الامۃؑ کا جواب

مولوی صاحب سنو! میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ آج کل

مولویوں کو ہمہ وقت حالات و واقعات چٹختے لگا رہے ہیں مگر یہ لوگ ایسے بھولے ہو گئے ہیں کہ ذرا بھی حس و حرکت ان میں پیدا نہیں ہوتی۔

عجب ہے کہ اب بھی بھولا پن نہیں جا رہا ہے۔ ذرا بھی سمجھ نہیں کھلتی۔ آخر یہ حال کب تک رہے گا۔ زیادہ تعجب تو آپ لوگوں سے ہے کہ بڑی بڑی جگہ آتے جاتے ہیں اور بڑے لوگوں سے گفتگو بھی کرتے ہیں مگر جب کوئی بات لکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سمجھ کر نہیں لکھ رہے ہیں۔

سنو! میں تم لوگوں کی دینداری کا متفقہ ہوں مگر سمجھ کی کمی دیکھتا ہوں اور میرا خیال بلا دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل سے ہے کہ فلاں جگہ سے آپ لوگ سن کر گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تیغ سے کام بھیجئے حالانکہ چند ہی روز کے بعد معلوم ہوا کہ آپ لوگوں نے جو سمجھا تھا وہ غلط تھا۔ جب میں وہاں گیا تو کچھ نہیں نکلا۔ بہر حال کچھ اپنی معرفت پیدا کر دو۔ زمانہ کے حالات کی معرفت اور اپنے شیخ کی معرفت پیدا کرو تو تمہارا کام بن جائے یہ تمہارے لئے بھی مفید ہو اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی مفید ہو۔ آجکل بھولے پن سے کام نہیں ہوگا۔ بہت زیادہ تیغ اور فہم کی ضرورت ہے۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم میں یہ چیزیں موجود ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں یہ چیزیں مفقود ہیں در نہ اب تک بہت نفع ہوا ہوتا۔ اس خط کو فلاں مولوی صاحب کو بھی دکھلا دیجئے۔ والسلام

ملاقات الہ آباد کے بعد حضرت قاری ضامن اللہ العالی کا مآثر

(ایک مولوی صاحب کا خط حضرت کے نام)

حال۔ میرے ذہن میں یہ امر راسخ ہو گیا کہ علماء اور مولویوں کے لئے یہ اسفار زیرِ ملاحظہ ہیں۔

تحقیق۔ یہ رسوم مبارک ہو کہ اسی کے رسوم سے حیات ہے اور یہ بابہ الحیات ہے۔

حال۔ چنانچہ ایک موقع پر جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے بندہ سے خود فرمایا کہ میرے ساتھ کی وجہ سے آپ کے کاموں میں بھی حرج واقع ہو رہا ہے۔ جناب قاری صاحب حضرت سے ملاقات کر کے جس قدر متاثر ہوئے ہیں وہ توقع سے زیادہ ہے۔ تحقیق۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

حال۔ اب خدا کرے وہاں پہنچ کر اس پر استقامت نصیب ہو۔ تحقیق۔ آمین

حال۔ بندہ نے اُن سے صاف طور سے سفر کے ختم کرنے کو ادباً نہیں کہا مگر حضرت کے ارشاد کو کئی بار گوش گزار کر دیا کہ آپ خالص تذکیر مدرسہ میں فرمائیں جو حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کے منج پر ہوا اس سے بڑے منافع تھوڑے ہیں آئینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

قاری صاحب مدظلہ کے دو خط اور حضرت اقدس کا جواب

(۱) سلام سون و نیا دسترون

اُس محترم سے رخصت ہو کر آباد اور لکھنؤ ہوتا ہوا بعافیت دیوبند پہنچا۔ ارادہ لے کر آیا تھا کہ آتے ہی بحیریت پہنچنے کا عریضہ ارسال کروں گا لیکن یہاں پہنچتے ہی اس مقدمہ کے سلسلہ میں غیر معمولی طور پر مصروف ہو جانا پڑا جو چند تخریج طلبہ نے مجلس شوریٰ مہتمم اور صدر مدرس پر دائر کر رکھا ہے اس لئے یہ عریضہ وقت سے ٹل گیا۔

اس مقدمہ میں دارالعلوم کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی جاوے۔ مولانا ظہور الحسن صاحب نے آنحضرم کا مفصل والا نامہ پہنچا یا جو تالیفی صورت کا تھا اور نہایت ہی قیمتی اور ضروری فصاحت پر مشتمل تھا۔ میں انشاء اللہ اتباع کروں گا۔ دعا کی ہر وقت ضرورت ہے۔

یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے آنحضرم کو غیبی توجہ سے اس تالائق کی طرف متوجہ فرمادیا۔ اپنے حالات اور ماحول کے واقعات کے لحاظ سے جی چاہتا تھا کہ اپنا کوئی مرجع ہو جس کی طرف رجوع کیا جاتا رہے۔ حق تعالیٰ کی غیبی امداد ہے کہ کنواں خود ہی پیاسے کے

پاس آگیا اور پانی بھی اتنا اوپر آگیا کہ ڈول رسی کی بھی ضرورت نہ رہی۔ نا الحمد للہ علی
ذک۔ گرامی ناجات اگر دستخط ہو کر آیا کریں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ وہ تبرک بھی ہوں اور سند
کا بھی کام دیں یوں جیسی مرضی سامی ہو۔ یہاں خیریت ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بجائیت
ہوگا۔ والسلام

محمد طیب غفرلہ از دارالعلوم دیوبند

۲۵ ۳۱ ۱۴۰۵ھ

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مکتوب محبوب القلوب عین انتظار میں شرف صدور لایا۔ الحمد للہ کہ میرا مکتوب آپ کو
مل گیا اور آپ کو پسند ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو عمل کی توفیق بخشے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے
اپنے بندوں کے کام کی سبیل فرماتے رہتے ہیں وما ذلک علی اللہ بعزیز انشاء اللہ تعالیٰ اب
ہر خط و دستخط کے ساتھ جایا کرے گا اور مولانا طور الحسن صاحب کو لکھ دیا ہے کہ اوروں پر بھی
میرے دستخط کر دیں۔ الحمد للہ بخیریت ہوں اللہ تعالیٰ جناب عالی کو بھی بخیریت رکھے۔

والسلام وصی اللہ عفی عنہ

ادائل ربیع ۲ ۱۴۰۵ھ

حضرت مخدوم و محترم زیدت فضا ملک

(۲)

بعد سلام سنون عرض ہے۔ ارادہ کر رہا تھا کہ عریضہ ارسال کروں۔ مگر
اس دوران میں ملک اور مدرسہ ایسے غیر معمولی حالات پیش آئے کہ وہ ایک مستقل ابتلاء
بن گیا اور تاحال جاری ہے۔ اخبارات سے کچھ اندازہ فرمایا ہوگا۔ اتراؤں کی حاضری سے
مجھے الحمد للہ کافی نفع پہونچا اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و محبت کی یاد تازہ
ہو گئی اور اپنی باطنی حالت میں گو نہ تازگی محسوس ہونے لگی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

(باقی آئندہ)

حالات - مصلح الامم

(گزشتہ سے پیوستہ)

دارالعلوم کے حالات کے بارے میں البتہ میں پُر امید نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ قلب کا ضعف ہو یا قلب کا خلق رخ ہو یا چالیس سالہ تجربات کا قائم شدہ اثر ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو امید کی جھلک سامنے نہیں آتی۔ عمل کا درجہ بہر حال قائم ہے۔ مگر ایسا ہی جیسا کہ کسی شخص کے سر پر کسی نے بوجھا لاد دیا ہو اور وہ خواہی خواہی اُسے گھسیٹتا ہوا لیجا رہا ہو، جا رہا ہے آگے کو اور دل کا رخ ہے پیچھے کو جو منزل چھوٹ گئی ہے نظر اُس پر ہے اور آگے منزل کا نشان نہیں جو محسوس ہوتا ہو یوں کام بہر حال چل رہا ہے جب تک بھی مقدر ہے۔ بظاہر اسباب اگر اوپر کے ذمہ دار چلنے کے لئے قوت بھی فراہم کر دیں تو برسہا برس سے راستہ میں کلنٹے اور نشیب و فرازا تنے پیدا کر دئے گئے ہیں کہ وہ قوت کا رآمد نظر نہیں آ رہی ہے۔ فتن ظاہرہ و باطنہ گویا جڑ پکڑ چکے ہیں۔ اپنا کھوٹ ظاہر کر رہا ہوں۔ چونکہ ہے اسلئے اسے عرض کیا جا رہا ہے کوئی حاضری کا موقع ملے تو تفصیل زبانی ہی عرض کی جاسکتی ہے۔ بہت خوشی تھی کہ ۲۷ اکتوبر سلاطین کو ادا آباد حاضری ہوگی لیکن حالات ایسے پیش آ رہے ہیں کہ خدا ہی کرے جو حاضری ہو۔ ایک بار تو مولانا ابوالحسن حیدری صاحب کو معذرت نامہ بھی لکھ دیا تھا مگر انھوں نے پھر غیر معمولی طور پر تقاضا فرمایا تو پھر وعدہ کر لیا ہے کہ حالات قبضہ کے نہیں ہیں اس لئے خدا ہی کے علم میں ہے کہ یہ سفر ہوگا یا نہیں۔ عجیب شش و پنج میں ہوں۔ اس وقت خصوصیت سے دعا کی درخواست ہے۔

والسلام -

محمد طیب از دیوبند

۲۹ ربیع ۲ ۱۳۹۳ھ

دیوبند کا اراک۱۵ فرمایا جائے!

حضرت مصلح الامم سے جناب مہتمم صاحب ظلہ العالی کی استدعا
حضرت العظم المحترم دامت برکاتہم

سلام سنون نیاز مقدون - الحمد للہ بجائیت رہ کر مدعی خیریت مزاج گرامی ہوں۔ کل

اعظم گڈھ پہونچا جس اتفاق ہے کہ دل کی خواہش کے مطابق آج محترم مولنا وصی الدین صاحب بھی تشریف لائے اور اُن سے بھی ملاقات ہو گئی انہیں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت علی گڈھ تشریف لیجا رہے ہیں۔ دیوبند وہاں سے زیادہ دور نہیں رہتا جی چاہتا ہے کہ علی گڈھ سے واپسی دیوبند ہوتے ہوئے ہو۔ عرصہ ہو گیا آپ کو تشریف لائے ہوئے۔ استدعا ہے کہ علی گڈھ سے دیوبند کا ارادہ فرمایا جاوے۔ در صورت قبولیت درخواست احقر کو ذریعہ تار مطلع فرمایا جاوے تاکہ میں وہاں حاضر رہوں اگر ریل سے کچھ دشواری محسوس کی جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ میں کار لیکر خود ہی آجاؤں۔ زائد حضرات ریل سے پہونچ جائیں۔

میں اس سفر سے ۲۵ فروری ۱۳۹۳ھ کو انشاء اللہ دیوبند پہونچ جاؤں گا۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہی پانچ چھ دن آنحضرت کے قیام علی گڈھ کے بھی ہونگے اُمید ہے کہ یہ درخواست قبول فرمائی جاوے گی۔ یوں بھی جناب پر دارِ علوم کا بہرہ نفع حق ہے۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی بجا نیت ہوگا۔ دعا کا مستدعی ہوں۔

والسلام

محمد طیب

۵ ارشوال ۱۳۹۳ھ۔ اعظم گڈھ

حضرت مصلح الامۃ کا جواب

عدم حاضری کے وجوہ

جنتی و محبی دام مجدکم و زاد برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
محبت نامہ بدست مولوی وصی الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مل کر کاشف حالات و موجب سرور و انبساط ہوا۔ الحمد للہ بخیریت ہوں سفر علی گڈھ کے لئے وعدہ کر چکا ہوں آپ کو جو خبر ملی ہے صحیح ہے۔ کل ۸ ارشوال ۱۳۹۳ھ یکشنبہ شام کی گاڑی سے انشاء اللہ روانگی ہوگی حاضری دیوبند کے متعلق جناب کا دعوت نامہ سر آنکھوں پر اُس کے لئے دیدہ و بدل فرش راہ اس لئے کہ ۵

سایہ معشوق گرفتار برعاشق چہ شد

ما باو محتاج بودیم او بمباشاق بود

اور وہاں نور دہانی حاضری بہت پہلے سے ہے اور اب تو زیادہ تر وہیں حاضری رہتا ہوں مگر جسمانی حاضری سے اب تک جو قاصر رہا تو اس کے کچھ وجوہ ہیں۔ بڑی وجہ یہ ہے کہ وہاں تو آپ خود ہی موجود ہیں آپ کے ہوتے ہوئے پھر اور کسی کی ضرورت ہی کیسا ہے یوں میں مدرسہ کا اور خاص کر آپ کے گھرانے کا تو غلام ہی ہوں میرے لئے وہاں کی جسمانی حاضری تو سعادت ہی ہے مگر بات یہ ہے کہ سفر وغیرہ کہیں کا نہیں کرتا اس لئے کہ ایک جگہ جم کر جو کام ہوتا ہے وہ ادھر ادھر آنے جانے سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی تو جما جمایا کام بھی خراب ہو جاتا ہے تاہم اگر کہیں جانا ہوتا بھی ہے تو اُسی وقت جب کہ وہاں کے لوگ پہلے سے کام پر لگ جاتے ہیں اور احباب کی ایک جماعت کام کرنے والی تیار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سفر بمبئی بھی اسی لئے پیش آیا کہ وہاں لوگوں نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ کام کرنے کا وعدہ بھی کیا اور وہاں جانے پر مزید نفع کا یقین دلایا چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا لوگوں کے جذبات جو مشاہدہ میں آئے وہ توقع سے کہیں زیادہ تھے اور الحمد للہ کام بھی ہوا۔

اسی طرح سے علیگڑھ کا معاملہ ہوا کہ تقریباً ایک سال سے وہاں کے لوگ بلا رہے ہیں میں برابر انتظار کرتا رہا اور یہی کہتا تھا کہ وہاں تو حضرات علماء پہنچتے ہی رہتے ہیں میری کیا ضرورت ہے کام تو ہو ہی رہا ہے اور مقصود کام ہی ہے نہ کہ نام۔ لیکن لوگوں نے کام کرنا شروع کر دیا اور باور کرایا کہ لوگ بہت ہی زیادہ طالب اور شائق ہیں اس لئے میں نے بھی بالآخر وعدہ کر لیا۔

آپ کے یہاں سے پہلے اور حضرات نے بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ میں وہاں آؤں لیکن میں نے یہ چاہا کہ پہلے وہاں بھی کچھ کام ہو لے پھر کوئی ارادہ کیا جائے چنانچہ اب سننے میں آ رہا ہے کہ الحمد للہ وہاں کے بھی حالات بدل رہے ہیں اور آپ کی برکات کا ظہور ہو رہا ہے۔ اسی چیز کے اور بڑھنے کا منتظر تھا یہی مصلحت تھی جس کی بناء پر جلد آنے پر راضی نہ تھا آپ سے زیادہ ان امور کو اور کون سمجھ سکتا ہے لہذا اگر میری یہ مصلحت معقول ہو اور میرا یہ عذر

عندکرام الناس مقبول ہو تو کچھ مدت کے لئے اور وہاں کے سفر کو مؤخر رکھا جا دے کہ شاید یہی امر مقصود سفر کے لئے انسب النفع ہو۔ یوں مدرسہ دیوبند سے اپنا قلبی تعلق اور درجناب والا کی غلامی کا تقاضا تو یہی ہے کہ ع

بندہ رافسراں نباشد ہرچہ فرمائی برآتم
اصل یہ ہے کہ محض جذبات کے رد میں کام کرنا پسند نہیں ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ جو کام ہو ٹھوس اور مستحکم ہو اور ظاہر ہے کہ بائیدار کام آہستہ ہی آہستہ ہوتا ہے۔ بہر حال آپ کے سامنے سب حالات ہیں اب اس کے بعد

من بگویم کہ ایں مکن آں مکن مصلحت بین دکار آساں مکن
والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ
۱۲ اشوال ۱۳۲۷ھ

خط بالا کے متعلق حضرت مہتمم صاحبہ کا جواب (معذرت سے مسرت)

حضرت المعظم المحترم دامت برکاتکم۔ سلام مستون نیاز مقدون
مکومت نامہ باعث شرف ہوا جسے مولانا وصی الدین صاحب لیکر پہنچے آنحضرم نے
سرمدت دیوبند کی تشریف آوری جن مقاصد کی تکمیل پر متعلق فرمایا ہے واقعی وہ انتہائی
مصلحت کی بات ہے تشریف آوری کے وعدہ سے جتنی خوشی ہوئی اتنی ہی اس معذرت
سے ہوئی حق تعالیٰ وہ وقت لائے کہ فضا بالکل ہموار ہو جائے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت دین
خالص حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہی نسبت میں مل رہا ہے ورنہ خلط ہو چکا ہے اس لئے جوں
جوں یہ سلسلہ آنحضرم کے فدیہ پھیل رہا ہے وہ بیحد خوشی و مسرت کا سامان ہوتا ہے۔
احقر نے ارادہ کیا تھا کہ یہاں سے دیوبند کی واپسی میں میں خود علیگڑھ میں اتر جاؤں
اور اسکا نظام عمل بنالیا تھا۔ مولانا وصی الدین صاحب کو بھی اسی لئے روک لیا تھا کہ انہی
معت میں اترتا ہوا دیوبند پہنچوں لیکن کل ہی سے شاہ گنج سے بخار شروع ہو گیا اور نزلہ

کی شدت ہو گئی اس حالت میں اگر میں علی گڑھ اتر اور بارہ گھنٹہ میں وہاں سے واپسی ہوئی تو شب کے دو بجے دیوبند پہنچنا ہوگا اُس سے تکلیف میں شدت کا اندیشہ بلکہ ظن غالب ہے اس لئے اس عمر میں پر قناعت کر لینی چڑی کہ اس وقت کی حاضری کو پھر کسی دوسرے وقت پر رکھوں۔ اُمید ہے کہ مزاج اقدس بجائیت ہوگا۔ دعاؤں کا محتاج اندہ ملتجی ہوں۔

والسلام

محمد طیب شوال ۱۳۹۲ھ

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی استدعا تشریف آوری دیوبند حضرت مصلح الامۃؑ نے جو جواب مرحمت فرمایا۔ ناظرین کرام کو اس کے مطالعہ سے خود ہی اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت والا میں تواضع تادب اکابر اور حرم و احتیاط کس قدر موجود تھی، محض جوش اور جذبہ سے کبھی کوئی کام اور کسی امر پر اقدام نہ فرماتے بلکہ ہر معاملہ میں نفع و ضرر کو اچھی طرح سے تولتے اور ضرورت و عدم ضرورت میں خوب موازنہ فرماتے اور جب کامل الشراح اور شرعی ضرورت ہی پیش نظر ہو جاتی اور بصیرت کے ساتھ اُس کام کے کرنے کو مفید سمجھ لیتے تھے تب ہی اس کو عمل میں لاتے تھے۔

یہی صورت حال سفر دیوبند کے سلسلہ میں بھی پیش آئی چنانچہ حضرت علامہؒ کی خواہش، حضرت مہتمم صاحب کی درخواست اور دیگر خدام کے اشتیاق کے باوجود اپنے فی الحال سفر کے موافق سے جناب مہتمم صاحب مدظلہ کو مطلع فرمایا۔ چنانچہ عذر چونکہ معقول تھا حضرت قاری صاحب مدظلہ نے اس معذرت پر بھی اپنی غرضی کا اظہار فرمایا اور اب اس کے بعد سے بہت دنوں تک حضرت مہتمم صاحب کا حضرت کی دیوبند تشریف آوری کے متعلق کوئی تحریر یا پیام نہیں آیا۔

لیکن اور حضرات جن پر حضرت کا یہ عذر اب تک مخفی تھا اور وہ بھی اپنی محبت

اور عقیدت کی وجہ سے حضرت کی تشریف آوری کے لئے مشتاق اور بچپن تھے وہ اپنے اسی جذبہ کے پیش نظر حضرت کو برابر اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہے۔ چنانچہ علیگڑھ کے سفر سے جب حضرت والاؒ آباد واپس ہوئے تو ایک مولوی صاحب کا خط دیوبند سے آیا جو علیگڑھ بھی حضرت کی خدمت میں آچکے تھے اور وہاں کا منظر یعنی طلبہ کا تاثر اور تاذب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ دھو ہذا

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح اللہ کے نام
(علیگڑھ کے تاثرات اور اہل دیوبند کے حالات جذبات)

او آخر فروری ۱۳۵۵ھ شوال ۱۳۸۴ھ

حال۔ حضرت علامہ مدظلہ سے علی گڑھ کی مفصل رپورٹ سامنے رکھدی بہت مسرور ہوئے
تحقیق۔ الحمد للہ۔

حال۔ اور فرما رہے تھے کہ جلد ہی ایک تفصیلی خط حضرت کی خدمت میں روانہ کرنا ہے اور
یہاں کی زمین ہموار ہو چکی ہے۔

تحقیق۔ الحمد للہ۔

حال۔ اب حضرت کا تشریف لانا رائیگاں نہ ہوگا۔

حضرت مدنی کے داماد مولوی رشید الدین صاحب سے ملاقات ہوئی اپنی ملاقات
اور تاثر کا ذکر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ دیوبند میں انکا فیض عام ہونا چاہئے
اور اب مدرسہ کو بنیان مدرسہ کی خواہشات کے مطابق کرنے کا وقت آگیا ہے۔

تحقیق۔ الحمد للہ۔

حال۔ اور بغیر حضرت والا جیسے روحانی آدمی کے یہاں کی کاپی لپٹنا سخت مشکل ہے۔
تحقیق۔ اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔

عرض مرتب :-

حضرت والا نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو تو تحریر فرمادیا تھا کہ ابھی وہاں کے حالات کا انتظار ہے۔ لیکن قاری صاحب مدظلہ کی درخواست کا چرچا کچھ اس تیزی سے پھیلا کہ گویا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت والا بس دیوبند تشریف لانا ہی چاہتے ہیں اور یہ سب سے غلط ہو ایسا بھی نہ تھا اس لئے کہ حضرت والا کے متنبین بالخصوص حضرت علامہ بھی تشریف آوری کے بعد مشتاق تھے ہی، اپنے اس قلبی شوق سے ان حضرات نے جب مدرسہ دیوبند کا جائزہ لیا تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ طلبہ اور مدرسین اور اراکین و منتظمین تو کیا مدرسہ کے در اور دیوار دیدار والا کے لئے سراپا انتظار میں۔

چنانچہ یہ حضرات اس فضا سے اور یہاں کے حالات سے حضرت کو مطلع بھی فرماتے رہے اور اپنے طور پر بھی اظہار تمنا کرتے رہے۔ لہذا جب طلبہ کے مشتاق دیدہ ہونے، اساتذہ کے شوق زیارت، اور ارباب اہتمام کی درخواست و دعوت وغیرہ کا علم حضرت والا کو ہوا تو خیال فرمایا کہ وہاں طلب مطلوبہ تو پیدا ہو گئی ہے اور اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی لہذا شاید دیوبند جانا ہی پڑے۔ اس لئے ایک مولوی صاحب کے دریافت حال پر یہ جواب مرحمت فرمایا۔

شاید دیوبند جانا ہی پڑے !

مذہ اس ایک مولوی صاحب کے خط کے جواب میں حضرت والا کا
اظہار خیال

حال۔ ایک مولوی صاحب نے اپنی لکھی ہوئی ایک کتاب ہدیۃ احقر کو دی۔ باتیں تو اچھی ہی ہیں لیکن ان ابھی باتوں سے بھی کوئی فیض نہیں ہوتا۔ احقر کو حضرت والا کی جوتیوں

کے صدقہ صاف محسوس ہوا کہ ہم جیسوں کی تصنیفین اور درس و تدریس و وعظ و نصیحت بس سب کچھ برائے نام ہی ہے تا وقتیکہ قلب سے بد اخلاقیات دور نہ ہو جائیں اور اخلاص پیدا نہ ہو جائے اور اہل اللہ کی صحبت سے نور باطن قلب میں پیدا نہ ہو جائے کوئی دینی خدمت شمر نہیں ہوتی بلکہ جبط اعمال ہم و ہم یکسب و انہم یکسبون صنعا ہی کی مصداق رہتی ہے۔

حضرت والا اس تحریر سے یہ حال پیش کرنا ہے کہ گو سمجھتا ہوں کہ ساری دنیا ایک ہی طرف کہاں آجاتی نیز دل کو سمجھاتا ہوں کہ مجھے دوسروں کی کیا پڑی ہے اپنی فکر کرنا ہم بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اے کاش کہ یہ دینی خدمات کے متوالے بالخصوص علماء و مشائخ حضرت والا کے انفاس قدسیہ اور ملفوظات اور تصانیف سے استفادہ کرنے کی طرف مائل ہو جاتے۔ ویسے دل میں یہی بات آتی ہے کہ اب حضرت والا کی تعلیمات خوب خوب پھیلیں گی۔ منجانب اللہ اس کا سامان ہو رہی رہا ہے۔ رسالہ معرفت حق اور حضرت والا کے اسفار اس پر شاہد ہیں۔ الحمد للہ معرفت حق جب سے نکلتا شروع ہوا ہے ہر سال اس کے سامنے ماند ہو گیا ہے۔

حضرت والا! اس ناکارہ کے حق میں دعا فرمادیں کہ جلد از جلد حضرت والا کی خدمت میں پہنچ کر کامل استفادہ کر سکوں۔ قلب سے تمام امراض دور ہو جائیں کامل اخلاص پر نسبت باطنی تمارہ حاصل ہو جائے حق تعالیٰ کی کامل رضامندی حاصل ہو جائے اور وقت یرخاتمہ کامل ایمان یر ہو جائے۔

تحقیق۔ آپ نے صبح سمجھا غلط ہی کی بات میں اثر ہوتا ہے آپ نے جس بصیرت کا ذکر کیا ہے ٹھیک ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من لیشاء۔

آپ کے قلب میں جو بات آ رہی ہے الحمد للہ اس کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں۔
 بمبئی کے بعد احباب کی درخواست اور اصرار پر علیگڑھ جانا ہوا تھا۔ فروری ۱۹۶۵ء کا
 آخری ہفتہ وہاں ہی گزرا۔ الحمد للہ کہ بڑے اچھے نتائج سامنے آئے۔ ہر طبقہ کے
 لوگوں نے نفع محسوس کیا۔ بعد میں آنے والے خطوط سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے بہت

اثر لیا۔ اب اس کے بند دیوبند کے حضرات نے بھی پیشکش کی ہے۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب تو بہت دُوز سے خواہشمند ہیں اب قاری صاحب نے بھی بڑے اصرار سے بلایا ہے۔ اب تک توصات انکار کرتا رہا مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جانا ہی پڑے۔

میں نے اور کچھ نہیں کیا صرف اتنا کیا ہے کہ اصلاح کے سلسلہ میں کتاب و سنت کو پیش کر رہا ہوں۔ اخلاص سکھاتا ہوں اور قوم کا جو فرض ہے انکو سمجھا رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو اور بحث اللہ تعالیٰ ہی کو پسند ہے ان کے ہی اختیار میں ہے جہاں جہاں بھی اس کو بہو نچادیں۔ والسلام

(غالباً پانچ) ۶۵

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت والاؒ کے عذر فرمادینے پر حضرت ہتم صاحب مدظلہؒ تو بالکل ہی خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ حضرت کا عذر اور عدم سفر کے دجہ بالکل صحیح ہیں لیکن اور حضرات اس سلسلہ میں برابر کوشاں رہے اور حضرت کے سفر دیوبند کے متعلق باہم لوگوں میں چرچے بھی ہوتے رہے۔ اس درمیان میں بہت سے مخلصین نے حضرت والاؒ کو اطمینان دلایا کہ مدرسہ کے حالات اب بہت کچھ سدھر گئے ہیں اور دیوبند اور اطراف دیوبند کو حضرت کی زیارت کا اشتیاق اور تشریف برسی کا شدید انتظار ہے۔ ان حالات کی بنا پر حضرت والاؒ نے بھی کچھ ارادہ فرمایا ہوگا جس کی اطلاع حضرت قاری صاحب مدظلہؒ کو بھی ہوتی تھی چنانچہ یہ خیال فرما کر کہ اب حضرت سفر کے لئے تیار معلوم ہوتے ہیں۔ جناب مہتمم صاحب مدظلہؒ نے رابطہ کی تحریر کے ایک عرصہ کے بعد باقاعدہ ٹاپ شدہ عریضہ ضابطہ کے ساتھ دفتر مدرسہ سے ارسال فرمایا۔ جو کہ گویا مدرسہ دارالعلوم کی جانب سے دعوت نامہ تھا۔ دھو ہذا ۲

دارالعلوم دیوبند (ہند)

الحمد لله ونصلي على رسولہ الكريم

حضرت المخدم المعظم زیدت معالیکم

سلام مسنون نیاز مقرون، مزاج گرامی، الحمد للہ بعانیت رہ کر متدعی غیریت مزاج سامی ہوں۔ عرصہ سے آرزو ہے کہ آنحضرت دارالعلوم میں تشریف فرما ہوں۔ یہ اشتیاق الحمد للہ روز بروز ترقی پذیر ہے۔ جگہ آپ کی ہے اور آپ کے بزرگوں کی ہے اُن حضرات کی آمد خواہ از خود ہوتی تھی یا بیاں کی دعوت پر کافی اُسنگ و اشتیاق کے ساتھ ہوتی تھی اور بلانے والوں سے زیادہ آنے والوں میں شوق آمد محسوس ہوتا تھا۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ بار بار مجھ سے فرماتے کہ میرے موانع سفر دفع ہو گئے تو سب سے پہلا سفر دیوبند کا کرونگا، ان حضرات کے قدم کے مبارک اثرات سے یہاں کی فضا کی نورانیت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ آج اُن حضرات کے جانشینوں سے بھی یہی توقعات وابستہ ہیں، پچھلے دنوں فضا میں کچھ کمزوری مل گئی تھیں جس سے نقصان پہنچا لیکن ساتھ ہی اصلاحی جدوجہد بھی جاری رہی۔ پانچ چھ سال کے عرصہ میں الحمد للہ کافی فرق نمایاں ہوا ہے۔ میرا یقین ہے کہ آنحضرت کی تشریف آوری سے یہ صفائی جلا، کی صورت اختیار کر لے گی۔

میرے خیال میں اپریل کا مہینہ سفر کے لئے موزوں رہے گا۔ میں نے اسی لئے عید قرباں کے بعد سے اٹھارہ انیس ذی الحجہ تک کوئی پروگرام نہیں رکھا تا کہ ان مبارک ایام میں انفاس طیبہ سے دیوبند میں مستفید ہو سکوں۔

امید ہے کہ یہ استدعا شرف قبول حاصل کریگی اور جواب گرامی مزیدہ تشریف آوری کی صورت میں نمایاں ہوگا، زیادہ احترامات۔

محمد طیب ۱۱/۸/۸۷ھ

مستتم دارالعلوم - دیوبند

(باقی آئندہ)

حالات مصلیٰ الایمان

اس دعوت نامہ کا تحریری جواب حضرت کی جانب سے کیا گیا۔ راقم کو رجسٹر نقل خطوط نیز دیگر کاغذات میں اس کی کوئی نقل تو نہ مل سکی تاہم بعض خطوط کے مضمون سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت کے یہاں سے اس سلسلہ میں کوئی جوابی تحریر بھی گئی۔ بہر حال اس درمیان حضرت مہتمم صاحب کا ایک اور خط حضرت دالائے نام آیا اور حضرت نے اس کا جواب بھی مرحمت فرمایا۔ جو کہ ہدیہ ناظرین ہے۔

جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کا ایک اور خط

حضرت الخطم المحترم دامت برکاتکم
سلام منون نیاز مقرر دن۔

کل جناب حکیم محمد عمر صاحب طیب دارالعلوم دیوبند اور مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند الہ آباد سے دیوبند پہنچے پھر آنحضرت کا ہدیہ خلوص و محبت پہنچا۔ اس ہدیہ موقرہ نے کام و دہن کو بھی حلاوت بخشی اور دل و دماغ کی حلاوت کا بھی سامان میا فرمایا جس کا مخلصانہ شکر عرض کرتا ہوں۔ اس ہدیہ مبارک کی روح آنحضرت کی قہر اور عنایت ہے جو میرے لئے عین سعادت ہے اور میں ہر وقت اس کا محتاج ہوں دونوں موصوفین سے مجلس مبارک کے احوال سن کر غیر معمولی خوشی اور مسرت ہوئی جس کا اندازہ اور مشاہدہ تو بحمد اللہ پہلے ہی سے ہے اور اس کی وجہ سے خوشی اور مسرت بھی پہلے ہی سے ہے۔ اس خبر نے اس میں مزید اضافے کر دیئے حق تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو قائم و دائم فرمائے۔ اپنے حق میں دعاؤں کا خواستگار ہوں۔ عزیزم مولوی محمد سالم اور مولوی محمد اسلم سلمہا سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام
محمد طیب غفرلہ

حضرت مصلح الائمہ کا جواب

کرم بندہ جناب قادری صاحب دام مجید کم

السّلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

ہدیہ مسئلہ تو خیر کچھ ایسا نہ تھا بہر حال آپ کو اس سے جو خوشی ہوئی اُس سے مجھے بھی بڑی مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی علادت نصیب فرمائے (آمین)

جی ہاں مولوی ارشاد احمد صاحب سلمہ اور حکیم محمد عمر صاحب سلمہ یہاں سے خوش تو بہت گئے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ حضرات محبت فرماتے ہیں اور مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس محبت کو بڑھائیں اور مجھے آپ حضرات کے حسن ظن کے مطابق کر دیں۔ میرے لئے صحت اور قوت کی دعا فرمائیں تاکہ کچھ کام کر سکوں۔ آپ کے لئے مدرسہ کے لئے اور عزیزان محترم مولوی سالم اور مولوی اسلم سلمہ اللہ تعالیٰ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

والسلام خیر ختم
وصی اللہ عفی عنہ

”پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مولوی ارشاد احمد صاحب دیوبند سے تشریف لائے اور سفر کے متعلق حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو رہی۔ چنانچہ دیوبند پہنچ کر انھوں نے حضرت مہتمم صاحب مظلہ نیز حضرت علامہ بلیا دی سے حضرت دالاک تیار می اور ارادہ سفر کا تذکرہ فرمایا۔ اس پر حضرت علامہ کا حسب ذیل گرامی نامہ حضرت دالاک کے نام آیا۔ اور حضرت علامہ کے اُن بعض مکاتیب میں سے ایک مکتوب یہ بھی ہے جو خود حضرت علامہ اور حضرت مصلح الائمہ کے بیان میں نقل نہیں ہوا۔ بلکہ حالات دیوبند سے مناسبت کی وجہ سے یہاں درج ہوا۔ حضرت علامہ کا مکتوب گرامی یہ آیا:-

ارادہ سفر معلوم ہونے پر حضرت علامہ کی دلی مسرت !

(حضرت مصلح الامۃ کے نام خط)

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزاج گرامی !

اس سے قبل حضرت والا کی خدمت میں دو عریضے ارسال کر چکا ہوں امید کہ باریاب خدمت ہوئے ہونگے۔ مزید یہ کہ مولوی ارشاد احمد سلمہ سے حضرت والا کے ارادہ سفر کا حال معلوم کر کے بید مسرت ہوئی اور اکابر کی تشریف آوری کے حالات و سماں آنکھوں میں پھر گئے اس سے پہلے بھی علی گڑھ میں بالمشافہ اور اب باقاعدہ دعوت نامہ حضرت ہتھم صاحب مدظلہ نے مدرسہ کی طرف سے آنحضرت کو روانہ کر دیا ہے امید کہ حضرت والا اسے ثمر قبولیت بخشیں گے۔ ہمارے اسلاف کی تشریف آوری دیوبند کا مقصد مدرسہ کو اپنے وجود کے برکات سے نوازنا اور اپنے متوسلین کی مشکلات میں ہاتھ بٹانے کی طرف متوجہ کرنا ہوتا تھا تاکہ ایک طرف مدرسہ جو حضرت حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق "ہزاروں راتیں اللہ کے نیک بندوں نے گڑ گڑا کر دعائیں کیں جس کے نتیجہ میں یہ دارالعلوم اسلام مسلمانوں اور علم دین کے مفاد کے لئے وسیلہ بنا کر خدائے تعالیٰ نے دیوبند میں قائم فرمایا" وہ برابر ترقی کرتا رہے اور دوسرے یہاں کے علماء و طلباء ان اکابر کی روحانیت سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہی مدرسہ میں تشریف لاتے اور مدرسہ ہی کے مہمان ہوتے اپنے گرامی وجود سے نوازتے دعا فرماتے۔

اسی طرح حضرت عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا بھی دستور تھا اور آخر میں حضرت تھانویؒ کی تشریف آوری و توجہات مدرسہ کے استحکام کا باعث ہوتی۔ اس دور میں حضرت والا کے سوا کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی جس کی دعائے جود کی برکت سے مدرسہ میں روحانیت تازہ ہو جائے اور جو ضعف محسوس ہو رہا ہے اُس کی ملانی ہو جائے۔

مجھے حضرت والا کا ارادہ سفر بہت بڑی خوش نصیبی اور سعادت سمجھ میں آتی ہے اور

اس بات کا یقین پختہ تر ہوتا جا رہا ہے کہ اولیاء اُمت بالخصوص حضرت والا دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ و استحکام کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں۔

میری خواہش پہلے سے یہ تھی اور اب بھی ہے کہ حضرت والا کی مہمانی کی خدمت میں بجالاؤں مگر اکابر و اسلاف کا انداز تشریف آوری ادھر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے میلان کے بڑھ جانے کی وجہ سے حضرت کا مدرسہ ہی میں قیام فرمانا بہتر سمجھتا ہوں البتہ اس بات کا پورا لحاظ رکھوں گا کہ حضرت والا کے اوقات کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ دعوات صالحہ و توجہات عالیہ کا محتاج ہوں۔

محمد ابراہیم

حضرت مصلح اللہ کے نام ایک اور مولوی صاحب کا خط

(اپریل میں تشریف آوری (دیوبند) کے لئے)
سب چشم براہ ہیں!

دیوبند تھوڑی دیر قیام کا موقع ہوا حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ سے مختصر ملاقات ہوئی قیام اور طعام کا اصرار رہا لیکن موقع نہ تھا۔ بعض طلباء سے ملاقات ہوئی انھوں نے بتایا کہ اساتذہ اور طلباء میں بہت تڑپ پائی جا رہی ہے۔

اپریل میں تشریف آوری کا وعدہ فرمایا ہے اور علیگڑھ سے اس وقت تشریف آوری کی درخواست معقول عذر کی وجہ سے قبول نہیں ہوئی۔ اپریل کی تشریف آوری کے لئے سب چشم براہ ہیں۔ یہاں پہنچ کر آج مجھے یہ خوشخبری براہ راست مل گئی۔ تھا نہ بھون کے اصرار کے لئے میرا پہلے سے ارادہ نہ تھا گو بعض احباب کی طرف سے علیگڑھ ہی درخواست کرنے کا ارادہ تھا۔

بہر حال حسب ہدایت عملدرآمد ہوگا۔

والسلام ظہورِ محسن۔ از تھا نہ بھون
ماہیچ ۳۵

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مدظلہ العالی نے کس خوبصورتی کے ساتھ حراج والا کی کمال رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے خط کے آخری جملہ میں عرض مدعا کر ہی دیا یعنی جس طرح سے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی غنیگدھ تشریف بری کے موقع پر فرمایا تھا کہ حضرت دیوبند وہاں سے رہا ہی کتنی دور جاتا ہے اسی سفر میں دیوبند کا بھی قصد فرمایا جائے۔ اسی طرح سے مولانا کسولوی مدظلہ نے بھی اپنے احباب کی قلبی خواہش کا اظہار دے لفظوں میں بیان فرمایا مقصد گویا یہی تھا کہ حضرت والا دیوبند تشریف لانے والے ہیں تو وہاں سے تھانہ بھون بھی دہریہ کیا رہ جاتا ہے اس طور پر گویا مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ العالی نے حضرت کو دعوت تھانہ بھون بھی دیدی۔

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ العالی نے اپنی محبت اور اپنے صحیح جذبہ کا اظہار فرمایا لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں ہم خدام سے یہ فرماتے تھے کہ بھائی! لوگ سمجھتے نہیں مجھے تھانہ بھون بلانا چاہتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ وہ میرے شیخ کی جگہ ہے میں اگر وہاں گیا بھی تو بھلا وہاں کچھ بول بھی سکوں گا میں تو وہاں پہنچ کر بالکل ہی خاموش ہو جاؤں گا۔ اور جس طرح سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں رہا کرتا تھا اسی طرح سے خالقہاء میں قیام کر دینگا۔ اور جب کچھ بولوں گا نہیں تو لوگوں کو کیا نفع ہوگا۔ پھر ایسے شخص کو وہاں بلانے سے فائدہ؟

بہر حال یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ایک حال تھا اور اس میں شک نہیں کہ غایت ادب و تواضع سے ناشی ایک قلبی کیفیت تھی کہ شیخ اور مقتدا ہونے کے بعد بھی اپنے شیخ کی حیات میں نہیں بلکہ شیخ کے بعد اپنے شیخ کی جگہ کا اس درجہ تاؤدب و احترام ملحوظ رکھا اور اپنے وہاں قیام سابق کا تصور غالب کر کے زمانہ حال میں بھی اُسی طرح حال ماضی کے ساتھ متصف رہے۔ بلاشبہ یہ احترام و عظمت شیخ کا وہ مرتبہ ہے جو کسی ہی کسی کو عطا ہوتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی

سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت بشر حافی کو حافی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ اس کی ایک وجہ تو حضرت مولانا تھانوی سے یہی کہ اُن کے قلب پر ادب الہی کا ایک خاص حال طاری تھا فرماتے تھے کہ زمین خدا کا بچھایا ہوا فرش ہے اور مالک کے بچھائے ہوئے فرش پر غلام کے لئے جو تاپن کر چلنا بے ادبی ہے اور دوسری ایک وجہ کسی کتاب میں یہ دیکھی کہ حضرت بشر حافی نے جس وقت اپنے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اُس وقت ننگے پاؤں ہی تھے تو پسند نہیں فرماتے تھے کہ جس حالت اور جس ہیئت پر شیخ سے بیعت کی ہے اُس میں ذرہ برابر بھی تغیر و تبدل کریں چنانچہ جو نہ پہننے کو بھی حضرت تبدیلی ہی سمجھتے تھے۔ مشائخ نے اُن کے اس فعل کو اُن کا عنایت تادب شیخ اور ادب طریق قرار دیا ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ کی جانب سے اُن کو اس ادب کا یہ صلہ ملا کہ وحوش و بہائم کو حکم دیدیا کہ جس راستہ سے بشر حافی گزریں وہاں بیٹ نہ کریں۔ ایک دفعہ کسی اُن کے راستہ میں بیٹ پڑی دیکھی تو سمجھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا وصال ہو گیا ہے تحقیق کی تو یہی بات نکلی۔

چونکہ مولانا ظہور الحسن صاحب مظلہ کے خطوط میں کھانا بھون کے لئے اصرار اور اجاب کی درخواست کا ذکر آیا تھا اس سلسلہ میں القول بالقول مذکور کے طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بھی یاد آگئی وہ نہ بیان یہ کر رہا تھا کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ارادہ سفر دیوبند کی بھنگ پا کر ایک جانب تو اس قسم کے خطوط آنے لگے اور دوسری جانب دیوبند کے بعض حضرات کی آمد و رفت بھی رہی چنانچہ مولوی ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند بھی اسی اثناء میں تشریف لائے اور اُن سے بھی سفر دیوبند کے متعلق خوب باتیں رہیں یہاں تک کہ اواخر مارچ ۱۳۵۵ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک خط مولوی حکیم عزیز الرحمن صاحب اعظمی کو لکھوایا اور اُس کے مضمون کو مخصوص طلبہ اور مدرسین مدرسہ کو

سنادینے کا بھی حکم فرمایا دھو ہذا۔

دیوبند کو علیگڑھ سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے!

(دین اور اخلاق پر حضرت نے طلباء دیوبند کو عجیب عنوان سے ابھارا)

کرمی جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب دام عنایتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ خط مولوی ارشاد احمد صاحب کو لکھنا چاہتا تھا مگر خیال ہوا کہ کہیں وہ سفر میں نہ ہوں اس لئے آپ ہی کو لکھ رہا ہوں۔

آپ تو علیگڑھ میں موجود ہی تھے وہاں کے حالات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے تشریف لانے کے بعد جو خطوط وہاں سے آ رہے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ الحمد للہ ان کا تاثر وقتی نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے مستقل اثر لیا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کے خطوط کی نقل ارسال خدمت ہے آپ مولوی ارشاد احمد صاحب کو نیز اپنے مخصوص طلبہ و مدرسین کو سنادیجئے اور آپ یا مولوی ارشاد احمد صاحب انھیں حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں بھی پیش کر دیں۔ حضرت کا مقصد اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی کام کیا جائے تو ٹھیک سے کیا جائے اور اس نہج سے کیا جائے کہ اس پر اثر اور ثمرہ مرتب ہو۔

علیگڑھ کی روداد بھی لوگوں کے سامنے آدیگی اور اگر دیوبند کا سفر پیش آیا تو وہاں کے حالات بھی لوگوں کے علم میں آ دیں گے اس لئے کوشش اس امر کی ہونی چاہئے کہ اس دینی ادارہ کو جس کی وضع ہی دین کے لئے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق میں اس دنیوی ادارہ سے کسی طرح پیچھے نہیں ہونا چاہئے۔ طلبہ کا خصوصی اجتماع جو مجلس دعا کے نام سے منعقد ہوا تھا اسکا منظر تو آپ غالباً بھولے نہ ہونگے نیز وہاں کے سب ہی حضرات کیا طلبہ اور کیا پروفیسر صاحبان سب کا ادب اور احترام لائق تحسین تھا۔

والسلام

بقلم یکے از خدام (حکیم حضرت والا مدظلہ العالی)

مذکورہ بالا خط جانے کو تو ایک خادم کے قلم سے کیا لیکن حضرت اقدس کے ملاحظہ کے بعد گیا۔ بلکہ ابتداءً مضمون بھی حضرت والا ہی نے بتایا تھا چنانچہ جو بھی خطوط حضرت والا کے یہاں سے کسی خادم کے قلم سے کیے جاتے تھے تو بالعموم اس کی یہی نوعیت ہوتی تھی۔

آپ نے اس خط میں ملاحظہ فرمایا کہ حضرت والا مدرسہ دیوبند کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے اور وہاں کس فضا کے منتظر تھے۔ دینی غیرت کے ماتحت چاہتے ہیں تھے کہ یہ دینی ادارہ کسی دنیوی ادارے سے دین میں تو دیکھے نہ رہے۔ بالخصوص آداب اخلاق ظاہری اور خاص کر حق تعالیٰ کے تعلق اور تقویٰ میں تو اسے کسی دنیوی تو کیا اور دوسرے عام دینی اداروں سے بھی بہت آگے ہونا چاہئے جب کہ وہاں کئی تاریخ بھی یہ رہ چکی ہو کہ ایک زمانہ اُس پر ایسا گزرا ہے کہ چیرا سی سے لے کر متم تک سب کے سب تہجد گزار۔ شب بیدار اور صاحبِ نسبت تھے سبحان اللہ۔

بہر حال حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ دیوبند کو اپنے اسلاف کے طور و طریق پر دیکھنے کی تمنا اور اُس پر لاسے کی فکر برابر رہی اور جس جس طرح سے بن پڑا اہل مدرسہ کو اس کی جانب متوجہ فرماتے رہے کہ شاید اُس کا عہد رفتہ پھر لوٹ آئے۔

سفر دیوبند کی خبر پر اہل مدرسہ میں خوشی کی لہر!!

ایک مولوی صاحب کا خط حضرتؒ کے نام

حال۔ حضرت والا کی آمادگی و ارادہ سفر کا حال معلوم کر کے جس قدر مسرت ہوئی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے اور شدہ شدہ یہ خبر فرحت اثر عام ہوتی جا رہی ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ حضرت علامہ مدظلہ دونوں حضرات بیکہ خوش معلوم ہوتے ہیں اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے تو مولانا معراج الحق صاحب کے یہاں حضرت علامہ سے فرمایا کہ بلاشبہ اب یہی ذات رہ گئی ہے۔

تحقیق۔ میں ہی اکیلا کیوں ہوں مہتمم صاحب خود ہیں اور دیگر حضرات بھی ہیں تو سمجھتا ہوں

کہ جہاں جہے وہاں کام کے لئے متعین ہے اور یہی آسان ہے۔
 حال۔ مولانا محمد سالم صاحب غالباً سفر میں ہیں اور حضرت والا سے الہ آباد میں ملیں گے اور
 بالمشاذ گفتگو کریں گے۔

تحقیق۔ بہت بہتر۔

حال۔ حضرت ستم صاحب اور حضرت علامہ مدظلہما نے باقاعدہ دعوت نامہ حضرت والا کی خدمت میں روانہ
 کیا ہے جو باریاب خدمت ہوا ہوگا۔

تحقیق۔ ملا۔ جواب دے رہا ہوں۔

حال۔ مولانا ارشاد احمد صاحب بھی جلد ہی الہ آباد پہنچیں گے۔
 تحقیق۔ تشریف لائے۔

حال۔ اُن کی دلچسپی پر میں مناسب پروگرام بنادوں گا اور حضرت والا کو ساتھ لانے کے لئے
 یہاں سے روانہ ہوں گا۔

تحقیق۔ عین وقت پر کوئی عذر نہ ہوا تو آسکوں گا در نہ معافی چاہوں گا۔

حال۔ حضرت مولانا کو بھی اس موقع پر دعوت دینے والے ہیں۔ عرض امید
 ہے کہ اب کافی سے زیادہ چرچا رہیگا اور ہے بھی۔ حضرت والا کی تشریف آوری سے
 یہ صد سالہ قندیل ہدایت جس کی روشنی ماند ہو گئی تھی پھر یکاد زبیتہا یضیٰ و لولمہ
 تمسنہ ناز نور علی نور کا منظر پیش کرے گی اور بیتا بان عشق محمدی کے سکون کا
 سامان ہوگا۔

تحقیق۔ میرے اوپر اتنا بار نہ ڈالئے اتنا ہی بار ڈالیئے جو اٹھا سکوں۔

والسلام بقلم خادم حضرت والا

راقم عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا خط اور اُس کے جواب سے ناظرین کو اندازہ
 ہوا ہوگا کہ خط میں جس نشا ط اور مسرت کا مظاہرہ کیا گیا ہے جواب میں اُس درجہ کا
 انشراح موجود نہیں ہے چنانچہ اُن مولوی صاحب نے شروع ہی میں حضرت علامہ

کاجب یہ مقولہ نقل فرمایا کہ ————— "بلاشبہ اب یہی ذات رہ گئی ہے۔" تو حضرت والا نے اُس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ————— "میں ہی اکیلا کیوں ہوں اور حضرات بھی تو ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں جو ہے وہاں کے کام کے لئے دی متعین ہے اور یہی آسان بھی ہے"

اور آخر میں جب یہ لکھا کہ ————— "حضرت والا کی تشریف آدری سے صبر سالہ قذیل ہدایت جس کی روشنی ماند ہو گئی تھی پھر یکا دنایتھا یضی و قلم تسمیہ نادر علی فور کا منظر پیش کرے گی اور بیتا بان عشق محمدی کے سکون کا سامان ہوگا۔" تو اُس پر تحریر فرمایا کہ ————— "میرے ادبہ اتنا بار نہ ڈالئے اتنا ہی بار ڈالئے جو اٹھا سکوں"

اس کی وجہ فہم ناقص میں یہ آتی ہے اور جن حضرات نے حضرت مصلح الامتہ کو قرب سے دیکھا ہے اور حضرت کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے ہیں نیز حضرت اقدس کی اصلاح و تربیت اور خود حضرت والا کے مزاج و طبیعت سے واقف ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت والا کو تعریف و ستائش طبعاً پسند نہ تھی بالخصوص جبکہ اس میں تکلف و غلو سے بھی کام لیا جائے چنانچہ خدام کی اس پر سخت نکتہ فرماتے تھے۔

مثلاً ایک مولوی صاحب نے ایک مرتبہ حضرت والا کو لکھا کہ

حال ————— سیدنا و سیدنا و سیدنا و سیدنا حضرت مولانا صاحب متعت اللہ و

سائر المشرفین بقیوضکم و برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ————— ارشاد گرامی نے شرف صدور بخشا۔ اپنی سستی اور اپنی اصلاح سے اپنی غفلت پر ہمیشہ ندامت ہوتی ہے اور اب تک ایسی فکر نہ ہو سکی جو موانع پر غالب آجائے اور کام حسب منشا حضرت والا مدظلکم ہوتا رہے۔ اس کا غم ضرور ہوتا ہے لہذا حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی جائے اسے اپنا ہر حال و حال جو ہمہ وقت قابل اصلاح ہیں حضرت والا مدظلکم پر منکشف ہونگے اور اپنے اندر فکر و ہمت پیدا ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ایک بڑے مولوی صاحب کا خط ہے جو ایک بڑے مدرسہ میں غالباً صدر مدرس

تھے۔ حضرت دالا کے محب اور قدیم خدام میں سے تھے مگر حالِ صحت کے ساتھ جنت القاب کو پسند نہ فرماتے ہوئے حضرت نے انکو یہ جواب مرحمت فرمایا۔

تحقیق۔ السلام علیکم درجۃ اللہ وبرکاتہ صاحب آپ القاب تو بہت اچھا لکھتے ہیں۔ عمدتاً و قد رتنا متعنا اللہ دسائر المسترشدین بقیہ ضلکم دبر کا تکم۔ طبیعت بہت خوش ہوتی ہے اور وجد کرنے کو دل چاہتا ہے اور دوسرے لوگوں کو میرا فیض پہنچا ہوا نہ پہنچا ہو مگر آپ کو تو ابھی فیض نہیں پہنچا مگر امید ہے کہ (شاید آئندہ پہنچ جائے) یہاں آنے کی اجازت تو ہر وقت ہی ہے مگر آپ حضرات کو یہاں آنے کی فرصت کب ہے آپ سے محبت ہونے کی بناء پر یہ گزارش کی ہے۔ والسلام

اسی طرح سے یہاں بھی ان مولوی صاحب نے نشاط میں آکر اپنے جذبہ عقیدت و محبت کے پیش نظر حضرت دالا کو کچھ لکھا حضرت اقدس نے بھی اصلاحی نقطہ نظر سے جواب مرحمت فرمایا۔

نیز یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) کہ حضرت دالا اپنی فطری سادگی اور طبعی خمول پسندی کی وجہ سے بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ شور و شغب اور کہیں آنے جانے میں اعلانِ داشتہ کو بھی کچھ پسند نہیں فرماتے تھے۔ ذہن دالا میں یہی رہا ہوگا کہ کسی جگہ کے لوگ اخلاص کے ساتھ آکر بلا رہے ہیں تو خاموشی کے ساتھ وہاں چلے جانے میں کیا مضائقہ ہے اور جس طرح سے سکون و سکوت کے ساتھ یہاں کام کر رہا ہوں کہیں بھی جا کر کر سکتا ہوں۔ مقصد اگر ایک ہو تو مقام کا تبدیل اُس میں کیا قادیج ہے لیکن یہاں ہر طرف سے اس سفر کا کچھ اس طرح سے چرچا و غوغا ہوا جس سے کہ حضرت دالا نے اپنے قلب صافی میں یہ محسوس کیا کہ اب اس کی نوعیت میرے مذاق اور اپنے عام طریق کار سے کچھ مختلف ہو چکا ہے بھریہ کہ لوگوں کا یہ خیال کبھی بھی حضرت کو خوش نہ آیا کہ کام تو بس دلاں شخصیت میں منحصر ہے یا یہ کہ زبانِ حال سے لوگوں کا یہ کہنا کہ بس ایک ہی شخص گھوم گھوم کر ہر جگہ جایا کرے۔ چنانچہ حضرت دالا کے مضامین و ملفوظات سے جو حضرات باخبر ہیں اُن پر مخفی

نہیں کہ حضرت والا باہر سے کسی کو بلا کر سال بھر میں مہینے ایک دو دفعہ وعظ کسلا دینے کو تبلیغ کے باب میں قطعی ناکافی سمجھتے تھے۔ یہ فرماتے تھے کہ کام کرنے والے مقامی لوگ نفع لے چاہئیں اسی طریق سے کام باقی بھی رہ سکتا ہے اور ترقی بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا تھا کہ اُن سنے فارغین مولوی صاحبان کے اس طرز پر شدت کیساتھ نیکر فرماتے تھے کہ جن سے بستی کے لوگ جب وعظ وغیرہ کی درخواست کرتے تو وہ اسکا یہ جواب دیتے کہ اچھا تم لوگ پہلے یہ رد کرنا اتنا اتنا چندہ جمع کر لو اور ہم اپنے اُستاد کو باہر سے بلاتے ہیں وہ آکر یہاں وعظ کمدیں گے۔ فرماتے تھے کہ یہ نہایت کم ہمتی کی بات ہے جب تم فارغ التحصیل ہو چکے ہو، عالم ہو گئے ہو تو کیا اس قابل بھی نہیں ہو کہ لوگوں کو کچھ قال اللہ وقال الرسول سنا سکو اور آج عوام کو بس اسی اتنے کی ضرورت بھی ہے یعنی یہ کہ اُن کے سامنے دین کی سوٹی سوٹی باتیں سادے انداز میں پیش کر دی جائیں بس کافی ہے۔ باقی تم جس اہتمام میں پڑ جاتے ہو اُس سے لوگوں کو کچھ نفع نہیں۔

اسی طرح سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص مذاق یہ بھی تھا کہ وہ جلسہ وغیرہ میں ۱۰-۲۰ عالموں کو بیک وقت جمع کر لینے کو بھی عوام کے نفع کے لئے (بالخصوص اس زمانہ میں) کچھ زیادہ مفید نہیں سمجھتے تھے۔ یوں فرماتے تھے کہ بھائی نفع تو ایک ہی سے ہوتا ہے اور اُس سے ہوتا ہے جس سے لوگوں کو عقیدت ہو۔ اور اُس سے ہوتا ہے کہ جس کو خود لوگوں کو نفع پہنچانے اور انکی دینی خدمت کرنے کی فکر ہو اور اس کو وہ اپنے ذمہ لازم سمجھتا ہو اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب کہ داعظ ایک ہوتا کہ وہ بھی سمجھے یہاں کام کرنا ہے اور لوگ بھی سمجھیں کہ مجھ کو ان سے نفع حاصل کرنا ہے اور اگر ایک ہی مجمع میں دس باپنج داعظ کو جمع کر لیا یا ایک سال کسی ایک عالم کو بلایا اور دوسرے سال دوسرے کو تو اس کی وجہ سے بھی جانیں میں کبھی رابطہ و تعلق نہیں پیدا ہوتا حالانکہ وہی مدار فیض ہے۔ عوام تو یہی خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں ایک سے ایک عالم دو داعظ موجود ہیں جب چاہیں گے اور جس کو چاہیں گے بلالیں گے۔

اور داعطد عالم یہ خیال کرتا ہے کہ یہاں کا کام کچھ مجھ پر ہی تو موقوف نہیں ہے اور حضرات بھی تو آتے رہتے ہیں وہ کر لیں گے۔

اس مضمون کو اور اپنے اس خیال کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر آنے جانے والوں کو سمجھاتے رہتے تھے لیکن عام حالات چونکہ اب دوسرے ہی طرح کے ہو چکے ہیں اس لئے اس کو مانتے تو سب تھے اور زبان سے اس کی تائید بھی کرتے تھے مگر عمل کے موقع پر وہی رسمی جلسہ کا طرز ہی غالب ہو جاتا تھا جو کہ مزاج والا کے بالکل خلاف ہوتا تھا۔

نیز حضرت والا یہ بھی فرماتے تھے کہ بھائی کام کرنے والے بہت سے لوگ ہونے چاہئیں کسی ایک ہی شخص پر انحصار اور کسی کام کا مدار ٹھیک نہیں ہے اور یہ اس لئے تاکہ اُس کے نہ ہونے کے وقت میں وہ کام یک نخت بند نہ ہو جائے اور اس پر بطور مثال کے یہ فرماتے تھے کہ دیکھو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے خلفاء کی ایک خاصی تعداد بنادی تھی بلکہ اُن کو اپنے سامنے ہی کام بھی سپرد فرما دیا تھا اور اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس لئے کیا ہے تاکہ لوگ میرے بعد اچانک تاریکی نہ محسوس کریں۔ اسی لئے حضرت بھی علماء و خواص کی جانب سے جب اس قسم کی باتیں سننے لگتے تھے کہ بس ایک ہی ذات موجود ہے تو گو عام نگاہوں میں تو یہ فخر کا مقام ہو سکتا تھا کہ کوئی بزرگ خاتمۃ الاسلاف ہو جائے یا کوئی ذات معتنم زمانہ شمار ہو۔ لیکن حضرت والا کے مخصوص مزاج اور طبیعت پر اس قسم کا جملہ تیر کا کام کرتا تھا جس کا اظہار بھی حضرات یوں فرماتے تھے کہ

دیکھتے ہو۔ میں بوڑھا ہوا۔ کام کی اس زمانہ میں کس قدر ضرورت ہے اور کوئی کام کرنے والا نظر نہیں آتا یہ مولوی لوگ بھی کہتے ہیں کہ بس تم ہی رہ گئے ہو اور ہمارا حال یہ ہے کہ اب کسی کام کا بھی نہیں رہ گیا ہوں تو گو یا مطلب یہ ہوا کہ اب کوئی کام کرنے والا ہی نہیں ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ایک ایسا بھی وقت تھا کہ صرف ایک ایک ضلع میں کتنے کتنے اور کیسے کیسے فاضل اکابر اور صاحب نسبت بزرگ موجود

ہوتے تھے اور ایک وقت یہ آگیا ہے کہ سادہ ہندوستان ہی خالی نظر آ رہا ہے اور ہمارے یہ مدارس ہی مخزن تھے ان سے ہی کیسے کیسے اللہ دانے نکلتے تھے اور آج ہم لوگ ہیں کہ طلبہ کو کام کا بنانے کے بجائے قضاہ رجال کا شکوہ کر رہے ہیں۔ یہ کچھ خون کے آنسو رونے کا مقام ہے یا نہیں؟

ملاحظہ فرمایا آپ نے حالات زمانہ کا حضرت اقدس کی طبع حساس پر کیا اثر پڑتا تھا۔ یہ چند باتیں تو بطور نمونہ کے عرض کی ہیں ورنہ تو اس قسم کے واقعات اور تاثرات دن رات برابر مشاہد ہوتے رہتے تھے پچانچہ حضرت والا کے اس انداز کو ہر آنے والا محسوس کر لیتا تھا کہ اللہ اکبر اس گوشہ نشین اور بظاہر حالات زمانہ سے بے خراور کیسور ہنسنے والے انسان کو بھی مسلمانوں کی اصلاح کی کس قدر فکر ہے اور وہ اُن کی خرابی سے کس درجہ پریشان اور درستگی کا کس طرح کوشاں ہے۔ غالباً حضرت والا کے طرز اصلاح کا یہی وہ منظر تھا جس کا کچھ نقشہ علامہ انظر مذ طلہ نے اپنے تاثرات میں بھی کھینچا ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

بہر حال ایک مصلح کے لئے حالات زمانہ سے واقف ہونا اور قوم کی بد حالی سے متاثرہ دمعوم رہنا کچھ لازم ہی سا معلوم ہوتا ہے اسی لئے جب ذہن اقدس میں کسی طالب کا اصلاحی پہلو نمایاں ہوا تو جو بات طبیعت کے خلاف تھی اُس سے متاثر بھی لازم تھا اور اس قسم کا تاثر حضرت کے لئے کوئی نیا نہ تھا بلکہ حضرت والا کی پوری زندگی ہی اس قسم کے حالات و تاثرات سے پُر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ سالک کے خود ایک مصلح پر بھی یہ قول صادق ہے کہ ۷

اندریں رہ می تراش و می خراش

تا دم آخر دے فاسخ باش

خیر یہ خط اور اسکا جواب تو ایک جہزومی واقعہ تھا جس پر کسی قدر مفصل گفتگو اس لئے کرنی پڑی کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے اصلاحی انداز اور اپنے مخصوصین کو انعام و تقسیم کرنا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کا روزانہ کا مشغلہ تھا تاہم عام

حالات یہ تھے کہ ادھر سفر دیوبند کی تیاری ہو رہی تھی اور ادھر سے برابر اشتیاق کے خطوط کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تاآنکہ نوشتہ تقدیر سے ایک عجیب رنج و صورت حال کا ظہور ہوا یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اچانک فالج کا دورہ پڑ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کتیاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

”حضرت والا کی علالت اور سفر دیوبند کا التواء“

دیوبند کے لئے وعدہ ہو چکا تھا چنانچہ عام اوقات میں دیہ کی باتیں ہوتی رہتی تھیں کبھی علم اور علماء کا مقام اور اُن کے مرتبہ پر گفتگو فرماتے کبھی مشائخ اور بزرگان دین کی خدمات اور دین میں جو اُن کا مقام ہے اُس پر کلام فرماتے اور کبھی خانقاہ اور مدرسہ ان دونوں سلسلوں کی ضرورت پر بیان ہوتا اور کبھی اس پر افسوس فرماتے کہ جس قدر ان دونوں سلسلوں میں قرب اور نسبت تھی افسوس کہ فی زمانہ ان دونوں میں اتنا ہی بُعد قرار دیدیا گیا ہے۔

غرض انہیں موضوعات پر مجالس ہو رہی تھیں اور سب سے اہم شے یعنی خلوص کی ضرورت اور موجودہ زمانہ میں اس کی کمی پر بھی زور شور کے ساتھ بیان ہو رہا تھا کہ ایک دن مجلس میں گفتگو کچھ اس بات پر چلی کہ صوفیاء کا بھی بڑا مقام ہے اور ان کا نہایت ہی شاندار کا زمانہ ہے اسی مضمون کو کتاب ”الیواقیت والجواہر“ اور ”التبیین الطرب“ سے عبارات سننا کہ بیان فرما رہے تھے کہ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی احوال کی حفاظت فرمائی ہے اور چونکہ باطن کا معاملہ اہل ظاہر کی اہتمام سے کسی قدر بالاتر ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات نے اپنے اسرار اور احوال کو کتب میں بھی جب ضبط کیا تو وہیں یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ ہمارے طریقہ پر نہ ہوں اُن کے لئے ہماری کتبا میں نظر کرنا اور ہمارے مضامین کا دیکھنا حرام ہے اور یہ بھی فرمادیا ہے کہ جس کو ہم پر اطمینان نہ ہو اور جو ہماری تصدیق نہ کرتا ہو اُس کے لئے ہمارے کلام کو قبول

کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے ہمارا کلام نا اہلوں کے سامنے پیش کیا تو ناقل اور منقول الیہ دونوں انکار کے جنم میں گر جائیں گے۔

علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیاء نے یہ سب کچھ کہا مگر اہل غفلت اور اہل حجاب نے اُن کی ایک زبانی بلکہ اس بات میں حد سے تجاوز کیا اور اُن کے کلام کو نا اہلوں سے بیان کر دیا جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ خود بھی ضلال اور طغیان میں پڑے اور اہل اسلام بلکہ اہل اللہ پر زبان طعن و انکار کھولا۔

اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علماء اسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرات صوفیہ کی خدمات مسلم لیکن ہمارے علماء و ربائین نے بھی اسلام کی کچھ کم خدمت نہیں کی ہے اور انکا کا نامہ بھی حضرات صوفیاء سے کم شاندار نہیں ہے۔ حضرات صوفیاء نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی احوال کی حفاظت کی ہے تو علماء ظاہر نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال کی حفاظت فرمائی ہے اور آپ کے ایک ایک قول اور آپ کی ایک ایک شان اور آں کو کتابوں میں مدون اور محفوظ فرما دیا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت دالہ انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اور نہایت ہی شد و مد سے بیان فرما رہے تھے اور آواز برابر تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک آواز بھرائی ہاتھ کانپنے لگا اور کتاب جو ہاتھ میں تھی (اور غالباً وہ التنبیہ الطربی تھی) ہاتھ سے پھوٹنے لگی بلکہ اگر کاؤ تکبیر کا سہارا نہ ہوتا تو شاید حضرت دالہ بھی یہ نفس نفیس اُس چوکی پر سے جس پر کہ مسند لگا ہوا گھٹا زمین ہی پر آجاتے۔

آب اچانک جو یہ صورت پیش آئی تو کچھ دیر تک تو کسی کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یا اللہ یہ ہوا کیا۔ بالآخر یہ چلا کہ حضرت پر کوئی کیفیت یا حال نہیں طاری ہوا ہے بلکہ آپ پر کوئی دورہ پڑ گیا ہے۔ چنانچہ خدام نے گود میں لیکر حضرت کو پلنگ پر لٹا دیا جو مسند کے قریب ہی حجرہ میں بچھا ہوا تھا یہ فالج کا پہلا دورہ تھا جو مارچ ۱۹۶۵ء میں پڑا۔ متعلقین و منتسبین اور طالبین کا اس حادثہ سے جو حال ہوا ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔ مقامی اطباء اور ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا جس سے کچھ وقتی افادہ ہوا۔ لیکن اسکے مستقل علاج کے لئے خود حضرت دالہ کی بھی خواہش ہوئی کہ شفاء الملک جناب حکیم شمس الدین حسنا لکھنوی کا علاج کیا جائے۔ (باقی آئندہ)

اور حکیم صاحب موصوف کو بلا کر ان سے مشورہ کر لیا جائے کہ میں یہیں الاہاد میں رہوں اور علاج آپ کا ہو جس کی وجہ سے آپ کو جلد جلد یہاں آنا ہوگا کیا یہ ممکن ہے اور آپ کے لئے آسان ہوگا یا نہیں تو پھر میں ہی لکھنؤ چلوں۔ ظاہر ہے کہ مریض کہیں ہو اور طبیب کہیں ہو۔ عام حالات میں یہ صورت دقت طلب ہوا کرتی ہے چہ جائیکہ فانی جیسے مرض کے علاج میں۔ اس لئے سفر لکھنؤ ہی کا خیال ہو رہا تھا کہ حکیم صاحب چند دن شدید انتظار کے بعد تشریف لاسکے اس کی وجہ سے دقت کا شاہہ بھی ہو گیا اور یہ طے پا گیا کہ حضرت والا لکھنؤ تشریف لے جائیں۔

یہاں مجھے سفر لکھنؤ کا تفصیلی حال بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ ضمناً اس کا تذکرہ آگیا۔ مختصر یہ کہ حضرت لکھنؤ تشریف لے گئے اور جناب سید مظفر حسین صاحب کے مکان پر جو اس وقت غائب تھا ٹرانسپورٹ کے ذریعہ تھے قیام فرمایا۔ اصل معالج حکیم شمس الدین صاحب تھے اور مشورہ تا بہت سے مقامی و غیر مقامی طبیب و ڈاکٹر صاحبان بھی شریک علاج رہے۔ چنانچہ بمبئی سے حکیم اجمری صاحب بھی تشریف لے آئے۔ دیوبند سے حکیم محمد عمر صاحب آگئے اور علی گڑھ سے حکیم انعام اللہ صاحب تشریف لائے۔ بنارس کے ڈاکٹر محمد ظفر صاحب بھی موجود تھے اور مقامی حضرات میں سے حکیم عبدالعزیز اور ڈاکٹر عبدالجلیل صاحب فریدی بھی برابر تشریف لاتے رہے۔

حکیم شمس الدین صاحب نے منہج کے بعد مسہل دیا جو الحمد للہ کامیاب ہوا۔ اور حضرت والا نے اپنے اندر بہت تیزی کے ساتھ صحت و قوت محسوس فرمائی۔ اصل مرض دور ہو جانے کے بعد اعضاء میں قوت کے لئے مالش کی ضرورت تھی حکیم صاحب موصوف نے فرمایا کہ اب حضرت کو کسی ایسے مقام پر کچھ دنوں رہنا چاہئے جہاں کی آب و ہوا معتدل ہو یعنی نہ گرمی زیادہ ہو وہاں اور نہ سردی۔ چنانچہ عوام و خواص کے مشورہ کے بعد چند دنوں کے لئے بمبئی میں قیام فرمایا۔ پھر وجوہ طے ہوا۔ ایک تو یہ کہ آب و ہوا وہاں کی معتدل تھی نیز حضرت والا ابھی کچھ دنوں قبل بمبئی کا سفر فرما چکے تھے جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں سے کسی قدر انس اور تعلق بھی ہو گیا تھا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہاں جناب حکیم اجمری صاحب مدظلہ جیسے مخلص ماہر فن اور حاذق طبیب بھی موجود تھے ان کی نگرانی میں قیام نہایت ہی مفید تھا اور ایک بڑی آسانی یہاں یہ بھی تھی کہ گڑا میں حضرت والا کے بعض قریبی

اعزاز اور وطن کے تو بہت سے حضرات موجود تھے جس کی وجہ سے پردیس کی انجمن اور مسافرت کی پریشانی کا بھی یہاں کوئی سوال نہ تھا نیز تیار داری بالخصوص مالش وغیرہ کے لئے یہاں بہت سہولت تھی۔
 بایں وجہ خود حضرت والا نے بھی بمبئی کے قیام کو پسند فرمایا چنانچہ جیسا خیال تھا دیا ہی ہوا بھی کہ ہر وقت دیہیوں حضرات خدمت کے لئے موجود رہتے تھے اور حکیم اجیری صاحب مدظلہ نیز ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب برابر مزاج پُرسی کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے اور آب و ہوا اس آنے کی وجہ سے حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحت سرعت کے ساتھ نمود کرنے لگی اور مسلسل مالش کی وجہ سے آناً فاناً ہاتھ پاؤں میں طاقت بھی آنے لگی بلکہ صحت قریب قریب بالکل بحال ہو گئی اور رفتار و گفتار نیز نشست و برخاست کسی گوشہ سے حضرت والا کو پہلی بار دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ آپ پر کبھی کوئی دورہ بھی پڑا ہے۔ فالحمد لله على ذلك۔

اطباء نے فرمایا کہ اس مرض کے اتنے شدید حملہ کے بعد اس قدر جلد اور ایسی کامل صحت کہ مرض کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہے۔ نوادرات میں سے ہے، اور یہ بھی حضرت کی ایک کرامت ہی ہے۔
 بات طویل ضرور ہوتی جا رہی ہے لیکن اگلے مضمون سے ربط کی غرض سے یہاں اثنا و قیام لکھنؤ کا ایک واقعہ اور بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جب حضرت والا کا مسل ختم ہوا اور کئی دن کے بعد حضرت کو غذائی جو ظاہر ہے کہ صحت کی علامت تھی اور حضرت والا نے نعمت صحت کی خوشی میں اُن تمام اطباء کی جو علاج اور مشورہ میں شریک رہے اسی طرح سے اُن تمام ڈاکٹروں کی جو اس زمانہ میں ملاقات و دریافت حال کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اسی طرح سے اُن علمائے اہل علم و ادب کا جن سے حضرت واقف تھے اور اُن تمام مہمانوں کی جو اُس وقت گویا کہ وہاں کی عارضی خانقاہ میں مقیم تھے اور اُنکی خاصی تعداد تھی ان سب حضرات کی نہایت پُر تکلف دعوت فرمائی۔ طعام سے فارغ ہونے کے بعد سب حضرات نے حضرت والا کی کامل صحت اور حصول قوت کے لئے دعا کی۔

غالباً اس دعوت کے موقعہ ہی پر یا اس کے قریب ہی کے دنوں میں مولوی حکیم عزیر الرحمن صاحب اعظمی بھی دیوبند سے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی شخصیت ختم کر کے جب دارالعلوم واپس جانے لگے تو حضرت والا نے اُنہیں ہدایت فرمائی کہ دیوبند پہنچ کر جناب مہتمم صاحب

اور اُن کے خاندان والوں کی نیز حضرت علامہ اور اُن کے صاحبزادوں کی اور مدرسہ کے خاص خاص مدرسین کی خوب پُر تکلف دعوت کر دینا اور مجھے بھی اُس کی اطلاع کر دینا چنانچہ مولوی عزیز الرحمن صاحب تو دیوبند روانہ ہو گئے اور حضرت اقدس مشورہ کے بموجب بمبئی تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب موصوف نے مناسب موقع سے سب حضرات کی دعوت کی اور حضرت والا کو بمبئی اسکی اطلاع کر دی جس کی تفصیل ذیل کے مکتوب میں ملاحظہ ہو۔

خط مولوی حکیم عزیز الرحمن صاحب بنام حضرت مصلح الامۃ

سیدی و مطاعی حجت اللہ فی الارض متنا اللہ بطول بقائہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج دلہاج حضرت والا سے رخصت ہو کر دیوبند پہنچا۔ نزاکہ جوا اثر کفّوں میں تھا وہ مزید شدت اختیار کر گیا اور طویل بھی ہو گیا اب بھی اُس کے اثر سے کلیتہً چھٹکارہ نہیں ہوا ہے۔ حضرت والا سے توجہات و دعا کے لئے درخواست ہے۔

ادھر حضرت مہتمم صاحب مختلف اسفار میں رہے اُنکی واپسی کے بعد اُس تحریر کے ساتھ جو مجھے حضرت مولانا..... صاحب نے عنایت کی تھی حضرت مہتمم صاحب کی محنت میں حاضر ہوا۔ ملاحظہ کے بعد فرمایا کہ ”مجھے تو حضرت والا سے اس سے بھی زیادہ عقیدت ہے“ اور بہت دیر تک حضرت والا کا ذکر لذت لے لے کر فرماتے رہے۔ یوں بھی از خود آپ کا ذکر جس طریق فرماتے رہتے ہیں۔ وہ جملہ بھی جو حضرت گرامی لے فرمایا تھا میں نے نقل کر دیا تھا اُس پر حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ ”ہمارے محبت اور عقیدت اُن کے ساتھ ناقابلِ تسخیر ہے“ حضرت علامہ کو واپسی کے بعد مریض پایا۔ گلے میں غدودوں میں تکلیف اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ نظام تنفس پر کافی اثر پڑ گیا تھا۔ اسی درمیان حرارت وغیرہ بھی بہنے لگی تھی پھر بھی حضرت والا کی صحت و عافیت کے بارے میں ہر وقت پوچھتے رہتے ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ تارے خیریت معلوم کرو پھر خط لکھا جائے گا۔ حکیم صاحب آپ کی محبت میں سرشار ہیں جب بھی ذکر کرتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں مودن سے کچھ طبیعت ٹھیک

تھی چنانچہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق حضرت مہتمم صاحب کے خاوند کے سب لوگوں کی بشمولیت بنیرگان و صاحبزادگان و مولانا حامد الانصاری غازی وغیرہ۔ و حضرت علامہ صاحبزادگان و بنیرگان حضرت علامہ و حکیم صاحب اور ان کے متعلقین اور اساتذہ جامعہ طیبہ و مولانا سراج الحق صاحب و مولانا فخر الحسن صاحب و مولانا عبدالحق صاحب پیشکار و غیرہ کی ضیافت کل بروز منگل دوپہر کے وقت عمل میں آئی۔ ضیافت حضرت مہتمم صاحب و علامہ مخرم سے استشارہ کے بعد انکی خواہش کے مطابق نہایت بہتر کر دی گئی۔ ان سب حضرات نے کھانا تبرک سمجھ کر نہایت رغبت سے نوش فرمایا اور خوش ہوئے۔

حضرت والا کی رفتار صحت سے کئی اطمینان ہوا۔ آنحضرت کی صحت و عافیت اور برکات کے عام ہونے اور اس سے متمتع ہونے کی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور مجھے بھی بمبئی حاضر خدمت عالی ہونے کے وسائل و توفیق عنایت فرمائیں۔ حضرت والا کی توجہات اور دعا کا محتاج ہوں۔

والسلام
کترین خدام عزیز الرحمن
۹ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا جواب

عزیزم سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی علالت کا حال معلوم ہوا۔ بآدام مصری کے ہمراہ کچھ دنوں استعمال کیجئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ خشکی کا اثر ہے۔ یہاں بھی قاری صاحب کا خط آیا ہے واقعی متاثر ہیں۔ آپ سے جو فرمایا ہے صحیح فرمایا ہے۔ حضرت مولانا مظلہ کا خط تو ابھی ملا نہیں شاید کل تک مل جائے۔ میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ صحت کے لئے دعا کرتا ہوں اور میرے متعلق اطمینان دلادیجئے کہ بہت اچھے ہیں۔ یہاں کا موسم اس آیا ہے طبیعت بہت خوش ہے نیند وغیرہ خوب آتی ہے۔ الحمد للہ۔

حکیم صاحب سے بھی میرا سلام فرمادیجئے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ سے محبت فرماتے ہیں

اس کے اثرات کا طور ہو رہا ہے۔ دعوت کی تفصیل معلوم ہوئی اور بہت مسرت ہوئی۔ الحمد للہ کہ سب حضرات نے دل سے قبول فرمایا اس میں شک نہیں کہ آپ ہی حضرات کی دعاؤں کی برکت سے صحت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مزید قوت عطا فرمائیں تاکہ کچھ کام کر سکیں۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں احباب سے سلام منون فرمائیں۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ۔ بمبئی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے سفر دیوبند کی تیاری اور اہل مدرسہ نیز اطراف دیوبند کے اشتیاق کا حال ناظرین کرام گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ درمیان میں حضرت والا کی علالت کی وجہ سے اس قسم کی مکاتبت کا سلسلہ کچھ ہی دنوں بند رہا۔ بمبئی پہنچ کر جب حضرت کے صحت کی تکمیل ہو گئی اور مجبین نے معلوم کر لیا کہ اب حضرت سفر کے قابل ہو گئے ہیں تو پھر اس مسئلہ کی سلسلہ جنبائی ہونے لگی۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا کے ایک خادم کے نام بمبئی اس مضمون کا گیا۔

”دیوبند اور اطراف دیوبند کو اشتیاق کے ساتھ

حضرت کا انتظار ہے“

حضرت والا مدظلہ کا ان اطراف میں دیوبند وغیرہ کو بہت اشتیاق کے ساتھ انتظار ہے مگر ابھی یہاں گرمی بہت ہے آج بھی لو کا اثر ہے موقع ہو تو میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ یہ مضمون اُن مولوی صاحب نے ایک خادم کے نام لکھا تھا چنانچہ حضرت والا سے اُن کا یہ پیغام کہہ دیا گیا۔

حضرت والا نے انھیں خادم کے واسطے سے اُن مولوی صاحب کو جواب دیا کہ یہ خوب ہے کہ شتاق وہ لوگ ہیں اور جاؤں میں دہاں، پورا خط ملاحظہ ہو۔

”خط کا جواب“

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا سلام و پیام حضرت والادامت برکاتکم کو پہونچا دیا۔ حضرت والانے جواباً ارشاد فرمایا ہے کہ:-

”میں بیمار ہوں اور اس بیماری کی وجہ سے بغرض تبدیلی آب و ہوا یہاں بھیجی آیا ہوا ہوں۔ اطباء اور ڈاکٹروں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ تبدیلی آب و ہوا مفید ہوگی۔ چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا کہ میری صحت پر نمایاں اثر پڑا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اب بہت اچھا ہوں۔ اب چونکہ یہاں آیا ہوا ہوں اس لئے اپنے ذمہ جو کام سپرد ہے وہ بھی کر رہا ہوں اور الحمد للہ کہ یہاں اچھا خاصا اثر پڑا ہے اور کام ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود اب سفر چونکہ میرے لئے تکلیف دہ ہے اسلئے دیندیا اطراف دیوبند کا اشتیاق مجھے سفر پر نہیں اُٹھا سکتا کیونکہ اشتیاق اگر صرف دیدار اور سلام و کلام تک محدود ہے تو اس کی مجھے ضرورت نہیں ہے اور نہ اس سے میں خوش ہوتا ہوں میں تو کام چاہتا ہوں اور وہ بھی اخلاص کے ساتھ اور اگر یہ اشتیاق عمل اور اخلاص پیدا کرنے کے لئے ہے تو یہ اہل اشتیاق خود کیوں نہیں آتے مجھے ہی آنے پر کیوں مجبور کر رہے ہیں جب کہ میں معذور بھی ہوں۔ آپ فرمائیے یہ کیا ہے کہ مشتاق وہ لوگ ہوں اور جاؤں میں ان لوگوں کے پاس۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غرض صحیح استفادہ نہیں ہے بلکہ محض رسمی ملاقات مقصود ہے اور میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ فضول ملاقات کے لئے اور تبرک کے طور پر یہاں وہاں پھرتا رہوں۔ آپ بھی اس پر غور کریں اور سمجھیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دیا ہے تو شکر نعمت کے طور پر کچھ کام کروں گا یا پھر مار ہو گا۔ آج کل کے رسمی اور ناقابل اندیش پردوں نے پھر پھر لوگوں کا مذاق بگاڑ دیا ہے وہی مذاق یہ لوگ میرے ساتھ بھی چاہتے ہیں اپنا تو مذاق خراب کیا ہی ہے میرا بھی مذاق خراب کرنا چاہتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اچھو لکھ رہا ہوں کہ آپ تو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ سے ناخوش نہیں ہوں آپ کو چونکہ مجھ سے محبت ہے اسلئے آپ نے لکھا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں میرا جانا ابھی مناسب نہیں پھر اس کے بعد بالتفصیل لکھو خط لکھوں گا۔ والسلام بقلم یکے از خدام حضرت والا (مقیم حال ممبئی)

خیال تھا کہ شاید صحت ہو جانے اور خاطر خواہ قوت آ جانے کے بعد سفر دیوبند کا جوارادہ فرمایا گیا تھا اب اس کی تکمیل فرمائی جائے گی۔ لیکن مذکورہ بالا جواب سے اندازہ ہوا کہ حضرت والا کو سفر دیوبند میں ہنوز کامل انشراح ہی نہیں ہو سکا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی دعوت مخلصین کی طلب نیز عام لوگوں کے اشتیاق کا تقاضا تو یہی تھا کہ حضرت وہاں کا اب قصد ہی فرمائیں لیکن حالات زمانہ کے پیش نظر اور تیزی کے ساتھ عام لوگوں کا دینی مذاق بدل جانے کے سبب حضرت اقدس کو اس مسئلہ میں کچھ توقف اور تردد ہی رہا۔ اور کامل داعیہ اور قلبی ابھار اس سفر کے لئے نہیں پیدا ہوا تھا اس لئے ابھی تک اس پر پوری طرح آمادہ نہ تھے کہ ادھر علالت کا قصہ پیش آگیا۔

اور صحت کے بعد ہم لوگ تو اس صحت کا ماقبل مرض سے جوڑ لگاتے رہے۔ اور اب کے حالات کو گذشتہ حالات سے مربوط کرتے رہے کہ حضرت وعدہ فرما چکے ہیں اب تشریف لادیں گے اور حضرت والا بیماری کے اس شدید حملہ سے صحت حاصل ہو جانے پر اس مرض کو اپنے لئے ایک سبق اور لوگوں کے لئے ایک تانیۃً عبرت قرار دینے لگے۔ چنانچہ اس کے بعد سے برابر یہ فرماتے تھے کہ اب میں نے طریقہ بدل دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت بخشی ہے تو اب کچھ کام کروں گا۔ اور آپ لوگوں کو بھی یونی نہیں رہنے دینگا بلکہ خود بھی کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں کو بھی اب کچھ کام کرنا ہوگا اور اپنا پہلا طریقہ بدلنا ہوگا۔ چنانچہ کبھی حاضرین خانقاہ اور دارین و صادرین سے دریافت فرماتے کہ طریقہ بدلنے کا کیا مطلب سمجھتے ہیں پھر خود ہی فرماتے کہ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ یونی رسمی آمدورفت کا سلسلہ اور غفلت کا طریقہ جو اب تک آپ لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے اس میں آپ کو بھی نظر ثانی کرنی ہوگی اور جس طرح میں نے اپنا طریقہ بدل دیا ہے آپ کو بھی اپنا طریقہ بدل دینا چاہیے اور اب سے اخلاص پر قدم رکھ دینا چاہیے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا بہت اشارہ خط بالامیں بھی ہے اور غالباً اسی زمانہ کی یہ تحریر بھی ہے جو حضرت نے تحریر فرمائی

اور حاضرین کو سنائی۔ یہ مضمون پہلے بھی معرفت حق میں شائع ہو چکا ہے۔

”تحریر حضرت ڈالامشتملہ برعبرت از عسلا لٹ“

فرمایا کہ اب تک میرے پاس جو لوگوں نے آمد و رفت رکھی تو تجربہ سے یہی معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے کچھ دینی فائدہ نہیں حاصل کیا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مجھ کو شاید کچھ دینی یا دنیاوی نفع (لوگوں سے) پہنچ گیا ہو لیکن اس بیماری کے بعد تو یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مجھ کو آنے جانے والوں سے سخت نقصان پہنچا اس لئے کہ مجھے جو تکلیف ہوئی (مراد اس سے یہی فالج کا دور ہے) وہ دماغی تھی اور اس میں ان آمد و رفت رکھنے والوں کی بے راہ رومی اور انکی بے اُصولیوں کو پر ادخل تھا کیونکہ مشائخ کی صحبت اور بزرگوں کے پاس آمد و رفت رکھنے اور ان کے تعلق سے غرض احکام شرعیہ سے تعلق پیدا کرنا ہے اس لئے کہ یہی ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور ان سے محبت کرنے کا۔ پس اگر مشائخ کے تعلق سے حق تعالیٰ کا تعلق اور احکام شرعیہ کا بھی تعلق نہ پیدا ہو تو پھر یہ محض رسمی تعلق اور صرف ظاہری آمد و شد جانین کے حق میں کچھ زیادہ نافع نہیں ہے اور اہل احساس کے نزدیک تو ایسی بھیڑ بھاڑ جو کسی غرض صیح پر مشتمل نہ ہو موجب ضیق اور پوری سولہاں روح ہے۔

اسی مضمون کو میں اُس دن جس دن مجھے الہ آباد میں تکلیف ہوئی ہے بیان کرنا چاہتا تھا کہ کچھ لوگ تو اہل اللہ ہوتے ہیں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا صحیح راستہ بتاتے ہیں اور لوگ اُن سے منتفع ہوتے ہیں۔ مگر اسی جماعت میں کچھ دوسرے لوگ بھی جو اہل اللہ میں سے نہیں ہوتے وہ بھی گھس جاتے ہیں جس کی وجہ سے طریق بدنام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے ان آنے جانے والوں میں بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض تو طالب ہوتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ بزرگوں سے تعلق رکھ کر اللہ تعالیٰ کا راستہ معلوم کرتے ہیں اور اُس پر چلتے ہیں لیکن انہیں لوگوں میں سے بہت سے غیر طالب بھی آجاتے ہیں جن کی غرض دنیا ہوتی ہے۔ یہ لوگ گھس کر طسہ لقی ہی کو فاسد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ مشائخ کے ذمہ ایک اہم کام یہ بھی رہا ہے کہ وہ طالب اور غیر طالب میں فرق کریں اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کریں اور دونوں کو باہم خلط نہ ہونے دیں لیکن یہ آسان کام

نہیں ہے اس کے لئے بہت مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

لہذا اب اس تجربہ کے بعد آپ حضرات سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے حالات پر نظر ثانی کیجئے، میں بھی اب پہلے کی طرح کام نہیں کر ڈنگا بلکہ طریق کار میں ترمیم کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ میں نے اپنی اس علالت سے سبق لے لیا ہے آپ حضرات کو بھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ اور آئندہ سمجھ کر کچھ کام کرنا چاہئے۔ جو بات کہنا چاہتا ہوں اس کو سمجھئے اور اس کے مطابق عمل کیجئے۔ لا یلدغ المؤمن من دغی واحد مرتین۔ وما علینا الا البلاغ۔
(منقول از معرفت حق فروری ۱۳۹۷ھ)

صحت کے بعد بمبئی بھی اور پھر الہ آباد واپس تشریف لانے کے بعد یہاں بھی بہت سے حضرات کے خطوط شوق زیارت اور اشتیاق ملاقات کے سلسلہ کے آتے ہی رہے۔ لوگوں کو یہ اندازہ نہ لگ سکا کہ حضرت والا وہاں کے سفر کے لئے ہنوز پوری طرح آمادہ نہیں ہیں اس لئے یہ لوگ تو اسی مضمون کا خط لکھتے رہے لیکن اثناء علالت میں یعنی صہل مرض سے صحت کے بعد مگر ضعف اور کمزوری کے دوران ہی میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے حضرت والا کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں حضرت کو راحت فرمانے کا مشورہ دیا تھا دھو ہلدا۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ کا حضرت والا کو مشورہ راحت

آپ کا فیض اب محتاج زبان نہیں ہا

حضرت مخدوم المحترم زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی

کل محترمی جناب حکیم عزیز الرحمن صاحب کے نام سے خبریت مزاج گرامی کی اطلاع ملی عید کے دن یہ خبر موصول ہو کر عید پر عید کی مسرت بے سر ہوئی حق تعالیٰ جناب کو بایں فیوض و برکات تادیر سلامت

باکرامت رکھے اور بزرگوں کے فیضان کا یہ چشمہ اور صدقہ جاریہ جاری اور قلوب میں ساری رہے۔ آمین

احتیاط اور پرہیز کی زیادہ ضرورت ہے۔ میرا ناقص اندازہ یہ ہے کہ اب بحمد اللہ آنحضرت کا فیضان زبان اور بیان کا محتاج نہیں رہا ہے۔ فیض حضور می اور سرشدین کی طالبانہ توجہ پر خوشی سے بھی وہی سب کچھ مرتب ہو گا جو زبان و بیان سے ہوتا اس لئے تارخ ضعیف اگر زیادہ تقریر و بیان سے وجہ اللہ احتراز فرمایا جاوے تو اس سے تخیل فیضان کا انشاء اللہ کوئی خطرہ بلکہ خوشی زبان زیادہ نفع بخش ثابت ہوگی پھر انشاء اللہ موقع آئیگا کہ قلب کے ساتھ زبان بھی فیوض کی ترجمانی میں حسب معمول لگ جائے گی یہ ہے تجربات کہ مجھ جیسا ناکارہ اس قسم کی جسارت سے کام لے لیکن جناب ہی کے اخلاق کریمانہ اور محبت صادق نے مجھے اس جسارت کی جرات دلائی ہے اس لئے یہ بھی جناب ہی کی طرف منتہی ہوئی ہے جو میرے حق میں جسارت بیجا نہیں رہیگی۔ دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے فیوض و برکات روز افزوں زیادہ ہوں اور تادیر قائم رہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایسے اکابر علم و فضل اپنے عمومی فیضان کی وجہ سے قوم کی امانت ہو جاتے ہیں اس لئے قوم بلکہ قوم کے ایک فرد کو بھی کچھ حق مل جاتا ہے کہ انکے بارے میں احتیاط اور پرہیز کے سلسلہ سے لب کشائی کر سکے۔ میرے خیال میں ایسی تکلیفوں کے بعد راحت و آرام کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ تاخیر سے داخل معمولات فرمایا جاوے تو یہ بھی ہم سب کے لئے نفع رسانی ہی کی صورت ہوگی امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

دعا کا ہر وقت محتاج ہوں اور اپنی ناکارہ حالت کی وجہ سے پہلے سے بھی زیادہ محتاج ہو گیا ہوں۔ اس کی بے انتہا مسرت ہے کہ ایسے اکابر سے اپنی استدعائیں زور کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں اور اس کی امید بندھتی ہے کہ یہ زور قائم رہیگا اور میرے لئے باوجود صورت جسارت ہونے کے نافع ہی ثابت ہوگا۔

والسلام
محمد طیب، از دیوبند

۱۱ ۱۲ ۸۴ھ

اس خط کا جواب حضرت والا کے یہاں سے کیا گیا وہ تو ہمیں نہیں مل سکا بہو ال بات

بالکل صحیح تھی اور حضرت والا کی راحت کو مقدم رکھتے ہوئے جناب مہتمم صاحب مدظلہ کا یہ مشورہ بروقت تھا اور عین صواب تھا چنانچہ خط میں جو تادب اور حسن تمخاطب کا مظاہر فرمایا گیا ہے بلاشبہ وہ تو حضرت قاری صاحب مدظلہ ہی کا حصہ ہے۔
یہ خط ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ کل ہے اس کے بعد ربیع الاول ۱۳۸۵ھ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حضرت والا کو حسب ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ اس وقت حضرت والا بمبئی سے الہ آباد واپس آچکے تھے اس لئے یہ خط الہ آباد آیا۔

جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کا گرامی نامہ

حضرت المحمود المعظم دامت برکاتہم۔ سلام منون نیاز مقرون
الحمد للہ کل ۲۱ جولائی ۱۳۸۵ھ کو بعافیت بمبئی سے دیوبند پہنچ گیا ہوں۔ آنحضرت کی روانگی کے دن قیام گاہ پر ملنے کے لئے پہنچا معلوم ہوا کہ خطیب صاحب جامع مسجد سے ملنے تشریف لے گئے ہیں۔ غرض ملاقات نہ ہو سکے کا افسوس رہا۔
آنحضرت کے تسلی آمیز جلوں سے جو بواسطہ بمبئی پہنچتے رہے تسلی دقوۃ حاصل ہوئی ہلوگ دعاؤں کے محتاج ہیں۔ یہاں بحمد اللہ بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ عافیت مزاج گرامی کا خواہاں ہوں حضرت علامہ مدظلہ سلام فرماتے ہیں۔
والسلام
محمد طیب از دیوبند۔ ۳۲/۵/۸۵ھ

حضرت مصلح الائمہ علیہ الرحمۃ کا جواب

بشرن ملاحظہ عالیٰ جناب مہتمم صاحب دام مجسدم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
جناب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ بخیریت دیوبند تشریف لے آئے۔ الحمد للہ میں بھی الہ آباد بخیریت پہنچ آیا۔ ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ جناب والا نے تحریر فرمایا ہے کہ میری باتوں سے جو واسطہ سے ہوئی تھیں تسلی دقوت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے سے قوت و تسلی ہوتی رہتی ہے۔ مجھے اب اُمید ہے کہ آپ خوب مضبوط کار ہو جائیں گے۔ کام کچھ زیادہ آدمیوں پر موقوف نہیں۔ ہم ادراپ شروع کر دیں تو دیکھئے کیا ہوتا ہے تا اید اللہ تعالیٰ کی شائے حال ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
در اسلام خیر ختام

وہی اللہ عنہ ر: اخر ربيع الاول ۱۳۵۸ھ

جواب کے ہمراہ مندرجہ ذیل تحریر بھی بھیجی گئی

اس وقت کتاب الموافقات کا ایک مضمون قلب میں دفعۃً آیا اور تقاضا ہوا کہ آپ کی توجہ اس کی جانب منعطف کر اؤں اس لئے پیش کرتا ہوں کیسی عمدہ بات ہے اُمید ہے کہ آپ بھی محفوظ ہوں گے۔ وھوھذا

(فصلی) وللعالم المتحقق بالعلم اماراتٌ وعلا ماتٌ متفق مع ما تقدم دان خالفتا فی النظر وہی ثلاث۔

(أحد اھا) العِلُّ بما علم حتی یكون قوله مطابقا لفعله فان كان يخالفه فليس باهل لان یخذ عنه ولا ان یقتدی به فی علمه
هذا المعنی مبین علی الکمال فی کتاب الاجتهاد والحمد لله۔

(والثانیة) ان یكون ممن رویاه التیلوخ فی ذالک العلم لاخذہ
عنہم ولا زمتہ لهم فہر الجحد یر بان یتصف بما اتصفوا به من
ذالک وھكذا کان شان السلف الصالح۔

فاول ذلک ملازمة الصحابة رضی اللہ عنہم لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم واخذہم باقوالہ وافعالہ واعتقادہم علی
ما یردمنہ کائنا ما کان وعلی آی وجہ صدر۔ (وقال بعد اسطی)

وصار مثل ذلک اصلا لمن بعدہم، فالتزم التابعون فی الصحابة
سیرتہم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی نقہروا وناووا ذرۃ الکمال

فی العلوم الشرعیة وحسبک من صحة هذه القاعدة انک لا تجد
عالمًا اشتاک فی الناس الاخذ عنه الا وله قداوة اشتاک فی قرنه
بمثل ذلک وقلما وجدک فرقة زائفة ولا احد مخالف للسنة
الا وهو مفارق لهذا الوصف۔

وبهذا الوجه وقع التشیع علی ابن حزم الظاہری وانه لم
یلازم الاخذ عن الشیوخ وتادب بآدابهم وبعده ذلک کان العلماء
الراستخون کالائمة الرابعة واشباههم۔

(الموافقات للإمام الشاطبی)

ص ۹۵ ج ۱

(ترجمہ برائے ناظرین معرفت)

اُس عالم کی جو اپنے علم کے ساتھ متحقق ہوتا ہے چند علامات و امارات ہیں جو کہ ماقبل میں بیان
کی ہوئی علامات کے موافق ہی ہیں اگرچہ بظاہر اُن کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اور وہ تین علامات
ہیں۔

۱۔ یہ کہ اپنے علم پر عمل کرتا ہو تاکہ اُس کا قول اُس کے فعل کے موافق ہو جائے کیونکہ اگر قول و فعل
میں اختلاف ہو تو ایسا شخص اس بات کا اہل نہیں ہے کہ اُس سے کوئی چیز اخذ کی جائے یا اُس کی
اقتدا کی جائے اور یہ مضمون کتاب الاجتہاد میں الحمد للہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ عالم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کو اُس علم کے اندر مشائخ کی تربیت اور نگرانی
بھی حاصل رہی ہو اس لئے کہ اُس نے اُس علم کو انہیں سے لیا ہے اور جب اس کے ساتھ اُنکے
پاس بھی رہا ہوگا تو اس کے اندر اُن مشائخ کی صفات کا پیدا ہو جانا بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ سلف صالح
کی یہی شان تھی۔

دیکھو سب سے پہلی صحبت حضرات صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُٹھائی جس کی وجہ
سے آپ کے اقوال افعال کے اخذ کرنے کا انہیں موقع ملا اور (دوام صحبت ہی کی وجہ سے) آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں وقوع میں آئیں اور جس طور پر آئیں اور جس انداز سے ثابت ہوئیں ان حضرات نے اُسے سمجھا اور اُس پر کامل یقین کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے انہیں حضرات نے آپ کے افعال کے مناشی اور آپ کے اقوال اور ارشادات کے مغز کو جانا اور چپکانا۔

پھر آگے چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ اور پھر یہی اُن کی ملازمت اور انقیاد وغیرہ امور بعد والوں کے لئے مشعلِ راہ بن گئے اور اصل ہی قرار پائے۔ چنانچہ حضرات تابعین نے اُسی طور طریقہ کو اختیار کیا جو حضرات صحابہ کا طریقہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ یہاں تک کہ یہ حضرات بھی علوم دین میں ماہر ہو گئے اور علوم شرعیہ میں کمال کو پہنچ گئے اور تمھارے لئے اس قاعدہ کی صحت کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ تم کسی ایسے عالم کو نہیں پاؤ گے کہ لوگوں میں وہ مشہور ہوا ہو (یعنی اُس سے لوگوں نے علوم حاصل کئے ہوں) مگر یہ کہ اُس کے لئے اپنے زمانہ میں اپنے اساتذہ سے علوم اخذ کرنے کا یہی نمونہ ثابت رہا ہوگا بلکہ وہ اُس میں مشہور رہا ہوگا۔ اسی طرح سے تم کوئی گمراہ فرقہ جو کہ سنت کا مخالف ہو نہ پاؤ گے مگر یہ کہ وہ اسی معاملہ میں اُنکاخلاف کرنے والا رہا ہوگا یعنی یہ کہ اپنے اساتذہ کی جن سے کہ علوم حاصل کیا ہے اُنکی طویل صحبت نہ اٹھائی ہوگی۔ اور نہ اُن کا اتباع ہی کیا ہوگا (اسی لئے گمراہی میں پڑا)۔

چنانچہ یہی راز ہے کہ علامہ ابن حزم ظاہری پر بہت لے دے کی گئی اور اُس کی وجہ یہی تھی کہ اُنھوں نے مشائخ کی ملازمت نہیں اختیار کی اور نہ اُن کے آداب سے متاثر ہوئے بلکہ خود مستقل رہے۔ برخلاف اس کے جو کہ علماء راسخون گذرے ہیں جیسے ائمہ اربعہ اور اُن کی طرح کے اور لوگ تو اُنکا طریقہ وہی رہا ہے جو حضرات تابعین اور صحابہ کا تھا۔ (یعنی اتباع۔ انقیاد اور تقلید اسلاف)۔

اضافہ از ناقل۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جناب قاری صاحب مدظلہ العالی کے پاس تو اتنا ہی لکھوا کر ارسال فرمایا تھا لیکن عالم کی تیسری شرط بھی ناظرین کے افادہ کے لئے عرض کرتا ہوں۔

صاحب موافقات فرماتے ہیں کہ اور تیسری شرط یہ ہے کہ عالم جس استاد سے علم

حاصل کہ اُس کا اتباع کہے اور اُسی کے آداب کے ساتھ تادب بھی اختیار کہے جیسا کہ تم نے حضرات صحابہ کے اتباع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔ اسی طرح سے تابعین کی اتباع کو حضرات صحابہ کے ساتھ پایا۔ یہی طور ہر زمانہ سے چلا آیا ہے اور اس وصف کے ساتھ حضرت امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز نظر آتے ہیں یعنی اتباع و انقیاد کے ساتھ وہ شدت کے ساتھ متصف تھے ورنہ یوں تو وہ تمام ہی حضرات جن سے دینی ہدایت ہوئی ہے اس مذاق کے تھے لیکن امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں زیادہ مشہور ہوئے۔ چنانچہ جب یہ طریقہ پھوڑ دیا گیا یعنی اسلاف کے اتباع و انقیاد کا اور اپنی رائے پر عمل کیا گیا تو بدعت نے بھی سر اٹھایا اس لئے کہ اقتدا اور اتباع کا ترک کرنا یہ دلیل تھی اس امر کی کہ اس تارک کو کوئی نیا خیال پیدا ہوا ہے اور اُس کی اصل اتباع ہوئی ہے۔ چنانچہ ہم کتاب الاجتہاد میں اس مضمون کو مفصل بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(اعتذار)

ماہ گذشتہ کا شمارہ پریس جاچکا تھا بلکہ طبع بھی ہوچکا تھا کہ اسی درمیان میں راقم کو ایک دن کاغذات کے اُلٹنے پُلٹنے میں ایک ایسی چیز ملی جس کا تعلق اُسی رسالہ کے مضمون سے تھا اب کوئی چارہ کار اس کے سوانہ تھا کہ اُسے آئندہ شمارہ میں ہی جگہ دی جائے لیکن بات چونکہ بہت دور نہیں ہوئی ہے اس لئے ناظرین انشاء اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونگے۔ اور وہ ہے حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر جسے حضرت نے کرمی جناب قادی محمد طیب صاحب مدظلہ کے اُس خط کے جواب میں لکھوایا تھا جس میں جناب قادی صاحب نے حضرت کو قلت کلام اور مستقل آرام کرنے کا مشورہ عطا فرمایا تھا۔ چونکہ اس کے بغیر سلسلہ گفتگو تشنہ معلوم ہوتا تھا اس لئے اس کو یہاں پیش کرنا

ضروری معلوم ہوا اگرچہ راقم ہی کے قلم سے اس پر یہ نوٹ بھی لکھا ہوا ملا کہ یہ خط جناب قاری صاحب مظلہ کے نام لکھا تو گیا مگر گیا نہیں۔ اب اس وقت جو بھی صورت پیش آگئی ہو حضرت نے ہی اس سال جواب کو کسی وجہ سے ملتوی فرمادیا ہو یا اس کے بجائے کوئی دوسری تحریر لکھی ہو۔ اس سلسلہ میں کوئی بات حافظہ میں نہیں ہے۔ بہر حال جو جواب حضرت نے لکھوایا تھا وہ یہ تھا۔

قاری صاحب مظلہ کے مشورہ پر حضرت دالا کا جواب محبت مکرم دام مجسم کم

السَّلاَمُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ

محبت نامہ بدست حکیم محمد عمر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ملا۔ بہت مسرت ہوئی اور آپ حضرات کے خطوط تو میرے حق میں طیب حاذق کے نسخہ کا حکم رکھتے ہیں یعنی جس طرح سے اس سے ازالہ مرض ہوتا ہے اسی طرح سے اس سے بھی قلب میں انشراح اور طبیعت میں ایک نشاط اور قوت محسوس کرتا ہوں جو مرض کو مغلوب کر کے اس کو زائل ہی کر دیتی ہے (کیونکہ طبیعت کا مرض پر غالب آکر اس کی مدافعت کرنے ہی کا نام صحت ہے)۔

آپ نے جس امر کی جانب توجہ دلائی ہے مجھے خود بھی اسکا احساس تھا کیونکہ طبیعت اب کھٹک گئی ہے اور ہمارے معالج اور دیگر اطباء نے جو علاج میں مشیر کار رہے ہیں۔ ان سب کا بھی یہی خیال ہے کہ آئندہ کام کے لئے ایک نظام بنادیں اور کھانے پینے۔ بولنے تقریر کرنے سب کام کے لئے وقت مقرر کر دیں تاکہ میانہ رومی قائم رہے اور ہر کام حد کے اندر اندر ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے مشورہ ہی پر عمل پیرا ہوں گا۔ میں بھی تو یہ سمجھتا ہوں کہ زیادتی مضر ہوگی باقی یہ بھی مجھ سے ہو نہ سکے گا کہ پیرن کر بیٹھ جاؤں اور کچھ بھی نہ بولوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ سمجھ سمجھ کر حد کے اندر کام کروں گا۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ مخاطب جب فہم لوگ ہوتے ہیں تو زیادہ کلام سے بھی باز نہیں ہوتا بلکہ انشراح بڑھتا ہے۔ اور بد فہم لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو تکرار بھی ہوتا ہے اور تھوڑی سی دیر

میں تعجب بھی ہونے لگتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اب سے اسکا بھی اہتمام رکھوں گا کہ اہل فہم
اور کم فہموں میں فرق کر کے ان کے ساتھ گفتگو کروں۔
والسلام خیر غتام
وصی اللہ عنفی عنہ

اسی طرح سے گزشتہ صفحات میں دورہ فالج کے بعد حضرت والا کے بمبئی
تشریف بری کے وجہ راقم نے اپنی معلومات اور یادداشت سے بیان کئے تھے
اس سلسلہ میں بھی حضرت کی ایک تحریر جو بہ نفس نفیس حضرت کے دست مبارک
سے لکھی ہوئی تھی مل گئی۔ جی چاہتا ہے کہ اس کو بھی پیش کر دوں حالانکہ
دو اس وقت سے ایک سال بعد کی ہے جب کہ حضرت پر فالج کے بعد اگلے سال
رعاف کا دورہ پڑا تھا اور تین ہفتہ تک ناک سے خون آتا رہا۔ اس وقت بھی
حکیم اجمیری صاحب ار آباد تشریف لائے تھے اور افاقہ کے بعد پھر بمبئی ہی
تشریف لیجا نامزد صحت کے لئے طے ہوا تھا۔

اس زمانہ میں مکھنؤ سے ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا کے نام
بمبئی گیا۔ یہ خط اصل میں تو اسی کا جواب ہے لیکن اس سے اور بہت سی
باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو پیش کرتا ہوں۔

حضرت کا خط ایک مولوی صاحب کے نام
بمبئی جانے کے وجہ!

عنایت فرمائے بندہ دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

مولوی امجد اللہ صاحب سے جب وہ مکھنؤ تشریف لے گئے تو جناب کو میری صحت
کے حالات معلوم ہوئے اور بیماری کے حالات جو مجھ پر گزرے وہ یہاں تھے ہی نہیں بہر کیف

میں سخت علیل ہو گیا تھا۔ سلسلہ علالت کا ایک سال سے چل رہا تھا اُمید تھی کہ اچھا ہو جاؤنگا مگر رمضان میں تو اور کمزور ہو گیا تھا مسجد جاتا تھا نماز بیٹھ کر پڑھتا تھا غرض مجبور ہو گیا تھا بعد رمضان دعائے کاسلسلہ شروع ہو گیا بہت خون گرا اس سے پہلی کمزوری میں اضافہ ہو گیا پھر کو خون بند ہو گیا تھا مگر گرمی اور لو کی وجہ سے احتمال تھا کہ پھر آنے لگے اسلئے معتدل آب و ہوا کی وجہ سے اطباء کی رائے سے بغرض تبدیل آب و ہوا یہاں آ گیا ایک صاحب جو علاج میں شریک تھے یہاں موجود ہیں۔ یہاں کا سفر اس لئے کیا گیا کہ یہاں میرے اعزہ ہیں ان سے سہولت کی اُمید تھی پار سال بھی اسی لئے یہاں آ گیا تھا۔ اب بقدر تحمل کام کر سکتا ہوں۔ نہ گرمی کا لحاظ نہ سردی کا کھنڈو کے سردی میں آنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ کے ہوتے ہوئے ہم لوگ کیا چیز ہیں مولانا منظور صاحب مولانا علی میاں صاحب و دیگر حضرات کام کے لئے کافی ہیں۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ گنگوہہ میں لوگ فرماتے تھے کہ ایک ہفتہ کے لئے آجاتے۔ اسی طرح تھانہ بھون میں اور خود یہاں جن کو استطاعت ہے وہ بھی نہیں آتے یہ حال ہے طلب کا اب ایسے لوگوں میں جانا کیا معنی رکھتا ہے طالب کا اور حکم ہے اور غیر طالب کا اور طلب صادق مرجع بن سکتی ہے جو کام کرتا ہے اس کو جانتا ہے۔

والسلام

دیکھئے اس خط کے مضمون سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت والا کے ذہن میں کہیں تشریف لے جانے کے لئے بھی کچھ شرائط تھیں اور اسکے لئے حضرت اقدس بعض خاص حالات کے منتظر رہتے تھے۔ چنانچہ جب تک وہ حالات سامنے نہیں آجاتے حضرت والا کو افشاح تام حاصل ہی نہیں ہوتا تھا اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس شرط کو حضرت اپنے ذہن ہی میں لئے ہوتے تھے زبان سے اسکا اظہار نہیں فرماتے تھے چاہتے تھے کہ اہل معاملہ خود اسے سمجھیں اور اس کے مطابق کام کریں۔ چنانچہ جس طرح سے کہ سلاطین ظاہری کے لئے ہے کہ ع

روزِ ملکِ خویش خسرواں دانند

اسی طرح جاننا چاہئے کہ یہ اہل اللہ بھی کسی بادشاہ سے کم نہیں ہوتے انکی بھی ایک سلطنت ہے اور اُس کے بھی کچھ رموز ہیں۔

خود حضرت ہی سنا فرماتے تھے کہ حضرت مولانا بھٹاؤنیؒ نے حضرت خواجہ صاحب کو جب اجازت دی تو اس سے بہت قبل وہ مجاہد ہونے کے اہل ہو چکے تھے لیکن حضرت بھٹاؤنیؒ اجازت دینے کے لئے ایک شرط (بطور محذوث منوی کے) اپنے ذہن میں لئے رہے وہ یہ کہ جب تک یہ ڈپٹی کلکٹری نہ چھوڑ دیں گے تب تک انکو اجازت نہ دوں گا لیکن اس کو حضرت مولانا خواجہ صاحب سے کہتے نہیں تھے چنانچہ ایک وقت ایسا آیا کہ خود خواجہ صاحب ہی ڈپٹی کلکٹری سے گھبرائے اور اس کو اسکول کی انسپکٹری سے تبدیل فرمایا۔ تب حضرت بھٹاؤنیؒ نے انھیں اجازت بھی عطا فرمادی۔ غرض بزرگوں کے یہاں ایسا بھی ہوتا ہے اور یہاں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ع

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

چنانچہ خط کے آخری جملہ میں اسی کی جانب اشارہ ہے کہ جو کام کرتا ہے اس کو جانتا ہے۔

بہر حال سفر دیوبند کے لئے حضرت دالانے بھی کچھ سوچ رکھا ہوگا اسلئے لوگوں کی ظاہری طلب مجمع کی کثرت اور اظہار محبت کے اتنے مظاہرہ کے بعد بھی حضرت یہی فرماتے رہے کہ ہنوز دلی دور است۔

چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک اور خط اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

دیوبند سے آیا ہوا ایک اور خط (لوگوں کا اشتیاق پر اشتیاق)

حضرت دالاکے آباد تشریف لانے کے بعد ہی سے یہاں استفسار کرنے والے چشم براہ عقیدتمند کا نام تابندہا ہوا ہے کہ حضرت دالاکب تشریف لارہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت دالاکے ساتھ تعلق اور لگاؤ کا اظہار کرنے والے اب شمار سے کہیں آگے ہیں۔ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز معلوم ہوتی ہے اور صرف دیوبند ہی نہیں حوالی و مضافات کے لوگ بھی چشم براہ ہیں۔

حضرت مصلح اللہ کا جواب

آپ حضرات کی اس محبت کا تو تقاضا یہ ہے کہ میں وہاں آجاؤں لیکن آنے کے لئے صرف محبت ہی تو کافی نہیں۔ اور چیزیں بھی دیکھنی ہونگی۔ ہنوز دلی دوست۔
لیکن آپ سے کہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کا کام کر رہا ہوں امید ہے کہ اس سے آپ کی تسلی ہو جائے گی۔ انتہی

(اس کے ساتھ یہ تحسیر بھی گئی)

مولوی صاحب سنو!

زمانہ بہت بدل چکا ہے لوگ دوسرے ہی قسم کے ہو گئے ہیں۔ مکان سے باہر قدم رکھتے ڈرتا ہوں کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے کسی جگہ جانے میں خوف ہی معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کسی فتنہ میں نہ پڑ جاؤں۔ حالات زمانہ کو دیکھتے دیکھتے مجھے اسکا کافی تجربہ ہو چکا ہے شاید تم کو اتنا نہ ہو۔

غرض بڑا پر آشوب زمانہ ہے ملازمت پر ہی کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ یوں تو حالات ساری دنیا کے بگڑ چکے ہیں اور بدل چکے ہیں لیکن ہمارے دینی مراکز کا تو بُرا حال ہے۔ وہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب موجود ہیں۔ قادی محمد طیب صاحب موجود ہیں سب پر ان حضرات کا اثر ہے اگر یہ لوگ کام کریں گے تو کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا اور سخت ہو جائیں گے تو کوئی مخالفت بھی نہ کریگا۔

میں لوگوں کے حالات کا خوب خوب تجربہ کر چکا ہوں۔ ع

یہ عالم دیکھا بھالا ہے یہ دنیا دیکھی بھالی ہے

اور آپ جو یہ تعداد کی کثرت دیکھ رہے ہیں میرے نزدیک یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کسی کے گرد جمع ہو جانا کیا مشکل ہے۔ بات کا سننا اور سمجھنا یہ مشکل ہے اور اس کی مجھے ابھی امید نہیں ہے۔

بھئی جو چلا گیا تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ لوگ بات سنیں گے چنانچہ دیکھا کہ لوگوں نے اثر لیا۔ اسی طرح علی گڑھ بھی سوچ سمجھ کر اور انشراح قلب کے ساتھ گیا تھا لیکن عربی مدرسوں کا حال کچھ دوسرا ہی

اس لئے کوئی کام بھی ہو خوب سوچ سمجھ کر ہی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید سمجھتے نہیں ہو تم نے وہاں نہیں دیکھا کہ لوگ کس طرح سے ٹوٹ کر گرتے تھے لیکن بعد میں مجھے افسوس کرنا پڑا کہ میں وہاں کیوں گیا ہذا مجمع وغیرہ کیا چیز ہے۔ یوں ماننے کو مجھے ہر جگہ کے لوگ مانتے ہیں۔ مجمع ہی مقصود ہوتا تو جہاں چاہتا چلا جاتا۔

اس لئے تم سے کہتا ہوں کہ یہ سب باتیں ہم جیسے لوگوں کو پھانسنے والی ہیں۔ اب اس قسم کی بات نہ لکھنا۔ میں نے قاری صاحب سے زبانی کہہ دیا تھا کہ آپ اندر کام کریں میں باہر کام کرتا ہوں یہی صحیح طریقہ ہے اور اس طرح سے کچھ کام ہو جانے کی بھی امید ہے اسلئے میں وہاں نہ آؤں گا یہ سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔

منجانب حضرت والامد ظلمہ
(بقلم یکے از خدام)

اسی دور کا ایک اور ارشاد

(حالاتِ زنا سے عبرت لیتے ہوئے خدامِ خانقاہ کو تنبیہ۔ بلوغ)

آج علی الصبح مولوی..... صاحب نے حضرت والا کے ایما سے حضرات ذیل کو جن میں مولوی افتخار الحق صاحب و مولوی وصی الدین صاحب و مولوی رفیع الدین صاحب و مولوی عبد المجید صاحب و مولوی فاروق صاحب و ڈاکٹر صلاح الدین صاحب و مفتی نحر الاسلام صاحب کے ساتھ احقر..... بھی تھا یکجا کر کے حضرت والا کا یہ ارشاد سنایا:۔

فرمایا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ کام کہاں سے بگڑا ہے اور کس وجہ سے ہمارا دینی کام

خراب ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی استاد کے شاگردوں میں اور ایک ہی شیخ کے مریدین میں آپس میں اُلفت - محبت - ایثار ایک دوسرے کا احترام و تائید نہیں ہوتی بلکہ اس کے بجائے نفرت - عداوت - بغض اور ایک دوسرے کی غیبت و تذلیل اور مخالفت ہوتی ہے جس کی وجہ سے کام کی روح نکل گئی اور کام ختم ہو گیا۔

دیوبند میں ایک عرصہ تک میں رہا ہوں۔ میں نے وہاں پڑھ لیا ہے اور بنظر غائر وہاں کے حالات کو دیکھا ہے اس لئے اچھی طرح دیکھنے اور سمجھنے کے بعد آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ کام یہاں سے بگڑا ہے اور تمام فسادات کی جڑ یہی تباغض اور تحاسد ہے۔ اسی نے ہمارے اداروں کو اور ہماری تمام دینی جگہوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور ان کی روح ہی ختم کر دیا ہے۔

جب کسی بندے کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے تو مشائخ سے بھی تعلق ہو جاتا ہے اور پھر اس کے مریدین سے بھی تعلق ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ایک دوسرے کے یہ لوگ بھائی کہلاتے ہیں اور ان کو اخوان الطریق کہا جاتا ہے جب آپس میں اخوت اور ہمدردی نہیں ہے تو اخوان کہاں ہوئے یہ تو اعداد ہوئے پھر ان کو اخوان الطریق کیسے کہا جائے معلوم ہوا کہ یہ لوگ طریق پر نہیں ہیں صرف رسم اور نام باقی ہے کیونکہ اگر طریق پر ہوتے تو اسکے اثرات و لوازم بھی پائے جاتے جب لوازم غائب ہیں تو معلوم ہوا کہ ملزوم اور اصل ہی غائب ہے۔

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا مدظلہ کے نام
یہاں کے لوگ بہت مانوس نظر آتے ہیں۔ حضرت والا کو آمادہ سفر کرنے کی

ایک اور کوشش

حال۔ مکتوب مطرانوار مل کر قلب کی روشنی اور سعادتوں میں اضافہ کا باعث ہوا۔
تحقیق۔ الحمد للہ۔

حال۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت اقدس کی چشم حقیقت نگاہ جو کچھ دیکھ لیتی ہے اُسکے

دیکھنے سے ہماری آنکھیں قاصر ہیں باقی یہاں اتنا ضرور دیکھنے میں آتا ہے کہ آنحضرت سے یہاں کے لوگ اس حد تک مانوس ہیں کہ ہر وقت مجلس میں جب کبھی اکابر کا ذکر آتا ہے تو آں محترم کا ذکر باحسن وجہ کرتے ہیں اور! میں مجھے تصنع نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اصلاح کی راہ پر کتنا اور کس حد تک لوگ چل سکیں گے اسکا اندازہ مشکل ہے۔

مولانا..... صاحب کا مکتوب متعلق حضرت مولانا ابراہیم صاحب مدظلہ جو کہ نسخہ تھا دیدیا۔ چونکہ وہ شکایت دعاوی کی برکت سے رفع ہو چکی ہے اس لئے نسخہ بحفاظت رکھوادیا۔ فرما ہے تھے کہ انکی توجہ ہی سے معاملہ بہتر ہو جاتا ہے۔ سلام فرما رہے ہیں۔ امتحان کی مشغولیت ہے انشاء اللہ کل پرسوں تک مکتوب حاضر خدمت کریں گے۔

حضرت اقدس کی صحت سے بید مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ پہلے سے بہت زیادہ بہتر حالات پیدا کر دیں تاکہ اس کے بندوں کو خصوصاً علماء کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچے اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت آسان ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو آپ کے برکات دینی اور خیر اخروی سے زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائیں۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔

خادم.....

(۳۰ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ)

تحقیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولوی صاحب سنو۔ تم یہ جو لکھ رہے ہو کہ لوگ مانوس ہیں ذکر تذکرہ کرتے ہیں اور مانتے ہیں تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ اس ماننے کا معیار تو مختلف ہو سکتا ہے یعنی یہ تو ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک اسکا معیار کچھ ہو اور میرے نزدیک کچھ اور ہو۔

یہ تو ضروری نہیں کہ وہی معیار میرا بھی ہو۔ حضرت مولانا مدظلہ سے میرا سلام عرض کر دیجئے اور دعا کی درخواست۔ الحمد للہ اچھا ہوں۔ مزید قوت کے لئے دعا کیجئے۔

والسلام

(۴ جمادی الاول ۱۳۸۵ھ)

(جواب کے ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

خط ملا، حضرت والا نے بھی ملاحظہ فرمالیا۔ آپ تو حضرت کے طریقہ سے واقف ہی ہیں کہ بھیڑ بھاڑ اور مجمع پسند نہیں ہے۔ طالب ایک دو بھی ہوں تو وہ ہزاروں غیر طالب پر بھاری ہیں اور یہ آزادی کا زمانہ ہے فساد اخلاق کا زمانہ ہے خود رانی اور جاہ پسندی کا دور دورہ ہے اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طلب آسان نہیں ہے۔ یہ راہ بڑی دشوار گزار ہے۔ دین کی خاطر دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے جس کے لئے بڑی ہمت اور بڑا خلوص درکار ہے۔

ہر حریصے ناسرائے ترک دنیا کے کند
شیر مردے باید و دریا دے مردانہ
یعنی ہر حرص کا مارا۔ نااہل شخص دنیا کو کہاں چھوڑ سکتا ہے۔ اسکے لئے تو کوئی شیر مرد ہی ہونا چاہئے جو دریا دل ہو اور ہمت والا ہو۔

حضرت فرماتے تھے کہ میں اب اپنے ضعف و مرض کی وجہ سے کہیں جا نہیں سکتا (اس ماہ کے رسالہ معرفت حق میں ایک اعلان بعنوان ”اطلاع“ طبع ہو رہا ہے ملاحظہ فرمائیے گا۔ اس خط کے بعد ہم اس کو یہاں بھی نقل کر رہے ہیں) اور لوگوں کو جب یہاں آنکی فرصت نہیں ہے تو پھر بھلا اب صلاح کی کیا سبیل ہو؟

اور سفر کے سلسلہ میں علاوہ پیرانہ سالی اور ضعف کے اس قسم کے واقعات نے اور بھی کمر توڑ دی ہے کہ ایک اور جگہ سے (دیوبند نہیں کہیں اور کا واقعہ ہے) ایک مغز صاب یہاں تشریف لائے۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ آپ کے یہاں کے لوگ مجھے اپنے یہاں کیوں بلا رہے ہیں وہاں تو خود ہی عالم و فاضل اور عاقل لوگ موجود ہیں۔ وہ صاحب اسکا مطلب سمجھے کہا کہ جی ہاں (حضرت کا خیال صحیح ہے) وہاں کے حضرات کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ اپنا اثر جانے آئے ہیں۔ حضرت والا یہ سن کر بڑی زور سے ہنسنے اور ان کی اس صاف گوئی پر بہت خوش ہوئے کہ انھوں نے ایک علم عظیم دیا اور فرمایا کہ اب وہاں کبھی

نہ جاؤں گا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ جیب ایک جگہ کا یہ حال ہے تو دوسری جگہ بھی کم از کم اس کا احتمال تو ضرور ہوتا ہے اس لئے کہ ۵

چوں از قوفے بچے بید انشی کرد نہ کہہ را منزلت ماند نہ مرا
بہر حال اب آپ تو حضرت والا سے آنے جانے کے متعلق کچھ کہئے گا ہی نہیں باقی اور
حضرات جو فرماتے ہیں انکو سمجھا سکئے تو سمجھائیے ورنہ حضرت ہی کے حوالے فرما دیجئے انشاء اللہ
تعالیٰ ان کو بھی مطمئن کر دیا جائے گا۔

والسلام
(بقلم یکے از خدام)

نقل اعلان حضرت والا بعنوان ”اطلاع“

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نیز احباب کی دعاؤں کی برکت سے طویل
علاقت کے بعد مجھے صحت عطا فرمائی۔ چنانچہ بحمد اللہ بہت اچھا ہوں
اور آباد کی دہلی اور یہاں کے قیام میں ہر چیز میں زیادہ نفع دیکھ رہا ہوں
تاہم چونکہ پیرائہ سالی ہے جو کہ قومی کے انحطاط کا زمانہ ہوتا ہی ہے۔ ادھر
شدید علالت کی وجہ سے جو ضعف ہوا جس کا اثر کچھ نہ کچھ موجود ہی ہے۔
یہ مزید برآں۔ اس لئے اپنے معالج و دیگر مخلصین اطباء و ڈاکٹروں کی ہدایت
کے بموجب یہ عرض ہے کہ ان حالات میں میرے لئے باہر کا سفر کسی طرح
مناسب نہیں۔ لہذا بذریعہ اعلان ہذا احباب کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی
صاحب مجھے اپنے یہاں آنے کی دعوت نہ دیں اور اپنی دعوات صالحہ میں

یاد رکھیں۔ فقط والسلام
وصی اللہ عفی عنہ

(۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ)

اعلان ہذا کے متعلق اطباء و اعزہ کی تائید

حضرت والا کا مذکور الصّدر اعلان ہم خدام کی درخواست اور خواہش کے عین مطابق ہے۔

- ۱۔ شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین احمد۔ لکھنؤ
- ۲۔ شفاء الملک حکیم نثار احمد خاں۔ کلکتہ
- ۳۔ ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی۔ الہ آباد
- ۴۔ حکیم محمد سلیمان فخری۔ الہ آباد

حضرت والا دامت برکاتہم کے اعلان بالا کے سلسلہ میں اتنا اور عرض ہے کہ ترک سفر کا سبب ضعف اور علالت تو ظاہر ہی ہے۔ عسلا وہ ازیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اصلاح و تربیت کا کام تو ایک جگہ جم کر ہی کرتے سے ہوتا ہے۔ یہاں وہاں آنے جانے میں کام کا نقصان بھی ہوتا ہے اور آنے جانے والے بھی پریشان ہوتے ہیں۔ خطوط کے جوابات میں بھی دقت ہو جاتی ہے اور مقامی لوگ بھی سست پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ تجربہ ہوا کہ جب بھی حضرت باہر تشریف لے گئے (مقامی) لوگوں نے (مجلس میں) آنا بند کر دیا۔ حالانکہ حضرت والا کے امر کے بموجب مجلس میں مکتب و مضامین حضرت والا کے سنانے کا سلسلہ برابر ہی جاری رہا اس لئے حضرت کا ترک سفر ان مصالح پر بھی مشتمل ہے۔ والسلام

کتر بن محمد مبین غفرلہ

احقر قمر الزماں عفی عنہ

(۲۹ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ)

(اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کو حسب ذیل تحریر ارسال فرمائی)

مولوی صاحب سنو۔ دین کا مدار اخلاص پر ہے نصوص کو دیکھ لو تو اب بتلاؤ کہ میرے

کہیں آنے جانے میں اخلاص کیوں معتبر نہ ہوگا..... اگر لوگوں کو ہم سے کام لینا ہے تو اخلاص اختیار کریں ورنہ ہماری جگہ بھی فاسد ہونا چاہتی ہے (جس طرح سے کہ اور جگہیں فاسد ہو گئی ہیں) تربیت باطنی خراب ہو گئی ہے اگرچہ وظائف جاری ہیں یہ طریق کافی نہیں ہے نفس کا درجہ حجاب رہتا ہے بغیر اس حجاب کے دور کئے ہوئے کثرت کار نامہ ممکن ہے یہ مضمون طویل.... ہے مگر سمجھدار کے لئے اتنا بھی بہت ہے۔

والسلام
وصی اللہ بقلم خود

کام اپنے حد کے اندر کیجئے اور کسی پر تنقید و تبصرہ کی اجازت نہیں ہے حضرت والا کا انتباہ اپنے ایک خادم کو (بقلم یکے از حاضرین خانقاہ)

(۱) آپ جو کام کر رہے ہیں اس کی تو آپ کو اجازت ہی ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ مجاز صحبت کہا جاسکتا ہے۔ اسکا مطلب خلافت بمعنی اجازت بیعت نہیں ہے۔ یہ تصریح اس لئے کرنی پڑی کہ ان دنوں مسلسل چند واقعات ایسے سننے سے کہ معلوم ہوا کہ لوگوں کو اسی لفظ سے مغالطہ ہوا اور کام کی اجازت کا مطلب خلافت لے کر بعضوں نے بیعت تک لینا شروع کر دیا تو آپ کہیں ایسا نہ شروع کر دیجئے گا۔

اس کی یعنی (صحبت) کی شرائط کم ہیں۔ عدالت اور سمت صالح ہونا کافی ہے اور خلافت کی شرائط سخت ہیں۔ اول شرط یہ ہے کہ صاحب نسبت ہو جو کہ شیخ کے درجہ سے متعلق ہے اس لئے محض حق تعالیٰ کی جانب سے قلب شیخ میں آتی ہے۔ سالک کو چاہئے کہ اس کی اہلیت پیدا کرے مگر اس کی جانب معاملہ صفر ہی سا ہے ادھر لوگوں کو توجہ ہی نہیں ہے۔ ہے حضرت مولانا (محمد ابراہیم صاحب) مدظلہ تو اول تو انکو شیخ اللہ کی جانب سے اجازت ہو چکی تھی جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے کچھ کام کیا تھا۔ نیز اتنے بڑے شخص ہو کر اپنے کو حضرت والا کے سامنے اس طرح سے گرایا کہ اُس کی نظیر

قرونِ اولیٰ میں ہو تو ہو اس نفسانیت کے دور میں تو ملنی مشکل ہے اس سے کیا انکی تواضع اور انکسار اور قلبی حالت کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا طریق میں فروتنی اور تواضع ہی تو ایک چیز ہے۔

(۲) کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے صحیح ہے۔ بہر حال وہ خود کو پیش فرمادیں تو ادب بات ہے اور حضرت تو فرماتے تھے کہ دیوبند تو دیکھا بھالا ہے۔ میرے ہی سامنے وہاں ایسا زبردست فتنہ ہو چکا ہے کہ الامان و الحفیظ تو بھیا میں یہ جان بوجھ کر اپنے تجربہ کے خلاف کیوں کوئی کام کر دوں اور کیوں کسی کی دشمنی کا سبب بنوں میرا یہ طریقہ نہیں ہے۔

(۳) آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ لوگوں سے بات چیت کرنے کی اجازت تو میں نے آپ کو دے دی ہے مگر اسکا خیال رہے کہ زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ زائد اور فضول بات سے احتراز اور کسی شیخ پر یا اُس کے خاندان والوں پر خبردار خبردار کوئی تبصرہ نہیں کیجئے۔ نہیں دیکھتے کہ میں نے یہاں اسی ہتھیار کے ذریعہ کامیابی حاصل کی ہے وِیْلَہُ الْحَمْد۔

(بقلم یحییٰ از خدام۔ بحکم حضرت دالہ مظلہ العالی)

اس درمیان میں مکرّمی جناب مفتی محمد نظام الدین صاحب مدظلہ العالی کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں منصب افتاء پر ہو گیا۔ حضرت ممدوح چونکہ حضرت مصلح الائمہ سے اپنی ادائے عمری میں متعلق ہو چکے تھے و نیز حضرت دالہ کے محب اور محبوب بھی تھے۔ چنانچہ حضرت دالہ کے مجاز بیعت بھی ہو چکے تھے۔ ایک عرصہ تک دارالعلوم مؤصلع اعظم گڈھ کے مدرس اور مفتی رہے کہ ادھر مدرسہ دیوبند میں ایک مفتی کی ضرورت پڑی حضرت مصلح الائمہ سے انکی نسبت اور تعلق کی بناء پر جب اہل مدرسہ کو بھی حضرت اقدس سے تعلق ہوا تو جناب مفتی صاحب موصوت پر نظر انتخاب پڑنے لگی۔ اور غالباً اس سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی

نے حضرت دالاسے بھی اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ غرض حضرت مفتی صاحب
نے دارالعلوم بمبئی سے دارالعلوم دیوبند منتقل ہونا منظور فرمایا اور دیوبند
تشریف لے آئے۔

ان کے پوپنچے پر جناب قاری صاحب مدظلہ العالی نے حضرت مصلح الامۃ؎
کو یہ خط تحریر فرمایا۔

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کا خط حضرت مصلح الامۃ کے کلام

حضرت مخدوم و معظّم دامت برکاتہم۔ سلام سنون نیاز مقرون
الحمد للہ بعافیت رہ کر متدعی خیریت مزاج اقدس ہوں۔ محترم مولانا مفتی
نظام الدین صاحب الحمد للہ بعافیت پوپنچ گئے ہیں اور کل سے کام بھی سنبھال لیا ہے
الحمد للہ کہ اب دارالافتاء میں اچھی مقدمہ علیہ شخصیتیں جمع ہو گئی ہیں جو دارالعلوم کے
اقراء کے شایان شان تھیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

مفتی صاحب مددح سے خیریت مزاج گرامی معلوم ہو کر بے حد مسرت ہے۔
یہ شفقت و کرمیت نے سر فراز فرمایا جو باعث سعادت ہے۔ بالخصوص وہ رنج و توبہ
والذخات جس کا مظہر یہ ہے اس پر دل بستہ اور مسرور ہے۔ اُمید ہے کہ مزاج
اقدس بہمہ وجوہ بعافیت ہوگا۔ دعا کا ہر وقت محتاج دلتیں ہوں۔ حق تعالیٰ
کا فضل ہے کہ کام صحیح نہج پر آ رہا ہے جو بلاشبہ آنحضرت کی توجہات و برکات کا اثر ہے۔
متعلقین کی خدمات میں سلام سنون عرض ہے۔

والسلام
محمد طیب

(دیوبند)

حضرت مصلح الائمہ کا جواب

بشرف ملاحظہ عالی جناب حضرت مہتمم صاحب دام مجید کم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ بعافیت ہوں۔ الحمد للہ کہ مولانا مفتی نظام الدین صاحب پوچھ گئے اور
کام بھی سنبھال لیا ہے جزاۃ اللہ تعالیٰ۔

جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ الحمد للہ اب دارالافتاء میں اچھی معتمد علیہ شخصیتیں
جمع ہو گئیں ہیں جو دارالافتاء کے شایان شان ہیں الحمد للہ ثم الحمد للہ "اس سے بہت خوش
ہوا کہ جناب کے اعتماد کے قابل اشخاص جمع ہو گئے۔ میں کیا اور میرا یہ کیا، مگر جو چیز آپ کی
مسرت کا موجب ہو وہ ضرورتاً بل تحسین ہے۔ الحمد للہ اچھا ہوں آپ کی دعا کی
ضرورت ہے۔

آخر میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ کام صحیح نہج پر آ رہا ہے
جو..... کی توجہات و برکات کا اثر ہے تو یہ جو فرمایا ہے کہ کام صحیح نہج پر آ رہا ہے
اس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جس کے اہتمام میں یہ سب برکات رونما ہوں
وہ ضرور مقبول ہے۔ مجھ کو آپ کی ذات سے بہت توقعات ہیں اور آئندہ بہت سی
امیدیں وابستہ ہو گئی ہیں۔ سب پرسان حال کی خدمت میں سلام سنوں۔

والسلام خیر تام
رحمی اللہ عفی عنہ

دیوبند سے جناب مفتی نظام الدین صنا کا خط
مصلح الائمہ کے نام

سیدی دسندی حضرت مولائی دمرشدی وسیلۃ یومی وغدسی دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ حضرت والامدظلہ کی دعاؤں کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ بخیر و عافیت دیوبند

پونچ گیا اور بخیریت ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ بڑے تپاک سے ملے اور بہت خیال فرما رہے ہیں۔ یہ سب حضرت والا ہی کی توجہات و عنایات کے ثمرات و برکات ہیں ورنہ یہ احقر کب اس قابل تھا۔ یہ دونوں حضرات حضرت والا سے بہت خوش ہیں اور بڑی عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب فرما رہے تھے کہ ہمارے حضرت بہت بڑے صاحب تصرف بھی ہیں۔ مدرسہ کے بہت سارے معاملات بہت اچھے ہوئے تھے اور اچھے ہی چلے جا رہے تھے اور میں گھبراتا سا جا رہا تھا لیکن لکھنؤ میں زمانہ علالت میں میں نے عرض کیا حضرت نے دعا فرمائی اور تسلی دی اور بمبئی میں بھی میں نے عرض کیا اور اپنی کچھ پریشانیاں بھی ظاہر کیں تو حضرت نے بڑی قوت سے فرمایا کہ جاؤ کام کرو انشاء اللہ تعالیٰ کچھ نہیں ہوگا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اندر سے کام کرو اور میں باہر سے (اور لوگ نہیں مانیں گے تو) میں سرکار (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہاں عرض کر دوں گا۔ چنانچہ اُس کے بعد ہی سے معاملات سلجھنا شروع ہو گئے اور سلجھتے ہی چلے جا رہے ہیں اور اب میں بہت مطمئن ہوں اور قلب میں ایک قوت سی محسوس کر رہا ہوں اور جب احقر نے حضرت والا کی طرف سے دیئے ہوئے مسئلہ پیش کیا تو اُسکو یہ کہہ کر بڑے تپاک سے لیا کہ یہ میرے لئے تبرک ہے اور باعث خیر و برکت ہے۔

حضرت والا کا جواب

مولوی..... صاحب سلمہ

اَللّٰهُمَّ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ

الحمد للہ مہتمم صاحب کی باتیں انتہائی عقیدت بردار ہیں۔ آپ کے لئے دُعا کرتا ہوں۔

والسّلام

اسی زمانہ کا ایک اور ملفوظ

دیوبند سے دو خطوط آئے تھے ایک مہتمم صاحب مظلہ کا تھا دوسرا ایک دوسرے عالم کا جو حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں دونوں خطوط میں حضرت والا سے گہری عقیدت کا اظہار تھا۔ چنانچہ دونوں خطوط مع حضرت والا کے جواب کے رجسٹر مکتوبات میں درج ہو چکے ہیں انھیں خطوط کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

اعتقاد بہت بڑی چیز ہے اسی پر ساری ترقیات کا مدار ہے۔ یہی اعتقاد جملہ کمالات کی سنگ بنیاد ہے۔ چونکہ اعتقاد ایک بڑی چیز ہے اس لئے کم حوصلہ اور چھوٹے لوگوں کو یہ نہیں حاصل ہوتا بڑی چیز کے لئے بڑا ظرف چاہئے۔ چھوٹے ظرف میں بڑی چیز کیسے آدے گی۔ مہتمم صاحب چونکہ بڑے کی اولاد ہیں۔ مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ انکا حوصلہ اور ظرف کیسا ہوگا اس لئے وہ مجھ سے بڑی عقیدت کا اظہار فرماتے ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ انتہائی اخلاق سے پیش آتا ہوں۔ اس طرح پیش آتا ہوں جیسے کوئی اپنے پیر کے ساتھ پیش آتا ہے۔

مدرسہ دیوبند کے متعلق حضرت مصلح اللہ کا ایک
(اعلان)

تمام مسلمانان عالم کو اس دینی امانت کی حفاظت کو اپنا ایک اہم وقتی
فریضہ تصور کرنا چاہئے

مدرسہ دیوبند میں جو حالات رونما ہوئے ہیں جن کا تذکرہ اخبارات و رسائل میں بھی
آچکا ہے کوئی مسلمان ان سے بے خبر نہ ہوگا۔

بعض ذرائع سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ارباب نظم و اہتمام کو حیرانی ہے کہ آئندہ

اس کا نظم کیونکر چلایا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ ان حالات میں میں ہندوستان کے مسلمانوں کو بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں کو اسطرت متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مدرسہ مسلمانوں کی امانت ہے اور اسلاف کی میراث ہے جس میں تمام دنیا کے مسلمان برابر ختمے شریک ہیں اس لئے اس وقت جب کہ اس پر ایسی پوریش ہو رہی ہے کہ ادباجل و عقد بھی سخت پریشان ہیں تمام مسلمانان عالم کو اس کی فلاح و بقا میں حصہ لینا چاہئے اور اس دینی امانت کی حفاظت کو اپنا ایک وقتی فریضہ تصور کرنا چاہئے۔ یہ ایک اللہ کے بندے کا پیغام ہے عام مسلمانوں کے نام۔

اب آپ حضرات کا جی چاہے تو اس کو باقی رکھنے میں حصہ لیجئے یا جو جی چاہے کیجئے۔
وما علینا الا البلاغ۔ فقط والسلام

(ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی)

(شعبان ۱۳۸۶ھ م - یکم ستمبر ۱۹۶۶ء)

دومہینہ کے بعد ایکٹ دوسرا اعلان

(اعلان ضروری)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجھے بعض معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس سال مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی رفتار آمدنی سابق سنین کے اعتبار سے کچھ سُست ہے اس کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سلیئے! مدرسہ ہمارے اسلاف کی یادگار اور اُنکی ایک زبردست خدمت ہے۔ اُن کے بعد ہمارے اکابر نے اسلاف کے طریقہ پر اسے باقی رکھا ہم کو بھی اسی طریقہ پر اس کی صیانت ضروری ہے لہذا اسکا تحفظ و بقا اور اس کی ترقی کے لئے کوشش کرنا ہمارے لئے از بس ضروری ہے۔ اسلاف کی خدمات کا باقی رکھنا اور اس کو ترقی دینا بعد والوں کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے ورنہ ضیاع کی صورت میں باز پرس ہوگی۔

اسذا مدرسہ کی ہر طرح کی اعانت دے، درے، قے، سنے سب مسلمانوں کے
ذمہ ضروری ہے ۵

نام نیک رستگاں ضائع کن تابسانہ نام نیکت پاؤں
چسراغے را کہ ایزد بر فردوز ہر آنکو لطف ز ندر شیش بسوزد
اگر گیتی سراسر باد گیسو چسراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

یہ خطاب تو میرا عام مسلمانوں سے تھا اور ادب اب نظم و اہتمام سے عرض ہے کہ زمانہ
کیسے ہی اخطا کی طرف جارہا ہو جو لوگ کہ بزرگوں کے طریقہ کے حامی ہیں اور انکے طریقہ
پر رہنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اپنے کام میں لگے رہیں اور کام کئے جائیں اس لئے ہم کو
بس اپنا کام کرنا ہے۔ زید عمر کیا کر رہے ہیں اس کو دیکھنا ہی نہیں ہے۔ ایسی حالت
میں جو کوئی دینی خدمات کرے گا اس کو اجر زیادہ ملے گا۔ عبادۃ اللہ صریح کھجور (لی)۔
فقط والسلام۔ وحی اللہ عفی عنہ
(یکم شوال۔ کرلا۔ بمبئی ۱۳۸۷)

پھر دو ماہ کے بعد ایک تیسرا اعلان

(اعلان خصوصی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی جانب مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے میرا
ایک مضمون رسالہ "معرفت حق" ار آباد میں شوال کے مہینہ میں شائع ہو چکا ہے اس کے
بعد مجھے باد ثوق ذریعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ الحمد للہ لوگوں نے اس کا اثر لیا اور اسکے
حوالہ سے مدرسہ کی اعانت میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے آمدنی کا اوسط
بہت کچھ بڑھ گیا ہے تاہم جو نقصان کہ ہو چکا ہے اس کی تلافی ہنوز نہیں
ہو سکی ہے۔

لہذا میں تمام مسلمانوں سے عموماً اور اپنے احباب سے خصوصاً مکرر کہتا ہوں کہ دارالعلوم کی مالی اعانت کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ عیند اصحیٰ کا موقعہ ہے چرم قربانی وغیرہ سے بھی مدرسہ کی ایسی اعانت کر دیں کہ اس کے لئے تلافی یافت ہو جائے ایسے پر فتنہ دور میں مسلمانوں کے اس دینی مرکز کی صیانت و حفاظت اور تحفظ و بقا از بس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین خوشنودی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو تمام شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور اپنی مرضیات پر چلا دے اور اسی پر قائم و دائم رکھے۔

والسلام
وصی اللہ عفی عنہ۔ الہ آباد
۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

حضرت اقدس کی اپیل اور اعلانات کے اثرات

ایک مولوی صاحب کا خط

اپنے ایک عزیز کے نام

مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بارے میں حضرت اقدس کا جو مضمون معرفت حق میں شائع ہوا ہے اس کا بہت اچھا اثر پڑ رہا ہے۔ اس کے بعد سے آمدنی کا واسطہ بہت بڑھ گیا ہے۔ نیز بہت سے لوگ اس کا حوالہ دے کر کہ یہ مضمون شائع ہوا ہے اس لئے بھیج رہے ہیں۔

یہاں کے حالات میں حضرت والا مدظلہ کی کھلی کراہتوں کا اثر دیکھ رہا ہوں اور اکثر لوگوں کو اسکا اعتراف بھی ہوتا جا رہا ہے۔ خدا کرے کہ اس کا حل و عقد کے تمام افراد کے ذہن میں یہ حقیقت کھل جائے تو سب کام بہت جلد درست ہو جائے۔

(۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ)

گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ احباب کی خواہش اور درخواست پر حضرت والا نے اب صاف ہی صاف تحریر فرمادیا کہ — ”میں وہاں نہ آؤں گا۔ یہ سمجھ کر لکھ رہا ہوں“ اب اس میں اللہ تعالیٰ کی جو بھی مصلحت رہی ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس قدر آمادگی کے بعد وہاں کا سفر کیوں نہ ہو سکا۔

حضرت نے صراحتاً تو اسکو یہاں نہیں فرمایا تاہم حضرت کے سابقہ خطوط میں کچھ نہ کچھ ترشح ان وجوہ کا ہوتا ہے۔ جن کی بناء پر یہ سفر وجود میں آسکا۔ بہر حال یہ تو وہاں کے مطابق اور ان کے عین مناسب ”شیخ وقت“ کا ایک معاملہ تھا جس کو خود کام کرنے والا ہی سمجھتا ہے دوسرے کی رائے کو اس میں نہ دخل اور نہ وہ معتبر۔ حضرت اقدس دیوبند تو تشریف نہیں لے گئے لیکن مدرسہ دیوبند کی ظاہری اور باطنی ہر دو ترقی ہر آن آپ کے پیش نظر رہی۔

چنانچہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کے وہاں پہنچ جانے سے خوشی اور اس پر جناب قاری صاحب مدظلہ کو مبارکباد ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں نیز حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی محبت اور عقیدت سے مسرت اور اسلام کی نسبت کی وجہ سے ان کی تنظیم اور ان کے ساتھ پیر کا معاملہ کرنے کو خود حضرت والا ہی نے فرمایا ہے۔

پھر ان سب کے علاوہ خود مدرسہ جب ان ہی دنوں داخلی اور خارجی انقلابات سے متاثر ہوا اور ارباب حل و عقد کو اس کی معیشت اور معاشرت ہر دو کی زبوں حالی نے پریشان کر دیا اور اس حالت کا ذکر جسراؤں اور اخبارات میں آنے لگا تو حضرت مصلح الائمہؒ کو بھی اس کی وجہ سے شدید قلق ہوا اور حالات کی اصلاح کے لئے بیچین ہو کر پے درپے وہ تینوں اعلانات نکالے جنہیں ناظرین پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ چونکہ یہ آواز ایک اللہ والے کے اخلاص بھرے دل کی صدا تھی اس لئے باوجود حضرت کے

گوشہ نشین ہونے کے یہ صدا بصر انہیں ثابت ہوئی بلکہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اطراف و اکنات عالم میں گوبنّی اور چپہ چپہ میں پھیلی اور الحمد للہ کہ بچہ بچہ نے اس سے اثر لیا۔

حضرت مفتی صاحب کا تاثر تو آپ نے ملاحظہ ہی فرمایا ہے ایک اور انگریزی داں عوامی شخص کا تاثر بھی ملاحظہ فرمائیے اس نے امریکہ سے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ :-

”حضرت والا تک پہنچنے کے لئے کبھی کبھی بڑا بیچین ہوتا ہوں۔ ملاقات کے لئے دل چاہتا ہے کیسے اڑ کر پہنچوں۔ میرا سلام پہنچا دیجئے۔ مدرسہ دیوبند کے لئے اپیل پڑھی۔ حضرت والا کی اپیل ہے سر آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے دل میں خیال ڈالا کہ مدرسہ کی امداد ضرور کرو۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ نیت کر رہا ہوں جو کچھ بھی ہو سکے گا بھیجوں گا۔“

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ ایک اللہ والے کی آواز کس قدر جلد ہندوستان سے امریکہ پہنچ گئی اور صرت کان ہی میں نہیں پہنچی بلکہ قلب میں اثر انداز ہوئی جلیا کہ انھوں نے خود لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں خیال ڈالا کہ مدد کرو۔ سبحان اللہ از دل خیزد بر دل ریزد کا یہی مفہوم ہے۔

غرض ایک اہل دل کی یہ آواز ایسی نہ تھی جو کہ کام نہ کرتی بلکہ اس نے کام کیا اور نمایاں کام کیا۔ چنانچہ آنے والے خط میں خود مہتمم صاحب مدظلہ العالی کا تاثر ملاحظہ فرمائیے۔

گرامی نامہ جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

(بنام حضرت مصلح الامۃ؎)

معرفت حق میں آں محترم کی تحریر گرامی پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی جو دارالعلوم

کے حق میں اپیل پر مشتمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کا حقیقی سرمایہ ہی توجہات اہل اللہ ہیں۔ انھیں پر اس کی بنیاد قائم ہے اور انھیں پر اس کی عمارت قائم ہے۔ خیال یہ ہوا کہ اس تحریر گرامی کو اگر عام اخبارات میں بھیج دیا جائے تو اسکا نفع اور زیادہ عام ہو جائیگا۔ اور دارالعلوم کی طرف توجہات لوگوں کی اور زیادہ منعطف ہو جائیں گی۔ اگر یہ حلات مصلحت نہ ہو تو اس کی اجازت مرحمت فرمادی جائے۔

ہنگامہ رجب ۱۳۶۷ھ کے سلسلہ میں چند فساد انگیز طلبہ کا اخراج کیا گیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا ورنہ وہ نئے طلبہ کو خراب کرتے اور بنائے فاسد علی الفاسد ہوتی رہتی جیسا کہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے اُن میں سے بہت سے طلبہ تو آئے ہی نہیں جو آگئے تھے اُن میں سے بھی اکثریت جا چکی ہے لیکن چند ابھی باقی ہیں جو حجرے نہیں چھوڑ رہے ہیں انھوں نے طلبہ کو پھر ہنگامہ اور فساد کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ لیکن الحمد للہ اس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی تاہم یہ جھے ہوئے ہیں۔

کل اُنکی تحریر آئی کہ ہم نے اس اخراج کا اپیل مجلس شوریٰ میں کیا ہے لہذا اس وقت تک ہمارے امدادیں جاری کی جائیں۔ لیکن چونکہ وہ دارالعلوم کے طالب علم نہیں رہے اس لئے امداد کا کوئی سوال ذمہ داروں کے سامنے نہیں ہے۔ بہر حال اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دوران میں بھی یہ کوئی نہ کوئی حرکت کریں گے اور مجلس کے موقعہ پر بھی کوئی شورش ضرور اُٹھائیں گے۔ دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ دارالعلوم کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے اور فتنہ پردازوں کا دفعیہ فرمائے۔

دارالعلوم کا کام الحمد للہ جاری ہے حق تعالیٰ اس جہنم خیر کو جاری رکھے اور شرور اعدا سے محفوظ فرمائے اور بحمد اللہ ہمہ وجہ خیریت ہے اپنے لئے خصوصیت

۵ مراد اس سے دوسرا اعلان ہے جو "اعلان ضروری" کے عنوان سے ضروری

۶ مطابقت سوال ۱۳۶۷ھ میں شائع ہوا۔

سے دعا کا ملتی ہوں۔ طبیعت سادہ اور فتن کا ہجوم جس کی بنیادیں چلا کیوں پر ہیں۔

عجیب حیرتناک بات یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ میں دینی جذبات بڑھ رہے ہیں۔ عقیدہ و عمل درست کی طرف آ رہے اور دینی مدارس کے طلبہ کا رجحان (خواہ قلیل ہی کا سہی) خلاف ذوق اکابر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ طلبہ کی اصلاح اور انہیں قابو میں لانے کی تدابیر میں تو ساری ہی استعمال کر چکا ہوں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ منظر ہر العلوم کے بارے میں ہے۔

منظر پور بہار سے بھی خط آیا ہے کہ طلبہ کے ہنگاموں نے مدرسہ کی جڑیں ہلا رکھی ہیں۔ کیا کیا جائے۔ گذشتہ سال یہی صورت راندر کے دینی مدارس میں بھی پیش آ چکی ہے اور اسی قسم کا ہنگامہ دو سال پہلے مدرسہ جلال آباد میں بھی..... ہو چکا ہے۔

افسوس ہوتا ہے کہ دینی مراکز میں دنیوی ذوق اور وہ بھی اذول ترین ذوق ہنگامہ و فساد بڑھ رہا ہے۔ البتہ یہ خوشی بھی ہے کہ دنیاوی مدارس میں اسکے برعکس ذوق اور ذہن بن رہا ہے۔

بہر حال دعا کی درخواست ہے۔

والسلام
محمد طیب ۱۲/۱۱

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

غایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام غنائکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
رسالہ معرفت حق ماہ شعبان و شوال میں جو مضامین شائع ہو چکے ہیں لوگوں کو مدرسہ کی

جانب متوجہ کرنے کے لئے وہ بہت کافی دوائی ہیں۔ یوں میں بھی اب مدرسہ کو نقصان سے بچانے کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں۔ چنانچہ اپنے طور سے بھی لوگوں سے کتنا سنتا رہونگا۔ باقی اس اعلان کو مدرسہ کے نفع عام کے لئے دوسرے انجمنوں میں دینا چاہیں تو دیکھتے ہیں۔ میری جانب سے اجازت ہے۔

اس وقت میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ مدرسہ کے لئے طلبہ کے لئے عوام کے لئے اور اباب مدرسہ کے لئے سب ہی کے لئے مفید ہوگی۔ اس کی طرف توجہ فرمائیے اور جی چاہے تو اس کو بھی شائع فرما دیجئے وہ یہ کہ دینی مدارس میں جو کچھ ہو رہا ہے انہی وجہ میرے نزدیک وہی ہے جو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ نے اپنی کتاب اشاعت اسلام میں ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”شریعت اسلام نے دونوں پسلوؤں کو (یعنی اشتراک اور امتیاز کو اعتدال سے سنبھالا۔ ہر ایک کی حد مقرر کر دی۔ ہر ایک کے احکام بتا دیے۔ اشتراک کے پسلو کا اس حد تک لحاظ کیا کہ کسی موقع پر اس کو نظر انداز نہیں کیا اور امتیاز کو بقا، نظام عالم و ترتیب احکام آخرت کے کے لازم و واجب قرار دیا اور اس بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لن یزال الناس بخیر ما بقیوا فاذا ائتادوا اهلکوا۔

یعنی لوگ ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک ان میں فرق مراتب قائم رہے گا اور جب سب برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ ارشاد بالکل اصول فطرت کے موافق ہے۔ انتہی“

(اشاعت اسلام ص ۲۶۸)

پھر اس کے ذرا آگے فرماتے ہیں کہ ایک عربی شاعر نے یوں کہا ہے کہ

لا یصلح الناس فوضی لا سراً لهم

ولا سراً اذا جهلهم سادوا

یعنی مخلوق جب کہ مادی درجہ خود سر ہوں کوئی انکا افسر نہ ہو کبھی ان کی حالت درست نہیں ہو سکتی اور اگر کسی جاہل کو سردار بنادے تو وہ حقیقتاً نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اختلاف اور نزاع تو سردار اور امیر ہونے کے بعد بھی ہوگا اگر وہ افسر اس کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اگر کوئی افسر نہیں ہوتا تو وہ بجائے ختم ہونے کے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

پس جو حالات آپ نے لکھے ہیں یہ ہلاکت ہی ہے اور اس کا نشاء فرق مراتب کا نہ کرنا اور طبیعتوں میں خود سری کا پیدا ہو جانا ہے۔ یہی اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ نہ کوئی بڑا اس زمانہ میں بڑا رہ گیا ہے اور نہ کوئی چھوٹا چھوٹا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ سب بڑے در آئیا لیکہ بڑے ہیں چھوٹے ہو گئے ہیں اور ہر چھوٹا در آئیا لیکہ چھوٹا ہے بڑا ہو گیا ہے اب اس سے بڑھ کر ہلاکت اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ فساد اور کیا ہوگا اور اس فساد کی جڑ یہی ہے کہ علم اور اہل علم کے حقوق کا ضیاع ہو رہا ہے اسی لئے بزرگوں نے ہر زمانہ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس کا خاص اہتمام رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ

”شانِ علم کی ایسی تعظیم کرو کہ اس کے واجب حقوق ادا ہوتے رہیں۔“

میں کہتا ہوں کہ علم کی تعظیم میں۔ علماء کی تعظیم اور مرکزِ علم کی تعظیم بھی داخل ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک شانِ علم کی تعظیم نہ کی جائے گی نہ تو اس کے حقوق واجبہ ادا ہونگے اور نہ علماء ہی کے حقوق ادا ہونگے اور نہ مرکزِ علم کے حقوق ادا ہونگے۔ لہذا اب اس کے بعد سوائے فساد اور ہلاکت کے باقی ہی کیا رہ جاتا ہے۔ اگرچہ اس ہلاکی کا ان کو احساس اور شعور بھی نہ ہو۔

چنانچہ امام غسزالیؒ نے جو بات امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے متعلق فرمائی تھی

میں اُس کو اس موقع پر دہراتا ہوں۔

ولو طوى لبساطه و اهل علمه وعمله لتعطلت النبوة و
اضمحلت الديانة وعمت الفترة وفشت الضلالة وشاعت الجهالة
واستسرى الفساد واتسعت المخراق وخربت البلاد وهلك العباد
وان لم يشعروا بالهلاك الى يوم التناد وقد كان الذى خفتا
ان يكون ان الله وانا اليه ملجعون. اذ قد اندرس من هذا القطب
عمله وعلمه وانحى بالكلية حقيقته ورسمه واستولت على القلوب
مداهنة الخلق وانحمت عنها مراقبة الخالق واسترسل الناس
فى اتباع الهوى والشهوات استرسال البهائم وعز على لبساط الارض
مومن صادق لا يتاخذه فى الله لومة لائم۔

(احیاء ص ۳۲ ج ۲)

آپ نے عربی مدارس اور دینی مدارس کے جو حالات لکھے ہیں انھیں دیکھ دیکھ کر
اہل احساس غم کے آنسو رو رہے ہیں اور خوف اس امر کا ہو رہا ہے کہ خدا نخواستہ اگر
بدجالی کا یہی سلسلہ قائم رہا تو کہیں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت سے ان کو معسرول
کر کے دوسروں کو ان کی جگہ نہ غایت فرمادے **وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا
يَكُونُوا أُمَّةً لَّكُمْ۔**

چنانچہ مدارس میں یہ حالات عام ہو گئے ہیں کہ علم تو کچھ ہے لیکن اخلاق بالکل
ختم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جو علم حاصل کرتے ہیں اس کو غلط مصرف میں استعمال کرتے ہیں اسلئے
ایسوں کو علم سکھانا رہزن کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔

میرا اب تک تو یہ خیال تھا کہ اخلاق کی درستی دین کے لئے ضروری ہے چنانچہ
دین کا کمال ہی اخلاق سے ہوا کرتا ہے لیکن اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دنیوی
راحت اور سکون و چین کے لئے بھی اخلاق کی ضرورت ہے چنانچہ اگر کسی منزل کے لوگوں
کے اخلاق فاسد ہو گئے تو منزل ہی فاسد ہو جائے گی۔

پس آپ کے یہاں جو کچھ ہوا وہ بھی فساد اخلاق ہی کا نثرہ تھا اور بڑوں کا ادب و احترام جو رخصت ہوا یہ اسی آزادی کا نثرہ تھا جس کی طلبہ کو تعلیم دی گئی۔ باقی آپ نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ (دارالعلوم کا حقیقی سرمایہ توجہات اہل اللہ ہیں انھیں پر اس کی بنیاد قائم ہے اور انھیں پر اس کی عمارت قائم ہے) تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ بیشک اہل اللہ کی توجہات کسی وقت اسے حاصل تھیں اور اس کی بنیاد و عمارت ان پر قائم تھی مگر عرصہ ہوا اب وہ باقی نہیں رہی اور اس کو ختم کیا گیا اسی کے یہ نتائج ہیں جو سامنے آ رہے ہیں ورنہ تو اللہ والوں کی توجہ مسلسل کسی کی جانب ہو اسکا انجام یہ سامنے آوے یہ عادت اللہ کے خلاف ہے۔

میں نے اپنے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ مدرسہ بزرگوں کی ایک امانت ہے۔ اسی طرح سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اسلاف کے اخلاق اور ان کا اُسوہ حسنہ یہ بھی ایک امانت ہے جس کی حفاظت بھی نہایت ضروری ہے اور منجملہ ان کے اُسوہ کے ایک یہ تھا کہ ان میں کا ایک ایک شخص اپنے اخلاقی قوت کی وجہ سے پوری جماعت پر حاوی ہوتا تھا اور لوگ ان حضرات کے سامنے ایسے رہتے تھے جیسے شیر کے سامنے بلی اور ان کی شفقت کی وجہ سے ایک جانب لوگ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور دوسری جانب ان کے تقویٰ کے رعب کی وجہ سے ان سے خائف بھی رہتے تھے۔ غرض ان کے مجموعی اوصاف کے سبب سے ان کے معتقد تھے اور اعتقاد کے لئے محبت اور خوف دونوں لازم ہیں اب یہی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے ورنہ تو اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ اگر اسلاف کے طرز پر کام کیا جاوے تو اب اس زمانہ میں بھی کام ہو سکتا ہے۔

(ناقل عرض کرتا ہے کہ بے محل نہ ہوگا اگر اس موقع پر خود حضرت والا کا ایک واقعہ جو ابھی بمبئی میں چلتے چلتے پیش آیا ذکر کر دیا جائے اُمید کہ موجب بصیرت ہوگا۔ دھو ہذا۔)

حضرت والا بمبئی میں پھیلی بار بھی خوش رہے اور اس دفعہ بھی بہت خوش رہے لیکن روانگی سے ایک دن قبل صبح تفریح میں جاتے ہوئے کسی نے حضرت سے بیان کیا کہ اخبار میں آپ کا نام آیا ہے وہی دن و دھڑ پڑنے کا تھا۔ کسی اخبار والے نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اخبار میں یہ لکھ دیا تھا کہ فلاں آدمی نے حضرت مولانا کی طرف سے جو کچھ لوگوں سے کہا ہے وہ غلط ہے حضرت مولانا ان سب باتوں میں رہتے ہی نہیں۔

اس میں گو اس نے حضرت کا تہرہ ہی کیا تھا لیکن اتنا بھی ناگوار گذر اور اسلئے ناگوار ہوا کہ جس چیز میں حضرت والا رہتے ہی نہیں اور نہ اس کی گفتگو اپنے یہاں پسند کرتے ہیں نہ اثباتاً نہ نفیاً تو پھر حضرت والا کا نام ہی اس سلسلہ میں کیوں لیا گیا۔

واپس آنے پر حضرت والا نے اخبار منگوا یا اور اس کی تصدیق کی۔ چونکہ آج اس سفر کی آخری مجلس تھی اس لئے بہت لوگ اور بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے تھے اور حضرت والا نے بھی سوچا تھا کہ آخری دن اُنکو کچھ موثر نصیحتیں اور اُن سے کچھ کام کی باتیں ارشاد فرمائیں گے لیکن اس واقعہ سے طبیعت چونکہ مکر ہو چکی تھی اس لئے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آج مجلس میں تم کچھ بیان کرو اور فلاں صاحب سے کہو کہ وہ بیان کریں۔ ایک صاحب نے کچھ بیان کرنا شروع کیا۔ ادھر حضرت والا نے ایک دوسرے صاحب کو آواز دی کہ فلاں نے موڑ لاؤ اور مجھے ابھی اسٹیشن پہنچاؤ۔ کل تو جاتا ہی مگر اب آج ہی جاؤں گا۔ نہ تو اہل مجلس سے حضرت نے کچھ فرمایا اور نہ مغزین شہر سے ملے اور نہ گھر والوں کو اطلاع کی۔ موٹر پر بیٹھے اور بمبئی تشریف لے گئے اور اسٹیشن کے قریب قہوہ خانہ کی مسجد میں قیام فرمایا۔ بچوں کے پاس کھلا بھیجا کہ تم لوگ سامان درست کرو۔ ٹکٹ چونکہ کل کا ہے اس لئے کل آنا۔ میں آج ہی جاتا ہوں۔ راستہ

میں کہیں مل جاؤنگا۔ ابھی اسٹیشن کی مسجد ہی پر قیام تھا کہ مدرسہ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث (حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ) وہیں حضرت دالائے ملتے تشریف لائے مجمع کو تشریف لیجا رہے تھے ہوائی جہاز سے اترے۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ حضرت فلاں جگہ تشریف رکھتے ہیں انھوں نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ بھائی اس وقت اپنے اکابر میں سے آپ ہی تو رہ گئے ہیں۔ لہذا پہلے اُن سے ملاقات کو چلوں گا اور اپنے لئے اُن سے دعا کروں گا۔ چنانچہ تشریف لائے اور ملاقات کر کے واپس گئے۔

ان حالات کی بنا پر حضرت دالاک کی ناراضگی کچھ کم ہوئی تو حکیم اجمیری صاحب نے جو موٹر پر کرا سے ہمراہ ہو گئے تھے موقعہ دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت جب یہیں قیام کرنا ہے تو غرب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ ان کے اصرار اور بالخاصہ درخواست پر حضرت دالائے مکان تشریف لے گئے۔

ادھر مجلس میں حضرت دالاکے اس طرح سے چلے آنے کے بعد ایک اضطراب اور بھینسی پھیل گئی کہ حضرت آخر کیوں ناراض ہو کر تشریف لے گئے۔ اُن سے بتایا گیا کہ آج آپ کے شہر کے ایک اخبار میں یہ مضمون نکلا ہے۔ اس پر بھی لوگوں کو بہت ہی طیش اور غصہ آیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ ایڈیٹر کے پاس جا کر اُس سے جواب طلب کریں کہ تم نے ایسا کیوں لکھا لیکن بعض سمجھ دار لوگوں نے رد کا کہ اس کو حضرت پسند نہیں کریں گے۔

اس کے بعد اب لوگوں کو فکر ہوئی کہ حضرت کہاں ہیں۔ چنانچہ پتہ چلا لیا کہ حکیم اجمیری صاحب کے یہاں مقیم ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ آنا شروع ہو گئے اور اُس وقت سے لے کر اگلے دن روانگی تک لوگوں نے اپنے عمل حال سے جس محبت اور عقیدت کا ثبوت دیا وہ سب کے قلب پر نقش ہے۔ حتیٰ کہ اسٹیشن پر بوقت روانگی ایک کثیر مجمع رخصت کرنے کے لئے آیا جن میں اکثر زار و قطار دور رہے تھے اور اُن کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت دالاک کی اس طرح سے روانگی پر بہت ہی نادام اور شرمندہ تھے۔ حضرت دالائے یہاں آکر فرمایا کہ میں نے کچھ اس نیت سے یہ سب نہیں کیا تھا مگر دیکھا یہی کہ نتیجہ کے اعتبار

سے اس ایک ہی واقعہ کا اتنا اثر پڑا جتنا کہ بہت دنوں کی تعلیم و تربیت سے بھی نہ پڑا ہوگا۔

اہل ببلئی کے تاثر کا اندازہ اس سے فرمائیے کہ آج ہی حکیم اجمیری صاحب کا خط حضرت دالا کے نام آیا اس میں وہ لکھتے ہیں کہ

”اُس دفعہ عام شوسلین و متمند حضرات بید متاثر اور حضرت دالا کی مفاد بخیر سے بید گرفتہ دل ہیں۔ چہسروں پر رونق نہیں معلوم ہوتی۔ حق تعالیٰ ظل رحمت کو بکمال صحت و سلامتی ہمیشہ کرم پاش خلائق رکھیں۔“

اب اس واقعہ سے کچھ نتیجہ اخذ فرمائیں (آگے پھر حضرت دالا کے ارشادات نقل ہیں۔ انتہی اذناقل عفی عنہ)

میں آپ سے کیا کہوں آپ تو خود میرے بڑے ہیں اور اپنے ہی ہیں۔ ہم اپنے ہی کو کہتے ہیں کہ ہم وعظ کہیں کہیں آئیں جائیں اور صرف وعظ ہی کہتے رہیں لوگ سنتے رہیں اور خالی ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں۔ نہ وعظ کا کوئی اثر لیں اور نہ عالم ہی کی کچھ وقعت و عظمت ان کے قلب میں پیدا ہو تو محض اس آنے جانے اور وعظ کہنے سے کیا حاصل۔ آخر میں ایک مصری عالم کے حالات میں سے بعض باتیں جو مجھے پسند ہوئیں بصیرت کے لئے پیش خدمت کرتا ہوں امید کہ آپ بھی پسند فرمائیں گے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

نظر الفقید بفکره الثاقب الی العلم والعلماء فوجدہ شبه
بصناعة خاصة بین طائفة خاصة فی مکان خاص لا یعد العالم
و المتعلم۔ قد داب الہ زہر علی ذلک جیلا بعد جیل و سواد الامۃ
من ہذا النور محجوب یا احتجاب العلماء عنہم اللہم الا بصیص
من النور یظہر فی بعض البلاء الی نیت فیہا العلم بوجود
عالم من العلماء او طالب من الطلاب فی لیالی شہر رمضان فی
کل عام فاخذ علی نفسه المواثیق ان یجدادہ عہد السلف الصالح وان یقوم

بنشر الدعوة الصحيحة بين طبقات الشعب المصري الكريم
اسی طرح انہی ایک سیرت یہ لکھی تھی کہ :-

ولقد كان واعظا بسمته ووقته ومشيته قبل ان يكون
واعظا بقوله ومنطقه فكان في ذلك مصداقا لقول رسول الله
صلى الله عليه وسلم - خياركم من تذكركم بالله رويته
ويزيد في علمكم منطقته ويرغبكم في الآخرة عمله. رواه
الترمذي عن ابن عمر (الابداع ص ۳۱) (ترجمہ ص ۳۱ پر دیکھئے)

لہذا جو حالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں اب انکا علاج صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ
کا نام لے کر اب آپ اپنے ارادہ میں خوب مضبوط ہو جائیے اور کسی دوسرے کی پرداہ
کئے بغیر مدرسہ کو اسلان کے طریقہ پر لائیے اور طلبہ کو علم کے ساتھ ساتھ اخلاق کی
جانب بھی متوجہ فرمائیے جب آپ انخلاص کے ساتھ اصلاح کی جانب متوجہ ہو جائیے گا
تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کا ساتھ دے گی۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عنفی عنہ

۱۷ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ یکم مارچ ۱۹۶۶ء
۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد

حضرت مصلح الامتہ کا دوسرا مکتوب گرامی

غایت فرمائے بستہ جناب قاری صاحب دام غنائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ہی ایک خط ارسال کر چکا ہوں۔ اس وقت اسی سلسلہ کی بعض باتیں اور یاد آئیں
جواب عرض کر رہا ہوں۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ دینی مدارس کا حال خراب ہے اور دنیوی مدارس کے حالات

اچھے ہوتے جا رہے ہیں تو فی الواقع ہم بھی یہی دیکھ رہے ہیں کہ مدارس کے حالات خراب ہیں اور اس میں کسی مدرسہ کی تخصیص نہیں تمام مدارس کا قریب قریب یکساں حال ہے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہم پڑھے لکھوں سے یہ عوام الناس کہیں اچھے ہیں کہ ان کے اندر بھی دین و دیانت باقی ہے۔

تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس پر غور کرنا چاہئے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ اسباب کی تعیین کے بغیر امراض کا علاج دشوار ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ طلبہ کے جو حالات ہیں یہ کچھ تعجب خیز نہیں ہیں بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تعجب تھا۔ بات یہ ہے کہ نفس تو سب ہی کے اندر ہے کون اس سے خالی ہے۔ طلبا کے اندر بھی نفس موجود ہے پھر شیطان الگ پیچھے لگا رہتا ہے۔ خاص کر طلبا دین کے پیچھے تو خاص طور سے اس لئے کہ یہ علم دین حاصل کر لیں گے تو خود بھی ٹھیک ہو جائیں گے اور دوسروں کو بھی ٹھیک کر دیں گے۔ جب ایسا ہے تو نفس و شیطان کے تقاضا ہی کے مطابق افعال صادر ہونگے۔ علم تو شاید کچھ حاصل کر لیں گے مگر ساتھ ہی ساتھ نفس و نفسانیت میں بھی ترقی ہوگی بلکہ علم فساد میں اور زیادہ معین ہو جائیگا۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ لوگ خود بخود کیسے ٹھیک ہو جائیں گے جب تک کہ کوئی سعی ٹھیک کرنے کی نہ کی جائے گی۔ اور سعی یہ کہ ان کے قلوب کا حال درست کیا جائے جیسا کہ حدیث شریف ۱۹۱ ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلیحت صلیح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ ۱۹۲ وہی القلب سے ظاہر ہے۔ چنانچہ جب قلب درست ہوتا ہے تو جوارح بھی درست ہوتے ہیں اور قلب فاسد ہوتا ہے تو جوارح بھی فاسد ہو جاتے ہیں۔

یہاں قلب کی درستی سے مراد یہ ہے کہ قلب کا حال درست ہو۔ قلب کا حال محمود ہوگا تو جوارح سے اعمال محمودہ صادر ہوں گے اور قلب کا حال مذموم ہوگا تو جوارح سے اعمال مذمومہ کا صدور ہوگا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:-

جسد عالم زیں غلط کردند راہ
از کجا جویم علم از ترک علم
کہ عدم ترسند و آں آمد پناہ
از کجا جویم سلم از ترک سلم

از کج جو نیم حال از ترک حال از کج جو نیم قال از ترک قال

بہر حال صلاح و اصلاح موقوف ہے قلب کی مدستی ہی پر یعنی یہ کہ قلب کا حال اچھا ہو جائے اس پر اب رہا یہ کہ قلب کی درستی کیسے ہو عمدہ حال کیسے پیدا ہو تو اس کے متعلق یہ ہے کہ جب طلبہ سے کچھ کہا ہی نہ جائے گا انکو سمجھا یا ہی نہ جائے گا اور اس طرف متوجہ ہی نہ کیا جائے گا تو ان کے درست ہونے کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ طلبہ اور مدارس کی اصلاح کچھ ناممکن اور دشوار بھڑا ہی ہے۔ مگر افسوس کہ کوئی کتنے سننے والا ہی نہیں۔ طلبہ کا زیادہ تر تعلق اساتذہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہی اگر چاہیں تو کچھ کام کر سکتے ہیں جب اچھے حالات پیدا ہو جائیں گے تو بُرے حالات خود بخود رخصت ہو جائیں گے اور جب معتد بہ طلبہ درست ہو جائیں گے تو معتمد خود دب جائیں گے اور مغلوب ہو جائیں گے۔ تو پھر آسانی کیساتھ ان سے احوال مذمومہ یا خود ان مفسدین ہی کا اخراج ہو سکتا ہے۔

لیکن اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اساتذہ کا حال درست ہو اور ان کا قلب محمود اور جب وہ خود ہی حال سے خالی ہونگے تو دوسروں کو کیا حال دے سکتے ہیں اور ان کا حال بھی جب ہی درست ہو گا جب کہ انھوں نے کسی اہل دل سے اپنا حال درست کیا ہو گا۔
حضرت مولانا گنگوہی، حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب اور حضرت مولانا تھانوی جو ایسے مرتبہ کے لوگ ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حاجی صاحب نے ان کے قلب کو درست کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کام ہر دور اور ہر جگہ کسی اہل قلب ہی سے ہوا ہے۔

چنانچہ جس دیار میں کوئی اہل قلب، اہل صلاح اور اہل اصلاح نہ ہو گا تو وہاں لوگ باطن اور قلب سے متعلق امور کو کیا جانیں گے اور جب ان کا علم ہی نہ ہو گا تو اس پر عمل کس طرح کر لیں گے پھر جب عمل نہ ہو گا تو حال کیونکر پیدا ہو گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ بس صرف ظاہری علم و عمل اور نماز و روزہ رہ جائے گا اور حقیقت و روح کے اعتبار سے وہ جگہ فاسد ہو جائے گی۔ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ کام صرف ظاہر سے نہیں چلے گا بلکہ قلب میں جات پیدا کرنی ہوگی اور آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ دنیوی مدارس کے احوال اچھے ہو رہے ہیں تو اس کی

وجہ یہ ہے کہ کسی اہل دل اور اہل حال نے ان پر محنت صرف کی ہوگی اور دینی مدارس کے جو حالات آپ اتر دیکھ رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انکو کسی نے بگاڑا ہے۔ ذرہ طلبہ کچھ ایسے بُرے نہیں ہوتے ان کو اگر اچھے راستہ پر لگایا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اچھے نہ ہوں۔

رہا نفس و شیطان تو یہ تو سب ہی کے ساتھ ہیں۔ مگر چونکہ حضرات اہل اللہ کا اثر تھا اور طلباء ان کے معتقد ہوتے تھے اس لئے رفتہ رفتہ ان کی اصلاح ہو جاتی تھی مگر جب سے طریق اور سلوک کے انکار و اعتراض کی بلا پھیلی اور اہل اللہ سے ان کو الگ کیا گیا اور سیاسیات میں شرکت کی ان کو ترغیب دی جانے لگی تو اس کا جو نتیجہ ہونا ہوتا رہا وہ ہوا۔

اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی بڑی جگہ کوئی بات پیدا ہوتی ہے تو جھوٹی جگہیں بھی اس کی پس کرنے لگتی ہیں اور پس جس طرح بُری چیزوں میں کی جاتی ہے اسی طرح اچھی چیزوں میں بھی کی جاتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستان میں کم از کم ایک مدرسہ کو تو مثالی مدرسہ ہونا چاہئے اور اس میں شک نہیں کہ آپ کے مدرسہ کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ اور اسی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بنے مگر اس کے لئے بس وہی چیز ضروری ہے جس کو میں نے پہلے عرض کیا کہ طلباء کو بڑوں کا مطیع و منقاد بنایا جائے اور اتباع بدون اعتقاد کے وقوع پذیر نہیں ہوتی اور اعتقاد کے بعد پھر کوئی فتنہ نہیں مٹا سکتے کہ کوئی معتقد اپنے معتقد فیہ کے خلاف کوئی بات تنہائی میں بھی نہیں سوچتا۔ ڈرتا ہے اور اس کو اعتقاد کے منافی سمجھتا ہے۔

یوں اس میں شک نہیں کہ اس بگڑے ہوئے ماحول کو درست کرنے میں مشقت بڑی ہے اور یہ کام ایسا آسان بھی نہیں ہے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ ہمت کر کے اس میدان میں کود پڑتا ہے تو بعونہ تعالیٰ خاطر خواہ آثار و نتائج بھی اس کے مرتب ہو جاتے ہیں اور اجر بھی عظیم ملتا ہے اور بزرگوں نے نیک آثار چھوڑ جانے کی وصیت بھی فرمائی چنانچہ حضرت سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ

مرد وہ ہے کہ جس کے آثار اس کے بعد بھی چمکتے رہیں۔ مردوں کا قول

ہے کہ ۵

ان آثار من ابدل علینا فانظروا بعدنا ۱ الی ۱۲ آثار
میں نے جو سچی اور صحیح بات تھی نیک نیتی سے بطور نصیحت کے عرض کر دی ہے۔ اگر
ان کو مفید سمجھا جائے تو طلبہ کو بھی کبھی کبھی سنا دیا جائے۔ میرے یہاں مدرسہ ہی کیلئے
اور طلبہ ہی کتنے ہیں تاہم جو بھی ہیں ان سے میں نے کہہ رکھا ہے کہ تم یہاں علم حاصل
کرنے کے لئے آتے ہو تو حاصل کرو جتنا مقدر میں ہوگا علم آجائے گا لیکن اخلاق کے
بارے میں کہتا ہوں کہ جو اخلاق بد تمہارے اندر نہ رہے ہوں وہ یہاں بھی نہ پیدا ہونے
پائیں اس لئے کہ یہ جگہ اصلاح اخلاق کی ہے بد اخلاقی پیدا کرنے کی نہیں ہے بلکہ پہلے
سے جو بد اخلاقیات موجود ہیں جن کو اپنے گھر سے لے کر آئے ہو آہستہ آہستہ انکی بھی اصلاح
کرد اور ان کو چھوڑ د۔

یہی آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی اسکا اہتمام فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصد
میں کامیاب فرمائیے اور مدرسہ کو شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور سب کی اصلاح فرمائے۔

والسلام بخیر ختام

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

حضرت مصلح الامۃ کا ایک مضمون جو جناب قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ کی

خدمت میں بھیجا گیا

غایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب - دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

ایک مفید مضمون اس وقت ذہن میں آیا جی چاہا کہ آپ کی خدمت میں بھی اسے پیش
کردوں۔ امید ہے کہ آپ اس سے محفوظ ہونگے وہ یہ کہ

جس طرح سے آپ سے متعلق طلبہ ہیں اور آپ کو ان سے سابقہ پڑتا رہتا ہے اسی طرح

سے میرا تعلق طالبین سے ہے اور ان کے حالات سے مجھے سابقہ رہتا ہے۔ پس جس طرح میں اپنے یہاں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ آتے بہت ہیں مگر ان میں سے کام کرنے والے اور طریقی کا فہم رکھنے والے بہت ہی کم ہیں کوئی کوئی اللہ کا بندہ ہوتا ہوگا جو طریقی کو طریقی کی طرح حاصل کرتا ہوگا۔ اسی طرح سے سمجھتا ہوں کہ مدارس کا بھی یہی حال ہے ہزاروں ہزار میں سے دو چار ایسے طلباء ہوتے ہوں گے جن کی نیت تحصیل علم سے دین ہو۔ مقصود رضائے الہی ہو اور جو علم میں کمال پیدا کرنا چاہتے ہوں۔

اور ان دونوں سلسلوں کا یہی حال بہت دنوں سے چلا آ رہا ہے زقار انحطاط میں چاہے کچھ ترقی ہو گئی ہو تاہم عرصہ سے یہی حالات چل رہے ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ تحصیل علم ہو یا اصلاح عمل دونوں کے لئے اخلاص شرط ہے اور جب دنیا ان دونوں ہی کے لئے مانع ہے۔ حضرت سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں۔

بزرگو! صوفیہ کے طریقی کا منتہا وہی ہے جو فقہاء کے طریقی کا منتہا ہے اور فقہاء کے طریقی کا منتہا وہی ہے جو صوفیہ کے طریقی کا منتہا ہے۔ جن گھائیٹوں میں تھنس کر فقہاء مقصود کی طلب سے رہ جاتے ہیں انہیں گھائیٹوں میں صوفیاء بھی اپنے سلوک میں مبتلا ہوتے ہیں (دونوں کو مقصود سے روکنے والی ایک ہی چیز ہے یعنی غرض نفسانی، حب دنیا، حب جاہ اور دونوں کو مقصود تک پہنچانے والی بھی ایک ہی چیز ہے یعنی اخلاص اور ماسوائے حق سے رخ پھیر لینا۔)

(البيان المشید ص ۱۵۷)

دیکھئے سیدنا رفاعیؒ دونوں جماعتوں کے لئے اتباع نفس اور طلب جاہ کو مضر اور مہلک قرار دے رہے ہیں اور اخلاص کو اور غیر اللہ سے رخ پھیر لینے کو شرط قرار دے رہے ہیں پس آج ہمارے یہ دونوں سلسلے جو خراب ہوئے ان کی وجہ یہی ہے کہ ان میں دنیا آگئی ہے اور اخلاص ختم ہو چکا ہے الا ماشاء اللہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں جو

حالات رونما ہوئے وہ میرے لئے کچھ تعجب خیز نہ تھے۔ کیونکہ سمجھتا ہوں کہ طلبہ بھی ہمیں جیسے انسان ہیں ان میں بھی نفس موجود ہے اور جب اس کی اصلاح نہ کی جائے گی تو اس قسم کے حالات کا رونما ہونا تو ناگزیر ہے اسی لئے طلباء کے لئے بھی اصلاح اخلاق ضروری سمجھتا ہوں ورنہ تو فساد اخلاق کے لئے فسادِ منزل لازم ہے۔

اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اس میں انکا کچھ زیادہ قصور نہیں ہے بلکہ کمی اور کوتاہی بتلانے والوں کی جانب سے ہے اس لئے کہ تعلیم کتب کے ساتھ ساتھ اگر اخلاق کی تعلیم کا بھی خیال رکھا جائے اور اس کی بھی تعلیم دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ علم تو سیکھیں اور اخلاق نہ سیکھیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء ہی سے وہ بہت زیادہ کامل الاخلاق نہ ہو جائیں گے لیکن اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑے ایسا بھی نہ ہوگا۔

اسوقت آپ سے ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ہر خاص و عام کے لئے اس کا جانا ضروری ہے اسی پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے آج عالم میں فساد برپا ہے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے رسالہ بیعت میں پہلے بیعت شریعت کی تعریف فرمائی ہے کہ

حقیقتش آنکہ مرد عامی کہ عمر را در غفلت و معصیت گذاردہ ہر گاہ
برائے خیال متنبہ می شود دذامت می کشد و رجوع بر آں تقویٰ و طاعت می خواہد
حصول این معنی بدون تحکیم عالم متقی بر ظاہر و باطن خود در عادت منتظم نمی تواند شد۔
پھر اس کے آگے وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ
چہ دیدن کتا بہائے شریعت مانند مراجعت کتب طب است بیمار را
بدون حصول ملکہ طب و معالجہ بایں قدر اصلاح مزاج و دفع مرض
دشوار است۔

وہمچنین بقول ہر عالمی عمل کردن موجب تیر است کہ ہر یکے صحیح الفکر
والحواس نمی باشد۔

سبحان اللہ نہایت ہی عمدہ بات بیان فرمائی اور امت کا چور بکڑ لیا کیونکہ یہ بالکل

صحیح ہے کہ جس طرح علاج ظاہری کے لئے کتب طب کافی نہیں بلکہ کسی طبیب حاذق کی ضرورت ہے۔ اسی طرح معالج اخلاق اور اصلاح نفس کے لئے کتب شریعت اور مسائل تصوف کا دیکھ لینا کافی نہیں بلکہ کسی عالم متقی کو اپنے اوپر حاکم بنانے کی ضرورت ہے جس کا دوسرا عنوان بیعت ہے مگر اس کے متعلق فرما ہے ہیں کہ ہر عالم اس میدان کا مرد نہیں ہے لہذا ہر عالم کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیدینا چاہئے بلکہ اس کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں جن سے ہر عالم متصف نہیں ہوتا اور ان سے متصف ہونا تو بجائے خود رہا۔ شاہ صاحب فرما ہے ہیں کہ ہر شخص ان میں سے صحیح فکر اور صحیح الحواس تک نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ جس شخص کے خود اپنے حواس اور اپنی فکر صحیح اور صائب نہ ہوگی اس کے ذریعہ دوسروں کو صحت فکر اور صحت حواس کیا حاصل ہو سکتی ہے ”ادخویشن گم است کراہی ہری کند“

ایسے شخص سے تعلق موجب تشمت و خیر ہی ہوگا اسلئے کہ خود اس کا دل جمع نہیں ہے تو وہ دوسروں کی دلجمعی کا باعث کیا بن سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فکر و حواس صحیح نہ ہونے کی وجہ حب دنیا کا تسلط ہے۔

آگے شاہ صاحب ان شرائط کو بیان فرماتے ہیں جو کسی عالم متقی کو شیخ بنانے کے لئے ضروری ہیں فرماتے ہیں۔

پس بنا برین ضرورت مردے را کہ با وجود علم و تقویٰ دو صفت داشته باشد یکے عدم مسالمت و مدارہنت در مقام امر بالمعروف و نہی عن المنکر دوم شناختن آنچه بحال طالب فضل و اسہل است پس این کس را اختیار کند و زمام امور خود را بدست او سپارد و متابعت او بر خود لازم گیرد تا بمراد خود رسد و فخره این رسیدن است نجات کلی در عقبی و دخول در جناب اعلیٰ و تحصیل رضائی مولیٰ۔

حضرت شاہ صاحب کے اس بیان سے مجھے تو بڑی بصیرت حاصل ہوئی اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ آج ہمارے مدارس جو کہ دارالعلم ہیں اور خوانق جو کہ دارالعمل ہیں ان میں

بگاڑ کہاں سے پیدا ہوا سمجھ میں یہی آیا کہ اہل و نااہل میں امتیاز ختم کر دیا گیا ہے اور جن شرائط کو مشائخ طریقی نے شیخ کے لئے ضروری قرار دیا تھا انکی اہمیت کو باقی نہیں رکھا گیا۔

چنانچہ آج اسی کا فساد عالم کے تمام شعبوں میں نمایاں ہے۔ مدارس اسی سے ختم ہوئے طریق اسی کی نذر ہو گیا جب دین کے شعبوں کا یہ حال ہوا تو دنیا کے شعبوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں تو ہر ملک ہر شہر بلکہ ہر قریہ اس بد اخلاقی کا نہ صرف یہ کہ شکار ہے بلکہ اس کے انجام بد کو بھگت بھی رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی کا ایک شعبہ یہ بھی ہے کہ لوگ آج نہ اپنی حیثیت پہچانتے ہیں اور نہ کسی اہل کے لئے کوئی منصب ثابت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مشورہ جو ایک نہایت اہم اور شرعی چیز تھی اس کے متعلق بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کے لئے کسی شرط وغیرہ کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ ہر شخص اپنے آپ کو اسکا اہل سمجھتا ہے اور باوجودیکہ خود اپنے نفس اور اپنے متعلقین کی اصلاح سے قاصر ہے اس پر قاذر نہیں ہے مگر بڑے بڑے اداروں اور مراکز کی اصلاح کے لئے مستعد اور بڑے بڑے راء دینے کے لئے تیار نظر آتا ہے۔ اب نہ تو کوئی شخص اس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ بھائی تمھاری یہ بات اپنے منصب سے بالاتر ہے اور نہ صاحب معاملہ ہی اخلاقاً اس پر کچھ نکیر کر سکتا ہے بلکہ بسا اوقات تو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کو بزعم خود مخلص اور خیر خواہ سمجھ کر کہیں اس کی راء پر عمل نہ کرے جو بجائے مفید ہونے کے نقصان کا سبب بن جائے۔

اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ ان راء دینے والوں سے ذرا ہوشیار رہی رہئے گا۔ اس زمانہ میں سب سے آسان چیز جو ہے وہ راء ہی ہے اور وہ بھی غلط راء دینا تو بہت زیادہ آسان مشکل جو ہے وہ صحیح راء دینا ہے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ طلباء کے متعلق ہم لوگ جو اصلاح صلاح کہتے ہیں تو اس سے یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ وہ لوگ صلاح و تقویٰ اور علم و فضل میں سب

کے سب امام غزالی کی طرح ہو جائیں اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا اس لئے یہ خیال اچھا
چاہے ہو مگر اس میں حقیقت کی بھی آمیزش ہے۔ کوشش بس اس کی ہونی چاہئے کہ طلبہ
ذی استعداد نکلیں تاکہ کم از کم پڑھتے پڑھانے کے کام کے تو رہیں اور بقدر ضرورت دین
سب میں پیدا ہو جائے تاکہ نماز و روزہ کا اہتمام رکھ سکیں۔ باقی ایسا ہونا جن کو نابالغ
کہا جائے ایسا تو کوئی کوئی ہوتا ہے نہ اس زمانہ میں سب ایسے ہو سکتے ہیں اور نہ اسکی
توقع کرنی چاہئے۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

ادائل ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

خط جناب مہتمم صاحب زاد مجیدہ

بنام حضرت مصلح الامۃ

حضرت المعظم دامت برکاتہم

سلام مسنون نیاز مقسودن۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۲ ذی قعدہ شرف صدور لایا۔
احقر ان تارہ نگوں میں دیوبند موجود نہ تھا پرسوں ہی سفر سے واپسی ہوئی ہے۔ یہاں
اگر معلوم ہوا کہ اس محترم کی خدمت میں بحواب دالانامہ کوئی تار بھیجا گیا مگر یہ چیز خوش
نہیں معلوم ہوئی۔ میں یہاں حاضر ہوتا تو عرضیہ کو بہر صورت تار پر ترجیح دیتا۔ اُمید ہے
کہ اب مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

کرم نامہ سے دارالعلوم کی طرف توجہ خاص سے ہیجہ مسرت اور تقویت ہوئی۔
اگر کوئی دوسرا مضمون تحریر فرمایا گیا ہو تو اسے ضرور ارسال فرمادیا جاوے۔ بلکہ طباعت
کے لئے اخبارات میں وہ زیادہ موزوں ثابت ہوگا۔ پہلے مضمون کو رسالہ دارالعلوم میں شائع
کیا جاوے گا اور دوسرے کو اخبارات میں۔

خارج شدہ طلبہ نے ابھی تک حجرے خالی نہیں کئے ہیں لطائف اہل سے اُسے
معاہدہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کی اصلاح فرمادیں۔ احقر اپنی ذات کے لئے

خصوصیت سے دعا کا خواستگار ہے۔ ان فتن اور تشویشات نے قلب کا تو ناس مار دیا ہے۔ ذمہ داری کی وجہ سے بادل ناخواستہ فتنوں کے سامنے آنا پڑتا ہے اور وہ آمد خود صورت فتنہ بن جاتی ہے۔

بہر حال دارالعلوم سے زیادہ اپنی قلبی حالت کی فکر ہے بجز اہل اللہ کی توجہ کے، اُس کی اصلاح کا دوسرا راستہ نہیں۔ اس لئے بار بار حجرات کر کے عرض کرتا رہتا ہوں۔ خدا کرے کہ مزاج گرامی بعافیت و صحت و قوت ہو۔ والسلام
محمد طیب غفرلہ۔ از دیوبند

۲۹ ۱۱/۸۶ھ

درسہ کے انہیں حالات سے پریشان ہو کر اسی موقع پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ایک خط جناب سید حسین صاحب مدظلہ کو لکھا جو اُن دنوں میسر کھڑ میں ایڈیشنل کمشنر تھے۔ خط سے مقصود تو دراصل حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے خط اور حضرت کے ایک مضمون کی وصولیابی سے مطلع کرنا اور اُس کے تاثرات کا اظہار تھا لیکن ضمناً درسہ کے موجودہ حالات سے اپنی قلبی تکلیف اور پریشانی کا بھی اظہار فرمایا تھا۔ چونکہ جناب سید حسین صاحب ہی کے ذریعہ حضرت والا نے اپنا خط اور مضمون جناب قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس لئے انہوں نے تعمیل حکم کی اطاعت عیابی کے لئے جناب مہتمم صاحب کا خط بھی اپنے خط کے ہمراہ حضرت مصلح الامت کی خدمت میں بھیج دیا جس سے ان کا مقصد یہی رہا ہو گا کہ حضرت کو اس کا بھی علم ہو جائے کہ حضرت کی امانت اُن تک پہنچ گئی نیز جناب مہتمم صاحب مدظلہ جس ضیق اور پریشانی میں مبتلا ہیں حضرت والا اس کی جانب بھی کچھ دُعا اور توجہ فرمادیں۔ بہر حال سید صاحب نے یہ کام خوب کیا کیونکہ حضرت والا نے اس کے جواب میں علاوہ دعا کے بعض ہدایات بھی تحریر فرمائیں جو ہم سب کے لئے شمع راہ بنائے جانے کے لائق ہیں۔ چنانچہ جناب قاری صاحب مدظلہ کا خط بنام سید حسین صاحب مدظلہ اور حضرت

مصلح الائمہ کا جواب بنام سید صاحب ملاحظہ ہو۔

جناب قاری محمد طیب رضوانہ اللہ علیہ کا گرامی نامہ

بنام جناب سید حسین صاحب مدظلہ العالی

گرامی نامہ دستی معہ کمر مت نامہ حضرت مولانا مدظلہ و مضمون منسلکہ شرف صدر اور لایا تحریر گرامی سے دل شاد ہوا اور تحریر حضرت سے دل میں نورانیت بڑھ گئی۔ انشاء اللہ تعمیل ارشاد حضرت مدوح کی کسی مناسب موقع سے یہ مضمون سنایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ توفیق قبول و عمل عطا فرمائے فتن نے قلوب کا ستیاناس بتا دیا ہے۔ کڑدی چیزیں شیریں اور شیریں تلخ محسوس ہو رہی ہیں بہر حال دعا فرما دیں کہ بزرگوار کی یہ امانت اس کیفیت کے ساتھ باقی رہے جو اس میں ودیعت ہیں۔ عرصہ سے ملاقات کو دل چاہتا ہے۔ خدا کرے کہ جلد ہی کوئی موقع مل جائے۔ ۱۶ اپریل ۱۳۷۸ یوم پنجشنبہ کو میرے بھٹ صدر میں صبح ۷ بجے حاضری ہوگی۔

محمد طیب ازدیو بسند

۸/۱۲/۷۸

۱۹ ترجمہ برائے ناظرین معرفت حق

صفحہ پر حضرت مصلح الائمہ کے پہلے مکتوب گرامی میں ایک مصری عالم کا حال جو عربی میں نقل کیا گیا ہے اسکا ترجمہ یہ ہے۔ انکا ایک حال یہ بیان کیا ہے کہ ”ہم سے جدا ہو جانوالے (علامہ شیخ علی محفوظ) نے اپنی فکر ثاقب اور نظر غائر سے اپنے زمانہ کے علم اور علماء کو دیکھا تو یہ پایا کہ علم کے ساتھ علماء کا تعلق بس ایسا ہے جیسے کوئی خاص صانع اور پیشہ در کسی خاص جگہ پر کوئی خاص کام کر رہا ہو اس طرح سے کہ اسکے کام کے اثرات اس کی ذات اور اسکے کارخانہ کے احاطہ سے باہر نہ پہنچتے ہوں۔ بس یہی حال اس زمانہ میں علم کا بھی تھا کہ علم استاد

اور شاگرد سے متجاوز نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ جامعہ اذہر میں بھی یہی طور برہا بریں سے جاری تھا اور امت کے عامۃ الناس اس نور کے فیض سے اکثر محروم تھے اسلئے کہ خود علماء و عوام الناس سے محبوب تھے مگر یہ کہ کسی جگہ اس نور کی معمولی سا کرن چمکتی تھی وہ بھی ان شہر میں جہاں کسی عالم یا کسی طالب علم کے موجود ہونے کی وجہ سے علم کا کچھ چرچا ہو جاتا تھا اور وہ بھی ہر زمانہ میں نہیں بلکہ صرف رمضان شریف کی راتوں میں وعظ و تقریر کے ضمن میں کچھ علمی چرچا ہو جاتا تھا۔ یہ شیخ علی محفوظ نے علم کی کساد بازاری کا جب یہ حال دیکھا تو سب سے پہلے خود عہد کیا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا کوشش کر کے سلف صالح کا زمانہ واپس لاؤں گا اور اپنے طور پر یہ طے کیا کہ اہل مصر کی مختلف جماعتوں میں صحیح دعوت کے ذریعہ علوم دینیہ کی اشاعت کروں گا۔

اور ایک سیرت یہ بھی تھی کہ بلاشبہ شیخ موصون اپنی عادت و ہیئت - وقار و عظمت - حرکت سکون اور چال ڈھال کے ذریعہ ہی سراپا و عظم تھے۔ اپنے قول اور سانے وعظ کہنے سے پہلے چنانچہ اس باب میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے پورے مسداق تھے کہ تم میں کا بہتر وہ شخص ہے جس کی رویت و زیارت تمہیں اللہ کی یاد دلائے اور جس کی گویائی تمہارے علم کو بڑھائے اور جس کا عمل تمہیں آخرت کا شتاق بنائے۔ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور ترمذی شریف میں موجود ہے۔

حضرت مصلح الامتؑ کے دوسرے مکتوب گرامی میں منہوی کے جو اشعار آئے ہیں انکا ترجمہ یہ ہے؛ تمام اہل زمانہ اس لئے راستہ سے بھٹک گئے ہیں کہ لوگ عدم یعنی "فنا" سے ڈرتے ہیں حالانکہ اسی میں نجات ہے۔ ہم علم کہاں سے طلب کریں ترک علم کر کے اور سلم یعنی صلح کہاں سے ڈھونڈیں ترک سلم کر کے۔ اور حال و قال کہاں سے حاصل کریں۔ حال و قال کو ترک کر کے۔

اسی مکتوب کے ختم پر ایک عربی شعر آیا ہے اسکا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ والوں کا کہنا ہے کہ بلاشبہ ہمارے آثار یعنی ہمارے نشانات اور ہمارے بعد باقی رہنے والی ہماری چیزیں ہمارے حالات اور ہماری صفات پر دلالت کریں گی۔ لہذا ہمیں جاننے کے لئے ہمارے بعد ہمارے آثار کو دیکھنا۔

گرامی نامہ حضرت مصلح الامۃ بنام سید حسین صاحب مظلہ
بواسطہ راقم عنقہ

مکرمی جناب سید حسین صاحب دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا خط اور جناب قاری صاحب مظلہ کا گرامی نامہ..... حضرت والا مظلہ العالی کے ملاحظہ سے گذرا۔ راقم سے فرمایا کہ تم چاہو تو سید صاحب کو لکھ دو اور انکا جی چاہے تو قاری صاحب کو لکھیں کہ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "فتن نے قلوب کا ستیاناس بنا دیا ہے۔ کڑوی چیز شیریں اور شیریں تلخ معلوم ہو رہی ہے" تو یہ صحیح ہے۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا یہی حال ہے اور ایسا حال انھیں لوگوں کا ہوتا ہے جو خود فتنہ میں پڑے ہوتے ہیں اور مفتون ہوتے ہیں باقی اس دنیا میں اور اسی فاسد ماحول میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب کا خط جو ایک عربی مدرسہ کے مدرس اول ہیں ارسال خدمت ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ (نقل خط ہر شتمہ مکتوب ہذا ہے)۔ ایسے لوگوں کو فتن سے چاہے کچھ ایذا پہونچ جائے۔ اور کچھ ظاہری پریشانیاں بھی اٹھانی پڑ جائیں یہ تو ہو سکتا ہے باقی یہ کہ انکے قلب ہی کا ستیاناس ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ حضرات اسی فضا میں اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور فتن سے دور رہنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمائی ہوئی دعا کو سہرنا تے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ الْفِتَنِ مَا ظَہَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اَوْ یَہْدِیْکَ لَعُوْذُ بِکَ مِنْ یَوْمِ السُّوْرِ وَمِنْ کَیْلَةِ السُّوْرِ وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْرِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْرِ۔

۱۱ ماہ اکتوبر ۱۳۸۷ھ خط ۱۱۶ ص ۳ دیکھئے۔ رسالہ معرفت حق

یہ اور ان کے مثل دُعا اور استعاذوں کے فدیہ فتن سے پناہ مانگتے ہوئے اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔

اور اگرچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب سب غیاطین یا انہیں سے بعض طلب سے خالی ہوتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کو جی نہیں چاہتا جیسا کہ مولانا روم شہسوار میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ۵

گر ہزاران طالبان دیک ملول از رسالت باز می ماند رسول
لیکن جہاں یہ ہے وہیں دوسرے مقام پر مولانا روم ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔
راز جز با راز دان انباز نیست ۱ راز اندر گوش منکر راز نیست
لیک دعوت وارد ہمت از کردگار ۲ با قبول و ناقبول اورا چہ کار
نوح نہ صد سال دعوت می نمود ۳ دہم انکار تو مش می فرسود
ہیچ از گفتن عنان دامن کشید ۴ ہیچ اندر غار خاموشی خنرید
زانکہ از بانگ دلا لالی سگان ۵ ہیچ و اگر دو نہ رہے کاروان
یا شب متاب از غوغائے سگ ۶ سست گردد بدر را در سیرتک
مہ فشانہ زور و سگ عمو کند ۷ ہر کسے بر خلقت خود می تند
ہر کسے در خدمتی دادہ قضا ۸ در خورد آن گو ہر شس در ابستلا
(شہسوار دفتر ششم ص ۷۷)

ترجمہ

۱۔ اسرار بجز صاحب اسرار کے کسی اور کے ساتھ شریک نہیں۔ (چنانچہ) منکر کے گوش میں وہ اسرار اسرار ہی نہیں ہوتے۔

۲۔ لیکن دعوت پروردگار کی طرف سے وارد ہے۔ اس کو قبول و عدم قبول سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

۳۔ حضرت نوحؑ نو سو سال تک برابر دعوت فرماتے رہے۔ اور انکی قوم کا انکار وقتاً فوقتاً

رو بہ ترقی ہی رہا۔

۴۔ (مگر) کیا وہ کبھی کہنے سے رُکے۔ کیا وہ کبھی غارِ خاموشی میں جا کر جاگزیں ہوئے۔

۵۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) کتوں کے شور و غوغا سے کیا کبھی کوئی بھی قافلہ راہ سے واپس آ گیا ہے۔

۶۔ یا شبِ ماہ میں سگ کے غوغا کرنے سے بدر (چاند) کی سرعت، اسکی حرکت میں سست ہو گئی ہے؟

۷۔ (نہیں بلکہ) چاند اُسی طرح سے نور افشانی کیا کرتا ہے اور کتنا غوغو کیا کرتا ہے

یعنی ہر ایک اپنی فطرت پر مستعدی کے ساتھ قائم ہے۔ (بات یہ ہے کہ)

۸۔ ہر ایک کو نقصانے ایک ایک خدمت عطا فرما رکھی ہے۔ اس کی ذاتی استعداد

کے مناسب اور مصلحت اس کا ایک امتحان ہے (پس ہر ایک خدا کی جانب سے

ایک ابتلا میں ہے۔ لہذا جب کتنا اپنے اس بھوکنے کے مرض کو نہیں چھوڑتا تو میں تو چاند ہوں اپنی سیر کیسے چھوڑ دوں۔

حاصل یہ کہ آدمی اپنے ایمان کو درست کر لے۔ اپنے اندر صدق و اخلاص پیدا کرے اور اپنے کام میں لگا رہے۔ یہ اسکا کام ہے اور حالات کو سازگار بنانا یہ اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اور آپ سے کہتا ہوں کہ جب کسی کا یہ حال ہوتا ہے کہ تلخ اس کو غیر میں اور شیریں تلخ معلوم ہونے لگے تو یہ امر دلیل ہے اس کی کہ مزاج اور مذاق فاسد ہو گیا ہے اس لئے اس کو علاج کی ضرورت ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ ذائقہ کو درست کیا جائے۔

پس جس طرح سے ظاہری ذائقہ جب خراب ہو جاتا ہے تو عمدہ عمدہ کھانا بھی بدمزہ اور لذیذ سے لذیذ ٹھہرائی بھی تلخ معلوم ہوتی ہے تو اس کے لئے طبیب سے نسخہ لکھوا کر دوا استعمال کر کے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ اسی طرح سے جب باطنی مذاق بگڑ جاتا ہے اور فاسد ہو جاتا ہے تو اس روحانی مرض کا بھی علاج کرنا ضروری ہوتا

ہے اور اسکا مطلب اہل اللہ کی صحت ہے اور اسکے ذریعہ سے قلب میں ایمان پیوست کرنے کی ضرورت ہے باقی یہ کام زبان اور تقریر کا نہیں ہے۔

ایک بات تو یہ ہوئی اب دوسری بات سنئے وہ یہ ہے کہ اس فساد اخلاق اور فساد مزاج کے زمانہ میں بھی یہی کام اگر طریقہ سے اور سلیقہ سے کیا جائے تو نفع ہوگا۔ اس امر کے ثبوت کے لئے بعض احباب کے خطوط نقل کرتا ہوں۔ مولانا ابوالحسن صاحب ندوی ابھی حال ہی میں بمبئی تشریف لے گئے تھے واپسی پر انھوں نے جو خط لکھا اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ

، راج کو ایک عربی مدرسہ کے افتتاح کے لئے بمبئی گیا تھا حضرت والا کئی روز پہلے تشریف لے جا چکے تھے لیکن مجلسیں حضرت کے قیام کے فوائد و برکات کے ذکر سے معمور تھیں۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی بڑی اصلاح ہوئی نیز ان تجار اور اہل ثروت کی جو اس سے پہلے مسدکاً بعید اور متوحش تھے مہینوں اور دوسرے تعلیم یافتہ حضرات کے ایک اجتماع میں مجھے بھی عرض کرنے کا موقع ملا۔

الحمد للہ حضرت والا کے قیام کے اثرات اس مرتبہ بہت محسوس کئے اٹال اللہ بقاءکم و متعنا بفیوضکم۔

والسلام مع الاکرام

اسی طرح سے ایک اور صاحب اپنے دوست کو امریکہ سے لکھتے ہیں کہ

”معرفت حق کے دو پرچے ملے۔ ارے بھائی!

کہہ نہیں سکتا کہ کیسی مسرت ہوئی ساری پڑھائی بند کر دی اور دو دن مستقل رات میں کئی گھنٹہ تک پڑھتا رہا اور سرد ہفتا رہا حضرت کے لئے دل سے دعائیں نکلیں اللہ تعالیٰ انکا سایہ ہم سب پر تادیر قائم رکھے اور ان کے وجود کی برکت سے ہمارے اعمال سدھر جائیں۔

ارے آپ لوگوں سے بھی کہتا ہوں کہ (حضرت کو) پکڑ لیجئے مضبوط، حضرت والا یہاں میری برابر نگرانی فرما رہے ہیں کیسے لکھوں اور کیا لکھوں کہ

یہ چیزیں لکھنے کی نہیں۔ یعنی لکھی نہیں جاسکتیں۔ اسکا تعلق میری
حقیر رائے میں حال سے ہے۔
اسی طرح سے ایک اور صاحب کا خط ملاحظہ فرمائیے۔ اپنے ایک دوست کو
لکھتے ہیں کہ

”ایک صاحب کے ہاں معرفت حق پر نظر پڑی۔ پڑھ کر بہت خوشی
ہوئی فوراً لکھ کر خسریدار بن گیا اور بچھلے سارے پرچے منگوا لئے۔
اس جریدہ کو پڑھ کر مولانا..... صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہوا
ویسے پیری مریدی پر اب تک اعتقاد نہیں ہے۔ مگر کسی عالم یا متقی ولی اللہ
کی صحبت سے استفادہ کا خواہشمند ہوں۔ بزرگوں فقروں سے ملنے کی
کوشش کرتا ہوں پتہ نہیں کب اللہ انشراح صدر کر دے اور میں کسی مرشد کامل
سے رشد و ہدایت پاسکوں۔ والسلام

پٹنہ

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ ان دونوں باتوں میں آپ نے کیا فرق دیکھا۔ ایک جگہ
کا تو مذاق ہی فاسد ہو گیا ہے اور لوگوں کو شیریں تلخ اور تلخ شیریں محسوس ہو رہا ہے اور
ایک جماعت وہ ہے کہ کہیں سے دین کی خوشبو پالیتی ہے تو اس کی روح بے چین
ہو جاتی ہے۔

انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کام آج بھی ہو سکتا
ہے مگر طریقہ سے اور وہ طریقہ یہی ہے کہ اپنے اسلاف اور بزرگوں کی سیرت معلوم کی جائے
اور اس کو برابر پیش نظر رکھا جائے۔

علماء مشائخ نے اس سلسلہ میں بڑی محنت اور جانفشانی کی ہے کہ بزرگوں کے
اقوال و اعمال اور احوال کو کتابوں میں جمع کر دیا ہے تاکہ وہ انکی عدم موجودگی میں
انکی نیابت کرے اور لوگ اس سے نفع اٹھائیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
کوئی فتنہ کوئی بد حالی ایسی نہیں ہے جس کا علاج ان حضرات نے نہ لکھ دیا ہو باقی ہم اسکو

دیکھتے کب ہیں۔ ہم کو اپنے مشاغل ہی سے کب فرصت ہے اسکا کیا علاج ہے؟
لہذا جب ان حضرات کی خدمات سے فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا اور ان حضرات سے
تعلق کو شیریں بنانا نہ سیکھا جائے گا تو مفتون ہی ہونا پڑے گا اور تلخیاں بھی برداشت
کرنی پڑیں گی۔

والسلام
راقم حاتم حضرت والا.....
۲۰ رذی الحجہ ۱۳۸۶ھ - الہ آباد

اُن مولوی صاحب کا خط جس کا ذکر گذشتہ خط میں آیا ہے

حال نماز کے خالص عبادت بننے کے متعلق حضرت اقدس سے عرض کیا تھا۔ حضرت نے
دعا فرمائی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ اس خاص جز کے متعلق مجھے بار بار یاد دلاتے
رہنا۔ اس ہدایت کے مطابق عرض ہے کہ نماز کی مقبولیت کے لئے جس خشوع اور توجہ
الی اللہ کی حاجت ہے وہ مفقود پانا ہوں اور اب خپلش بڑھتی جا رہی ہے۔
شروع کرتے وقت تو کوشش کر کے تکبیر تحریمہ کر لی جاتی ہے اور کچھ دیر توجہ
بھی رہتی ہے مگر ددام نہیں رہتا کئی کئی بار تجدید بھی کر لیتا ہوں پھر دہن ہٹ
جاتا ہے۔ ادھر کچھ دنوں سے یہ الجھن سارہی ہے کہ امامت کی حالت میں اگر تیری
ہی نماز مکمل نہ ہوئی تو اسکا اثر مقتدیوں کی نماز پر بھی پڑے گا اور ان
سب کی نمازوں کی باز پرس بھی امام ہی سے ہوگی اس تصور سے بڑی وحشت ہوتی
ہے کہ سیکڑوں مقتدیوں کا بوجھ کیسے برداشت ہوگا چونکہ امامت بلا معاوضہ ہو
اس لئے کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ امامت ہی چھوڑ دوں۔ مگر دقت یہ ہے کہ جس
مسجد میں نماز پڑھتا ہوں وہاں کوئی موزوں شخص جو پابندی بھی کرے اور قبول بھی کرے
نہیں ملتا اس لئے الجھن ہے۔

اس سے آگے یہی الجھن ترجمہ قرآن پاک میں حائل ہے کہ سب کچھ دوسروں کو

سناتا ہے لیکن قرآن پر خود کتنا عمل ہے اور جب نہیں ہے تو پھر ان سارے سننے والوں کی ذمہ داری بھی تیرے ہی سر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور تہجد کی تنہائی میں دعا کرتا ہوں اور حضرت اقدس کی ارشادِ سرمدہ حدیث شریف من تعاسر باللیل کو یاد کر کے اس وقت اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں کہ وہ دین میں اور دینی امور میں مخلص بنادے اور صرف اپنی رضا کے لئے یہ سارے کام مجھ سے لے لے۔

پھر بھی قلب کو اطمینان نہیں ہوتا کہ نہ معلوم کیا انجام ہوتا ہے، فکر بڑھتی جا رہی ہے کہ کس طرح جواب دہی ہوگی اس کے آگے یہی ذہنی تشویش مدرسہ کے سارے کاموں میں پاتا ہوں۔ یہاں بھی حیلوں کی مانگ ہے اور اپنے پاس اسی پونجی کی کمی ہے۔

رحمتوں کی حدیثیں بھی پڑھتا ہوں اور مفسرت کی آیتیں بھی مگر اب نظر آتا ہے کہ عمر بھر میں کوئی عمل قابل قبول ادا نہیں ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس لئے حضرت اقدس ہی کی رہبری کا محتاج ہوں، پورے الحاح کے ساتھ درخواست ہے کہ حضرت اقدس رہبری فرمائیں اور دُعا بھی ضرور فرمائیں اور بار بار کہ اللہ تعالیٰ تمہارا درست کر دے۔

خادم کو یقین ہے کہ اگر نماز درست ہو جائے اور جس درجہ کا خشوع و خلوص (کم سے کم) مطلوب ہے۔ اگر اتنا عطا ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ نماز ڈھنگ کی بن کر قابل قبول ہو جائے گی بلکہ پوری زندگی میں انشاء اللہ تعالیٰ خلوص نصیب ہو جائے گا۔

خادم کو یقین ہے کہ جس شفقت سے حضرت اقدس نے ہمیشہ خادم کو نیک راہ پر لگانے کی کوشش فرمائی ہے، اُسی شفقت و مرحمت سے اس وقت بھی ضرور نوازیں گے۔

تحقیق۔ آپ کے مجموعی حالات سے بہت خوش ہوا کیونکہ اب تک تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ کو ظاہری علوم سے دلچسپی اور مناسبت ہے باطن کی جانب کچھ زیادہ توجہ نہیں ہے لیکن آپ کے ان حالات سے معلوم ہوا کہ اس کی درستگی کی بھی فکر پیدا ہو گئی ہے۔ تو سنئے!

اس راہ میں اعمال و اخلاص موجب قرب الہی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لئے کیسے اعمال و اخلاق اختیار کرنے چاہئے، سالکین راہ کے لئے ایک مشکل چیز ہے۔

دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اعمال پسندیدہ و اخلاق برگزیدہ اختیار فرماتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ تضرع و زاری بدرگاہ و اہب العطیات بھی کرتے ہیں جیسا کہ آپ کی ادعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

اِهْدِنِي لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ وَالْإِخْلَاقِ إِنَّهُ لَا يَهْدِي لِصَالِحِهَا وَلَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔

دیکھئے باوجودیکہ آپ اولو العزم پیغمبر ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں۔ آپ کی عبادت، آپ کے اعمال صالحہ، آپ کے اخلاق اور پھر انہیں آپ کی حسن نیت، آپ کا ارادہ، آپ کا صدق عزم، ان سب چیزوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اس کے باوجود آپ حق تعالیٰ ہی سے ہدایت طلب فرما رہے ہیں۔ اعمال و اخلاق حسنہ کی، اور برے اعمال اور برے اخلاق سے صرف یعنی بٹنے اور بچنے کو ادھر ہی سے طلب فرما رہے ہیں یہی اصل ہے اس راہ کی کہ بندہ تضرع و زاری اور الحاح کو اپنی خوبنائی اور بھراس کے بعد ادھر سے جب ہدایت، توفیق، حسن نیت، قوت عبادت اور طاقت اجتناب معاصی، یہ سب امور عطا ہوتے ہیں تب ہی اسکا کام بنتا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سوال فرمایا تو اب یہ طریقہ منون ہو گیا ہے لہذا سالکین راہ کے لئے بھی ضروری ہو گا کہ وہ بھی اگر کسی

عمل صالح کو کرنا چاہتے ہیں یا کسی سیئہ سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ بھی یہی طریقہ اختیار کریں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو اپنا وظیفہ بنائیں اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق طلب کریں۔

اسی طرح سے ایک اور دعا میں آپ فرماتے ہیں کہ:-
 اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ التَّوْفِیْقَ لِجَمَاعَةٍ مِّنْ اَلْعَمَالِ وَصِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَیْکَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِکَ۔

اس میں پسندیدہ اعمال کی توفیق، صدق توکل اور حسن ظن کی دعا آپ اللہ تعالیٰ ہی سے فرما رہے ہیں۔

ان ادعیہ میں غور فرمائیے اور انکا خصوصی ورد رکھئے۔ ایک اور دعا میں فرماتے ہیں جو دین اور دنیا دونوں کے لئے جامع ہے:-
 اَللّٰهُمَّ اُرْزُقْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَلَا تَحْرِمْنا رِزْقَکَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَنَا فِی الْمَفْسِنَا وَاجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِیْمَا عِنْدَکَ
 آپ تو عالم ہیں اسکے ایک ایک لفظ پر غور فرمائیے اور دیکھئے کہ کس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دنیوی ہریشانی سے بچنے کا طریقہ سکھلایا اور دنیا کے سوال کے وقت بھی آخرت کو بھولنے نہیں دیا۔ اور سنئے! ایک دعا میں فرماتے ہیں کہ:-

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ تَوَكَّلَ عَلَیْکَ فَکَفَّیْتَهُ وَاسْتَقْدَمَ الْاَوْفَلَیْتَهُ وَاسْتَنْصَرَکَ فَنَصَرْتَهُ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو کافی ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے:-
 اَلِیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدًا۔

پس جب اللہ تعالیٰ ہی کسی کی کفالت فرمائیں تو اس کو ہدایت دے دیں۔ نصرت دیدیں اور جو چاہیں عطا فرمادیں، انکے لئے کیا مشکل ہے۔

حضرت رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ نعمت عافیت کی بڑی قدر کرو جس کی حقیقت یہ ہے کہ سانس بدون تکلیف کے آتی رہے۔ رزق بدون مشقت کے ملتا رہے اور عمل صالح بدون ریا کے ہوتا رہے۔

سبحان اللہ نہایت عمدہ تعریف فرمائی ہے۔ آج ادل کو تو عافیت سمجھا جاتا ہے لیکن رزق بدون مشقت کے ملتا رہے۔ فرما رہے ہیں کہ یہ بھی عافیت ہے اب اگر رزق ہی نہ ملے یا بڑی مشقت کے بعد ملے تو عافیت نہیں ہے اور یہ کہ عمل اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے اسکو تو کوئی عافیت سمجھتا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی عافیت کا جزو فرما رہے ہیں یعنی اگر اعمال صالحہ ہو ہی نہیں پایا یا عمل ہو تو مگر اس میں خلوص نہ ہو تو بھی عافیت باقی نہیں ہے۔

آپ کے خط سے جس فکر و غم کے قلب میں پیدا ہو جانے کا اندازہ ہوا طریق میں وہ مقصود و مطلوب ہے اور جس قدر یہ فکر بڑھتی جائے گی راستہ جلد کھلنے کی امید ہے۔

باقی اطمینان کو جو آپ نے لکھا ہے تو اطمینان کی جگہ تو آخرت ہے، دنیا میں اطمینان کہاں؟ یہاں تو بین الخوف والرجاء ہی رہنا ہے۔ اسکو اہل طریق یوں فرماتے ہیں کہ ہ

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دے فارغ میباش
تا دم آخر دے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود
آپ شب کو کچھ کام کر لیتے ہیں دن کا وقت بھی خاصا طویل ہوتا ہے اسلئے تھوڑا سا وقت اس میں سے بھی ذکر و فکر کے لئے نکالئے انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔
والسلام

انھیں دنوں ایک مولوی صاحب جن کا تعلق اصلاحی حضرت والا سے تھا۔
الآباد آئے۔ اور چونکہ جناب قاری صاحب مدظلہ سے بھی انکی خاصی بے تکلفی تھی اسلئے

قاری صاحب کے حالات اور واقعات اور معاملات سن کر بہت ہی زیادہ مخطوط ہوئے
اور غایت نشاط میں آکر اپنی پوری مسرت کا جناب قاری صاحب سے بھی بذریعہ
مکاتبت اظہار کر دیا۔

آئندہ سطور میں انھیں مولوی صاحب کا خط اور جناب قاری صاحب مدظلہ
کا جواب ملاحظہ ہو۔

ایک مولوی صاحب کا خط بنام تاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مخدوم محترم جناب مہتمم صاحب زیت مکار کم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید ہے کہ مزاج گرامی عافیت سے ہوگا بندہ اس وقت آباد حضرت اقتداس
مرشدی مولانا فیتھوری دامت برکاتہم کے یہاں آیا ہوا ہے۔ حاضر ہونے پر جناب
کے مکتوبات گرامی جو ان دنوں حضرت مرشدی مدظلہم العالی کی خدمت بابرکت میں ارسال
فرمائے ہیں ان کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی اور پڑھ کر قلب مسرور اور آنکھیں
اُن سے ٹھنڈی ہو گئیں۔ سبحان اللہ طبیعت باغ باغ ہو گئی کہ بندہ کے قیاس سے کہیں
بڑھ کر جناب کے احوال رفیعہ معلوم ہوئے ماشاء اللہ اس قدر دل سے اہل اللہ و عرفاء
کا ملین کی طرف لگاؤ اور توجہ خالص ہے اور ہر کل و جز کی اصلاح کے لئے دعا کے لئے
بار بار توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جناب بہت زیادہ پیشقدمی
فرما چکے اور آگے بڑھے ہوئے ہیں بلکہ جو کچھ کوتاہی ہے ہم ہی خدام کی ہے کہ اپنی کم فہمی
اور کم ہمتی کے باعث آپ کی نصرت کرنے سے قاصر ہو رہے ہیں یا اگر کچھ کرتے بھی ہیں
تو وہ بس یونہی کمزور اور بھوسہ سوسا بس اگر غلص اور صاحب فہم و تدبیر اعوان و انصار
آپ کو مل جاویں تو خداوند تعالیٰ کی ذات مقدس سے قوی امید ہے کہ کارہائے مدرسہ

جملہ شعبہ جات میں بہت ہی بہتر اور عمدہ ہو جا دیں اور تمام فساد و مبدل بہ صلاح موجد کے
اور آپ کی توجہات اسی طرح منقطع رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن قریب ہے کہ حق تعالیٰ
کی مدد دائیں بائیں آگے پیچھے اور اوپر نیچے سے آپ کو اور آپ کے مدرسہ کو پہونچے اور اپنی
رحمت بے پایاں میں سب کو ڈھانپ لے۔ ع

”اے دعا از من و از جملہ حبس آئین باد“

بندہ آپ کی دعاؤں کا بہت محتاج ہے اور دل سے اسکا خواستگار اور طالب ہے۔

والسلام مع النخیر والاحترام

۱۳۷
۸۶

جواب حضرت مہتمم صاحب مدظلہ
بنام مولوی صاحب صوف

حضرت المحترم زید مجدکم۔ السامی

سلام مسنون نیاز مقسودن۔ گرامی نامہ نے شرف فرمایا۔ سطور مبارکہ پڑھ کر
دل بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب بلند فرمائے۔

یہاں ایک ابتلا ہے اس میں اہل اللہ کی دعائیں ہی کارگر ہو سکتی ہیں
نظائر اسباب تو اصلاح کی توقع نہیں ہے۔

سبب الاسباب کو سب قدرت ہے۔ اُسے سب آسان ہے ہمیں سب مشکل
ہے۔ بہر حال دعا فرماتے جائیے۔ اگر اصلاح حال مقدر ہے تو غیب سے اسباب
پیدا ہو جائیں گے۔ یہاں سب خیریت ہے۔

والسلام

محمد طیب از دیوبند

۱۳۷
۸۶

اسی ہنگامہ کے دور کا ایک اور خط حضرت مصلح الامۃ کا

بنام حضرت مہتمم صاحب ظلہ

عنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام عنایتکم

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ

گرامی نامہ موصول ہو کر کاشف حالات ہوا۔ آپ گھبرائے نہیں میں بھی اب مدرسہ کی جانب متوجہ ہو گیا ہوں اور عام لوگوں کو بھی متوجہ کرتا ہوں اور اُن کے لئے کسی نثر مضمون کی فکر میں ہوں مگر جب خدا کی طرف سے قلب میں کوئی بات آئے گی تب ہی کہوں گا۔ آپ چاہئے گا تو اخبارات میں بھی اسکو دیکھیں گے۔ عوام انشاء اللہ متوجہ ہوں گے۔ اور اہل شوریٰ کی خدمت میں بھی ایک مضمون بھیجئے والا ہوں جو کہ اس قسم کا ہو گا کہ :-

”مدرسہ میں پیش آنے والے حالات سے عوام الناس کو جو صدمہ پہونچا وہ تو پہونچا ہی ہے ہم جیسے لوگوں کے قلوب بھی مجروح ہو گئے ہیں آپ حضرات اور باب حل و عقد ہیں اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو ہم جیسے لوگوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے اور دارالعلوم کی مرکزیت اور آپ کے ہاتھ میں امت مسلمہ کی اتنی بڑی امانت جو سپرد ہے اسکے پیش نظر آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہو گیا وہ بہت ہو گیا اس داغ کو دارالعلوم کے دامن سے صاف کیجئے اور اس کی کوشش فرمائیے کہ آئندہ کے لئے فتنہ کا انداد ہو جائے اور اب کبھی اس قسم کے حالات وہاں دوبارہ رونما نہ ہوں۔“ انتہی

آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس نوع کا مضمون کچھ مفید ہو گا اور اہل شوریٰ اس کا کچھ اثر لیں گے۔

اور اوہل کے سلسلہ میں عرض ہے کہ سوال کے مہینہ میں جو اعلان شائع ہو چکا ہے اپنے موضوع میں وہ نہایت ہی جامع ہے اب اس کے بعد اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے یوں عام اصلاحی اُمور۔ وقتاً فوقتاً عرض کرتا رہوں گا اور خدمت میں پیش کرتا رہوں گا۔ والسلام خیر ختام وصی اللہ عفی عنہ

حضرت مصلح الامة علیہ الرحمۃ کا ایک اور خط

عنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام عتائیکم
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 میری سابقہ تحریر سے شاید آپ کو میرے کسی مضمون کا انتظار ہو تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ میں اُس وقت سے برابر اس فکر میں ہوں کہ کیا مضمون روانہ کروں وہ بھی ایسی جگہ کے لئے جو علم و فضل کا مرکز ہے۔ جہاں اہل علم کا مجمع ہے اور یہ سوچ سوچ کر شرماتا تھا کہ جس جگہ سے دوسرے لوگوں کو روشنی ملتی ہو وہاں میں کونسا مضمون بھیجوں۔ غرض انہیں حالات کی بنا پر متردد تھا اور انتخاب مضمون کے سلسلہ میں متفکر تھا کہ آج معاً حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کا ایک مضمون قلب میں آیا اور میا ختہ جی چاہا کہ اسی کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دوں۔ چنانچہ اُس کو اپنی جانب سے نہیں بلکہ انہیں کی جانب سے پیش خدمت کر رہا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ سب ہی حضرات و دیگر تمام اہل علم جنہیں یہ پہونچے گا سب اس کو پسند فرمائیں گے اس لئے کہ یہ میری بات نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ذات کی بات ہے جو کہ علوم ظاہری میں میں یدِ طولی رکھتے تھے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کے شاگرد خاص تھے اور صاحب باطن بزرگ بھی تھے اور حضرت مرزا مظہر جان جاناؒ کے خلیفہ خاص تھے۔ یعنی بیک وقت عالم بھی تھے۔ صوفی بھی تھے فقیہ و مفسر اور متکلم بھی تھے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

قدس اللہ سرہ آپ کو بہت سی وقت فرمایا کرتے تھے۔ یہ قاضی صاحب اپنی مشہور تصنیف
ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ

جماعتے بے نہایت کہ اتفاق شان بر کذب عقل محال میدانہ و اکاں
جماعتے بقسمے است کہ ہر ہر فرد شان بسبب تقویٰ و علم بقسمے است کہ تمت
کذب بروے روا نباشد بزبان قلم و قلم بزبان خبر می دہند کہ مار بسبب
صحبت مشائخ کہ سلسلہ صحبت شاں برسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرسد
در باطن حالتے پیدا آمدہ سوائے عقائد وفقہ کہ قبل از صحبت شاں
بداں متحلی بودند و ازیں حالت کہ حاصل شدہ محبت با خدا و بادوستان
خدا و اعمال صالح و توفیقات حسنات و رسوخ در اعتقادات حقہ
زندہ شدہ و ایں حالت کہ البتہ کمال است و موجب کمالات است۔“

(ارشاد الطالبین ص ۱۷)

اس میں غور فرمائیے کہ حضرت قاضی صاحب علاوہ عقائد وفقہ کے ایک دوسری
حالت باطنی کی ضرورت بیان فرمادے ہیں اور بدلیل تو اتر جو کہ قطعی ہے اس کو
فرمادے ہیں کہ یہ حالت مشائخ کی صحبت سے حاصل ہوا کرتی ہے اور یہ فرمادے
ہیں کہ یہ خود بھی کمال ہے اور دیگر تمام کمالات کے لئے موجب بھی ہے پس جو شخص
اس سے متصف ہے وہ کمال سے متصف ہے اس لئے کامل ہے اور اگر کسی شخص
دوسروں میں اس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کامل کے ساتھ مکمل بھی ہے۔

ہمارے اسلاف اسی کمال سے متصف تھے ہم کو بھی اس کی تحصیل کی فکر ضروری
ہے۔ میرے اس مضمون کو اساتذہ اور طلبہ کو بھی سنا دیجئے اور میری جانب سے بلکہ
میری زبان ہو کر اس کو سنائیے۔ سب کو اہتمام کے ساتھ جمع فرمائیے بلکہ اگر اسباق
بند کر کے جمع کرنا پڑے تو اسباق بند کر کے سب کو جمع فرمائیے اور اُن لوگوں سے
کہہ دیجئے کہ میں انکی لسان بن کر سنا رہا ہوں۔

۲۔ یہی قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی دوسری کتاب مالا بدمنہ کے آخر

میں کتاب الاحسان کا عنوان قائم فرماتے ہیں اور یہی وہ بزرگ ہیں جو فقہ کی کتاب میں احسان کا باب قائم فرما رہے ہیں اس کے تحت لکھتے ہیں کہ

”بدان اسعدک اللہ تعالیٰ ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام و شریعت است و مغز و حقیقت او در خدمت درویشان باہمت و خیال نباید کرد کہ حقیقت نجات شریعت است کہ ایں سخن جمل و کفر است بلکہ ہمیں شریعت است کہ در خدمت درویشان چون قلب از تعلق علمی و حبی کہ بہ ماسوی اللہ داشت پاک شود و رذائل نفس بر طرف گشتہ نفس مطمئنہ شود و اخلاص بہم رساند شریعت در حق او بامنہ شود نماز او عمدت اللہ تعلق دیگر بہم رساند۔ دو رکعت او بہتر از یک رکعت دیگران باشند و ہم چنین صوم او و صدقہ او رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم اگر شما مثل احد زردہ راہ خدا خرچ کنید برابر یک سیر یا نیم سیر جو نیا شد کہ صحابہ در راہ خدا دادہ اند ایں از بہت قوت ایمان و اخلاص شان است۔

نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینہ درویشان باید جست و بدان نور سینہ خود را روشن باید کرد تا ہر چیز شر بہ فراست صحیحہ دریافت شود۔“

(ترجمہ برائے ناظرین معرفت) جانو اللہ تعالیٰ تم کو نیک بخت بنائے کہ یہ جو باتیں کی گئیں یہ تو ایمان اور اسلام اور شریعت کا محض ظاہر ظاہر تھا باقی اس کے مغز اور اس کی حقیقت اور روح کو درویشوں کی خدمت میں تلاش کرنا چاہئے اور خبردار خبردار یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ حقیقت (نصوت) شریعت کے مقابل کوئی شے ہے کہ یہ قول جہالت سے ناشی ہے بلکہ کفر ہے۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہی شریعت ہی ہے کہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے انسان کا قلب ماسومی اللہ سے اب تک جو تعلق علمی یا جتنی رکھتا تھا اس سے پاک و صاف ہو کر اور رزائل نفس سے نکل کر اب اس کا نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اخلاق سے متصف ہو جاتا ہے تو یہی شریعت اس کے حق میں بامعسر ہو جاتی ہے اور اب اس کی نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرنے کے باب میں کچھ دوسرے ہی انداز کا کام کرتی ہے اب اس شخص کی دو رکعت دوسروں کی لاکھ رکعت سے بہتر ہو جاتی ہے اور یہی حال اسکے روزہ اور صدقہ کا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ اس ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر بھی نہ ہوگا جو کہ حضرات صحابہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف فرمایا ہے اور یہ فرق ان کے ایمان اور اخلاص ہی کی جہت سے ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو درویشوں کے سینہ سے تلاش کرنا چاہئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے تاکہ ہر خیر و شر کا علم فراست صحیحہ سے دریافت ہو جا کرے۔

فراست صحیحہ پر محشی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

قال عليه الصلاة والسلام اتقوا فراسته المؤمن فانه ينظر بنور الله
نقل است کہ شخصے باجیہ ودلق درویشاں در مجلس خواجہ عبدالحق غجدانی

درآمدہ بگوشتہ نشست۔ چون حضرت ایشان از پسند و وعظ فارغ شدند
 ان شخص برخاست و پرسید معنی اتقوا فراسے المؤمن چیت و اس فرست
 کدام است فرمود فرست این است کہ زنار خود بگسل او فریاد برآورد کہ
 معاذ اللہ زنار را با من چه سروکار مریدے حسب اشارت چون دلق ربائی
 اورا از بدنش برداشت زنار برآمد تا مسلمان شد خواجہ فرمود یا راں
 بیاید تا ما زنار باطن خود را شکستہ از سر نو تجدید عہد با خدا سازیم شود
 از ہنادر مریداں برخاست و ہمگناں تجدید بیعت کردند۔

(الامام منہ ۱۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی فرست سے ڈرو اسلئے
 کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ۔
 ایک شخص درویشوں کا جبہ اور دلق پہنے ہوئے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ
 کی مجلس میں آکر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت لوگوں کو ہند و نصیحت کر کے فارغ ہو چکے
 تو اس نے اٹھ کر حضرت سے سوال کیا کہ یا حضرت! اتقوا خراسۃ المؤمن کا کیا مطلب ہے
 اور وہ فرست کیا چیز ہوتی ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ وہ فرست یہ ہے کہ تم اپنا زنار توڑ ڈالو۔ یہ سن کر اس نے شور
 مچایا اور کہا کہ معاذ اللہ مجھے زنار سے کیا سروکار۔ اسی اثنا میں ایک مرید نے شیخ کا
 اشارہ پا کر اس کے دلق ربائی کو اس کے بدن سے الگ کر دیا تو اس کے نیچے زنار نکلا۔
 یہ واقعہ دیکھ کر وہ شخص مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنے سب لوگوں کو
 مخاطب کر کے کہا کہ دوستو! آؤ جس طرح سے اس نے اپنی ظاہری زنار کو توڑا ہے
 اور مسلمان ہو گیا ہے۔ یارو! آؤ ہم سب بھی اپنے اپنے باطنی زنار کو توڑ ڈالیں اور اس
 وقت سے حق تعالیٰ کے ساتھ نیا عہد باندھیں۔

شیخ کے اس اتنا کہنے پر لوگوں کے درمیان سے ایک شور اٹھا اور سب نے اسی وقت
 شیخ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ انتہی

سبحان اللہ عجیب واقعہ ہے۔ خطا رہے کہ پھر اس کے بعد ان سب لوگوں نے
کیسا کچھ عہد باندھا ہوگا۔

آخر میں مکتوبات مصوریہ سے بھی ایک مضمون نقل کرتا ہوں جس میں مشائخ طریقت کی
صحیح تصویر کھینچی گئی ہے۔ مجھے تو یہ مضمون بہت پسند ہے۔ امید ہے کہ آپ حضرات بھی
پسند فرمائیں گے۔ فرماتے ہیں کہ

”ایں بزرگواراں در محبت حق جل و علا از خود و از غیر خود گسسته اند
و در عشق او از آفاق و انفس گزشتہ ماسوی را در راہ او در باختہ و باو
ساختہ اند اگر حاصل دارند اور دارند و اگر حاصل اند باو و اصل انہما بن
شان را بنہی انقطاع از مادون او تعالیٰ روئے دادہ است کہ اگر سالسا
یا دو ماسوی نمایند بیادشان نیاید و از انانیت نفس بنوع گزشتہ اند کہ عود
کلمہ انارا بر خود شرک می دانند۔ رجال صدقوا ما عاہدوا للہ علیہ
در حال لا تلہیہم تجارت ولا بیع عن ذکر اللہ۔ خداوند مرا ازین
قوم بگرداں یا از نظر اہل گیان این قوم گرداں کہ قوم دیگر را طاقت ندارم
ہر کس کہ ہوس این راہ دارد و تخم این اندیشہ در دل می کارد باید کہ ہمہ
چیز را گذاشتہ صحبت این اکابر اختیار نماید و جہاں نشاء لوازم
ظہر گاری کند و از ہر جا بوائے ازین دولت بمشام جاں برسد
از بوائے آن شود خوش گفت بیت ۵

بعد ازین مصلحت کار در آں می بینم کہ روم بردارینخانہ و خوش بنشینم
بامول از دوستاں و عائے سلامتی خاتمہ است والسلام علی سائرین
اتبع الہدیٰ۔

والسلام خیر ختام

ان بزرگوں نے حضرت حق جل و علا کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا نہ غیر کو بلکہ سب
ایک نخت خالی ہو گئے اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی جہان کو چھوڑ دیا اور

ماسوی اللہ کو اللہ کے راستہ میں خیر باد کہہ کر خود کو خدا کے ساتھ واصل کر لیا۔ اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اسی سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سے اگر واصل ہیں تو بس اسی سے واصل ہیں۔

چنانچہ ان حضرات کے باطن کو ماسوی اللہ سے ایسا انقطاع کلی ہو جاتا ہے کہ اب اگر ماسوی کو سا لہا سال یاد کریں تب بھی وہ یاد نہ آوے۔ اسی طرح سے نفس کی انانیت اور رعوت سے ایسا نکل جاتے ہیں کہ اب اس کے بعد لفظ اَنَا کا استعمال بھی انکو شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد بانہا تھا اس کو سچ کر دکھایا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی خداوند! تو مجھے بھی اسی قوم میں سے کر دے یا کم از کم انکی زیارت کرنے والوں ہی میں سے بنادے کیونکہ ان دد کے علاوہ تیسری قوم میں سے ہونے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔

اب جو شخص کہ طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کے خیال کا بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کر کے مشائخ طریقی کی صحبت اختیار کرے اور لوازم طلب کے آگے اپنی جان نثار کر دے اور جس جگہ سے بھی اس دولت کی خوشبو اسکے مشام جان میں پہنچے اس کی تحصیل کے درپے ہو جائے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ اب اس کے بعد مصلحت کا راسی میں سمجھتا ہوں کہ بس سینخانے کے دروازے پر جا پڑوں اور خوشی خوشی وہیں اپنے ایام زندگی گزار دوں۔

حضرت والا کے ان خطوط اور مضامین کے پڑھنے سے آپکو بھی اندازہ ہوا ہوگا۔ حضرت مصلح الامۃ کو مدرسہ دیوبند کا کس قدر خیال اور اس کے بقا و ترقی کی کس درجہ فکر تھی۔ چونکہ اس کے حق میں بھی حضرت اقدس ایک درد مند مصلح تھے اور اعمالکم عما لکم جیسی نصوص ہر وقت پیش نظر رہتی تھی اس لئے اس قسم کے حالات میں کسی

دوسرے کو کہنے سننے کے بجائے انہوں ہی کو کہتے رہتے تھے۔
 واقعی عجیب شان تھی حضرت والا کے طرز اصلاح کی کہ کیا کہنا۔ سبحان اللہ!
 قربان جائیے۔ اور بقول حضرت خواجہ صاحبؒ کے (یعنی اُنکا یہ شعر اگر ہم یہاں بھی
 دہرا دیں تو بے محل نہ ہوگا)۔

جہاں میں صد ہا حسین دیکھے ہزار ہا نازنین دیکھے
 کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا

اسٹراٹک کر رہے ہیں دیوبند کے طلبہ اور مواخذہ ہو رہا ہے ہم سے۔ بات
 کیا تھی؟ معاتبہ المجموع بفعل الواحد کی سنت دُمرائی جا رہی تھی کہ مسجد نبوی
 کی دیوار پر تھوکا تھا کسی ایک شخص نے اور ڈانٹ کھا رہے ہیں تمام صحابہؓ پھر جب
 ہم لوگوں کو پیٹ پاٹ لیتے تو فرماتے کہ بھائی بات یہ ہے کہ اب وہاں کے طلبہ سامنے
 ہیں نہیں اور شیخ سعدیؒ فرما گئے ہیں کہ

چو از قوتے یکے بیدانشی کرد ز کہ را منسزلت ماند نہ مہ را
 یعنی جب کسی جماعت میں سے ایک فرد سے بھی کسی غلطی کا صدور ہوگا تو طعن کئے
 جانے سے کوئی بھی نہ بچے گا۔ یعنی اعتبار سب کا ختم ہو جائے گا۔

اور طالب علم سب ایک ہی برادری کے ہوتے ہیں خواہ وہ کہیں کے ہوں۔
 بد اخلاقی کسی کسی میں فعلیت کے درجہ میں بھی آجاتی ہے ورنہ تو قوت کے درجہ
 میں تو سبھی کے اندر ہوتی ہی ہے اور جو جماعت کہ اپنے ظاہر سے علم رسول کی طالب
 اور اتباع رسول کی مدعی ہو اور اپنے عمل سے آپ کی تعلیمات کے بالکل خلاف
 حال کا منظر ہرہ کرے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے اور افسوس کا مقام ہے۔
 اس لئے میں تم ہی لوگوں کو اس پر بطور زبردستیہ کے کچھ کہہ سن لیتا ہوں اور امید
 کرتا ہوں کہ اس کی وجہ سے حق تعالیٰ کی نصرت متوجہ ہوگی اور فساد کا وہاں سے
 بھی خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ اس فاسد دور میں بد اخلاقی پر نیکر کرنا اور حسن اخلاق
 کی ترغیب دینا حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت ہی پسندیدہ امر ہے۔

جب اسکا چرچا روئے زمین کے کسی خطہ میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے سب ہی لوگوں کو بد اخلاقی کے دبال سے محفوظ فرمائیں گے ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہی ہوگا کہ ہم لوگوں سے راضی ہو کر ہمارے دعا قبول فرمائیں گے۔
 اسی اصول کے پیش نظر حضرت والا چاہتے تھے کہ خود مدرسہ میں جو سعید و صالح افراد ہیں وہ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوں یعنی طلبہ ہوں تو وہ خلوص اختیار کریں اور اساتذہ کرام ہوں تو وہ اس میں مزید ترقی فرمائیں۔
 چنانچہ آئندہ آنے والا خط دراصل حضرت والا کا ایک پیغام ہی ہے۔ بنام طلبہ مدرسہ و اساتذہ کرام۔ ملاحظہ ہو۔

ایک اللہ کے بندہ کا پیغام

اساتذہ کرام و طلباء دارالعلوم کے نام

عنایت فرمے بندہ جناب مہتمم صاحب دام مجدکم
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کے ایک بندہ کا محض خیر خواہی اور نیک نیتی کے ساتھ ایک پیغام ہے اگر پسند ہو تو اساتذہ کرام و طلبہ دارالعلوم کو اسے سنا دیں شاید یہ حضرات اس پر کچھ غور فرمائیں ورنہ کالے بد بریش خاوند اس کو چاک کر کے پھینک دیں اور فرمادیں کہ امکا جو جی چاہے کریں وہ مضمون یہ ہے :-

مدرسہ دارالعلوم کسی کی ملکیت نہیں ہے کہ اس میں وہ جو تصرف چاہے کرے بلکہ تمام مسلمانان ہند بلکہ مسلمانان عالم کا ایک مشترکہ سرمایہ ہے چنانچہ جس طرح سے آپ کو اس سے تعلق ہے ہم کو بھی ہے اور تمام مسلمانوں کو ہے اور جس طرح سے ہر شخص اس کے نفع میں شریک ہے اور اس کا نفع ہر مسلمان کو پہنچتا ہے اسی طرح سے اگر اسپر خدا خواستہ

کوئی آنچ آئے تو اسکا ضرر بھی تمام ہی مسلمانوں کو پہنچے گا اور ہر شخص کو اس کے نقصان میں شریک ہونا پڑے گا۔

اس لئے عرض ہے کہ دارالعلوم میں گزشتہ دنوں رونما ہونے والے واقعات سے ہر مسلمان متاثر۔ رنجیدہ۔ اور ناخوش ہے اور یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ اور دوسرے مقامات میں اور چھوٹے چھوٹے مدارس میں اسی قسم کے ہنگامے اور شور شیون اگر ہوں تو ہوں۔ دیوبند جیسے مرکز میں جس کی حیثیت مدارس دینیہ میں ایک مثالی اور نمونہ کی سی ہے وہاں ایسے واقعات کیوں رونما ہوئے۔

میں گو مدرسہ کا سرپرست اور اس کی مجلس شوریٰ کا ممبر نہیں ہوں تاہم ایک مسلمان اور ہمدرد ہونے کی حیثیت سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے حالات مدرسہ سے امت کی توجہات ہٹا دینے والے ہیں نیز مدارس دینیہ اور علمائے امت اور طلبائے دین کے دامن پر بدنامی داغ ہیں۔ لہذا اُمید کرتا ہوں کہ مجھے نیز تمام مسلمانوں کو اسکی جانب سے مطمئن کیا جائے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں میرا کوئی مطالبہ آپ حضرات سے نہیں ہے۔ آپ کا جی چاہے اور آپ بھی ضرورت محسوس فرماتے ہوں تو اس سلسلہ میں کوئی نیک قدم اُٹھا کر مسلمانوں کو مطمئن کریں اور ضرورت نہ سمجھتے ہوں تو نہ کریں اور جیسا اب تک کرتے آئے ہیں وہی کریں۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

فتنہ و فساد جہاں بھی ہو بڑی چیز ہے۔ اور طلبہ اور پھر عربی طلبہ اور دینی مدارس میں ان امور کا واقع ہونا نہ صرف معیوب ہی بلکہ باعثِ ننگ بھی ہے۔

بہر حال بقول حضرت مصلح الائمہ بڑی جگہ اور کسی دینی جگہ بڑا شیطان بھی رہتا ہے۔ مدرسہ بھی فساد کی لپیٹ میں آ ہی گیا اور ایسا فساد ہوا کہ خود حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اس کو ”ہنگامہِ رجب“ کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔ غرض جو یہاں

نہ ہونا تھا ہوا مگر الحمد للہ کہ بزرگوں کی توجہ کی برکت سے بالآخر وہ فتنہ فرو ہوا اور مدرسہ صحتیاب ہو گیا لیکن اسکا غم اور اثر اسقدر شدید پڑا کہ حضرت مہتمم صاحب بیمار ہو گئے۔ ہمارے حضرت والا بھی اپنی علالت میں اکثر یہ فرماتے تھے کہ مجھے کچھ بیماری نہیں ہے صرف آپ لوگوں کی بد حالی کا غم ہے اور بے فکری کا درد و الم ہے۔ چنانچہ دیوبند سے ایک محترم نے حضرت والا کو حالات کی درستگی کی اس خط سے اطلاع دی۔

ایک حشام کا خط حضرت مصلح الائمہ کے نام

سیدی و مرشدی دامت برکاتکم
اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ
۱۹ صفر سے ۱۹ صفر ۱۳۸۸ تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ہنگامہ خیر اجلاس ہوتے رہے۔ حالات نہایت مایوس کن اور ناگفتہ بہ تھے۔ مخلصین بچپن تھے۔ لیکن لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ سے ڈھارس ہوتی تھی۔

بالآخر ۲۰ صفر کی صبح کو جملہ ممبران۔ اساتذہ۔ ملازمین اور طلبہ کا اجتماع ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب و مولانا فخر الدین صاحب کی انتہائی موثر اور رقت آمیز تقریریں ہوئیں۔ طلباء نے عاجزی کے ساتھ اپنے جرائم کا اعتراف کیا۔ اکابر سے معافی طلب کی اور آئندہ کے لئے مسلک علماء کے مطابق ہنگاموں اور فتنہ پردازوں سے الگ رہتے ہوئے دینی اور تعلیمی امور میں مشغول رہنے کا اقرار کیا۔ ان کو معافی دے کر داخلہ کر لیا گیا اور خدا کا شکر ہے کہ ایک زبردست خطرہ ٹل گیا۔ اس جلسہ کا ماحول نہایت خوشگوار تھا اور یہ بین طریق پر محسوس ہوتا تھا کہ ہر فرد اپنی ذاتی رنجش کو نظر انداز کر کے رُخِ خلوص طور پر دارالعلوم کے فلاح و بہبودی کا دل سے متمنی ہے۔ چنانچہ جلسہ کے بعد ہر شخص مطمئن و شادان و فرحان تھا۔ طلباء کے رویہ میں بہت تبدیلی آچکی ہے۔ شکوے شکایتیں بند ہیں۔ اکابر کے احترام کا خیال ہونے لگا اور اکابر بھی محبت و شفقت سے پیش آرہے ہیں۔

یہ سب اُمور یکلاخت اور خلاص توقع وقوع پذیر ہوئے اس لئے عام چرچا ہے کہ یہ سب کچھ اہل اللہ اور بزرگوں کی توجہات کے باعث ہوا خصوصی طور پر ہم خدام اسکو حضرت محترم کی توجہ اور دعاؤں کا ثمرہ سمجھ رہے ہیں اور سب خدام دعاگو ہیں کہ خداوند کریم آپ کی ذات بابرکات کو تادیر قائم رکھے۔

بمصدق عسی ان تکر ہوا شیئاً و ہو خیر کم۔ ان ہنگاموں سے ایک فائدہ بھی یہ ہوا کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر دانگیر ہو گئی۔ طلباء نے بھی یہ احساس کر لیا کہ نور علم سے بہرہ ور می اساتذہ کے احترام اور فتنوں سے علیحدگی میں ہو سکتی ہے۔ کارکنان اور ممبران کی خامیوں کی نشاندہی بھی ہو گئی اور وہ بھی اصلاح حال کی طرف متوجہ ہو گئے۔

خدا کرے کہ یہ اثرات دائمی ہوں اور ہم سبھوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوتی رہے۔

والسلام

طالب دعا..... دارالعلوم دیوبند

۲۱ صفر ۱۴۲۸ھ

اور جناب مہتمم صاحب مدظلہ بغرض علاج بمبئی تشریف لے گئے۔ حضرت مصلح الامۃ کا بھی ان دنوں قیام بمبئی ہی میں تھا۔ حضرت نے جناب قاری صاحب کے معالجہ میں خاصا حصہ لیا اور ایسا لیا کہ اہل بمبئی نیز اہل مدرسہ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ حضرت اقدس اس سلسلہ میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں اور حضرت کو علاج کا بہت زیادہ خیال اور مہتمم صاحب کے صحت کی بہت زیادہ فکر ہے۔ چنانچہ دیوبند سے اس سلسلہ میں دو خطوط آئے۔ وہ دونوں خطوط اور حضرت دالالہ کا جواب ملاحظہ ہو۔ یہاں جناب سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ کا ہے۔

جناب نائب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا عریضہ تشکر

حضرت المحترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد طیب صاحب زید مجدد مہتمم دارالعلوم دیوبند کا گرامی نامہ مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ موصول ہوا اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ حضرت مہتمم صاحب کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے دوا اور پرہیز کا سلسلہ جاری ہے۔ نیز یہ معلوم ہو کر کہ حضرت مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں آنجناب کو بہت زیادہ اہتمام ہے اور نہایت محبت سے حضرت مہتمم صاحب کی طرف متوجہ ہیں غایت درجہ مسرت اور طمانینت حاصل ہوئی اور اس عریضہ تشکر کے ارسال خدمت کرنے کا داعیہ قلبی پیدا ہوا۔ ہم سب خدام دارالعلوم اس کیلئے ممنون اور شکر گزار ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آنجناب کی روحانی توجہات سے جلد مرض کا ازالہ ہو جائیگا اور حضرت مہتمم صاحب عنقریب مراجعت فرمائے دیوبند ہو جائیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ اپنی جماعت میں جناب والا کی ذات گرامی مغنمات میں سے ہے اللہ تعالیٰ تادیر اس ظل عاطفت کو دائم قائم رکھے۔

گو جناب والا بندہ سے واقف نہیں لیکن احقر عرصہ سے جناب کے عقیدت کشوں میں شامل ہے۔ اور دعا کے لئے مستدعی ہے۔ خدا کرے مزاج گرامی لجافیت ہو۔ والسلام
نیاز کیش بندہ سیارک علی

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند - ۲۳/۲/۳۷ھ

اور دوسرا خط حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیادئی کا حضرت والا کے نام آیا (یہیں ذکر کرنے کے خیال سے حضرت علامہ کے خطوط میں

پہلے اس کو نہیں لایا گیا۔) ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

”ہدایہ تشکر“

از دارالعلوم دیوبند

حضرت انجسودم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں یا ترسوں ایک ملفوف عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ آج یہ عریضہ خاص مقصد کے لئے لکھ رہا ہوں۔ مخدوما! یہ معلوم کر کے از حد سرت ہوئی کہ آنجناب نے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کے حصول صحت اور بقاء ذات میں کمال توجہ اور التفات سے کام لیا ہے۔ علاج اور وہ بھی پُر از کمال طبیب سے کرایا ہے۔ اگرچہ جناب نے اخوت روحانی اور حفاظت دارالعلوم کا حق ادا کیا ہے۔ مگر آنجناب کا یہ عمل جماعت دارالعلوم پر جس میں جناب بھی داخل ہیں بہت بڑا احسان ہے اس لئے احقر اور پوری جماعت ”ہدایہ تشکر“ خدمت اقدس میں پیش کر کے مزید توجہ کی متمنی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں ہاتھ میں طاقت نہیں ہے

والسلام
محمد ابراہیم ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

حضرت مصلح الامۃ کی جانب سے دونوں خطوں کا مشترکہ جواب

مکرمی و مختسری حضرت مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل کی ڈاک سے جناب سید مبارک علی صاحب ناب مہتمم مدرسہ دارالعلوم کا اور آج کی ڈاک سے جناب والا کا مکتوب گرامی حضرت مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں بطور ”تشکر“ کے آیا۔

علاج تو حضرت مہتمم صاحب کا جناب حکیم اجیری صاحب اور ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب کر رہے ہیں جن کا شکریہ تمام جماعت کی جانب سے ادا کرنے کے لئے میں خود کافی تھا چنانچہ

میں اُن حضرات کا شکریہ تقرباً روزانہ ہی ادا کر رہا ہوں۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی مجھے اس وقت ہوتی جب آپ کے بجلئے ان طلبہ کے خطوط جناب مہتمم صاحب کی دریافت خیریت و دعا گوئی کے آتے جو کم از کم مجھ سے تعلق و محبت رکھتے ہیں اس لئے کہ حضرت مہتمم صاحب کی بیماری کا سبب طلبہ ہی بنے ہیں تو جن لوگوں سے بیماری آئی ہے انھیں لوگوں کی جانب سے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں تو اظہارِ نیاز و مندی اور وسائلِ صحت کے لئے "شکر" زیادہ زیب دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔

والسلام خیر ختم
نوید کم و صی اللہ عفی عنہ - ربیع ۲ ۱۳۸۵ھ

مذکورہ بالا خط حضرت والا نے دراصل حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کو لکھا تھا لیکن اس سے پہلے اسی سلسلہ کا ایک اور خط چونکہ نائب مہتمم صاحب مدرسہ کا بھی آچکا تھا اس لئے اسی جواب کو اس سے منہی سمجھ کر اسکا الگ سے کوئی جواب نہیں مرحمت فرمایا بلکہ جواب میں صرف اس کا ذکر فرما دیا۔ لیکن ناظرین کرام کو ملاحظہ جواب سے اندازہ ہوا ہو گا کہ حضرت والا کو ہر ایک کے منصب کا مستقر پاس و لحاظ رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت نے کس قدر خوبصورتی کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اصل بیماری کی نشاندہی فرمائی اور اسکا کتنا صحیح علاج تجویز فرمایا۔ اب اسکے بعد طلبہ نے اس پر کس حد تک عمل کیا اسکا حال تو نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم جب حضرت مہتمم صاحب کو اس تجویز کی اطلاع ہوئی ہوگی اپنا خیال تو یہی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت کی نصف تکلیف تو ضرور ہی ختم ہو گئی ہوگی۔ عافاہ اللہ تعالیٰ و حیاہ مدۃ مدیدۃ

نقل خطوط کے رجسٹر سے معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ بالا خط ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ میں گیا ہے اور غالباً یہی سب سے آخری مکاتبت ہے جو حضرت مصلح الامۃؒ

اور حضرت حکیم الاسلام مدظلہ العالی کے مابین ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد کی بھی کوئی مراسلت ہو لیکن اسکا علم ہمیں نہیں ہو سکا۔ کیونکہ اس کے تقریباً چار ماہ بعد اواخر شعبان میں حضرت نے سفر حج بلکہ سفر آخرت ہی فرمایا تھا البتہ اس سے سال بھر قبل کا ایک اور خط حضرت مہتمم صاحب کا ملا جس میں کسی طرح انھیں یہ خبر ملی تھی کہ حضرت والا اسی سال حج کو تشریف لے جا رہے ہیں اس پر اپنی عدم زلفت پر تاسف کا اظہار فرمایا تھا۔ حضرت والا نے اس پر اظہار تعجب فرمایا۔ وہ خط اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

گرامی نامہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی

کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھے یہ مبارک معیت نصیب ہو جاتی۔ اگر پہلے سے اسکا علم ہو جاتا تو میں اپنی درخواست کے ساتھ ساتھ ہی آنحضرت کے کاغذات بھی بھجواتا۔ مولانا مفتی نظام الدین الحمد للہ کام ہی اچھا نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کی اخلاقی فوقیت بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ الحمد للہ کہ دارالعلوم کے لئے جس قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے وہ ویسے ہی ثابت ہو رہے ہیں۔

والسلام
محمد طیب

حضرت مصلح الائمہ نور اللہ مرقدہ کا جواب

غایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
محبت نامہ شرف صدور لایا۔ اول دہلہ میں تو یہ سمجھا کہ شاید خطہ ہی بدل گیا ہے
لیکن مضمون بہت کچھ مجھ ہی سے متعلق تھا اس لئے تعجب ہوا اور بات سمجھ میں نہ آئی
کہ آخر یہ ہوا کیا؟
اس سال تو میرا ادادہ سفر کا تھا ہی نہیں اور نہ اب تک ہوا۔ خدا معلوم کہاں سے

یہ غلط فہمی ہوئی اور کیا اسکا منشاء ہوا۔ چونکہ جناب کو عدم رفاقت سے افسوس ہے اسلئے بشارت سناتا ہوں کہ جب جاؤں گا آپ کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کی عمر میں برکت دے۔ اور سفر حرمین میں رفیق بنا دے مفتی صاحب کے حالات جو آپ نے تحریر فرمائے ان سے اطمینان ہوا۔

والسلام حبیبہ ختام
وصی اللہ عفی عنہ

خدا معلوم حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ جس بات کا نہ ذکر نہ تذکرہ وہ اُن تک ایسی مصدقہ خبر کی صورت میں پہونچی کہ وہ حضرت والا کے جانے اور اپنے نہ جانے پر ہاتھ مل کے رہ گئے اور حضرت کو خط لکھ دیا جو حضرت کے لئے ایک ممتہ ہو گیا۔

لیکن حضرت والا نے بھی اسکے جواب میں یہ جو فرما دیا کہ — چونکہ جناب کو عدم رفاقت سے افسوس ہے اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ جب جاؤں گا آپ کو اپنے ہمراہ لے چلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی درجہ میں اس کو پورا بھی فرما دیا۔ وہ اسطور پر کہ اگلے سال حضرت نے حج والا واقعی سفر فرمایا تو اس سال جناب مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے بھی سفر حج فرمایا تھا (چنانچہ ہم لوگوں سے حرم شریف میں جناب قاری صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی اور حضرت کے افادات سے مستفید ہونے کا موقع ملا) مگر فرق بس اتنا رہا کہ ہم لوگوں کا سفر تو الی البیت ہی رہا اور حضرت نے راستہ ہی سے سفر الی رب البیت کا رخ فرمایا۔ جس کو سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھر کے سوائے مطلوب گیا
دریا سے جو موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے وصال کی تفصیلات تو آئندہ اپنے موقع پر آجائے گی اسوقت تو ضمناً یہ ذکر آگیا۔

بہر حال اس خط پر حضرت مصلح الامۃ؎ اور حکیم الاسلام مدظلہ العالی کے مابین جن مکاتبات کو ہم نقل کرنا چاہتے تھے وہ ختم ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے جو سبق ملتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمادے۔ بالخصوص ارباب مدارس یعنی حضرات مدرسین اور عزیز طلبہ کے لئے حضرت دالاکہ سیرت کے اس پہلو میں بڑا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے منتفع فرمائے۔

دیوبند کی مناسبت سے جی جانتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ؎ کے مابین جو مختصری مکاتبات ہوئی اس کو بیان کر دوں اور پھر اس کے بعد حضرت مولانا طفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ؎ کے درمیان جو مراسلت ہوئی اس کو پیش کر دوں گا لیکن وہ دونوں مل کر بھی سابق کے ہر بزرگ کی مکاتبات سے کم ہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ؎

حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ العالی، دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز استاد تھے ہندوستان کے ممتاز ترین علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا لیکن تقسیم ہند کے بعد آپ دیوبند سے کراچی منتقل ہو گئے اور اب بفضل اللہ تعالیٰ وہاں کے بھی مفتی اعظم ہیں۔ سچ ہے صدر ہر جاکہ نشین صدر است۔

حضرت حکیم الامۃ؎ تھانویؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں اور ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ کے ہم سبق اور قیام تھانہ بھون کے زمانہ میں حضرت مرشدی کے یار غار اور

ہم پیالہ دہم نوالہ رہ چکے ہیں۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ خانقاہ میں 'میں سب سے الگ تھلگ، خمول اور گمنامی کی زندگی بسر کرتا تھا چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ باوجودیکہ حضرت حکیم الامتؒ کے اکثر و بیشتر مسودات اور تحریرات کو جو لوگ صاف کیا کرتے تھے ان میں سے ایک میں بھی تھا اور اس سلسلہ سے حضرتؒ کے پاس اکثر و بیشتر آمد و رفت رہتی تھی لیکن مولانا عبد الباری صاحب ندوی، ظلہ کو مولوی ظہور الحسن صاحب کسولوی سے یہ دریافت ہی کرنا پڑا کہ "یہ مولوی دسی اللہ صاحب کون بزرگ ہیں؟ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرتؒ کے یہاں انھیں دیکھا ضرور ہوگا لیکن اسوقت کچھ صورت ذہن میں نہیں ہے کچھ اتنا پتا بتلائے تو شاید سمجھ سکوں۔"

اس پر حضرت دالانے مولوی ظہور الحسن صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ مولانا کو لکھ دیجئے کہ میں تو آپ کو خوب پہچانتا ہوں اور آپ کو اگر میں یاد نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ میں تو وہاں خود کو مٹانے گیا تھا نہ کہ پہچاننے۔ اور پھر ماشاء اللہ وہاں سوج موجود تھا آپ اس سے استفادہ فرمانے گئے تھے ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا اسوقت کیا نظر آتا۔ بہر حال مولانا سے تو میری گفتگو بھی ہوئی ہے۔ بھول گئے ہونگے پھر وہاں کم لوگ آتے تھے اب سب کو یاد بھی کیسے رکھا جاسکتا ہے۔

لیکن اس خمول اور تنہائی اور گوشہ نشینی اور گمنامی کے باوجود جن لوگوں سے ہماری دوستی تھی ان میں سے ایک مفتی محمد شفیع صاحب بھی تھے اور ایک اور بزرگ مفتی عبد الکریم صاحب گتھلوی تھے۔ اسی طرح کے بس دو چار ہی حضرات تھے جن سے ہمارا ملنا جلنا زیادہ رہتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب سے اسی قدیمی تعلق اور باہمی مناسبت کا اثر تھا کہ جب یہ دونوں بزرگ مندر ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور اصلاح و تربیت کے لئے ان حضرات کے یہاں طالبین آنے جانے لگے۔ تو مجھے یاد ہے کہ ایک مولوی صاحب نے جن کا تعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ سے تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ان کے پاس لکھنا کہ اب تو آپ بہت دور ہو گئے ہیں آنا جانا تو خیر مشکل ہی ہے خط و کتابت میں بھی کافی عرصہ لگ جاتا

یہاں بسا اوقات قلبی حالات فوری طور پر علاج معالجہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ نیز اس کے لئے شیخ کی صحبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہذا ان حالات میں اگر آپ اجازت دیں تو حضرت تھانویؒ کے کسی خلیفہ سے جو ہند میں ہیں رجوع کر لوں یوں اپنا قلبی رجحان حضرت مولانا شاہ وحی اللہ صاحب اعظم گڑھی مدظلہ کی جانب زیادہ پاتا ہوں اس سلسلہ میں جناب والا کے مشورہ اور اجازت کا محتاج ہوں۔

روایت بالمعنی ہی ہیں اور اس واقعہ کو بھی ایک عرصہ گزر گیا۔ تاہم یاد دہانی ہے کہ ان مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے ان کو یہ جواب مرحمت فرمایا کہ۔ ہاں ہاں ضرور ضرور اور انکو (یعنی مولانا وحی اللہ صاحب کو) اور مجھ کو ایک ہی سمجھو۔

اُن مولوی صاحب نے اس اجازت کے بعد ہمارے حضرت سے رجوع کیا اور صفائی معاملہ کے طور پر جناب مفتی صاحب مدظلہ کا یہ خط بھی ارسال کر دیا۔ حضرت والا ان مولوی صاحب کے اس طرز عمل سے بہت ہی خوش ہوئے اور پھر اس کے بعد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کا تعلق بڑا نازک مرحلہ ہوتا ہے۔ لوگ عقل و فہم سے کام نہیں لیتے اور بالعموم ایسے مواقع پر گر گڑ بڑ ہی کر لیتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنی حماقت اور قلتِ خدایں کی بناء پر یہ کرتے ہیں کہ دونوں بزرگوں کو ناراض کر لیتے ہیں لیکن جو آدمی فہم اور سلیقہ سے کام لیتا ہے وہ دونوں کو خوش رکھتا ہے۔ دونوں سے دعائیں لیتا ہے اور دونوں تعلقات کو نبھاتا ہے جیسا کہ ان مولوی صاحب نے کیا۔ چنانچہ حضرت والا نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور ان کو کھاکہ خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ ماشاء اللہ آپ مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس رہ چکے ہیں اُن سے تو ہماری بہت دوستی تھی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں تو آپ کی خدمت کر دوں گا لیکن آپ مفتی صاحب سے اپنا تعلق ختم نہ کیجئے بلکہ ان کو دعا وغیرہ کے لئے خط برابر لکھتے رہئے اور ان کو اپنے سے خوش

اور منشرح رکھئے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ یہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی حسن تربیت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے کہ دو شیخ جو اپنی جگہ مستقل ہیں کس طرح سے باہم شیر و شکر ہیں۔ بھلا کسی شیخ کے خلفاء اور مخصوصین ایسے تو ہوں۔ کثر اللہ آمنا للہم۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کی مکاتبت حضرت مصلح الامۃ سے کچھ زیادہ نہیں رہی۔ تقسیم نے دونوں بزرگوں کو ایک جگہ جمع ہی نہ رہنے دیا۔ تاہم جو تعلق و اخوت اور محبت ایک کو دوسرے سے تھی اس ظاہری بُعد و تفریق کی ضرب اس پر کیا کارگر ہو سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت والا کو جناب مفتی صاحب سے جو تعلق و محبت تھا اس کا اندازہ حضرت کے ان جملوں سے ہوتا ہے جو پہلے گزرے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تعلق اور محبت کا پورا اور صحیح اندازہ ہم کو اُس وقت ہوا جب کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس عالم سے رحلت فرما چکے تھے۔

اور رسالہ ”السلام“ کراچی میں آہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کے عنوان سے جناب مفتی صاحب مدظلہ کا مضمون ہماری نظر سے گذرا چنانچہ ان صفحات میں حضرت مصلح الامۃ اور جناب مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کے مابین جو تعلقات ظاہر کرنا ہے یہی مضمون اس کی روح ہے لہذا اس کو ہم یہاں بعینہ نقل کرتے ہیں۔

ماہنامہ السلام کراچی بابۃ شوال ۱۳۸۷ھ کے ۵۵ پر جناب مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ

(آہ! حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ)

آج سے چھپن سال پہلے ۱۳۳۱ھ میں جب احقر نے دارالعلوم (دوبند) میں کافیہ۔ قدوری وغیرہ اسباق میں داخلہ لیا تو ضلع عظیم گدھ کے رہنے والے ایک

ذہین و فطین مگر سیدھے سادے طالب علم سے ہم سبق ہونے کی حیثیت سے تعلق قائم ہوا اور دارالعلوم کے بہت سے اسباق میں ان کے ساتھ شرکت رہی۔ مگر دوران تعلیم ہی میں ان کو ”اصلاح اعمال“ کی فکر اور ”ذوق عبادت“ حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ طالب علمانہ شوخیاں ان کے پاس سے ہو کر نہیں گزریں۔ اجتماعات سے الگ تھلگ رہنے کے عادی تھے۔ خوش نصیبی سے دوران تعلیم ہی میں ان کو سیدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری اور تربیت باطنی کا شرف حاصل ہو گیا۔

وہ اپنے نصاب تعلیم کو پورا کر کے خانقاہ تھانہ بھون کے ہو رہے۔ انکی فطری قابلیت کو حق تعالیٰ نے حکیم الامت قدس سرہ کی تربیت سے چار چاند لگا دئے اور بہت جلد وہ باطنی تربیت میں بھی ایک حد تک تکمیل کر کے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ مجاز ہو گئے۔

یہ ہیں وہ بزرگ جن کو اب ہم حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہماری فراغت درس نظامی کی تکمیل سے ۱۳۳۶ھ میں ہوئی تھی۔ مولانا موصوف دیوبند سے فارغ ہو کر سیدھے تھانہ بھون پہنچے اور علم و عمل کے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔

یہ ناکارہ درس نظامی سے فارغ ہو کر دارالعلوم دیوبند ہی میں اپنے اساتذہ و اکابر کے حکم سے درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہو کر اُس میں مشغول ہو گیا۔ اس عرصہ میں جب کبھی اپنے اس خوش نصیب ہم سبق کی یاد آتی تو بیاختہ میری زبان سے یہ شعر نکل جا یا کرتا تھا ۵

ما در مجنوں ہم سبق بودیم درد لیاں عشق

اور بصر ارفت و مادر کو چہ رسوا شدیم

یہاں تک کہ دس سال گزر جانے کے بعد ۱۳۴۶ھ میں اختر کو بھی یہ شوق انگیز ہو کہ تھانہ بھون چلو اور اصلاح اعمال کے لئے حضرت سے استفادہ کی راہ نکالو میرے

والد ماجد مولانا محمد حسین صاحب حضرت حکیم الامتؒ کے ہم سبق تھے اس لئے بچپن ہی سے حضرت سیدی حکیم الامتؒ مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔

۱۳۳۷ھ کی پہلی معاضری ہی میں مجھے یہ محسوس ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں میری تعلیم و تعلم کی میں سال محنت و مشقت اس وقت تک ناکام ہے جب تک کہ اس مجہد و وقت کی خدمت میں رہ کر اصلاح اعمال و اخلاق کی فکر نہ کیجاوے۔

دس روز قیام کی نیت سے یہ حاضری ہوئی تھی روزانہ مجلس خاص دعام میں شرکت ہوتی تھی۔ ایک روز مجلس میں حضرت (تھانویؒ) نے مولانا وصی اللہ صا کا تذکرہ ایک خاص محبت و عنایت اور تحسین کے الفاظ میں فرما کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ انکو جلتے ہیں؟ تھانہ بھون کے اس قیام نے اور بھی زیادہ میرے قلب میں اپنے اس ہم سبق کی مسبق کو قابل رشک اور اپنی تاخیر کو قابل حسرت و افسوس بنادیا تھا۔ اس سوال پر بیاختہ حضرت کے سامنے بھی میری زبان سے وہی شعر ہم سبق والا نکل گیا کہ ۵

ما دمجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
ادب صحرا، رفت و مادر کو چہا رسوا شدیم
حضرت اقدس قدس سرہ نے ایک خاص لطف کے انداز میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ

"ہاں! یہاں کا یہی دستور ہے کہ کسی کو صحرا دیا جاتا ہے، کسی کو سہرا دیا جاتا ہے۔ — ہر ایک کو جو کچھ عطا ہو اس پر راضی ہونا چاہئے۔ بات آئی گئی ہوئی۔ لیکن اپنے اس صحرا و درہم سبق دوست کے کمالات کی عظمت ہمیشہ دل میں رہی۔ اس وقت بھی میں یہ سمجھا کرتا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں ایک خاصی تعداد ایسے حضرات کی ہے جو اپنی جگہ آفتاب و مہتاب ہیں مگر ان کی روشنی اس آفتاب عالم تاب کے سامنے ظاہر نہیں ہوتی۔ حضرتؒ کے بعد یہ حضرات ہی مرجع خلائق بنیں گے۔ ان میں سے خصوصیت سے مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور حضرت مولانا

مفتی محمد حسن صاحب امرتسری ثم لاہوری پر نظر جاتی تھی۔ اور حضرت قدس سرہ کی وفات کے بعد آنکھوں نے اسکا شاہدہ کر لیا کہ ان دونوں بزرگوں کی مجلس ایک کیمیا تاثر رکھتی تھی ہزاروں مسلمانوں کی زندگیوں میں ان کی صحبت و تعلیم سے عظیم دینی انقلاب آیا۔ ہزاروں بکے ہوؤں کو راستہ پر لگا دیا۔

(پھر تقسیم ہند کے بعد) احقر یہاں آگیا مگر ہندوستان سے آنے والے دوستوں سے مولانا موصوف کے فیوض و برکات اور رجوع خلأق کا تذکرہ سنتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ خط لکھنے کا اتفاق طرفین سے کم تھا۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ اس آخری مرحلہ میں احقر نے ایک خط لکھا جس کا جواب موصوف نے بمبئی سے دیا۔ یہ کیا معلوم تھا کہ مولانا موصوف کا یہ آخری خط ہے یہ بھی بعد ہی کو معلوم ہوا کہ بمبئی کا یہ سفر حرمین شریفین کے قصد سے تھا اور ایک بڑا قافلہ آپ کے ساتھ اس سفر مبارک میں شریک تھا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو آپ بمبئی سے اپنے رفقاء کے ساتھ مظفری جہاز پر بارادہ حج و زیارت سوار ہوئے۔

(اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حضرت کے آخری وقت کے حالات اور وقت وفات جو تحریر فرمایا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے ہم نے اس اتنے حصہ کو یہاں حذف کر دیا ہے۔ معلوم نہیں حضرت سے کس نے یہ روایت کیا۔ ناظرین کرام اس آخری وقت کا پورا نقشہ اور صحیح کیفیت اپنے موقع پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اگر ابھی جی چاہے تو رسالہ معرفت حق فروری ۱۹۷۸ء کا پہلا مضمون تفصیل واقعہ وفات یا مارچ ۱۹۷۸ء کے رسالہ کا دوسرا مضمون یعنی مکتوب گرامی جناب مخدوم قاری محمد مبین صاحب مدظلہ از مدینہ منورہ بنام مولوی قمر الزماں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں (از مرتب) آخر میں جناب مفتی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ

معلوم ہوا کہ یہ بیت اللہ کا مسافر اب البیت کے حضور میں پہنچ چکا ہے سفر اور وہ بھی حج و زیارت کا سفر۔ وطن و اعزاء سے دوری کتنے اسباب شہادت کے حق تعالیٰ نے جمع فرمادئے۔ اس پر کوئی حسرت و افسوس کیا کرے۔ یہی کہنے کو

دل چاہتا ہے کہ

خدا یہ موت دے سکتے ہم اس مرنے پر مرتے ہیں
البتہ بزرگوں کا یہ مقبولہ بالکل صحیح ہے کہ موت العالم موت العالم۔ مولانا
شاہ دسی اللہ صاحب بھی انہیں حضرات میں سے تھے جن کی موت تنہا ایک فرد کی
موت نہیں ہوتی۔ ایک قوم و جماعت کی موت ہوتی ہے۔ انتہی
(البلاغ کراچی)

حضرت مولانا فیچوری نور اللہ مرقدہ سے متعلق جو بیان مجھے نقل کرنا تھا وہ ختم ہوا۔
مگر اسی رسالہ کے صفحہ ۳۳ پر چھتے چھتے کی ایک اطلاع اور نظر سے گزری جو مضمون بالا سے اگر
بابطہ نہیں ہے تو بے ربط بھی نہیں ہے۔ وہو ہذا

”ایک دیا اور بھیا“

ابھی برصغیر کے مسلمانوں کیلئے حضرت مولانا دسی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات
کا غم تازہ تھا کہ آج جب کہ رسالہ پریس جا رہا ہے اچانک روزنامہ جنگ کراچی سے
استاذ الکل حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیادی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کی
المناک اطلاع نے دل پر ایک نیا چر کا لگا دیا۔

حضرت مولانا بلیادی برصغیر کے تقریباً تمام مشاہیر علماء کے جلیل القدر استاذ تھے
اور علم و فضل، ورع، تقویٰ میں اسلامی قرون کی ایک یادگار۔

آپ کے ساتھ پوری ایک قرن کی تلخ ختم ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں
کو صبر جمیل۔ ادارہ
(البلاغ کراچی)

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ اغلب یہ ہے کہ مدیر رسالہ جناب محمد تقی صاحب غمانی ظلہ
حضرت علامہ بلیادی اور حضرت مصلح الامۃ کے آخری تعلقات سے بے خبر تھے ورنہ جہاں
انہوں نے وصال حضرت علامہ کے غم کا جوڑ حضرت مصلح الامۃ کے غم وصال سے لگایا تھا

وہاں وہ یہ بھی ضرور لکھتے کہ حضرت علامہؒ کو حضرت مصلح الامۃ کے ساتھ ایسا قلبی تعلق تھا کہ حضرت والا کی جدائی کے بعد حضرت علامہؒ بھی پھر تنہائی نہ برداشت کر سکے اور اپنے محبوب کی فرقت کا سہارا ہی نہ کر سکے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت علامہؒ اور حضرت مولانا بس گویا یکجان اور دو قالب ہی تھے۔ حضرت والا کا سفر حج میں اس طرح سے اچانک سفر آخرت فرما جانا ظاہر ہے کہ سب ہی کے لئے پریشان کن مرحلہ تھا چنانچہ اس کی چوٹ حضرت علامہؒ کے بیمار قلب پر زیادہ موثر ہو گئی اور دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس خبر ہی کے بعد سے حضرت علامہؒ جو گرے ہیں تو پھر اٹھ ہی نہ پائے ۵

جان ہی دے دی جگر نے آج پلے پار
عمر بھر کی بقیہ ساری کو قرار آ ہی گیا

انشاء اللہ تعالیٰ میرے اس بیان میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوگا اس لئے کہ حضرت علامہؒ کو ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ سے جس درجہ عقیدت اور محبت تھی اس کو ان کے مکتوبات کے آئینہ میں ملاحظہ فرمایا جائے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامتہؒ کی جدائی پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا یہی حال ہوا کہ بیقرار سے پھرتے تھے اور کہیں سکون د چین نہیں ملتا تھا اور محبوب کی جدائی کے بعد مجذوب کا سارا عیش ہی کر کر رہ کر رہ گیا۔ چنانچہ شاید اپنے اسی حال کی ترجمانی کرتے ہوئے خواجہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ ۵

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں

بترے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

اور بالآخر یہی کہتے کہتے جلد ہی یہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت نھانجی کے بعد زیادہ قیام اس دنیا میں نہ فرما سکے۔ بات یہ ہے اللہ والوں سے محبت اللہ فی اللہ ہوا کرتی ہے۔ اور اہل اللہ کو جب اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق ہو جاتا ہے تو پھر اس کے لئے اُس کے ذریعہ سے بھی محبت کا ہونا لازمی ہے اسی لئے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے بعد پھر سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی ہے کہ آپ ہی مجتہد اللہ کے اکمل ذریعہ اور سبب و واسطہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے آپ کے بعد پھر ان مشائخ سے

بھی ہوتی جو محبت اللہ اور محبت بالرسول کے لئے واسطہ بنتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی کو اس نسبت اور تعلق کے ماتحت کسی بزرگ سے عشق کی حد تک محبت ہو جائے تو کیا بعید ہے اور پھر وہ اس کے فراق کو اگر نہ برداشت کر سکے تو کیا تعجب۔ اور فراق تو پھر بھی تلخ شے ہے، اہل محبت نے تو وصال دہر نہیں بلکہ کوئے دہر کی رسائی تک میں بھی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے پر فخر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۵

جو رسی بکھوئے دہر بسیار جان مضطر
کہ مبادا باد دیگر نہ رسی بدیں متنا

اور عشاق مجازی سے بھی ثابت ہے کہ فراق محبوب پر قریب تھی کہ اُن کی جان بھی نکل جائے ۵

هوائی مع الרכب الیمانیین مصعداً جنیئ دجتمانی بمکة موقئ
میرا محبوب یعنی قافلہ کے ہمراہ سفر کر کے دور ہو جانے والا ہے اور میرا جسم اسی کہ میں قید و بند ہیں جکڑا ہوا ہوگا۔

عجبت لمسراھا دائی تلخت الی و باب السبحن دونی مغلق
مجھے اس کے جیل خانہ کے اندر (عالم تصور میں) آجانے پر حیرت ہوئی کہ وہ آخر آیا کیسے جب کہ مجھ سے پہلے قید خانہ کا دروازہ مقفل ہے۔

المت فحیت ثم قامت فودعت فلما تولت کادت النفس تزھق
وہ مجھ پر آئی اور اس نے سلام کیا۔ پھر کھڑی ہوئی اور رخصت ہوتے ہوئے الوداع کہا۔ کیا بتاؤں جوں ہی اس نے جانے کے لئے میری جانب پشت پھیری ہے بس یہ سمجھو کہ قریب تھا کہ میری جان بھی اس کے ہمراہ چلی جاوے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے جب یہ حال عشاق مجازی اور اہل دنیا کا ہے تو اگر ایک اللہ لا کسی اللہ والے سے بھی محبت اور تعلق رکھتا ہو اور ایسا رکھتا ہو کہ اس کی جدائی کے بعد اپنے لئے زندگی کا کچھ لطف و مزہ نہ پاتا ہو تو آخر اس کا انکار کیوں کیا جائے اسی لئے میں نے عرض کیا کہ ان دونوں بزرگوں کی موت کا گویا تو اُم واقع ہونا انکی حیات کے تعلقات کی غمازی کرتا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرت بلبلادیؑ کا اس نوع کا تعلق حضرت مصلح الامۃ سے اہل ہند ہی پر ظاہر تھا تو اگر اہل پاکستان پر مخفی رہا ہو تو کیا عجب۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ خود دیوبند کے حضرات اور ناظرین معرفت کو بھی اس مخصوص تعلق کا علم صفحات معرفت ہی سے ہوا ہوگا۔ اگرچہ علم کے بعد یہ بھی ہوا کہ بعض اہل علم کو بھی اس تعلق سے تعجب بھی ہوا اور بہت سے لوگ انگشت بدنداں رہ گئے کہ ایسا بھلا کیونکر ہوا لیکن واقعہ کسی کی حیرت سے غیر واقعہ تو نہیں ہو جائے گا۔ البتہ تعجب ضرور ہوتا ہے اُن اہل علم پر جو اس معما کے حل کرنے میں پریشان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ حضرات اسی قسم کے بہت سے مسائل اپنی درسی تقریروں میں نہایت ہی عمسگی سے حل فرماتے رہتے ہیں۔ مثلاً فعل اور مصدر کی اصالت اور فریعت کے مسئلہ میں جو الجھن اور انشکال تھا اسکو علماء نے کس خوبصورتی سے حل کیا ہے۔

ایک شارح فرماتے ہیں کہ ۵

نسبت آدم باد چون نسبت مصدر بفعل

گفتم انیک مجمل از نحو می بریں این نکته را

یعنی نحو کے اس مسئلہ میں کہ مصدر اصل ہے یا فعل یہ محاکمہ فرما رہے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ حیثیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔

چنانچہ اشتقاق کی رو سے مصدر اصل ہے اور فعل اس کی فرع ہے اور تعلیل کی رو سے فعل اصل ہے اور مصدر اس کی فرع ہے یعنی فعل میں تعلیل ہوگی تو مصدر میں بھی ہوگی اور اسکو مثال سے یوں سمجھئے کہ دیکھو سیدنا آدم علیہ السلام ظاہر ہے کہ ابوالبشر ہیں اور اس کی جہت سے آپ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اصل ہی ہوئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ یعنی میں آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہونے سے قبل ہی نبی ہو چکا تھا۔

• چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب تخلیق عالم ہونا بھی مسلمات اُمت

میں سے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اور حضرت آدمؑ فرع ہیں تو اس خلش کو آخر کس طرح دور کرتے ہیں یہی ناکہ کہتے ہیں کہ اس ظاہری اور جہانی ولادت کے اعتبار سے تو آدم علیہ السلام ہی اصل ہیں کہ ابوالبشر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی فرع ہیں باقی روحانی اور نبوت کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل ہیں اور دیگر سب مخلوق حتیٰ کہ حضرات انبیاء علیہ السلام بھی آپ کی فرع ہیں۔ محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لولا کہ لما۔ اسی طرح سے اس مسئلہ میں بھی سمجھ لو کہ وجود اور اشتقاق کی رو سے تو مصدر اصل ہے کہ فعل اس سے نکلتا ہے اس لئے اس کی فرع ہے لیکن تعلیل کی رو سے معاملہ برعکس ہے یعنی فعل اصل ہے کہ پہلے تعلیل فعل ہی میں ہوتی ہے اس کے بعد طروداً للباب مصدر میں بھی ہو جاتی ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ

ٹھیک اسی طرح سے یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ اگر حضرت علامہ بلیاویؒ حضرت مصلح الامۃؒ کے علوم ظاہری میں استاد تھے تو اس کے خلاف کیا پڑتا ہے۔ اگر علامہ بلیاویؒ انھیں ایک شیخ کامل بھی مان لیں اور محبت کے ساتھ ساتھ ان سے اپنی عقیدت کا بھی اظہار فرمادیں اور حضرت مصلح الامۃؒ ان سے یہ فرمادیں کہ

”ابھی منجانب اللہ یہ بات قلب میں آئی کہ کیوں نہ آپ ہی کے سپرد اس کام کو کر دوں اس لئے کہ کام جب بھی ہوا ہے کسی مخلص ہی سے ہوا ہے اور میں نے آپ کے اندر جب قدر خلوص پایا کسی دوسرے کے اندر نہیں پایا۔ بلکہ خود اپنے اندر بھی دیا نہیں پایا۔“

چنانچہ منجانب اللہ آپ کو تو کلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں اور بصیرت سے کہہ رہا ہوں کہ آپ وہاں کام شروع کر دیں یعنی لوگوں کو بیعت کریں اور تلقین فرمائیں اور حضرتؒ کی تصانیف و مواعظ و ملفوظات طلبہ و مدرسین کو سنایا کریں اور آپ کی یہ اجازت گویا حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی جانب سے ہوگی۔ (ماخوذ از اجازت نامہ)

ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کچھ بھی منافات نہیں ہے۔ ذالک فضل اللہ
 بہر حال بات کہاں سے کہاں نکل آئی۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ ماہنامہ البلاغ کے مدیر اعلیٰ مدظلہ
 کو اس تعلق کا علم ہوتا تو یہی موقعہ تھا اس کے اظہار کا۔ بہر حال حضرت مصلح الامۃ بھی
 رحلت فرما گئے اور سلامہ بلیا دہی بھی اس جہان سے تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے
 ان دونوں بزرگوں کی قبر کو فند سے بھروسے آمین۔ اور ہمارے لئے اپنے ان اکابر کے
 نقش قدم پر چلنے کو آسان فرماوے اور ہمارے حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کی خوش نصیبی
 بھی قابل رشک ہی ہے کہ ان کے والد بزرگوار کو حضرت حکیم الامتہ سے ہم سبق ہونیکا شرف
 حاصل ہوا اور خود حضرت مفتی صاحب ہمارے حضرت مصلح الامتہ نور اللہ مرقدہ کے ہم سبق
 تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اگر قبہ مفتی صاحب مدظلہ کو حضرت علامہ کے اس مذکورہ بالا
 واقعہ کا علم ہو جاتا تو شاید پھر وہ اپنے اس ہم سبق ہونے کو مزید سبب فخر
 تصور فرماتے۔

اس لئے کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ بھی حضرت مصلح الامتہ کو کچھ کم نہیں مانتے تھے
 آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے وہ خلفاء جو ہندوستان میں تھے
 مفتی صاحب کے نزدیک حضرت مولانا رح کا نام ان کی فہرست میں سرورق پر تھا چنانچہ
 اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مولوی صاحب نے جو پہلے حضرت مفتی صاحب
 مدظلہ سے ہی متعلق تھے لیکن ان کے قیام کراچی کے بعد انکی اجازت سے ہمارے حضرت
 سے اصلاحی تعلق قائم کر لیا تھا۔ انھوں نے حضرت مرشدی کو لکھا کہ
 حال۔ میں نے سیدی حضرت مفتی (محمد شفیع) صاحب دام مجدکم کی خدمت میں ایک خط
 لکھا اور اس میں حضرت مولانا عبد الباقی صاحب ندوی مدظلہ العالی کے مضمون چاہفہ
 ایک کہت میں "کا تذکرہ کیا تو حضرت مفتی صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا کہ
 "یہ واقعہ معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا
 تھانوی نے ایسے ایسے حضرات چھوڑے ہیں کہ آج دنیا میں انکی نظیریں
 بھی کم ملتی ہیں۔ دعویٰ نہیں۔ منور نہیں۔ مریدوں کا بہت سا جگھٹا نہیں۔

سنت کے مطابق ارشاد خلق میں گئے ہوئے ہیں۔ مگر لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب نے بڑا کام کیا جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

اس پر حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا کہ تحقیق۔ یہ تحریر حضرت مفتی صاحب دام مجدہم کی میرے لئے ایک ڈھارس ہے بہت ہمت بڑھی۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی جو کہ بطور خود بھی حضرت حکیم الامتؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور علوم دینی میں بھی آپ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ موجودہ دور میں تو شاید ہی کوئی ہندو پاک میں آپ جیسی جامعیت کا حامل ہو۔ ہمارے حضرت کے ہم سبق اور خواجہ تاش بھی تھے۔ اتنی عظیم المرتبت شخصیت کے مالک ہو کر حضرت والا کے متعلق کیسا فرما رہے ہیں کہ

”لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں“ — مولانا عبد الباری صاحب نے بڑا کام کیا۔ (یعنی یہ کہ ایسی ذات سے لوگوں کو واقف کرادیا)

جزاھم اللہ خیر الجزاء

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سمجھتے تھے کہ حضرت مولانا فتحپوری فناد کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور اسی وجہ سے گمنام ہیں اور لوگ آپ سے استفادہ سے محروم ہیں لہذا ضرورت ہے کہ لوگوں کو ایسے بابرکت حضرات سے باخبر کرایا جائے تاکہ لوگ ان سے فیض حاصل کر سکیں اور مولانا ندوی مدظلہ کی یہ کوشش بھی چونکہ اسی مقصد کی ایک کڑی تھی اسلئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اسکی تحسین فرمائی۔

نیز حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے جب ہم لوگوں کی ملاقات مکہ شریف میں ہوئی تھی تو صرف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر دیر تک فرماتے رہے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ”بھائی! ہمارے مولانا کا تو یہ حال ابتدا ہی سے ایسا تھا کہ سب سے الگ تھلک رہتے تھے۔ مجمع سے وحشت۔ تنہائی سے انس مزاج میں سکوت غالب تھا طبیعت انتہائی

خمول پسند تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت اور اس کی طلب کا ایک خاص اثر
چہرہ پر نمایاں اور ان کے حال سے ظاہر تھا۔

چنانچہ ہم لوگوں کو اسی وقت سے برابر اندیشہ رہتا تھا کہ دیکھا چلے کر اس
ابتدا کی انتہا کہاں پر جا کر ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے جب ریڈیو پر آپ کی
موت فی البحر (جہاز میں انتقال) اور تدفین فی المار (سمندر ہی میں کفن و
دفن) کی خبر سنی تو مجھے تو کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ ہم تو ان کے اسی
قسم کے حالات کی توقع ہی رکھتے تھے جس کی زندگی گوشہ خمول میں گزری ہو
اُس کی موت کے مناسب ہی صورت حال تھی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو غلٹی
رحمت فرمائے ۵

ہوئے ہم جو مر کے رُسوا ہوئے کیوں نہ غسرق دریا
نہ کیوں جننا زہ اٹھتا نہ کیوں مزار ہوتا

ناظرین نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے خود ہی فرمایا ہے کہ
”خط لکھنے کا اتفاق طرفین سے کم تھا“۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے بس چند ہی خطوط آئے
ہونگے ان میں سے بھی صرف دو خط ہمیں دستیاب ہو سکے ایک تو غالباً سب سے پہلا خط ہے جو
مفتی صاحب نے حضرت دالاکو ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ میں لکھا۔ دھوہذا ۱۔

خط جناب مفتی محمد شفیع صاحب یونیدی بنام حضرت مصلح الامۃ رحمہ

مخدومنا المحترم حضرت مولانا وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
عجب حال میں ہوں کہ آپ کو چند کلمات لکھنے کا موقعہ بھی خدا جانے کتنے عرصہ
کے بعد آ رہا ہے۔ بہر حال بطنی و باطنی امراض میں مبتلا ہوں۔ فتنوں کا زمانہ ہے۔ ہر وقت
خطرات ہیں۔

آپ سے حیاتِ دہشتِ دعا کے ساتھ دستگیری کا اُمیدوار ہوں
والسلام
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۲۶ ۵/۸۳ ھ

حضرت مصلح الائمہ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

بشرطِ ملاحظہ عالیجناب مفتی صاحب دامِ مجد کم و برکاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا والا نامہ پا کر میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی خوشی ہوئی جزاکم اللہ تعالیٰ
جناب نے جو تحریر فرمایا ہے بالکل صحیح ہے میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ پھونک پھونک کر
قدم رکھتا ہوں اور برابر خائف رہتا ہوں جناب والا کے لئے دعا کرتا ہوں اور برابر یاد
رکھتا ہوں اور یاد رکھوں گا انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے مزید دعاؤں کی درخواست
کرتا ہوں۔
والسلام
وصی اللہ عنفی عنہ۔

۹ رجب ۱۲۸۳ ھ - الہ آباد

اس کے بعد ممکن ہے حضرت مفتی صاحب کے اور بھی خطوط آئے ہوں لیکن وہ مجھے
نہ مل سکے۔ البتہ ایک اور خط محفوظ ملا جو کہ تاریخ کی رو سے آخری ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ
اس پر تاریخ ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۲۸۳ ھ پڑی ہے اور اسی سال شعبان میں حج کا سفر پیش آیا
گویا اس کے آنے کے بعد صرف ڈھائی ماہ بعد۔ خط حضرت مفتی صاحب نے غالباً پتہ وغیرہ
نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اپنے ایک دوست شرافت حسین صاحب کے نام الہ آباد ارسال
فرمایا تھا مگر زیادہ تر مضمون چونکہ حضرت والا ہی سے متعلق تھا اس لئے غالباً ان صاحب
نے یہ خط حضرت والا کے پاس بمبئی بھیج دیا اور حضرت نے اس کا جواب جناب مفتی صاحب
کو بمبئی سے دیا۔ اغلب یہ ہے کہ یہی وہ خط ہے جس کا ذکر جناب مفتی صاحب نے رسالہ

کے مضمون میں فرمایا ہے کہ:-

عجب اتفاق ہے کہ اس آخری مرحلہ میں احقر نے ایک خط لکھا جس کا جواب موصوف نے بمبئی سے دیا۔ یہ کیا معلوم تھا کہ مولانا موصوف کا یہ آخری خط ہے۔ یہ بھی بعد ہی میں معلوم ہوا کہ بمبئی کا یہ سفر حرمین شریفین کے قلعہ سے تھا۔“

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا آخری خط جوالہ آباد کسی کے نام آیا

آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ آپ کی خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ برادر محترم حضرت مولانا دھی اللہ صاحب کی شفقت اور عنایت مجھ کا کارہ پر معلوم ہو کر بید مسرت ہوئی۔ اُن سے میرے سلام کے بعد دعا کی درخواست عرض کر دیں کہ وقت آخر ہے اور زاد راہ کچھ نہیں جن کاموں میں وقت گزارتا ہوں بھر دسہ نہیں کہ وہ مقبول ہیں یا نہیں۔ رات دن کاغذ کالے کرتا ہوں۔ خلوت و یکسوئی نصیب نہیں۔ دُعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر و فکر میں لگا لیں اور بقیہ عمر کو گزشتہ کا کفارہ بنا دیں۔

والسلام
محمد شفیع ۶/۶/۸۷ھ

انشاء اللہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا یہ خط کیا ہے کہ علم والوں کے لئے عبرت کا ایک باب ہے کتنا زبردست علم۔ اور کس پیمانہ کا عمل اور تقویٰ رکھتے ہوئے۔ فکر آخرت کا کیسا مظاہرہ فرمایا ہے اور درخواست دعا اپنے پیر سے نہیں بلکہ پیر بھائی اور ہم سبق سے کی جا رہی ہے۔ مضمون کی خوبی اور ادائیگی کا لہجہ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسا قلب اور ایسی تواضع اور ایسے خلوص سے ہم کو بھی نوازے۔ آمین

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کی مکاتبت ختم ہوئی اب آگے حضرت مولانا طفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ العالی کی خط و کتابت پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ العالی اور حضرت مصلح الامۃ

ناظرین کرام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ سے تو واقف ہی ہونگے تاہم ہندوستان سے تشریف لے گئے ہوئے چونکہ آپ کو ایک عرصہ گزر گیا اس لئے ہو سکتا ہے کہ بعض نئے حضرات کے لئے آپ کی شخصیت غیر معروف ہو اس لئے پہلے چند کلمات آپ کے تعارف کے سلسلہ میں پیش کر دوں۔

آپ حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانویؒ کے خواہر زادہ ہیں۔ تقسیم سے پہلے ہند کے زبردست علماء میں سے آپ کا شمار ہوتا رہا ہے۔ حضرت تھانویؒ قدس سرہ کی حیات میں عرصہ دراز تک خانقاہ تھانہ بھون ہی میں آپ کا قیام رہا۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ کے زیر سرپرستی آپ تصنیف و تالیف اور فتاویٰ وغیرہ کا کام انجام دیتے رہتے تھے۔ کئی مفید کتابوں کا حضرت کے ایماء سے ترجمہ کیا اور آپ کا کیا ہوا ترجمہ حضرت بہت پسند فرماتے تھے۔

حضرت مولانا تھانویؒ کے انداز پر وعظ فرماتے تھے اور وعظ میں قرآن شریف نہایت عمدہ پڑھتے تھے۔ ایسا کہ بس سننے والے کا جی چاہتا تھا کہ سنتا ہی رہے۔ اعلاء السنن جو حضرت تھانویؒ کے حکم سے ترتیب دی گئی ہے اور احاث کے مسائل پر حدیث کا ایک بہترین مجموعہ ہے اس میں آپ کی خدمات کا نمایاں حصہ ہے۔ خانقاہ میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا اور مسودات کی تبویض وغیرہ کا کام ہمارے حضرت سے بھی کافی متعلق رہتا تھا اس لئے مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ یوں بھی حضرت والا سے اچھی طرح واقف تھے اور حضرت کے طویل اور مسلسل قیام کی وجہ سے حضرت تھانویؒ کے نزدیک حضرت والاؒ کا جو مقام تھا اسکا بھی مولانا کو خوب اندازہ تھا۔ کیونکہ حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ ہمارے حضرت کے متعلق خواص سے کبھی کبھی کچھ فرماتے ہی رہتے تھے۔

ابھی جناب مفتی صاحب مدظلہ کے مضمون میں اپنے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے مولانا فچوریؒ کا تذکرہ ایک خاص محبت اور عنایت و تحسین کے الفاظ میں فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے دریافت فرمایا کہ — آپ ان کو جانتے ہیں۔ اور اسی نوع کا ایک در واقعہ خود حضرت سے سنا فرمایا کہ میں دیر بند میں پڑھتا تھا تو ایک اور طالب علم تھے جو کسی امیر لڑکے کے تھے حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ سے ان کا بھی تعلق تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے حضرت مولانا سے میرا بتہ نہ جانے کیا کہہ دیا۔ کہ میں دیکھا کہ حضرت اس کے بعد سے مجھ سے بہت محبت کرنے لگے۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں یوں بند کھانا کھوٹا حاضر ہوا تو حضرت نے خواجہ صاحب فرمایا کہ خواجہ صاحب دیکھئے یہی ہیں لوی وی اللہ یہ نیکو خواجہ صاحب اور بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئے دیکھئے ان دونوں موقعوں پر حضرت تھانویؒ نے خواص کے سامنے حضرت والا کی تحسین فرمائی۔ چنانچہ یہ اور اس قسم کے دسیوں واقعات حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے علم میں آئے رہے ہوں گے اس لئے مولانا عثمانی کے قلب میں بھی حضرت والا کا ایک خاص مقام تھا جیسا کہ ان کے مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے۔

سب پہلا خط جو مولانا عثمانی مدظلہ کا مجھے مل سکا یہ ہے۔

(خط مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی بنام حضرت مصلح اللہ)

میں نے اس سال رمضان ڈھاکہ میں گزارا۔ وہاں بہت سے احباب کو آپ سے تعلق خاص ہے وہ چاہتے تھے کہ ایک بار ڈھاکہ اور چاٹگام کے ارادہ سے آپ تشریف لائیں تو ان کو علاوہ زیارت کے باطنی فیض کی بھی امید ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ لوگ درخواست کریں انشاء اللہ مولانا منظور فرمائیں گے وہ کہنے لگے کہ تم بھی سفارش کر دو یہ عرصہ اسی غرض سے ارسال ہے کہ اگر ڈھاکہ والے اس طرف تشریف لانے کی خواہش کریں تو آپ ان کی درخواست منظور فرمائیں مجھے بھی خوشی ہوگی۔ اور اگر مجھے بھی معلوم ہو جائے کہ آپ کون تاریکوں میں کس ماہ میں وہاں تشریف لے جا رہے ہیں تو میں بھی ڈھاکہ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اور یہ سب اس شرط کے ساتھ ہے کہ آپ کو فرصت ہو، کوئی مانع نہ ہو، اور سفر ڈھاکہ کے لئے قلب کو انشراح ہو، امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

آپ سے اہل ہند کو جس قدر فیض پہنچ رہا ہے اس کی خبریں سن کر دل کو خاص مسرت ہے اللہ تعالیٰ اس فیض کو اور بھی عام و تمام فرمادیں۔ آمین۔

والسلام مع الاحترام

ظفر احمد عثمانی تھانوی عفا عنہ ۲۷/۱۱/۷۷
(از دارالعلوم اسلامیہ۔ اشرف آباد۔ ٹنڈوالہ یار۔ سندھ)

(حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کا جواب)

بخدمت مخدومی و ظلہم و محترمی جناب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب دام مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بندہ بخیریت ہے۔ جناب کے خط سے جو مسرت ہوئی وہ اندازہ سے یاہر ہے اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ایک یہ بھی عنایت ہے اور بزرگوں کے اشفاق میں سے یہ بھی ایک شفقت ہے۔ میں تو آپ کا پروردہ ہوں اور ہمیشہ عنایات کا مورد رہا ہوں اس نئی عنایت نے قلب کو دوسرے ڈھنگ کا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جناب کو بایں فیوض و برکات مدت دید تک قائم رکھے۔

جناب والائے جس امر کے متعلق تحریر فرمایا ہے بات وہی ہے کہ مانع یہاں کے کام کا حرج ہے پھر دوسرے لوگ بھی اس سے اثر لیتے ہیں اور بلاتے ہیں چنانچہ اکثر جگہوں سے لوگ بلاتے ہیں (اور یہاں وہاں آنے جلنے کی وجہ سے) پھر آدمی مقامی کام کا رہ نہیں جاتا (کام میں) بہت حرج واقع ہو جاتا ہے۔ پھر اسباق بھی میرے ذمہ ہیں یہاں وہاں جانے سے طلبہ کا (بھی) بہت حرج ہوتا ہے۔

سب سے بڑا نفع میرا، وہاں آنے میں آپ کی زیارت و ملاقات ہے۔ میرا جی اس کو بہت چاہتا ہے مگر دل مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ ذرا یہاں کام چل نکلے تو اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔ اب جناب والا کی توجہ اور دعا کی ضرورت ہے۔ اسی سے سب کام آسان ہو سکتے ہیں۔ والسلام
وصی اللہ عفی عنہ۔

پھر اس کے چند ماہ کے بعد حضرت مولانا عثمانی مدظلہ کا ایک اور خط آیا جس کے ابتداء میں تو کچھ اپنے خانگی حالات کا ذکر کر کے دعا کے لئے تحریر فرمایا تھا اور آخر میں یہ لکھا کہ۔
 دوسری عرض یہ ہے کہ اگر بڑی اہلیہ کو صحت ہوگئی تو میرا ارادہ شعبان کے آخر میں ڈھاکہ جانے کا ہے اور رمضان میں ڈھاکہ ہی قیام رہے گا۔ آپ کے مخلصین، مجبین کی درخواست ہے کہ جناب بھی اس عرصہ میں ڈھاکہ تشریف لے آویں تو ان کو فیض یاب ہوگا موقع ملے گا آپ کے خدام کو ہندوستان کا سفر دشوار ہو گیا ہے اگر چند روز کے لئے آپ ڈھاکہ آجائیں تو احباب اور خدام کو ملاقات میسر ہو جائے گی۔ یہ احقر بھی ممنون ہوگا۔

والسلام

ظفر احمد تھانوی عفاعنہ ۲۰ ۷۹ھ

مولانا عثمانی مدظلہ کے اس خط کا حضرت والا کے یہاں سے کیا جواب گیا وہ تو مجھے نہ مل سکا مگر حضرت کے پہلے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسی قسم کا غدر پھر تحریر فرما دیا ہوگا۔ اور حضرت مولانا عثمانی بھی اس معقول جواب کے ملاحظہ کے بعد ایسے نہ تھے کہ بار بار اس کا اصرار فرماتے بات یہ ہے کہ اور دوسرے حضرات بھی تھے جو حضرت کو بلانا چاہتے تھے لیکن از خود تو ان کی ہمت نہ پڑی تھی اس لئے ان اکابر کو انھوں نے واسطہ بنایا تھا انھیں کے اصرار پر مولانا عثمانی مدظلہ نے دوبارہ پھر حضرت کو لکھ دیا۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اس علم کے بعد کہ مولانا ظفر احمد مدظلہ نے حضرت والا کو دعوت دیدی ہے مولانا عثمانی کا بہت بہت شکریہ بھی ادا کیا ہے ہمیں اس کا کیا علم ہوتا؟ خود انھوں نے اپنے اس خط کی نقل حضرت والا کے پاس بھیج دی جسے کہ انھوں نے مولانا ظفر احمد تھانوی مدظلہ کے پاس ارسال کیا تھا۔ دھو ہذا۔

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی خدمت میں مولوی ضا کا شکر نامہ)

الہ آباد کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ جناب والا نے حضرت سیدی و محذومی مولانا

وہی اللہ صاحب مدظلہ العالی کے پاس ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا ہے اور ہم لوگوں کے دل کی آواز، حضرت کی خدمت میں اپنے قلم کے ذریعہ پہنچا کر ہم و اماندہ و در ماندہ تشنگانِ حضوریٰ خدمتِ شیخ پر اپنی سفارش کے ذریعہ احسانِ عظیم فرمایا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے حضرت کو جناب والا کے خط سے بہت مسرت حاصل ہوئی ہے اور یہ امر ہم سب خدام کے لئے بے نہایت مسرت، سعادت اور انبساط کا باعث ہوا ہے۔ حضرت والا کی مسرت ہماری مسرت اور خدا نخواستہ حضرت والا کے انقباض اور تکرار سے ہماری بدبختی اور غم وابستہ ہے۔ ہم سب خدام جناب والا کے دل سے ممنون اور اور شکر گزار ہیں اور جناب والا کی اس سفارش اور کوشش کو احسانِ عظیم سمجھتے ہیں ہم آپ کے اس احسان کا شکریہ مدتِ العمر نہ ادا کر سکیں گے اور اس بندہ نوازی کو تازیست نہ بھولیں گے۔

خدا کرے جناب والا کی سعی بار آور ہو۔ حضرت والا کو فرصت ہو اور کوئی مانع نہ ہو اور انشراح کے ساتھ حضرت والا اس دیار کا جلد مقصد فرما سکیں اس وقت ہم خدام آپ کو بھی حسب ارشاد ڈھاکہ تشریف لانے کی زحمت دیں گے۔ ہماری دلی اور روحانی یہ خواہش اور تمنا ہوگی کہ حضرت والا کے زمانہ قیام میں جناب والا بھی یہاں قیام فرما ہوں اس کے متعلق تفصیلی گزارش تو ہم وقت پر کریں گے ابھی تو یہ بات قبل از وقت ہے۔ سر دست ہم یہ ظاہر کرنے میں بیحد مسرت محسوس کرتے ہیں کہ جناب والا کی ایک سفارش نے بہت بڑا کام کر دیا۔

یہاں سے ہندوستان کا سفر آجکل کس قدر دشوار گزار ہو گیا ہے۔ اگر جناب والا کی سعی اور دعاؤں کی برکت سے حضرت قصد سفر فرمائیں گے تو سفر سے معذوروں اور ناسازگار حالات کی وجہ سے مجبوروں بالخصوص ان عورتوں کو جو کسی طرح سفر نہیں کر سکتیں جس قدر سعادت اور برکت چھل ہو سکے گی اس کا سبب عظیم آپ کی ذات والا صفات ہوگی۔ اگرچہ صرف اظہارِ تشکر سے ہم کسی طرح جناب والا کے اس احسانِ عظیم کے بار سے عہدہ برآ نہ ہو جائیں گے۔ اس لئے پروردگارِ عالم سے دست بردار ہیں کہ وہ جناب والا

کو اس کرم فرمائی کی جزائے خیر عطا فرمادیں اور جناب والا کے فیوض و برکات سے خلق کثیر کو مستفید کریں۔

ہم پھر یکتی ہیں کہ جناب والا نے جہاں اتنا احسان فرمایا ہے مزید کرم فرما کر حضرت والا کی اس دیار میں تشریف آوری کی راہ میں جو موانع ہوں انھیں دور ہونے کے لئے خصوصی طور پر دعا فرمائیں۔ میرے جیسے بہت سارے خدام بہت بیقرار ہیں اور جناب والا کی اس سعی و سفارش نے ان کے دلوں میں بڑی امیدیں پیدا کر دی ہیں۔ خداوند کریم ہماری سب امیدیں پوری کریں آمین۔ جواب کا انتظار ہے گا اگر بار خاطر نہ ہو تو جناب والا اپنی خیریت سے مطلع فرما کر شکر گزار فرمادیں۔

والسلام دعاؤں کا طالب خادم

اصح الشراحوالہ ڈھاکہ ۲۳ جون ۱۹۵۷ء

اُن مولوی صاحب سے متعلق جن کا تشکر نامہ ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا بعض باتیں عرض کرنی ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ فی الجملہ ان کا تعارف کرادیا جائے۔ مولوی صاحب موصوف ہمارے حضرت مصلح الامۃ؎ کے اطراف کے یعنی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے اور زمانہ قیام مبارک پور میں حضرت والا سے انھیں شرف تلمذ بھی حاصل رہ چکا تھا اور بعد میں تو حضرت کے مرید اور حجاز بھی ہو گئے۔ بچپن ہی سے ساتھ ہونے کی وجہ سے حضرت سے بہت انس اور محبت رکھتے تھے اور ان کے بچے بھی حضرت والا کو خوب جانتے تھے اور بہت زیادہ محبت اور عقیدت حضرت والا سے ان کو بھی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ جو سننے میں آیا وہ یہ کہ ابھی کچھ دنوں بنگلہ دیش میں جو انقلاب آیا۔ سنا ہے (اللہ بچائے) کہ وہ انقلاب کیا تھا خدائی ایک عذاب تھا جس کی زد سے شاید ہی کوئی بچا ہو چنانچہ مولوی صاحب موصوف بھی ایک بڑی آزمائش میں پڑے تفصیل کا علم تو ہونہ سکا اجمالاً صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ کسی موقع پر صرف تن بدن پر جو کپڑے پڑے تھے وہی ان کے پاس رہ گئے تھے اور فاقوں تک کی نوبت آگئی تھی چنانچہ بال بچے سب ہی پریشان تھے بلکہ نان شبینہ کے محتاج

ہو رہے تھے کہ اُن کے کسی بچی نے ایک شب خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور کچھ روپیہ مرحمت فرما گئے ہیں صبح کو تکیہ کے نیچے وہ روپے رکھے ہوئے ملے اور وہ بچی چھوٹی کھٹی اس نے حضرت والا کو دیکھا نہیں تھا مگر حلیہ جو بیان کیا تو وہ ہو بہو حضرت والا ہی کا تھا۔

پھر اُسی کے چند دنوں کے بعد اُس سے بڑی لڑکی نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے ہیں اور بہت تسلی دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں یہ حالات بہت جلد سکون سے بدل جائیں گے اور اس کو بھی کوئی معقول رقم غالباً سو روپیہ کا نوٹ مرحمت فرمایا کہ اپنے آبا سے کہہ دینا کہ مولینا دے گئے ہیں اُس نے پوچھا بھی کہ آپ کون ہیں اور آپ کا کیا نام ہے؟ فرمایا کہ تمہارے والد مجھے جانتے ہیں۔ چنانچہ صبح اُس کے سر ہانے بھی وہ رقم ملی اس واقعہ کو بیان کر کے مولوی صاحب موصوف روتے تھے کہ اللہ الشریعہ کی روحانی توجہ اب بھی اس ناکارہ کے حال پر اس قدر ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی باتوں کو کسی بزرگ کی کرامت تو کہا جاسکتا ہے باقی یہ بھی اپنا عقیدہ ہے کہ کرامت دراصل حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کسی بزرگ کے اختیار کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کسی اپنے مقبول بندے ہی کو جو واسطہ بنا دیتے ہیں یعنی لطیفہ غیبی بھی انھیں کی شکل میں آتا ہے تو یہ محض اس لئے کہ وہ شخص ان بزرگ سے مانوس ہو ملے اس لئے اسے مسرت زیادہ ہوتی ہے۔ باقی کسی بزرگ کی نسبت اور اس کے ساتھ سچا تعلق اس میں شک نہیں کہ یہاں سے لے کر آخرت تک مفید ہے اب جس جس صورت سے اللہ تعالیٰ اس کو مفید بنا دیں یہ ان کے اختیار میں ہے۔

اب اس روایت کی توجہ آپ جو بھی چاہیں کریں، بہر حال یہ واقعہ اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کو حضرت والا کے ساتھ جو عقیدت اور انس تھا اسی کا یہ اثر اور پر تو تھا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تقسیم ہند کے بعد بھی مولوی صاحب برابر، حضرت والا کے یہاں حاضر ہوتے رہے اور کبھی کبھی بعض احباب کو بھی لے کر آتے تھے اور یہاں سے جا کر حضرت والا کے احوال

ملفوظات سے اپنے یہاں کے لوگوں کو محفوظ کرتے رہے آدمی ذرا تیز اور ذی استعداد تھے اس لئے ہر کام میں جوش اور افراط سا ہو جاتا تھا چنانچہ انہوں نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کو بھی تشکر نامہ جو بھیجا تو اس میں ایسا مبالغہ کیا اور اس انداز سے لکھا جیسے کوئی اپنے شیخ ہی کو خط لکھ رہا ہو۔ خیر یہ تو ہوا ہی تھا غضب یہ کیا کہ اپنے مخلصانہ سادگی کی بنا پر اس کی نقل حضرت والا کو بھی بھیج دی۔ حضرت والا یوں بظاہر بڑے ہی نرم خو، شفیق اور مہربان۔ اور انتہائی متواضع اور حلیم واقع ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اصلاحی معاملہ میں بڑے بیدار مغز اور نفس کی چالوں سے خوب واقف تھے۔ چاہتے تھے کہ لوگ حدود کی رعایت رکھیں اور عطی کل ذی حق حق پر ان کا عمل ہو۔ بالخصوص شیخ سے عقیدت اور اس کی عظمت کے باب میں حضرت والا کی نظر اتنی کڑی تھی کہ طالبین کی جانب سے اس باب کی ادنیٰ تاہلی بھی قابل مواخذہ بن جاتی تھی چنانچہ مولوی صاحب موصوف کا ”تشکر نامہ“ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ جی چاہے تو ایک بار اور پڑھ لیجئے۔ کتنا عمدہ لکھا ہے اور کہنا چاہئے کہ شکرِ مخلوق کا حق ہی ادا کر دیا ہے۔ لیکن طریق اور اصلاح باطن کی رو سے اسی میں پکڑ گئے اور حضرت والا کے مواخذہ میں آگئے۔ حضرت والا نے انھیں کیا لکھا وہ تو نہ مل سکتا تاہم اس کے بعد کی خط و کتابت سے صورت حال کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(مولوی صاحب موصوف کا خط حضرت والا کے نام)

حضرت والا یہ ناکارہ اپنی گستاخانہ عرضداشت اور بے ادبانہ عرض شوق پر بید نادم اور شرمسار ہے خدا کی قسم کمال شوق نے اندھا بنا دیا تھا اور خود غرضی نے دیوانہ کر دیا تھا کہ اس سرِ ایا تقصیر نے حضرت والا کو تکلیف فرمانے کی درخواست کرنے کی جرات کی حالانکہ طالبِ گو یہ حق نہیں کہ موصل الی المطلوب سے کسی طرح کی فرمائش کرنے کی جرات کرے۔ ہم ناکارہ ادب کے ابتدائی مراحل سے بھی نا آشنا ہیں اور اس

جہالت کی وجہ سے گستاخیاں ہو جایا کرتی ہیں حضور والا اس جاہل اور بے ادب کو معاف فرما دیں۔

دل کو بہت شوق ہے کہ جلد حاضر ہو کر حضرت کی زیارت مبارک سے رشد و ہدایت حاصل کر کے اپنی قسمت بنائیں انشاء اللہ بعد عید حاضری کا قصد ہے (اس کے بعد لکھا کہ)

آج کل یہاں مولانا..... صاحب تبلیغی جماعت کے جلسے میں تشریف لائے ہیں ان کے بعض مواعظ میں شرکت کا موقع ملا۔ ان کے اخلاص و ولہیت کا دل پر اثر ہے۔ وہ بھی مجھے اس جماعت میں شرکت کے لئے مساعی ہوئے اور دوسرے با اثر احباب کے ذریعہ بھی مصر ہوئے لیکن میں نے صرف یہ عرض کیا کہ۔

آپ کے کام سے مجھے محبت ہے لیکن اپنے کو جماعت میں داخل ہو کر کام کرنے کا اہل نہیں پاتا۔ میں ناقص ہوں اس لئے دوسروں کی تکمیل کا سبب نہیں بن سکتا۔ رہے چلے گزارنا تو خدا رکھے اس کے لئے میرے شیخ کا در زندہ ہے اور میں اپنی تکمیل کا واحد مقام اپنے مرشد کی درگاہ ہی کو سمجھتا ہوں۔ اگر ہو سکا تو وہیں چلے گزاروں گا۔

احباب کے اصرار پر میں نے کہا کہ بھائی یہاں فوج تیار ہوتی ہے مگر میرے مرشد کے یہاں سپہ سالاروں کی تربیت ہوتی ہے اس لئے ”مرامرشد من بس است“ میں سپہ سالار بننے کے بجائے سپاہی کیوں بنوں۔

خدا گواہ، انھیں دیکھنے اور ان کے جلسے کی بھرپور اور دھوم دھام دیکھنے کے بعد، حضور والا کی محبت اور عظمت پہلے سے بھی کہیں زیادہ محسوس ہونے لگی

نالحمد للہ علیٰ ذلک

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب (

آپ کے جوابات سے خوش ہوا۔ اب آپ لوگ بھی میرے طریقے کو نہ سمجھیں گے تو کس سے توقع رکھوں۔ معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم دین عطا فرمادیں۔

(مولوی صاحب موصوف کا ایک ورخط)

خدا شاہد ہے کہ یہ ناکارہ صرف ایک دن چند منٹ کے لئے مولانا.... صاحب کی مجلس میں بیٹھا اور دل میں اتنا شدید تکدر پیدا ہوا کہ گزشتہ بیس دنوں میں پھر جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ میرا یقین واثق ہے کہ میرے لئے پروردگار عالم نے جو کچھ فائدہ مقدر فرمایا ہے وہ انشاء اللہ حضور والا کی جوتیوں ہی کے طفیل حاصل ہوگا میں صرف بزرگ سمجھ کر ان سے دعاؤں کی لاپچ میں ایک بار ان کے پاس گیا اور بس۔

(حضرت والاؒ کا جواب)

آپ نے خط میں تو بہت کچھ تحریر فرمایا ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ بات آپ نے اب بھی نہیں سمجھی آپ نے پہلے لکھا تھا کہ فلاں مولوی صاحب تشریف لائے ان کی مجلس میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ بہت اچھی اچھی باتیں بیان فرمائیں یہ لکھ کر اس کے بعد میری تعریف شروع کر دی۔ پھر دوسرے خط میں آپ نے لکھا کہ فلاں مولوی صاحب کو بلانے کے لئے لوگوں نے چندہ کیا ان کو بلایا آپ بھی شریک تھے ان سے بھی لوگوں نے استفادہ کیا۔ اس کے بعد پھر آپ نے میری تعریف شروع کر دی۔

اس کے متعلق میں نے لکھا تھا کہ یہ سب باتیں مجھے پسند نہیں ہیں اور نہ میں اس خیال کا آدمی ہوں اس سے اپنے یہ سمجھ لیا کہ میں ناراض ہو گیا اور میری خفگی کا سبب

یہ امر ہوا کہ آپ لوگ ان حضرات سے کیوں ملے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
 ایک جگہ میں خود بھی نہ جاؤں اور اس کو بھی نہ پسند کروں کہ کوئی دوسرا وہاں
 جائے یہ تو نفس کا بہت بڑا مرض ہے۔ کوئی مرید اگر اپنے پیر کے اندر اس کا قائل ہو تو
 وہ مرید ہے؟ یا اس کو اعتقاد سے بھی حصہ نہیں ملا ہے۔ اور اگر کوئی شیخ اپنے کسی مرید
 کی نسبت یہ سمجھتا ہے کہ یہ جہاں دوسروں سے ملا تو بس ہمارا معتقد نہ رہ جائے گا اور
 اس مرید کا اعتقاد واقعی اس درجہ کمزور ہو کہ محض دوسرے سے ملنے سے اپنے شیخ
 کا معتقد نہ رہ جائے تو ایسا شخص معتقد ہے؟ اور اس نے شیخ کو کچھ بھی پہچانا ہے؟ اگر
 کوئی شیخ ہوگا تو وہ تو ایسے مرید کو دھکے دے کر نکال دے گا کہ کل کو غیر معتقد ہوتے
 ہو تو آج ہو جاؤ۔ میرا مطلب یہ تھا ہی نہیں۔ اس کو کہہ رہا ہوں کہ آپ سمجھ نہیں
 میں تو اس پر خفا ہوا کہ یہ کیا کہ ایک عالم کو بلایا بھی اور پھر اس کی مذمت بھی شروع
 کر دی۔ ایک دن گئے اور پھر ملے تک نہیں اس کو آپ لوگوں کی اخلاقی کمزوری سمجھتا
 ہوں یوں کوئی مرید اپنی نظر کو صرف اپنے شیخ پر مرکوز رکھتا ہے اور ان کی ان کی طرف انتقا
 تک نہیں کرتا تو طریق میں یہ وحدتِ مطلب، مطلوب ہے اور مفید ہے۔ لیکن اہل حق
 میں سے کسی دوسرے بزرگ سے اگر ملاقات بھی کرے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے میں
 اس کی وجہ سے کیوں خفا ہوں گا؟ ہاں اخلاق کی کمزوری پر ضرور تنقید کروں گا کہ یہ کیا؟
 جس کو بلایا تھا تو اس سے تو ملتے ہی رہتے ملتے تھے تو اس کو نبھاتے تاکہ اس کو آپ کی
 جانب سے یا آپ کے شیخ کی جانب سے کچھ غلط فہمی نہ ہو معلوم نہیں کہ اب بھی آپ کی
 سمجھ میں آیا یا نہیں۔ سمجھ گئے ہوں تو لکھتے۔ اس کے بعد ان مولوی صاحب کا حسب ذیل
 خط حضرت والا کے نام آیا۔

(مولوی صاحب موصوف کا عزیزہ حضرت مصلح الامت کے نام)
 اور حضرت والا کا جواب باصواب

حال۔ چند دن گزرے حضور اقدس میں ایک عزیزہ ارسال کر چکا ہوں۔ جب سے

اپنی غلطی اور سخت نادانی پر تنبیہ ہوا ہے خدا گواہ ہے کہ دل کا عجیب حال ہے۔ پہلے کی ساری کیفیتیں ختم ہو گئی ہیں۔ پہلے ذکر کے وقت بہت انشراح ہوتا تھا مگر اب ہر وقت قبض اور انتشار کی کیفیت رہتی ہے کسی حال میں چین نہیں۔ نہ عبادت میں مزہ ملتا ہے نہ کھانے پینے میں۔ دل کو یقین ہے کہ حضور اب تک اس ناکارہ سے ناراض ہیں اور اسی کا یہ سب وبال ہے۔ یہ بھی یقین ہے کہ حضور کی تنبیہ محض اس بد عمل اور نادان کی اصلاح کے لئے ہے اور حاشا کہ ہرگز ہرگز سزا دینے یا تباہ حال بنانے کے لئے نہیں ہے لیکن اپنے اضطراب کو کیا کروں کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حضور کا دل مجھ سے صاف ہو گیا۔ اور میری نادانی معاف کر دی گئی، اس وقت تک ہرگز طبیعت کی پریشانی نہ جائے گی۔ (حضرت والا نے اس پر تحریر فرمایا کہ)

میرا دل آپ سے صاف ہے یقین فرمائیے۔ نادانی ہوئی ہی نہیں مگر آپ کی خاطر سے لکھا ہوں کہ معاف کر دیا اور دل سے معاف کر دیا۔ (آگے ان مولوی صاحب نے لکھا کہ)

حال۔ خدا شاہد ہے کہ جو نادانی سرزد ہوئی اس میں نیت صرف یہی تھی کہ اس غلطی نے ایک مرتبہ حضور کو دیکھا تھا کہ بہت دنوں پہلے کو پاگنج میں قیام کے زمانہ میں وہاں مولانا صاحب تشریف لے گئے تھے اور حضور والا نے ان کا بہت احترام فرمایا تھا۔ دل کو یہی خیال ہوا کہ حضور کو جس کی عزت کرتے دیکھا ہے ان کی عزت و احترام امتثالاً موجب خیر و برکت ہوگی۔

تحقیق۔ بہت اچھی نیت تھی اور یہ خیال بالکل صحیح ہے۔

حال۔ خدا کی قسم! ان سے استفادہ کا ہرگز تصور بھی نہ تھا اور نہ ہے۔

تحقیق۔ ایسا استفادہ جو آپ نے لکھا ہے، ہرگز برا نہیں۔ ہر شخص کا احترام و ادب ضروری ہے مجھ کو ناگوار ہی نہیں مگر آپ غلبہ حال میں دوسری طرف توجہ نہیں فرما رہے ہیں۔ (اس کو کہہ رہا ہوں۔ اس کو سمجھے اور یہ بات تحریراً

نہ سمجھ میں آوے تو) پھر زبانی سمجھا دوں گا یا (بعد میں) خود سمجھ میں آجائے گا۔
 حال۔ ناکارہ کے تصور میں بھی کسی بزرگ کی جانب روحانی میلان کا خیال تک
 پیدا نہ ہوا اور نہ انشاء اللہ کبھی ہوگا۔ میرے لئے حضور والا کی ذات گرامی
 سب سے بڑھ کر ہے۔ بالخصوص جب کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے
 خود کی تصدیق فرمادی ہے (معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی صاحب کسی بشارت منامی
 کے ماتحت حضرت والا کی جانب رجوع ہوئے تھے مرتبہ ۱۲) پھر یہ کیسے ممکن
 ہے کہ یہ غلام کسی اور کی جانب مائل ہو سکے۔ خدا کی قسم اگر حضور اپنے دست
 مبارک سے اس خادم کے سر پر خدام والا کے جوتے رکھوا کر بھی الہ آباد میں
 تشہیر کرائیں تو واللہ یہ خادم اسے بخوشی قبول کرے گا اور اسی میں اپنی
 عزت سمجھے گا۔

تحقیق۔ الحمد للہ۔ (لیکن) بعد استحکام محبت و عقیدت کے میلان و خیال مضر نہیں
 خاص کر جب کہ کسی اہل حق کی طرف ہو۔

حال۔ یہ سچ ہے کہ ابتداء میں اس غلام کو حضور والا کی جانب کجیئت استاد
 میلان خاص تھا اور حضرت تھانویؒ سے رشتہ طریقت میں منسلک ہونے کا
 شوق تھا لیکن حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد جب سے حضور والا نے
 اس خادم کو اپنی غلامی میں قبول فرمایا ہے اس وقت سے اس غلام کو
 کسی کی جانب کبھی تصور بھی پیدا نہ ہوا اب چاہے آپ سزا دیں یا معاف
 فرمادیں یہ غلام آپ کا ہے اور آپ ہی کا رہے گا۔
 تحقیق۔ دل سے معاف ہے۔

(ان ہی مولوی صاحب کا ایک دوسرا خط اور اس کا جواب)

حال۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنی خام کاری اور اخلاقی کمزوری کی بنا پر گزشتہ معاملات میں
 افراط و تفریط کی وجہ سے بڑے خلجان میں مبتلا ہونا پڑا طبیعت متقلل کے ساتھ

راہ معتدل پر ممکن نہ ہو سکی اور اگر حضور والا کی جانب سے صحیح راہ نہ مانی نہ ہوئی ہوتی تو خدا جانے کیسی کیسی ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ پروردگار عالم کا احسان ہے جس نے حضور جیسا مصلح ہمیں عطا فرمایا ہے اور جنگی بروقت دستگیری ہمیں بھٹکنے سے بچا کر راہ حق اور طریقہ اعتدال پر آگئے میں معین ہوتی ہے۔ فالحمد لله على ذلك

خدا کا شکر ہے کہ بہت سارے مکائد نفس سے اطلاع ہو گئی۔ تحقیق الحمد للہ حال۔ مولانا صاحب بعد عید یہاں سے واپس تشریف لے گئے۔ میری جانب سے کسی قدر عمومی حالات میں تلافی مافات بھی ہو گئی۔ تحقیق۔ الحمد للہ۔ حال۔ اس وقت یہاں ان کی ذات گرامی مغتئم ہے۔ تحقیق۔ بیشک۔ حال۔ مجھ سے فرمایا کہ اپنے حضرت کو یہاں آنے کی دعوت دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں طالب ہوں اور میرا یہ منصب نہیں کہ فرمائشیں پیش کروں ایسی باتیں تو اکابر ہی کیلئے موزوں ہیں۔ مجھ سے ایک لفافہ پر پتہ لکھو کر دے لیتے ہیں شاید حضور کو کوئی خط لکھیں۔ تحقیق۔ بہتر ہے۔

(جواب کے ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

حضرت والا مظاہر نے فرمایا ہے کہ اب آپ کے اس خط سے میں خوش ہوا کیونکہ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ مولانا صاحب واپس تشریف لے گئے۔ میرے جانے سے کسی قدر عمومی حالات میں تلافی مافات بھی ہو گئی۔ فرمایا ہے کہ میں بس یہی چاہتا ہوں۔ بھائی اگر کوئی عالم آپ کے یہاں پہنچ جائے اور آپ اس سے مل لیں اور اس کو خوش کر دیں اور وہ آپ لوگوں سے خوش خوش آئے تو میں اسی اتنے سے ناراض ہو جاؤں گا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں آپ لوگوں کی عقیدت کو اتنا کمزور سمجھتا ہوں؟ اور جو عقیدت اور تعلق اس قدر ضعیف ہو کہ صرف کسی سے مل لینے سے اس میں فرق آجائے تو وہ بھی کوئی تعلق ہے؟۔

اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کس چیز کو کہہ رہا تھا اور آپ کیا سمجھ رہے تھے۔ بہر حال بات کو آپ سمجھ گئے۔ اس کی مسرت ہوئی۔

بات اصل عنوان سے ذرا دور ہو گئی۔ بیان کرنا مقصود تھا ”حضرت مولانا ظفر صاحب تھانوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ کی مکاتبات، درمیان میں ان اعظمی مولوی صاحب کا ذکر آگیا اور پھر معمولی مناسبتہ اور ادنیٰ ملاستہ کی بنا پر ان کے بعض اور حالات کا ذکر چھڑ گیا۔ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی اس خط و کتابت کے نقل سے ناظرین معرفت بھی محفوظ ہوئے یا نہیں۔ لیکن، میں تو الحمد للہ اسے نقل کر کے بہت ہی مسرور ہوں کہ شیخ اور مرید کے تعلقات واقعہً جیسے کہ ہونے چاہئیں مذکورہ بالا خطوط اس کے ترجمان ہیں اور اس باب میں ہم لوگوں سے جو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں کبھی افراط کی صورت میں اور کبھی تفریط کی شکل میں حضرت دالا کی تعلیمات سے ان کی حدود روشن ہوئیں کسی بزرگ کی سیرت کا ایک بڑا نفع اس کی تعلیمات کا علم بھی ہے۔

جی چاہتا ہے کہ یہاں ان مولوی صاحب موصوف کے چند اشعار بھی نقل کر دوں جسے انھوں نے اپنی اسی پریشانی (یعنی مواخذہ مرشد) کے دور میں کہا تھا اور اپنے کسی رفیق کے ہمراہ حضرت کے پاس بھی اس کو بھیج دیا تھا دھوہنہ ۷۷

(اعتراف جرم)

یہ اعتراف ہے مجھ کو قصور دار ہوں میں
خدا گواہ کہ نادانیاں تھیں وجہ خطا !
یہ ہر سزا سے ہے بڑھ کر کہ آپ ہیں ناراض
خدا گواہ کہ مجھ پر ہوا ہے عیش حرام
خدا کے دھڑے پھر آپ مجھ سے راضی ہوں
کردوں گا ترک نہ راہ ادب کبھی دانش
مگر بفضل خدا سخت شرمسار ہوں میں
معاف کیجئے مجھ کو کہ اشکبار ہوں میں
ہزار غم کو لئے دل میں سو گوار ہوں میں
ہوا ہے جب سے یہ معلوم نابکار ہوں میں
یہ کہ سکوں کہ زمانے میں پُر بہار ہوں میں
طریق عشق میں گو صورتِ حامد ہوں میں
قصور دار ہوں (حضرت) مگر خدا ہے گواہ
مثال ماہی بے آب بے قرار ہوں میں

اس درمیان میں حضرت دالا کے وہ خطوط جو پہلے نقل ہو چکے ہیں جس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ ”دل سے معاف ہے“ اور یہ کہ ”اب تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں کس چیز کو کہہ رہا تھا اور آپ کیا سمجھ رہے تھے“ مولوی صاحب کو مل گئے اس کے جواب میں انھوں نے حضرت دالا کو یہ خط لکھا۔

(مولوی صنّاموصو کا عریضہ حضرت مصلح الامتہؒ کے نام)

سیدی و محبوبی و مولائی ادم اللہ اظلال فیوضکم ساتھ اعلینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور دالا کا جواب جو کل ہی موصول ہوا باعث کمال شادمانی و اعزاز و ابتہاج^ج ہوا۔ حضور کی دعاؤں اور فیوض کی برکات کا ثمرہ ہے کہ منجانب اللہ اپنی غلطیوں پر انتباہ ہو جاتا ہے اور نادانیوں پر بے حد شرمساری ہوتی ہے۔ حضور دالا سے اسی قدر محبت اور عقیدت بڑھتی جاتی ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اطلاع ہوتی جاتی ہے۔ اب تو بس یہی چاہتا ہے کہ

وہ ہر دم رہیں میرے قلب و نظر میں

گوارا نہیں اب تصور کسی کا

حضور کے فیوض کو میری کوتاہ بین آنکھیں بھی اکثر و بیشتر یہاں بھی بیٹھے شاہدہ کیا کرتی ہیں۔ حضور کو ہم خستہ حالوں پر اس قدر شفقت ہے کہ اس سے زیادہ ماں باپ سے بھی متصور نہیں۔

انحمد للہ کہ اب دل میں برائیوں کا تصور بھی نہیں ہے بلکہ بھلائیوں کے سامان جمع کرنے کی فکر پیدا ہو گئی ہے۔ دل ہر وقت خاشع رہتا ہے۔ ذکر کے وقت لذت اور رقت پیدا ہوتی ہے اور اب ذکر ہی محبوب معلوم ہوتا ہے۔ خلوت زیادہ محبوب ہے۔ حضور دالا کا جواب پاکر دل کو جو انبساط حاصل ہوا اس کے زیر اثر چند آیات منظوم ہو گئے ہیں۔ حضور کے کرم نے ہمت بڑھائی ہے اس لئے انھیں حاضر خدمت کرتا ہوں۔

”انہار انبساط“

عفو سے مخدوم نے خادم پہ احساں کر دیا
دن کی حیرانی گئی، شب کی پریشانی گئی
اب تو مجھ کو پھول ہی آتے ہیں ہر جانب نظر
کیا بتاؤں شیخ کامل کی نظر نے کیا دیا
مٹ گئی دل سے ریا فکرِ حسد زعمِ خودی
آخرت کی فکر سے دنیا کی فکر میں مٹ گئیں
جاگے روشن باغ روشن خانہ دل کر سکوں
اے خدا جانا وہاں تونے جو آساں کر دیا

اب نہ حب جاہ دل میں ہے نہ فکرِ مال و زر

بیخودی نے کام سب (اب اپنا) آساں کر دیا

مولوی صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے چنانچہ جن حضرات کا کسی مصلح کامل سے تعلق
ہوا ہو گا وہ خوب جانتے ہیں کہ شیخ کی کدورت اور ناراضگی سے سارا لطف زندگی ہی
ختم ہو کر جینا وبال اور دنیا دوزخ معلوم ہوتی ہے اور اس کی خوشی و انشراح سے رعت
قلبی، سکون دلی حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی دنیا کچھ جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے یہ مولوی صاحب حضرتؒ کے معتقد تھے ہی
وہاں اپنے حلقہٴ احباب میں بھی حضرت والا کا ذکر والہانہ انداز میں فرماتے رہتے تھے
جس کی وجہ سے اور بہت سے حضرات جو حضرت سے فی الجملہ واقف تھے انھیں اب
حضرت والا کی پوری معرفت حاصل ہو کر بڑی خوشی ہوئی۔ انھیں حضرات میں سے ایک
بزرگ مولانا الطر علی صاحب بھی تھے یاد پڑتا ہے کہ خود حضرتؒ ان کے متعلق فرماتے تھے
کہ یہ حضرت مولانا تھانویؒ کے مجاز بھی ہیں۔ انھیں دنوں ان کا بھی ایک خط حضرت کے
نام آیا اور لطف یہ کہ ان ہی مولوی صاحب موصوف کے قلم سے لکھا ہوا آیا۔
وہ خط یہ تھا۔

خط جناب مولانا اطہر علی صاحب مدظلہ بنام مصلح الامۃ

حضرت مخدوم و محترم مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا کی خیریت اور عظیم الشان دینی و روحانی خدمات کی کیفیت مجھے مولوی صاحب معلوم ہوتی رہتی ہے اور دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بیش از بیش فیوض و برکات سے لوگوں کو متمتع فرمانے اور آپ کو اعلیٰ مقام قرب عطا فرمانے کے لئے اس سلسلہ کو قیام اور طول بقا عطا کریں۔ آمین

دل سے یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو بھی ایک بار آپ کی زیارت کا موقع اور حصول دعا و سعادات کا وقت عطا کریں۔ میں نے مدت پہلے حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے ارشاد گرامی کی بنیاد پر اپنا وطن مالوف سلٹ چھوڑ کر ضلع میمن سنگھ کے ایک ایسے مقام کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا جہاں دین سے فراہ اور بے دینی کی طرف رجحان عام تھا۔ الحمد للہ کہ حضرت مرحوم کے فیوض اور دعاؤں کی برکت سے خداوند کریم نے اس ضعیف و ناتواں ہاتھوں سے یہاں ایسے کام لئے جس کی بظاہر کوئی توقع نہ تھی ان کاموں میں ”جامعہ امدادیہ“ کا قیام حضرت موصوف کی ایک پائدار کرامت ہے ظاہری طور پر کم و بیش پچاس لاکھ روپیہ سے زائد کی تعمیرات وجود میں آچکی ہیں سات آٹھ سو طلبہ عربیہ، صالح اور باعمل علماء کے زیر تعلیم و تربیت تعلیم چل کر رہے ہیں اور الحمد للہ کہ تربیت (دینی) سے بھی محروم نہیں ہیں۔ عمارت میں توسیع جاری ہے۔ مساجد آباد ہو رہی ہیں اور لوگوں میں دین اور علوم دینیہ کی طرف رجحان عام ہے فالحمد للہ علی ذلک۔ حضرت والا سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ پروردگار عالم اس دینی ادارے کو دوام و قیام عطا فرمائیں۔

دل بے اختیار چاہتا ہے کہ اگر ایک بار جناب والا اس دیار کا عارضی طور پر

سہی قصد فرما سکتے تو ہم درد ماندوں کے لئے بڑی سعادت کا سبب ہوتا۔ اگر مشاغل دینی دنیوی اجازت دیں اور ہماری درخواست قابل قبول ہو سکے تو زہے نصیب !
والسلام دعاؤں کا طالب
ارذل الخلاق الطهر علی عفی اللہ دعا فاه

(حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کا جواب)

محب من مولانا الطهر علی صاحب ادام اللہ حبکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہاں کی ترقی دینی کے حالات جو جناب کی وجہ سے وجود میں آئے، بڑی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کام لیا اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کیا سرمایہ ہو سکتا ہے۔ وہاں آنے کے سلسلہ میں جو تحریر فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ یہاں کا قصد فرماتے تو آپ کی برکات ہمیں بھی نصیب ہوتیں۔ اس لئے کہ میں تو یہاں آج تک کچھ کر نہیں سکا ہوں شاید آپ کی برکت سے کچھ ہو جائے اور لوگوں میں حرکت (دینی) ہو۔
والسلام

ایک بات لکھنے سے رہ گئی وہ یہ کہ

حضرت شیخ محب اللہ آبادیؒ جو ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ ابوسعید گنگوہیؒ سے خرقہ خلافت لینے کے بعد جب اپنے مقام پر (جو صدر پور مضافات لکھنؤ میں تھا وہاں) کسی وجہ سے رہنا پسند نہ کیا تو پھر ردولی تشریف لے گئے وہاں سے با مشاہدہ شیخ ردولویؒ آلہ آباد آکر مقیم ہوئے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی یہی واقعات ہو سکتے ہیں واللہ متولی امورنا دھویھدی السبیل۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

سبحان اللہ! بزرگوں کی باتوں کا کیا کمنا۔ ان حضرات کے لفظ لفظ میں نور ہوتا ہے۔

دیکھئے مولانا اطہر علی صاحب مدظلہ بھی بڑے شخص ہیں اور پیر بھائی ہونے کے ناطے ان کو ایک طرح کا حضرت مصلح الامۃ کے ساتھ حق مساوات بھی حاصل تھا لیکن حضرت والا کو جو خط لکھا تو کس عقیدت اور نیاز مندی سے لکھا ہے۔ اور حضرت والا نے بھی کس قدر محبت اور عظمت کے انداز میں ان کو جواب مرحمت فرمایا۔

باقی حضرت والا نے آخر میں جو بات فرمائی کہ ایک بات لکھنے سے رہ گئی الخ اس مطلب و انشر تعالٰیٰ اعلم بظاہر حال تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولانا اطہر علی صاحب نے اپنے بدل وطن کا ذکر فرمایا تھا اس لئے حضرت والا نے ان کی تسلی کے لئے اپنے سلسلہ کے ایک اور بزرگ کا واقعہ لکھ دیا تاکہ ان کو فی الجملہ تسلی ہو جائے اور اسکو بزرگوں کی ایک قدیمی سنت سمجھیں۔

لیکن راقم کا خیال اس طرف بھی جاتا ہے کہ خود حضرت والا کو بھی چونکہ اسی راہ سے گزرنا پڑا تھا کہ بعض حالات کی بنا پر ترک وطن کر کے آپ پہلے گورکھ پور تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے الہ آباد تشریف لائے اور اس میں شک نہیں کہ آپ کے الہ آباد تشریف آوری ہی کے بعد سے آپ کو لوگوں نے پہچانا اور آپ سے لوگوں کو نفع زیادہ ہوا۔ اس لئے اگر حضرت کی مراد خود اپنی ہی ذات ہو تو بعینہں چنانچہ حضرت شیخ محب الشر الہ آبادیؒ کے ساتھ ہمارے حضرت ہی کو اسی اور مقامی مناسبت اسی شق کی مرجع اور اس کا وضع فریم ہے اور اہل الہ آباد جانتے ہیں کہ شہر کے مشرقی جانب ایک کنارہ پر حضرت شیخ محب الشر قدس سرہ کی آرام گاہ ہے اور ٹھیک اسی کی سیدھ میں مغربی جانب دوسرے کنارے پر ہمارے حضرت کی خانقاہ ہے۔ اس پر ذرا سے تغیر کے ساتھ کسی کا یہ شعر بڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

محب الشر سے حاصل ہے تجھ کو نسبت کامل
وہ نسبت خواہ اسی ہو مقامی ہو کہ وہ رطانی

بہر حال مراد اس جملہ سے کہ — دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی یہ واقعات ہو سکتے ہیں۔ خواہ مولانا اطہر علی صاحب مدظلہ ہوں یا خود حضرت والا ہوں یا دونوں

بزرگ ہوں۔ قدر مشترک اس میں یہ امر ہے کہ دین کے کام کے لئے وطن سے ہجرت سنت نبویؐ ہے اور اتباع سنت میں بزرگوں کو کبھی اس راہ بھی چلنا پڑتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اور جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں کہ یہ خط مولانا الطہر علی صاحب مدظلہ کا بقلم مولوی صاحب موصوف ہی کیا تھا اس لئے مولانا مدظلہ کے جواب کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب موصوف کو بھی ایک تحریر گئی۔ دھو ہذا

(حضرت مصلح الامۃ کا مولوی صاحب موصوف کو انتباہ)

مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا الطہر علی صاحب سلمہ کی طرف سے جو دعوت نامہ آپ نے بھیجا ہے وہ ملا۔ وہاں مولانا کے (جو) حالات (ہیں ان) سے میں شرمندہ ہوا۔ (اس لئے) وہاں اگر بجز شرمندگی کے مجھے کیا حاصل ہوگا۔ یہ تو آنے کے متعلق عرض ہے باقی آپ جانتے ہیں کہ اب آنا جانا ایسا تو نہیں ہے کہ آدمی اٹھا اور چل دیا۔ سفر کے لئے صعوبات ہیں اسے کون برداشت کرے گا۔ درمیانی مراحل کون طے کرے گا۔ درخواست کے وقت ان باتوں کو کیوں خاطر میں نہیں لایا جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ محبت میں ان امور پر آپ لوگ غور ہی نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرے لئے بھی دعا فرمائیے۔

والسلام

حضرت مصلح الامۃ کے اندازِ صلاح سے جو حضرات واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا خط کے آخری جملوں سے حضرت کی ناراضگی مترشح ہوتی ہے چنانچہ حضرت کا کسی کو یہ تحریر فرمانا کہ میں سمجھتا ہوں کہ محبت میں ان امور پر آپ لوگ غور ہی نہیں فرماتے اللہ تعالیٰ سمجھ سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ گویا یہ کہنا ہے کہ

آپ کو محبت تو ہے لیکن فہم نہیں ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے اس تنبیہ کو سمجھا اور اس کی تلافی کے لئے فوراً حضرت والا کو یہ عریضہ لکھا۔

مولوی صاحب موصوف کا ایک عریضہ حضرت مصلح الامت کے نام

حال۔۔ حضور کا ایک مکرم نامہ بوساطت مولانا الطہر علی صاحب پہونچا۔ میں گزشتہ ماہ ایک ضرورت سے وہاں گیا تھا۔ اسی وقت مولانا نے خود کہہ کر میرے قلم سے ایک خط جناب والا کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ خدا شاہد ہے کہ میرا اس دعوت میں اشارہ بھی نہ تھا۔ حضرت والا کی ذرہ برابر تکلیف پر خدا کی قسم میں اپنی جان قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ میں تو اکثر و بیشتر یہ دعا کیا کرتا ہوں کہ پروردگار میری باقی عمر کا چوتھائی حصہ حضرت والا کو دے کہ حضرت والا کی عمر میں برکت عطا فرمائیں۔ میری عمر بیکار ہے اور حضرت والا کی ذات بیشمار انسانوں کے لئے نافع ہے خداوند کریم میری اس بیکار عمر کو حضرت والا کی نافع عمر میں تبدیل فرما کر مخلوق کے لئے فائدہ کا سبب بنائیں۔ میں یہاں سے سب لوگوں کی چڑی سہل سمجھتا ہوں مگر حضرت والا کے لئے وہاں سے یہاں سفر کرنے کا تصور بھی موجب تکلیف سمجھتا ہوں۔ میری محبت ہرگز اس کی مقتضی نہیں ہے کہ حضرت والا کو ذرہ برابر بھی زحمت ہو۔ اگر حضرت نے یہ خیال فرمایا ہو کہ میری تحریک پر مولانا الطہر علی صاحب نے دعوت دی ہے۔ تو میں بہ کمال ادب اس کے لئے عفو خواہ ہوں۔ یہ خطا کار اس معاملہ میں بے قصور ہے۔ امید کہ حضرت والا بھی اس ناکارہ کی تقصیرات معاف کریں گے۔ تحقیق بہت خوش ہوا۔ میں خود آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

دیکھئے اب مولوی صاحب کی تحریر بھی دوسرے ہی انداز کی ہونے لگی اور اب سمجھ میں آگیا کہ اصل یہی ہے کہ طالب کو مطلوب کے پاس جانا چاہئے۔ اور حضرت والا

بھی ایک جگہ جم کر کام کرنے کے شروع سے لے کر آخر تک قائل رہے۔ درمیان میں گورکھ پور پھر الہ آباد کا سفر ضرورتاً پیش کیا اور وہاں سے لکھنؤ اور آخر میں پھر بمبئی کا سفر بھی علانیاً رہا یہ الگ بات ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو حضرت والا کی جسمانی صحت کے ساتھ عام لوگوں کے لئے ان کی روحانی صحت کا بھی ذریعہ بنا دیا۔

چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت کو کتنے بڑے بڑے لوگوں نے دعوت دی اور حضرت اس سے خوش تو بہت ہوئے مگر جانے کا عزم نہیں فرمایا۔ یہی فرماتے رہے کہ یہاں کے کام کا حرج ہوگا۔ اور اگر اس خط و کتابت سے کسی کو حضرت والا کے تشریف لے جانے یا وعدہ فرمالینے کا خیال گذرا تو حضرت نے ان کی بھی غلط فہمی کو دور فرما دیا ہے چنانچہ ایک صاحب نے ڈھاکہ سے حضرت کو لکھا کہ :

”مولانا صاحب سے یہ بھی معلوم ہو کہ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب حضور کو ڈھاکہ تشریف لانے کی سفارش کر رہے ہیں اور حضور کے دل میں یہاں آنے کا خیال پیدا ہو رہا ہے۔“

اس کے جواب میں حضرت مصلح الامۃ؎ نے تحریر فرمایا کہ :

”میں نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کو جو جواب لکھا ہے وہ ان مولوی صاحب کے پاس بھی ہوگا۔ اس کو بغور ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں قریب کا تو وعدہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ کام پر مدار رکھا ہے لہذا کام خود بھی کیجئے اور لوگوں سے کراہیئے۔“

ہمارے حضرت والا واقعی کامل مصلح تھے ایسی کھتی ہوئی رگ پکڑتے تھے کہ انسان کانفس بس چیں بول جاتا تھا فرماتے تھے کہ مجھ کو لوگ جب اپنے یہاں لے جانے کو یا بلانے کو کہتے ہیں تو میں ان سے یہ کہہ دیتا ہوں کہ تم تو میرے پاس ایک عرصے سے آتے ہو اور مجلس میں بھی بیٹھے ہو میری باتیں بھی سنتے ہو لیکن ان سب کا کوئی خاص

اثر میں تم پر تو دیکھتا نہیں بلکہ عمل اور اخلاص سے اب بھی کورے ہو تو اپنے یہاں لے جا کر ایک دن یا دو چار دن کے لئے جن لوگوں کو میری باتیں سنوانا چاہتے ہو وہ تو چار ہی دن میں کامل ہو جائیں گے نا، جب اس طرح سے پوچھتا ہوں تو مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ مشائخ کو ہر جگہ لے جانا مراد ہے اس کے کہ نہ تو خود کام کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو کام کرنے دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت والا کہیں جاتے داتے نہیں الا اشار الیہ۔

یوں لوگوں نے تقسیم کے بعد خواہش اس کی بھی کی کہ حضرت والا مستقل طور پر پاکستان منتقل ہو جائیں چنانچہ ایک صاحب نے بڑا زبردست مکان بھی بریسال میں اسی نیت سے لے لیا تھا کہ حضرت اس میں ٹھہریں گے اور اس کی پیش کش کی لیکن حضرت والا نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ میں اپنے بال بچوں کو لیکر جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔ مغرب میں بھی مرے احباب ہیں اور مشرق میں بھی میرے احباب ہیں لیکن میرا تعلق ان کے علاوہ یہاں کے لوگوں سے بھی تو ہے جن میں خاصی تعداد ایسے محبین کی ہے کہ وہ میری جدائی برداشت ہی نہ کر سکیں گے اور کہتے ایسے ہیں کہ رو رو کے مر جائیں گے اس لئے میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔

تاہم حضرت والا نے تقسیم کے بعد لیکن پاسپورٹ کی بندش سے قبل جبکہ مشرق کا سفر آزاد اور کھلا ہوا تھا ڈھاکہ کا سفر فرمایا تھا اور چند ہی یوم قیام کر کے وطن واپس تشریف لے آئے تھے۔ اسی سفر کے بارے میں فرمایا تھا کہ :-

میں باہر ایک جگہ گیا ہوا تھا۔ اور احباب سے منع کر دیا تھا کہ میرے آنے کا اعلان نہ کیا جائے اور نہ کوئی اشتہار دیا جائے۔ مگر مجلس کے وقت دیکھتا تھا کہ بہت لوگ آ جاتے تھے۔ ایک دن وہاں کے ایک بڑے عالم جو واقعہ عالم معلوم ہوتے تھے تشریف لائے لوگوں نے مجھ سے ان کا تعارف کرایا اور یہ بتایا کہ آپ یہاں کے مسلم عالم ہیں میں بھی ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے میں نے جب دیکھا کہ یہ صاحب تو کچھ کہتے ہی نہیں تو سوچا کہ لاؤ میں ہی

کچھ کہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے احباب میں سے ایک صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ بہت دنوں کے بعد ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے اگر اجازت ہو تو کہوں انھوں نے کہا کہ میں نے کہا کہ ایک مدت کے بعد میری سمجھ میں یہ آیا کہ عقل کے معنی ہیں مال کے یعنی جس کے پاس زیادہ مال ہو سمجھو کہ وہ زیادہ عقلمند ہے۔ یہ سن کر وہ عالم صاحب ذرا چوکنے ہوئے میں نے ان کو متوجہ پا کر اپنے ان صاحب کے پھر کہا کہ ایک بات اور سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ علم نام ہے زبان کا یعنی جو شخص جتنا زیادہ بولنے والا ہو اور عمدہ مقرر ہو وہ اتنا ہی بڑا عالم ہے اس طرح سے مختلف باتیں کر رہا تھا تفسیر روح المعانی لے کر آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاءُ كُلُّونَ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيُصَدِّقُونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ** کے متعلق اس سے تفسیر بیان کر رہا تھا اور احیاء العلوم میں بھی وہ جگہ نکال کر سنا رہا تھا جہاں امام نے لکھا ہے کہ جو علماء دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہایت ہی قیمتی دو شالہ سے پیر کا گرد آلود تلو ا صاف کرے اور امام غزالی نے یہ بھی لکھا تھا کہ عجب نہیں کہ اس طرح کے لوگوں کا حشر بھی انھیں لوگوں کے ساتھ ہو جن کے بارے میں ارشاد ہے **وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ لَلَّيَةِ كَيْفَ يَكُونُ** انھوں نے بھی دنیا میں اپنے علم سے الٹا کام لیا تھا لہذا سزا بھی اسی کے مطابق ملے گی۔ میرے سامنے تو کچھ کہا نہیں مگر لوگ بیان کرتے تھے کہ مجلس سے اٹھنے کے بعد باہر جا کر کہتے تھے کہ جیسی عمدہ عمدہ اور کام کی باتیں ان کی مجلس میں سننے میں آئی ہیں میں نے ساری عمر نہیں سنی حالانکہ خود وہ مولوی صاحب تفسیر اچھی جانتے تھے اور اس سے ذوق بھی تھا۔

اور فرمایا کہ اسی سفر میں ایک گاؤں بھی جانا ہوا تھا جاتے وقت ٹیشن پر ایک صاحب ملے جو ان صاحب کے داماد تھے جن کے یہاں میں جا رہا تھا انھوں نے کہا کہ ان صاحب نے (اپنے خسر کو کہا) آپ کے آنے کی پہلے سے مجھے اطلاع نہیں کی ورنہ میں اشتہار دے دیتا چاروں طرف باقاعدہ اعلان کر دیتا حسن اتفاق کہ واپسی میں ٹیشن

ہی پر پھر ان سے ملاقات ہوئی اس بار کہنے لگے اکھوں نے آپ کے جانے کی پہلے سے اطلاع نہیں کی اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ کے لئے دوسو روپیہ چندہ کر لیتا میں نے خیال کیا۔
 لو بھائی اس نے تو مجھے بھی دنیا دار پیروں کی فہرست میں شمار کر دیا اس لئے اب یہ موقع خاموشی کا نہیں ہے پہلی بار تو خاموش رہ گیا مگر اب اس کے خیال کی اصلاح کرنی چاہیے چنانچہ میں نے اپنے ساتھ کے لوگوں میں سے ایک صاحب کما کہ جو کچھ میں کہتا جاؤں تم اس کو ان کی زبان میں (یعنی بنگالی میں) سمجھا دو لیکن جب یہ دیکھا کہ سلسلہ کلام کا ربط ہی ختم ہوا جاتا ہے اور میرے مافی الضمیر میں بھی خلط واقع ہو رہا ہے تو میں نے ان صاحب کا واسطہ ختم کر دیا اور خود اردو ہی میں بیان کرنے لگا۔ چہرے بشرے سے اندازہ کرتا تھا کہ میری بات کو خوب سمجھ رہے ہیں میں نے کہا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ذرا ہوش کی دوا کیجئے کچھ جانتے بھی نہیں کہ پہلے زمانہ میں پیر ہی لوگ دین کے ساتھ ساتھ دنیا بھی بانٹتے تھے نہ معلوم کتنے وزراء اور سلاطین ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے ان سے مانگتے تھے اور کامیاب جلتے تھے آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ مرید الٹا پیر کو دیتا ہے تھ ہے ایسے پیر پر جو اپنے کو مریدین کا محتاج سمجھتا ہو اگر پیر میں غیرت ہو تو اس کو یہ خیال کر کے کہ مرید اسے حاجت مند سمجھ رہا ہے ڈوب مرنا چاہئے میں نے یہ بھی کہا کہ عجب بات ہے کہ مرید سے اگر پوچھا جائے کہ تمہیں روزی کون دیتا ہے تو آسمان کی جانب اشارہ کر کے کہے گا کہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور پیروں کے بارے میں یہ چاہتے ہیں کہ کہا جائے کہ ہم دیتے ہیں یہ کیوں؟ تم کو خدا دے اور پیر کو تم دو کیا یہ نا انصافی نہیں ہے پس جب یہ بات ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں جب میں کہہ چکا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ جانتے ہو یہ کیوں خفا ہو رہے ہیں وہ جو روپیہ کے لئے ان سے کہا گیا تھا وہی بات ان کو ناگوار ہوئی سچا ہے نا اور یہ بھی کہا کہ ہدیہ دینے میں خفا ہوتے سوا اس کے کسی کو نہیں دیکھا۔

(وصیتہ الاحسان صفحہ ۲۷)

بہر حال حضرت والا کو دہاں نہ جانا تھا نہ گئے اللہ تعالیٰ نے اہل الہ آباد اور اہل بمبئی وغیرہ کے لئے آپسے فیض حاصل کرنا مقدر فرمایا تھا وہی ہوا کہ حضرت نے بعض حالات کی بناء پر ترک وطن فرمایا اور ڈیڑھ دو سال گورکھ پور رہ کر پھر مستقل طور سے الہ آباد میں تشریف لے آئے۔ چنانچہ کسی کو اپنے اسی زمانہ کے حالات تحریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ —

”میں تقریباً دو سال سے الہ آباد میں ہوں مکان بھی لے لیا۔ اسال شعبان (یعنی شعبان ۱۲۹۰ھ) کے آخر میں پہلے میں خود بیمار ہوا۔ ریاحی درد کا شدید درد پڑا۔ ابھی اس سے پوری طرح اچھا بھی نہیں ہوا تھا کہ میری ایک بچی کو چیچک نکلی (جو کہ مولوی نور الہدیٰ سلمہ سے منسوب تھیں) بالآخر دو ہفتہ بیمار رہ کر ۱۶ رمضان ۱۲۹۰ھ کو وہ ہم سے جدا ہو گئی۔ پچیس ۲۹ رمضان کو دوسری اس سے بڑی لڑکی کو (جو کہ مولوی قمر الزماں سلمہ سے منسوب تھیں) شدید درد شکم ہوا جس کے صدمہ سے پیٹ میں پہلے بچہ مر گیا اور ۳ شوال ۱۲۹۰ھ کو خود اس کا بھی انتقال ہو گیا۔“

اس کے بعد گھر میں آٹھ دس بچوں کو چیچک نکلی چنانچہ اس میں ایک نواسے کا بھی انتقال ہو گیا اب الحمد للہ بقیہ سب بچے، بعضے ان میں سے اچھے ہو چکے ہیں اور بعض قریب بصحت کے ہیں۔ سب کے لئے دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ صحت کل عطا فرمائے۔ اس وقت تو خیر میں ان سب حالات سے دوچار ہوں باقی ویسے بھی کہیں آتا جاتا نہیں اس کی وجہ سے طلبہ اور طالبین ہر دو جماعت کا نقصان ہوتا ہے۔

میرے لئے بھی دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ دین کا کچھ کام مجھ سے بھی لے لیں یہاں (الہ آباد) میں بھی مسجد کی تعمیر و توسیع سے فارغ ہوا ہوں اب لوگوں کی خواہش ہے کہ ایک عربی مدرسہ قائم کر دوں اس کے لئے خصوصی دعا کا طالب ہوں۔ والسلام خیر ختام

یہ خط حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کے نام نہیں تھا بلکہ کسی اور کے نام لکھوایا تھا۔ یہاں اس کے ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دور میں یہاں حضرت والا ان حالات سے گزر رہے تھے جس کی اطلاع غالباً حضرت نے مولانا عثمانی کو بھی فرمائی تھی اس کے جواب میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا یہ خط آیا۔

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کا خط حضرت والا کے نام)
مکرمی المحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ملفوظ گرامی موصول ہو کر کاشف احوال ہوا۔ صاحبزادیوں کے امراض کی تفصیل معلوم ہوئی اور تعجب ہوا کہ آپ نے اہلیہ اولیٰ کے انتقال کے بعد اور نکاح نہیں کیا۔ اور خود ہی بچیوں کی پرورش کی صلا ایں کار از تو آید و مرہاں چنین کنند اللہ تعالیٰ مرحومات کو دہاں کی راحت سے نوازیں اور آپ کو صبر جمیل کے اجر جزیل سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

الہ آباد میں مدرسہ عربیہ جاری کرنے کا خیال مبارک ہے اس میں تاخیر نہ فرمائیں۔ انشاء اللہ سب سامان ہو جائے گا اور آپ کے لئے باقیات صالحات میں سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دامادوں کو عالم باعلیٰ صالح بنائیں اور ان کو بھی خدمت علم دین کی توفیق عطا فرمائیں۔

میری اہلیہ اولیٰ کا انتقال ڈھاکہ میں ہو گیا تھا اس کے بعد دوسرا نکاح کیا اس کا انتقال ہو گیا پھر تیسرا اور چوتھا نکاح کیا آج کل دو بیویاں جمع ہیں۔ انہیں سے ایک حکیم مصطفیٰ صاحب میرٹھی مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ اس سے ایک بچہ محمد مرتضیٰ سلمہ ہے دعا فرمائیے کہ زندہ سلامت باکرامت رہے۔ اور عالم باعلیٰ صالح ہو جائے۔ دوسری کے اولاد نہیں ہے آجکل امید ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی ولد صالح عطا فرمائیں۔ دونوں میں فی الجملہ موافقت تو ہے مزید موافقت

بہ اللہ کی شان کہ کل تک جن بزرگ کو مظلہ العالی لکھا جاتا تھا آج ان کو رحمتہ اللہ علیہ لکھنا شروع ہے کل شئی مالاک الوجود ہے اب ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امت کو حضرت مولانا کا بدلہ عطا فرمائے۔

کے لئے دعا فرمائیں۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کے کوئی لڑکا بھی ہے یا نہیں؟ دعا فرمائیے کہ آخر وقت، قیام مدینہ کا سامان ہو جائے۔ اور موت مدینہ نصیب ہو۔

والسلام ظفر احمد عفی عنہ

۸۰ محرم سنہ ۱۳۳۵ھ

حضرت اقدسؒ کے یہاں اس کا کیا جواب گیا۔ ہم کو وہ نہیں مل سکا۔ پھر اس کے چار پانچ ماہ کے بعد مولانا عثمانیؒ کا دوسرا گرامی نامہ آیا۔

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی عثمانیؒ کا دوسرا مکتوب گرامی)

غایت نامہ سے علالت کا حال معلوم ہو کر رنج ہوا پھر صحت کی خبر سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ شانہ آپ کو سلامت باکرامت رکھیں اور الہ آباد میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کرنے میں آپ کی مدد فرمائیں کہ وہاں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اسکے ساتھ اگر مدرسہ جامع العلوم کا بنور پر بھی آپ توجہ فرمائیں کہ وہ بھی باحسن اسلوب چلتا رہے تو مناسب ہے کہ وہ حضرت حکیم الامتہؒ کا قائم کردہ ہے اور بزرگوں کی نشانی ہے۔ میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ آپ اگر خانقاہ امدادیہ میں قیام نہ کریں تو پھر کا بنور میں قیام کر کے جامع العلوم کو ترقی دیں۔ استخارہ فرمایا جائے۔ میرے لئے قیام مدینہ منورہ کی دعا فرمادیجئے۔

والسلام مع الاکرام ظفر احمد عثمانی عفی عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۵ھ

دارالعلوم ”الاسلامیہ“ ٹنڈوالہ یار سندھ

مذکورہ بالا خطوط سے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ کی محبت اور حضرت والا سے ان کے بے تکلفانہ تعلق کا اندازہ ہوتا ہے دیکھئے اپنے تمام خانگی حالات حضرت سے فرمادئے اور حضرت والا کے حالات بھی دریافت فرمائے اس کی بھی فکر

ہے کہ حضرتؒ کے کوئی نرینہ اولاد ہے یا نہیں؟ اور اس پر بھی حیرت ہے کہ حضرت نے تین سال کی طویل مدتِ تجرد کے ساتھ کیسے گزار دی (کیونکہ حضرت پیرانی صاحبہ کا وصال ۵ جون ۱۹۲۷ء کو ہوا تھا اور حضرت مصلح الامۃ کا وصال ۲۵ نومبر ۱۹۶۷ء کو ہوا اس لحاظ سے گویا حضرت والا، پیرانی صاحبہ کے تقریباً بیس سال بعد اس دنیا سے تشریف لے گئے۔)

اپنے اہل خانہ سے، انسان کو جتنی راحت ہوتی ہے ظاہر ہے۔ خصوصاً ضعف و پیری اور مزید براں مرض اور علالت کے زمانہ میں تو کوئی دوسرا اس کا بدل ہو ہی نہیں سکتا لیکن حضرت والا نے ساری دشواریوں کو برداشت فرمایا اور کسی مصلحت سے عقد ثانی کا ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ بخلاف اس کے حضرت مولانا ظفر احمد مدظلہ نے اسکی ضرورت محسوس فرما کر متعدد نکاح فرمائے اور بیک وقت دو اہلیہ آپ کے عقد میں رہیں چونکہ اہل خانہ کی ضرورت اس کا نفع اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں تکلیف کا پورا اندازہ مولانا کو تھا اسی لئے حضرتؒ کو لکھا کہ عطا
ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند

نیز حضرت والا کے متعلق، مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کی دلی خواہش بھی یہ معلوم ہوئی کہ آپ چاہتے تھے تھانہ بھون کی خانقاہ کو حضرت ہی آباد کریں لیکن کسی ذریعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت والا اس کے لئے قطعی تیار نہیں ہیں (اور حضرت اس کی وجوہ خود بیان بھی فرماتے تھے) تو پھر علی سبیل التسلل مولانا کی رائے یہ تھی کہ حضرت والا کا پنور میں قیام فرمائیں اور جامع العلوم ہی کی آبادی و شادابی کا ذریعہ بنیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی جانب سے تو قیام الہ آباد مقدر ہو چکا تھا اس لئے حضرت نے کسی اور جگہ جانا پسند ہی نہیں فرمایا چنانچہ الہ آباد ہی میں مکان لیا۔ پھر محلہ کی مسجد کی توسیع فرمائی اور یہاں ہی ایک عربی مدرسہ قائم فرمادیا جو بحمد اللہ تعالیٰ آج بھی قائم ہے اللہ تعالیٰ اس کو یوماً فیوماً ترقی عطا فرماوے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کا نوے کے مکتوبات کا سلسلہ تو ختم ہوا آخر میں

حضرت مصلح الامۃ؎ کے وصال کی خبر ”صدق“ میں پڑھ کر مدیر صدق کے نام مولاناؒ نے جو تعزیت نامہ لکھا اس کو ملاحظہ فرمائیے اور اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت مصلح الامۃ؎ کا۔ حضرت مولانا عثمانیؒ تھا نوی ۷ کے نزدیک کیا مقام تھا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۷ء کے صدق میں ہے کہ —

”ایک تعزیت نامہ“

مولانا ظفر احمدؒ تھانوی صدر مدرس اشرف المدارس ٹنڈوالہ یار حیدر آباد سندھ حضرت تھانویؒ کے سرشد و صحبت یافتہ خصوصی ہی نہیں بلکہ عزیز قریب بھی ہیں مولانا شاہ وحی اللہؒ کی خبر رحلت صدق میں پڑھ کر اپنے تعزیت نامہ میں لکھتے ہیں۔

”یکم دسمبر کے صدق میں مولانا وحی اللہؒ کے انتقال کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ انا للشر وانا الیہ راجعون۔ میں تو ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ہندوستان کا ایک دورہ مولانا کی ملاقات کے لئے ضرور کروں کیونکہ مولانا عبدالغنیؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) فرماتے تھے کہ میں نے جب پاکستان آنے کا ارادہ کیا تو مولوی وحی اللہ صاحب سے کہہ دیا تھا کہ اب ہندوستان کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی کے متعلق ان سے کچھ کہنا تھا اور پاکستان کے متعلق بھی مشورہ کرنا تھا مگر افسوس ہے

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد
اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے نوازیں۔ اور ہندوستان کو ان کا جانشین دیں جو اپنی قوت ظاہری و باطنی سے دہاں اسلام کی حفاظت کا حق ادا کرتا ہے اور پاکستان کو بھی ایسا ہی صاحب باطن عطا فرمائیں۔“ انتہی

مولانا مرحوم کی وفات کے سلسلہ میں جو خبریں شروع میں آئیں اور صدق میں بھی شائع ہو چکیں بعد کو ان میں ترمیم مستند ذرائع سے ہو گئی وفات قریب فجر

نہیں بلکہ ۱۲ بجے شب میں ہوئی اور مرض (غالباً فاج) کا حملہ بھی بعد مغرب ہی ہو گیا تھا اور تدفین بھی سارے انتظامات ہو جانے کے بعد بھی ایک غلط فہمی کے باعث سر زمین حجاز پر نہ ہو سکی بلکہ عام قاعدہ جہاز کے مطابق بحری ہی قبر پر قناعت کرنا پڑی۔ آج سے کوئی پینتیس سال قبل جنھیں دربار اشرفی میں حاضری کا اکثر موقع مل جاتا تھا انھیں یاد ہو گا کہ ایک بہت مسکین صورت کے طالبِ ٹبری خاموشی اور ادب کے ساتھ حضرتؒ کے عین محاذ میں لیکن فاصلہ پر سہ دری کے اندر نہیں بلکہ سائبان میں بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ یہی شاہ صبی اشرفی ہیں۔ اُس وقت کے گمنام و غیر معروف اور آج کے شیخ نامور۔

(بحوالہ صدق ۲۹ دسمبر ۱۹۶۷ء)

اب تھانوی ہونے کی مناسبت سے جی چاہتا ہے کہ حضرت استاذ مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ العالی کا خط بھی یہیں نقل کر دوں جو انھوں نے حضرت دالاکو لکھا۔ مولانا موصوف کا بس یہ ایک ہی خط مل سکا۔ تعارف کے طور پر عرض ہے کہ مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ حضرت مولانا تھانویؒ کے داماد تھے اس طور پر کہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ جب حضرت تھانویؒ کے نکاح میں آئیں تو اپنے ہمراہ ایک لڑکی بھی (پہلے شوہر سے) لائی تھیں وہی مولانا جمیل احمد صاحب کے عقد میں آئیں۔ اس طرح پرگویا آپ حضرت مولانا تھانویؒ کے بھی داماد ہوئے۔ کچھ عرصہ زنگون وغیرہ میں رہے اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہوئے پھر حضرت مولانا تھانویؒ کی علالت کے زمانہ میں تھانہ بھون میں رہنے لگے اور تقسیم کے بعد حضرت پیرانی صاحبہ کے ہمراہ لاہور تشریف لے گئے اور ایک عربی مدرسہ میں درس افتار پر فائز ہو گئے۔ دیکھئے مولانا خود بھی اچھے خاصے عالم تھے ذہین ذی استعداد تھے اور پاکستان میں حضرت مولانا تھانویؒ کے بہت سے خلفاء موجود تھے۔ لیکن مولانا نے اپنی اصلاح و تربیت کے لئے ہندوستان کے اس گوشہ نشین کا جو انتخاب فرمایا۔ کیا اس سے نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ کی نگاہ

میں بھی حکیم الامتہؒ کے بعد اُسی جیسی برکت اور تربیت کے حامل اگر تھے تو حضرت مصلح الامتہ ہی تھے۔ چنانچہ انھوں نے مولاناؒ کے پاس عجیب عنوان سے خط لکھا اور حضرت والا نے بھی اس کا جو جواب دیا ہے وہ حضرت ہی کا حصہ تھا صرف اسی کو سنانے کے لئے تمہیداً اتنا عرض کیا گیا۔ اب وہ خط سنئے۔

(حضرت مولانا جمیل حمد صفا تھانوی کا خط حضرت والاؒ کے نام)

حضرت مخدوم و معظم مدظلکم العالی
بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
عمر کا اکثر حصہ گزر گیا مگر کام کا ننھو سکا۔ طالب علمی کے مشاغل نے اور کچھ دوسرے ناگفتنی اعذار لنگ نے محروم رکھا۔

اب حضرت والا سے درخواست ہے کہ میری اصلاح و تربیت قبول فرما کر مرہون منت فرمائیں امید کہ حضرت والا محروم نہ فرمائیں گے۔ اور دعا بھی فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بقیہ قلیل عمر کو کارآمد بنادیں۔

احقر جمیل حمد صفا تھانوی سابق مدرس مظاہر علوم سہارنپور و
حال دارالعلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی لاہور
۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

(حضرت مصلح الامتہ نور اللہ مرقدہ کا جواب)

مخدومی دکر می دام عنایتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
نامہ آیا۔ گویا عینی آیا تن مردہ میں جی سا آیا
”اے وقت! تو خوش کہ وقتِ ما خوش کر دی“

محبت نامہ باعث شرف و افتخار اور سرور و انبساط ہوا۔ میں تو آپ ہی کے یہاں کا

ممنون کرم رہا ہوں اب اگر اس طرح سے بھی داخل سلسلہ ہو جاؤں تو یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت ہے۔

آپ کی صلاح و فلاح کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نسبت کی دولت سے آپ کو مالا مال فرماوے۔ میں تو اس کے لئے تلامذات قرآن کو اقرب اور اسہل ذریعہ سمجھتا ہوں اور اسی کی جانب لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں۔

میرا رسالہ ”تلامذات قرآن“ اور کتاب ”نسبت صوفیہ“ دستیاب ہو جائے تو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام خیر ختام وحی اللہ عفی عنہ۔ ۲ رجب ۱۳۸۶ھ دوشنبہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃ؎ کا جواب کس قدر تواضع اور تادب سلسلہ اور ادائے حق شیخ میں ڈوبے ہوئے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ ”میں تو آپ ہی کے یہاں کلام ممنون کرم رہا ہوں“ اسی طرح سے اس سے قبل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو تحریر فرما چکے تھے کہ ”آپ کا پردہ ہوں ہمیں شک نہیں کہ جس کو جس در سے کچھ ملا ہوتا ہے خصوصاً دینی دولت وہ اس در کو کب بھول سکتا ہے اور کیسے چھوڑ ہی سکتا ہے۔“

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب مظلّم چونکہ تھانوی تھے اس لئے ان کا اصلاحی تعلق منظور فرماتے ہوئے بھی حضرتؒ نے اپنے اس ”سلسلہ“ ہی سے وابستگی کو سبب مسرت قرار دیا کہ چلو حضرت تھانویؒ سے تعلق کی ایک اور جہت تو نکلی (اگرچہ پہلی مرید ہو کر کھتی اور یہ مراد ہو کر سمجھی)۔ راقم مرتب عرض کرتا ہے کہ اس کے بعد اتنا ذی مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ کا خط میرے پاس آیا کہ حضرت نے ان کتابوں کے متعلق ہدایت فرمائی ہے اور یہاں ان کا مناشکل ہے لہذا تم بھیج سکو تو بھیج دو۔ میں نے دونوں کتابیں رجسٹری کر دیں۔ یاد پڑتا ہے کہ پھر اس کے بعد مولانا کا ایک اور خط حضرت والا کے پاس آیا تھا جس میں کتابوں کے مطالعہ اور اس کے تاثر کا ذکر تھا مگر وہ خط مجھے نہ مل سکا۔ اس سے حضرتؒ کا خلوص تعلق بالشیخ کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے ساتھ ادنیٰ ربط کی بھی دل سے قدر کرتا ہے۔

فی النجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا

بلبل ہمیں کہ قاسیہ گل شود بسلامت

حالات مصلح الامۃ

(گزشتہ سے پوسٹ)

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی کے خط کے بعد خیال تھا کہ یہ سلسلہ یہیں ختم کر دیا جائے اور اب سے حالات کو سوانح کے طرز میں منتقل کر کے ابتدائی حالات کا بیان شروع کر دیا جائے لیکن صلی ماکل مایتمنی المرء یدرکہ، انسان کی ہر خواہش پوری ہی نہیں ہو جایا کرتی یہ ارادہ بھی اس لئے نہ پورا ہو سکا کہ احباب نے حالات لکھنے کا وعدہ تو فرمایا لیکن ابھی تک ہم کو ان کی تحریریں حاصل نہ ہو سکیں صرف دو حضرات نے کچھ ابتدائی واقعات ارسال فرمائے ہیں۔ اس قدر بھی اس کا انتظار ہے۔ گو ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے بعض احباب کو بھینسی کے ساتھ حضرت کے ابتدائی حالات معلوم کرنے کا شوق اور انتظار ہو گا تاہم اس وقت کی تاخیر کی تکلیف اس صنیق سے تو کم ہی ہوگی جو کہ حالات بیان کرتے کرتے سلسلہ کے منقطع ہو جانے سے آپ کو ہوگی۔ لہذا اس وقت ہم آپ کے سامنے حضرت اقدس کے اپنے احباب خاص کے ساتھ ایک خاص تعلق اور محبت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے حضرت والاؒ کے اور مخدوم و محترم جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب جو پوری ثم کر ابوہی کے مابین جو چند خطوط ہمیں ملتے ہوئے ہیں ان کو پیش کرتے ہیں

(ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب جو پوری اور حضرت مصلح الامۃؒ)

نمبر ۵۵ء میں جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت مصلح الامۃؒ کو یہ خط ارسال فرمایا۔

منظمی و محترمی دامتہ فیوضہم و دامتہ برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابنہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوگا۔ بحمد اللہ ہم لوگ بھی مع النحر ہیں۔ آپ کی اکثر یاد آتی ہے اور ذکر ہو جایا کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں مولوی اسلام اللہ صاحب سے ملاقات ہو گئی ہے۔ بڑی محبت فرماتے

ہیں اور اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے فیوض و برکات کا تذکرہ رہا کرتا ہے۔ آج بھی بہت محبت کے ساتھ ذکر ہو رہا تھا بے ساختہ جی چاہا کہ عریضہ لکھوں دریافت خیریت مزاج بھی کر لوں اور اپنے لئے آپ کی توجہات اور دعاؤں کا سرمایہ بھی حاصل کر لوں۔ میں یہاں مطب کر رہا ہوں اور الحمد للہ تعالیٰ کام اچھا چل رہا ہے اس لئے مصروفیت بھی کچھ زیادہ رہتی ہے۔ تندرستی یہاں کی آب و ہوا کی وجہ سے کچھ اچھی نہیں رہتی۔ اعصاب بھی کمزور ہوتے جا رہے ہیں، آخرت کا خیال اور اپنی ناکارگی بعض وقت بہت پریشان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ایسی برگزیدہ ہستیوں سے وابستہ فرما دیا ہے کہ جس کے صدقے و طفیل میں دین و دنیا کی حقیقت تو واضح ہو گئی ہے لیکن اس کا حق ادا نہیں ہو پاتا تو بڑی مایوسی اور پریشانی ہوتی ہے۔

اس لئے کرم ہائے دیرینہ کی تقویت پر استدعا کرتا ہوں کہ میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ باقی ماندہ زندگی میں اپنی مرضیات پر کاربند ہونے کی توفیق و انصیب فرمادیں اور ان لمحات زندگی کو اپنے ذکر و فکر کا سرمایہ دار بنادیں۔ تکمیل ایمان و توثیق اعمال صائمہ کی سعادت عطا فرمادیں۔ اپنے ہی تعلق قوی کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی تعلق کے ساتھ عاقبت بخیر فرمادیں۔ آمین

احقر محمد عبدالحی عفی عنہ

(ہومیو پیتھ) (جوپور)

(حال مقیم) رہن روڈ کراچی۔ ۸ نومبر ۱۹۵۵ء
ڈاکٹر صاحب کے اس خط کا جواب اور شاید اس سے قبل بھی کسی اور خط کا جواب حضرت والا کے یہاں سے کسی خادم کے ہاتھ کا لکھا ہوا گیا جو کہ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کو شاق گذرا چنانچہ انھوں نے حضرت والا کے چھوٹے بھائی جناب حاجی اسلام اللہ صاحب کی زبانی اپنا یہ شکوہ محبت حضرت کے پاس کہلا بھیجا۔ حضرت والا کے اس جواب میں اسی کا تذکرہ ہے۔

دگر امی نامہ حضرت مصلح الامۃ بنام بناب ڈاکٹر عبدالحی حبیب الرحمن ضامنہ العالی

غایت فرمائے بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلام اللہ آئے ابن سے معلوم ہوا کہ آنجناب کا کوئی خط آیا تھا اس کا جواب میں نے خود اپنے قلم سے نہیں دیا جس کی وجہ سے آپ کو رنج ہے تو عرض ہے کہ مجھے بالکل یاد نہیں پڑتا کہ کب آپ کا خط آیا تھا۔ اب تو اکثر بیمار ہی رہتا ہوں درد تو بچ کاشتہ دورہ پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے بالکل معذور ہو جاتا ہوں۔ نماز لیٹ کر پڑھنے لگتا ہوں۔ شاید اسی حالت میں آپ کا خط آیا اور میں نے کسی دوسرے سے لکھوا دیا ہو۔ یا ہو سکتا ہے کہ میں نے خط سے آپ کو پہچانا نہ ہو۔ بہر حال کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا صورت ہوئی۔ مجھے خود حیرت ہے کہ کیسے یہ بات ہوئی اس لئے کہ اکثر دیشتر میں ہی جواب بقلم خود لکھتا ہوں۔ لہذا آنجناب للشر معاف فرمادیں۔ والسلام وصی اللہ عفی عنہ اس خط کا جواب جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے یہاں سے یہ آیا۔

نقل خط جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی ضامنہ حضرت مصلح الامۃ

یکم ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۷ھ

مغظمی و محترمی زاد اللہ مجدہم و فیوضہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا غیر متوقع محبت نامہ دل مشتاق کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ دیر تک اس کا کیف و سرور دل میں رہا اور اب تک ہے، اللہ تعالیٰ اس مخلصانہ یاد فرمائی کا اجر عظیم عطا فرمادیں۔

میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے مخصوص تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اپنے دل میں بہت محبت کا احساس رکھتا ہوں۔ ایک مدت سے آپ کے حالات فیض رسانی اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک و طریقہ تربیت و اصلاح کی اشاعت کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں بہت دل خوش ہوتا ہے اور دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ نے آپ کے فیوض و

برکات روحانی کو ہمیشہ دائم قائم رکھیں۔ آمین اور خلق اللہ کی دینی تشنگی کی سیرابی کے لئے نادیدہ چشمہ ہدایت بنائے رکھیں۔ آمین۔

میں نے قیام جونپور میں ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ کراچی سے تقریباً سات آٹھ سال ہوئے دریافت خیریت و طلب دعا کے لئے ایک عرصہ ارسال خدمت کیا تھا مگر دونوں بار یہ معلوم ہو کر کہ جناب والائے اپنے دست مبارک سے جواب تحریر نہیں فرمایا۔ کچھ طبعی ملال ضرور ہوا۔ میں تو وجہ خاص کا منتظر اور جو یا تھا حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا مذاق خصوصی یہ تھا کہ اپنے خادمان خاص اور اعزاء کو بطور خود بھی یاد فرمالتے تھے اور خطوط تو ہمیشہ اپنے ہی دست مبارک سے ان کو تحریر فرماتے تھے بعض وقت خصوصی تعلق والوں سے جوابی لفافے یا ٹکٹ بھیجنے پر شکایت بھی فرماتے تھے۔ اگر غور کیا جائے تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے اس انداز خیال فرمائی میں تعلقات محبت کی ترقی کیلئے بڑی جاذبیت محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادیں مجھے آپ کی تحریرات نہ ملنے پر یہ گمان پیدا ہوا کہ آپ نے حضرت والارحمۃ اللہ کے اس مذاق کی رعایت نہیں فرمائی اور آپ نے اس ناکارہ کو براہ راست قابل التفات نہ سمجھا۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی استحقاق نہ تھا پھر بھی قلق ہوا اور آئندہ خط و کتابت جاری رکھنے کے لئے دل آمادہ نہیں ہوا۔

لوں تو مجھے آپ سے زیادہ ملنے جلنے کا موقع اور سعادت زیادہ نصیب نہیں ہوئی لیکن آپ کی محبت و بے تکلفانہ اور سادگی طبع کی ہمیشہ قدر رہی اور آپ جب کبھی ملے بہت ہی مخلصانہ انداز سے ملے میرا جی چاہتا تھا کہ اگر ملاقات کے امکانات بعید ہیں تو خط و کتابت ہی سے زیادہ سے زیادہ آپ کا قرب باطنی حاصل کروں اور آپ کی توجہات محبت سے بہرہ اندوز ہوں۔ یہی جذبہ داعی ہوا کہ مولوی اسلام اللہ صاحب جب آپ کی خدمت میں جانے لگے تو میں نے خاص طور پر اپنی پُر خلوص و محبت آمیز شکایت آپ تک پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب بلند فرمادیں آپ نے بہت جلد تلافی مافات کے لئے مری دیکھائی اور دل نوازی فرمائی۔ میں اس کو اپنے لئے سرمایہ

سعادت سمجھتا ہوں۔ جزاکم اللہ خیراً

آپ کی صاحبزادیوں کے انتقال کی المناک خبر موصول ہوئی تھی۔ ان کے لئے دعائے مغفرت اور آپ کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب حزین کو اپنی صلوات و رحمت سے سکینہ تام عطا فرماتے رہیں۔ آمین

میں اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں کے سلسلہ میں ایک بہت ہی ناکارہ اور کم عمل غافل فرد ہوں۔ مری خراب شدہ استعداد باطنی کی درستی اور صلاح و فلاح دارین اور عاقبت بخیر ہونے کے لئے دعا فرمائیں۔ میں بھی دل و جان سے آپ کے تمام مقاصد قلبی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ فقط احقر محمد عبدالحی عفی عنہ

اس خط کا جواب حضرت آدس کے یہاں سے جو گیا ناظرین کرام اس کو ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف نے جب انتہائی خلوص کے ساتھ دل میں جو کچھ لکھا اس کو صاف صاف حضرت سے بیان فرما دیا تو حضرت والا پر ان کے اس پر خلوص مشکوہ کا اور محبت آئینہ شکایت کا کتنا شیریں اثر پڑا کہ سارا خط ہی کیف و سرور اور خلوص و محبت اور عنایت و الفت سے پُر ہے۔ اور آج جب کہ ہم پر ان شیریں الفاظ کا اثر ہو رہا ہے اور اس کی چاشنی سے ہمارے کام و دہن لطف اندوز ہو رہے ہیں تو خود صاحب معاملہ کو ان کا کیا کچھ لطف آیا ہوگا

ساتی تراستی سے کیا حال ہوا ہوگا

جب تو نے یہ مے ساتی سا غریں بھری ہوگی

اور اس لذت کا منشاء اور سبب وہی قلبی اور روحانی دلی اور باطنی۔ اور لٹری انشور محبت تھی جس سے ان بزرگوں نے حصہ وافر پایا تھا۔ کیونکہ

بے محبت نہیں لے ذوق شکایت کے مرنے

اور — بے شکایت نہیں لے ذوق محبت کے مرنے

اللہ تعالیٰ اس صدق و صفائی اور خلوص و محبت کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب فرمادیں

آمین۔ اب حضرت والا کا وہ جواب ملاحظہ فرمائیے۔

(جواب حضرت مصلح الامتینام ڈاکٹر محمد عبدالحی ضامنظر)

عنایت و کرم فرمائے بندہ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ کہ میرے خط سے جناب والا کو کیف و سرور رہا اور اب تک ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ یہ کیف رکھے آپ نے جو کلمات محبت تحریر فرمائے ہیں وہ ہمارے لئے بہت کچھ ہیں بھائی اسلام اللہ صاحب اس وقت موجود ہیں ان سے دریافت فرمائیجے گا معالجہ نے کام کرنے سے منع فرما دیا تھا اپنے اکابر کے خطوط کے جواب بھی دوسروں کے قلم سے جاتے تھے باقی مضمون میں خود بتاتا تھا اور خطوط پڑھوا کے سنتا تھا بعض دفعہ بہت مجبوری ہو جاتی ہے بہر کیف آپ کی دلی محبت و عنایت کا ممنون ہوں کہ آپ نے اس کا شکوہ بھائی سے کیا کہ جس سے مجھ کو معذرت کا موقع ملا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے میری لڑکیوں کی مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہے اور میری صحت کے لئے بھی اور خدمت دین اور اس میں خلوص کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہم دونوں میں کامل الفت عطا فرمادیں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ بقلم خود

(اس کے جواب میں جناب ڈاکٹر ضامنظر العالی کا یہ خط آیا)

معظمی و محترمی دامت فیوضہم و برکاتہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا۔ آپ کے محبت نامہ سے محبت دینی کے منتظر جذبات پھر بیدار ہو گئے۔ جزاک اللہ تعالیٰ۔ آپ نے آخر میں جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں میں کامل الفت عطا فرمادیں اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائیں اور میرے لئے اس کو سزاۃ آخرت بنا دیں۔ مجھے آپ حضرات کی مخلصانہ دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب اکثر دریافت خیریت اور

طلب دعا کی سعادت حاصل کرتا رہوں گا۔ اس خط کے جواب کی اب زحمت نہ فرمادیں
آپ کی خیریت مزاج مختلف ذرائع سے معلوم ہوتی رہتی ہے۔ میں انشاء اللہ خود
لکھتا رہوں گا آپ اب بلا تکلف جواب خط دوسروں سے لکھوا دیا کریں۔ مجھے آپ کا
عذر معلوم ہو کہ الحمد للہ اب کسی قسم کا وہم بھی نہ رہا اور آپ کے اخلاص و محبت کی
بے انتہا قدر ہوئی مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔ میں بہت ہی ناکارہ ہوں۔ بزرگوں
کی جیشم کرم سے بڑی تقویت ہو جاتی ہے۔

آپ کی صاحبزادیوں کے لئے دعائے مغفرت اور آپ کے لئے دعائے صبر جمیل
کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ فقط برادر م اسلام اللہ صاحب کی
خدمت میں ہدیہ سلام سنون اور استدعائے دعائے خیر معروض ہے۔
طالب دعائے خیر احقر محمد عبدالحی
راہسن روڈ۔ کراچی

۱۵ اکتوبر ۱۹۶۷ء ۱۳ رجب ۱۳۸۷ھ

اس کے بعد حضرت والا کا کوئی اور خط گیا تھا جس کی نقل مجھے نہ مل سکی۔
ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کے یہاں سے اس کا یہ جواب آیا۔

(نقل خط جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہ العالی)

محرمی و معظی دامتہ فیوضہم و مدظلہم العالی

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت و شفقت نامہ سے دل کو بڑی تسکین و مسرت ہوئی۔ بحمد اللہ تعالیٰ اب
صحت و قوت بحال ہو رہی ہے۔ مزید بلکہ مستقل دعاؤں کے لئے بشرط یا مستدعی ہوں
آپ کی صحت و تندرستی اور تادیر فیوض و برکات روحانی جاری رہنے کے لئے
دل و جان سے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔

آپ نے جو اس تعلق خصوصی کا اظہار فرمایا ہے میرا دل اس کے کیف سے معمور ہے

جزاک اللہ خیراً کثیراً

اداے حق محبت عنایت است نہ دوست
وگر نہ بندہ مسکین بہ پیچ خر سندہ است

آپ نے مجھے جوابی لفافہ وغیرہ بھیجنے سے منع فرمایا ہے۔ میں تو صرف انتخاب کی فکر و زحمت بچانے کے لئے اور جواب میں سہولت کے لئے ایسا انتظام کرتا تھا۔ مگر آپ نے کچھ ایسے تعلق خاص اور خلوص و محبت کے انداز میں اس سے منع فرمایا ہے کہ اس کی قدر نہ کرنا بڑی سعادت سے محرومی ہے۔ ہمارے حضرت قدس سرہ العزیز کا بھی مذاق یہی تھا کہ اعزاد و احباب خاص سے جوابی لفافہ کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ انھیں الفاظ میں منع فرماتے تھے جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔

چونکہ ابھی میرے پاس چند لفافے موجود ہیں اس لئے اجازت چاہتا ہوں کہ انکو استعمال کروں۔ فقط والسلام۔ احقر محمد عبدالحی عفی عنہ

۵ اشعبان المبارک ۱۳۸۰ھ

روز دوشنبہ

(جواب حضرت مصلح الائمۃ بنام جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہ)

محبی و محترمی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں آپ کی خیریت سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کامل کے ساتھ رکھے آپ کی دعاؤں سے بہت خوشی ہوتی ہے اور دل میں قوت پیدا ہو جاتی ہے برابر دعا کرتے رہے جب یہ لفافے باقی نہ رہیں ضرورت جوابی لفافہ کی نہیں ہے۔ والسلام عفی عنہ

وصی اللہ عفی عنہ

(حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہ العالی اور حضرت مصلح الامۃ)

تھانہ بھون سے دو تین میل کے فاصلہ پر جلال آباد نامی ایک پرانا قصبہ آباد ہے۔ حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ کے مخصوص خلفاء میں سے ایک بزرگ مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب علی گڑھی مدظلہ العالی نے اسی کو اپنا مسکن تجویز فرمایا۔ چنانچہ یہاں ایک بہت بڑا عربی مدرسہ اور ایک نہایت ہی خوشنما اور عالیشان مسجد تعمیر فرمائی اور اس طرح سے حضرت مولانا ہی کی زیر سرپرستی یہاں مدرسہ اور خانقاہ دونوں کا نظم ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور طلبہ اور طالبین دونوں ہی جماعتوں کو حضرت مولانا مدظلہ سے استفادہ کا موقع حاصل ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذلک -

حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ نے پورب کا سفر غالباً نہیں فرمایا یا کم فرمایا کیونکہ ادھر اطراف آبادیاں عظیم گدھ وغیرہ میں مولانا کا آنا کبھی سنا نہیں گیا اور شاید ہی وجہ اسکی بھی ہوئی ہو کہ قیام تھانہ بھون کے بعد سے مولانا موصوف کی ہمارے حضرت مصلح الامۃ سے ملاقات عرصہ تک نہ ہو سکی اور کم از کم میرے علم میں تو ان دونوں بزرگوں کے درمیان مکاتبت کا ہونا بھی نہیں آیا تاہم قلت مکاتبت یا عدم مکاتبت کے یہ معنی بھی نہیں کہ اہم ان حضرات میں تعلق اور محبت کی کمی تھی، نہیں بلکہ بات یہ تھی کہ ان دونوں بزرگوں کے پاس مستقل ایک ایک کام تھا جس میں یہ حضرات مشغول تھے اور یہ مشغولی دوسری جانب توجہ کرنے کا موقع ہی نہ دیتی تھی جیسا کہ آپ نے ابھی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کے حالات میں بھی ملاحظہ فرمایا کہ انھوں نے بھی اسکا اظہار فرمایا تھا کہ — ”خط بکھنے کا اتفاق طرفین سے کم تھا“ — لیکن اسکے باوجود آپ نے یہ بھی دیکھا کہ قلبی تعلق اور محبت میں اس قلت مکاتبت کا کوئی اثر نہ تھا۔ اسی طرح سے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہ کا بھی آنا جانا گو کم رہتا تھا مگر دلی لگاؤ اور قلبی محبت میں ان دونوں بزرگوں میں مطلقاً کمی نہ تھی بلکہ جس طرح اسماء دونوں حضرات تو اُم تھے قلباً بھی محبت میں کم نہ تھے۔

حالات مصلح الامۃ کے سلسلہ میں جی چاہتا تھا کہ مولانا جلال آبادی مدظلہ کے بھی کچھ ارشادات اور واقعات اگر مل جاتے تو یہاں پیش کرتا لیکن مولانا جلال آبادی مدظلہ سے دو ایک بار زیارت و ملاقات کے باوجود اتنا قرب و تعارف اس خادم کو نہ ہوسکا کہ خود براہ راست حضرت ہی سے کچھ دریافت کرنے کی جسارت کرتا لیکن طلب شاید صادق تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں مدد فرمائی اور حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ کے کچھ ارشادات بھی مل گئے نیز حضرت مصلح الامۃ سے مولانا موصوف مدظلہ کی ایک دو ملاقات کی روداد بھی معلوم ہوئی۔ چنانچہ ہم پہلے اسی ملاقات کی تفصیل عرض کرتے ہیں۔ اسکے بعد بعض ارشادات پیش کریں گے۔

حضرت مولانا مسیح احمد صاحب مدظلہ کی حضرت مصلح الامۃ سے ملاقات

غالباً صفر ۱۳۵۷ء میں جس زمانہ میں کہ حضرت مصلح الامۃ کا قیام ممبئی میں تھا اور حضرت اقدس علییل و ضعیف تھے مولانا مسیح احمد صاحب مدظلہ کا اپنے ایک طویل سفر کے سلسلہ میں ممبئی بھی جانا ہوا، حضرت مصلح الامۃ کے قیام کی خبر پا کر ملاقات کے لئے ایک دن حضرت کے پاس کُلا تشریف لے گئے اور سفر سے واپسی کے بعد اپنی اس ملاقات کا مفصل حال خود مولانا موصوف ہی نے کسی کو لکھا

تحریر فرمایا کہ ممبئی سے جلال آباد پرسوں واپس آیا سفر میں بیمار رہا۔ حضرت مولانا شاہ دہی احمد صاحب سے ملاقات ہوئی اور دوبار ہوئی۔ پہلی بار شام کو پہونچا تو مجلس ہو رہی تھی باوجود لاڈ و اہمیت کے آواز لوگوں تک کم پہونچتی تھی، حاضری کی اطلاع دی گئی فوراً ارشادات بند فرما کر یاد فرمایا۔ بندہ حاضر ہوا خود مولانا (ملاقات و معانقہ) کے لئے اٹھنے لگے۔ میں نے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہی رہنے کے لئے اصرار کیا۔ بہت کمزور ہیں بات بھی مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دیوبند سے جناب قاری صاحب مدظلہ کا دعوت نامہ ۱۱؎ کا بھیجا ہوا آچکا تھا اور عام چرچا تھا کہ حضرت اقدس دیوبند تشریف لے جانے والے ہیں حالانکہ حضرت نے کوئی وعدہ ابھی نہیں فرمایا تھا بلکہ

بعض حالات کا انتظار تھا جس کے سبب تردد تھا مگر عام شہرت کی وجہ سے حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب نے بھی یہ تحریر فرمایا تھا کہ مجھے حضرت والا کا ارادہ سفر بہت بڑی خوش نصیبی اور سعادت سمجھ میں آتی ہے اور اس بات کا یقین پختہ تر ہوتا جا رہا ہے کہ اولیاء امت بالخصوص حضرت والا دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ اور استحکام کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں۔ انہیں حالات سے متاثر ہو کر مولانا جلال آبادی نے بھی اگلی گفتگو فرمائی) اثناء گفتگو میں میں نے مدرسہ دیوبند تشریف آوری کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ اب میں وہاں کیا جاؤں وہاں تو اکابر موجود ہی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں کے حضرات کی خواہش ہے کہ آپ وہاں تشریف لیجائیں۔ فرمایا یہ صحیح ہے مگر مجھ سے وہاں بھلا کیا کام ہو سکے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ تشریف لیجائیں تو لوگوں کو آپ سے مناسبت ہوگی اور منشاء والا کے مطابق کام کرنے کا احساس پیدا ہوگا۔ فرمایا کہ اچھا تو پھر آپ ہی مشورہ دیجئے کہ اس سلسلہ میں آپکی کیا رائے ہے۔ آیا میرا وہاں جانا کچھ مفید ہوگا؟ اس پر بندہ خاموش ہو گیا اور پھر دوسری باتیں ہونے لگیں پھر تقریباً دیر کے بعد میں مولانا سے رخصت ہو کر کار پر چلا آیا ابھی بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتے ہیں پیچھے حضرت مولانا کے بڑے داماد (جناب قاری محمد مبین صاحب مظلے) چلے آ رہے ہیں انہوں نے ایک رقم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت والا نے یہ یہیہ جناب کو مرحمت فرمایا ہے۔ بندہ نے یہ کہتے ہوئے لے لیا کہ بہتر ہے حضرت کا تبرک ہے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب آئے اور کہا کہ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ دیوبند جانے کے متعلق آپ جو فرمادیں وہی منظور ہے۔ بس فیصلہ آپ ہی کی رائے پر موقوف ہے بندہ نے عرض کیا کہ حضرت سے فرمادیجئے کہ اب تو کل مجھے ایک سفر پر جانا ہے واپسی میں میں خود حاضر ہو کر اس سلسلہ میں کچھ عرض کر دوں گا۔

(دوسری ملاقات)

سفر سے واپسی کے بعد میں پھر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیر تک

گفتگو رہی اسمیں سفر دیوبند کا بھی ذکر آیا میں نے لوگوں کی خواہش اور انتظار کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ اپنے اکابر کے طرز پر طریق اور تصوف کا پیش کرنے والا اب کوئی نہیں ہے اسلئے ظاہر ہے کہ طریق سے لوگوں کو بُعد ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کی تشریف بری پر لوگوں کی مجالس میں حاضری ہوگی اسکی وجہ سے مناسبت پیدا ہونے کی اُمید ہے۔ مگر مولانا آخر تک یہی فرماتے رہے کہ بس آپ ہی پر موقوف ہے۔ لہذا آپ ہی دو ٹوک بات کہیں کہ وہاں جاؤں یا نہ جاؤں۔ اسپر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کی طبیعت میں ذرا قوت آجائے تو وطن کی واپسی پر کیا حرج ہے ایک بار وہاں بھی جا کر دیکھ لیا جائے لوگوں کی توجہ اور احساس اور انکے طرز عمل کا حال معلوم ہو جائے گا۔ پھر جناب کے دل میں جیسا کچھ آئے اسی کے مطابق عمل فرمائیں۔ فرمایا اچھی بات ہے۔ بس اسپر بات ختم ہو گئی اور بندہ واپس چلا آیا۔

دوسرے دن خود مولانا نے ایک صاحب کو بندہ کے پاس بھیجا انھوں نے کہا کہ حضرت والا نے سلام فرمایا ہے اور یہ بدیہ جناب کی خدمت میں بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ آپ کے آنے کے بعد فوراً ہی اسے بھیجا تھا مگر آپ کی کارروائے ہو چکی تھی۔ بہر حال بندہ نے یہ خیال کر کے اس دفعہ بھی قبول کر لیا کہ یہ ناکارہ کیلئے خوش نصیبی ہے۔ اور ان صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ تعجب ہے کہ دیوبند کے لوگ مجھے تو اتنی دور سے بلا تے ہیں در انحالیکہ میں بیمار بھی ہوں اور کمزور بھی اور آپ کیوں نہیں بلا لیتے۔ یعنی جو کام مجھ سے لینا چاہتے ہیں آپ سے کیوں نہیں لیتے۔ بندہ نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ حضرت سے سلام کہئے گا اور کہئے گا کہ وہ حضرات سب کے سب بڑے ہیں اکابر ہیں بندہ چھوٹا ہے انکے آگے کا بچہ ہے اور آپ بھی بڑے ہیں قلب میں جسکی جس قدر عظمت و وقعت اور جبرجہ جس سے مناسبت و عقیدت ہوگی اسی کے بقدر نفع ہوتا ہے۔ آپکی جانب رغبت ہے خواہش ہے اس لئے آپ تشریف لیجائیے انکو نفع زیادہ ہوگا۔ اور ان صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ جناب قاری (محمد طیب) صاحب وہاں خود ہی موجود ہیں ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔

میں نے کہا کہ حضرتؒ سے فرادینے کا یہ درست ہے لیکن بات یہ ہے کہ جناب قاری صاحب مقامی شخص ہیں دوسرے ہر وقت انہیں من حیث الایمان مختلف معاملات سے سابقہ رہتا ہے۔ اور پھر اسفار وغیرہ بھی پیش آتے رہتے ہیں اور امور مدرسہ نیز اور دوسرے تذکرے (انکی مجلس میں) آتے رہتے ہیں جس پر وہ مجبور بھی ہیں۔ اور آپ کا سفر اور مجالس خالص اسی غرض اور مقصد سے ہونگی اور لوگوں کا آنا بھی اسی اصلاحی غرض سے ہوگا۔ اور آپکی مجلس میں بس اصلاحی تذکرے تربیت سے متعلق بیانات اور ارشادات ہونگے نیز دیگر اوقات کے ملفوظات بھی اسی عنوان کے ہونگے۔ پھر خصوصی مجالس کی خصوصیات اور تاثرات اور نیت و ارادہ کے اثرات ہی کچھ اور ہوتے ہیں اور یہ سب باتیں آپ ہی میں مجتمع ہیں۔ دوسرے کے لئے ان سب کی رعایت مشکل ہے۔ اسلئے ایک مرتبہ تشریف لیجا کر دیکھ لیا جائے اور آئندہ کے لئے قلب کی شہادت کے بعد فیصلہ کا اختیار باقی ہے اسی پر عمل فرمایا جائے۔ اس کے بعد وہ صاحب واپس چلے گئے۔

للاقات اور اسکی گفتگو تو ختم ہوئی اب اسے بعد حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ نے اپنی مختلف مجالس میں حضرت مصلح الامۃ کے متعلق کبھی کبھی جو کچھ ارشاد فرمایا جو کہ میرے ایک دوست اور حضرت مولانا موصوف کے ایک شاگرد کے ذریعہ مجھے پہونچا اسکو بیان کرتا ہوں:-

ان صاحب نے مجھے لکھا کہ اس ناکارہ نے حضرت استاد مدظلہ (یعنی حضرت مولانا سیح الشہ صاحب مدظلہ العالی) سے حضرت مصلح الامت قدس سرہ کے متعلق جو ارشادات سنے ہیں جنہیں حضرت استاذی مدظلہ نے ایک خاص تاثر کے ساتھ بیان فرمایا پیش کرتا ہوں امید کہ آپ بھی محفوظ ہونگے۔

فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ وصی الشہ صاحب قدس سرہ مجھ بہت محبت فرماتے تھے چنانچہ میں جب دارالعلوم میں پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب (یعنی حضرت مصلح الامۃ) اسی وقت مجاز بھی ہو چکے تھے۔ میں کم عمر تھا اور شاہ صاحب ادھیڑ عمر کے تھے۔ اور

شاہ صاحبؒ پر جو کیفیت اپنے سر اور کان پر ہاتھ ملنے کی بعد تک سننے میں آئی وہ اس وقت بھی تھی بلکہ اس وقت تو عام اوقات ہی میں ایک جذب سا طاری ہوا محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں حضرت شاہ صاحب (یعنی حضرت مولانا شاہ وحی اللہ صاحب) میں سب سے زیادہ یکسوئی اور خلوت گزینی تھی۔ حضرتؒ اپنے مزاج اور حالات میں منفرد تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب جیسا مزاج حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے کسی نے نہیں پایا تھا۔ شاہ صاحبؒ کو تصوف میں خاص ملکہ اور ادراک حاصل تھا۔ نیز شاہ صاحب کا انداز اصلاح بھی بہت عجیب و غریب تھا (راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کے انداز اصلاح کا نمونہ تو حالات والا میں جگہ جگہ نظر سے گزرے گا اس وقت اس سلسلہ کا ایک واقعہ یاد آگیا عرض کرتا ہوں۔ ہمارے ایک دوست ہیں چودھری حبیب الرحمان صاحب جو کہ (مصنعات الہ آباد میں ایک قریبی دیہات ہے) برہنہ والی دہان کے رہنے والے ہیں ہمارے حضرتؒ سے بیعت ہیں۔ حضرت والاؒ کبھی کبھی جب شہر کی فضاں گھبراتے تو ان ہی کے دیہات چلے جاتے تھے، ایک دفعہ بعض وقتی حالات کیوجہ سے حضرتؒ بچوں کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے اور دو تین ماہ قیام فرمایا اس درمیان میں وہاں جو الہ آباد آتے تھے وہ بھی وہیں چلے جاتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ ”صدر ہر جا کہ نشیند صدر است“ حضرت والاؒ بھی جس جنگل میں قیام فرماتے تھے اس میں جنگل ہو جاتا۔ چنانچہ یہاں بھی حضرت والاؒ کے طول قیام کیوجہ سے مہانوں کی آمد و رفت کثرت سے ہونے لگی حتیٰ کہ انکے کھانے پینے کے لئے ہوٹل وغیرہ بھی قائم ہو گئے۔ انھیں دنوں موسم حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی مدظلہؒ بھی تشریف لائے غالباً تین دن قیام فرمایا انکے لئے جناب چودھری صاحب نے علیحدہ کمرے میں ٹھہرنے کا انتظام کیا خود چودھری صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک دن میں حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر تھا حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ چودھری صاحب آپ کے ہمنام ایک مولانا صاحب

اعظم گڑھ سے تشریف لائے ہیں آپ انکو پہچانتے ہیں چودھری صاحب نے عرض کیا جی اں۔ فرمایا کہ اس کے پاس جائے اور میری جانب سے ان سے دریافت کیجئے کہ اخلاص کسے کہتے ہیں؟ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ میں گیا تو مولانا حبیب الرحمان صاحب لیٹے ہوئے تھے میں نے سلام کیا اور قریب جا کر بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت والا نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اخلاص کسے کہتے ہیں؟ میرے منہ سے حضرت کا یہ سوال سنتے ہی مولانا لیٹے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھ سے اپنا سر کپڑا لیا اور ایک دو منٹ تک سر جھکائے کچھ سوچنے لگے۔ (راقم عرض کرتا ہے کہ ناظرین کرام حضرت مصلح الامۃ کی عظمت شان اور شان اصلاح و تربیت کا یہ منظر دیکھیں کہ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب جیسی عظیم المرتبت شخصیت جو کہ اس وقت استاذ العلماء کے منصب پر فائز ہے اور فن حدیث میں تو اپنی خداداد حذاقت اور لیاقت اور اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے عجب نہیں کہ منہ میں فوق السکال ہونے کا مقام آپکو حاصل ہو وہ بھی طریق باطن میں آکر اس سے متعلق شیخ وقت کے ایک سوال کو کس قدر عظمت اور تادب کے ساتھ سن رہے ہیں اور پھر اسکا جو جواب دیا ہے حق یہ ہے کہ وہ مولانا ہی کا حق تھا۔ سچ ہے صر قدر گوہر شاہ داندیا بداند جوہری) اصل یہ ہے کہ مولانا پر اس سوال کا منشاء مکشوف ہوا اور اس سے مولانا نے یہ سمجھا کہ کہ حضرت والا اس کے ذریعہ کوئی اہم علم عطا فرمانا چاہتے ہیں کسی خاص چیز کی جانب متوجہ فرمانا چاہتے ہیں درنہ تو اخلاص کے لفظی معنی کون نہیں جانتا اسلئے قدرے تامل کیا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ حضرت سے جا کر عرض کر دیجئے کہ حضرت اخلاص اسکو کہتے ہیں کہ آدمی جس کا ہو جائے بس اسی کا ہو رہے چودھری صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت والا سے جا کر حضرت مولانا کا جواب نقل کر دیا حضرت جواب سن کر مسکرائے جس سے میں نے اندازہ کیا کہ حضرت نے بھی اس جواب کو پسند فرمایا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ جواب کی خوبی میں کیا کلام ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا۔ یہی دیکھئے کہ اس بات کو ہوئے عرصہ ہو چکا ہے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ پیش آئی

ہوئی ایک گفتگو ہے مگر آپ سے کہتا ہوں کہ آج بھی اسکو نقل کرتے ہوئے قلب و قلم
ہر دو وجد کناں میں اور میرا خیال یہ ہے کہ آپ بھی اگر جسماً و قابلاً نہیں تو قلباً تو ضرور ہی
اسکو سنکر جھوم گئے ہوں گے۔ واقعی سچ سے کلام الملوک ملوک الکلام یعنی بڑے
آدمی کی بڑی بات۔ سوال تو خوب تھا ہی جواب بھی بہت خوب ہے۔ اور حضرت والا
کے اس نوع کے معاملات (یعنی سوال و جواب وغیرہ میں) بہت سی حکمتیں پنہاں
ہوتی تھیں۔ چنانچہ کبھی تو اسکے ذریعہ ذمی واسطہ ہی کو کچھ تعلیم و تنبیہ کرنا مقصود ہوتا تھا اور
کبھی اس طرز کے ذریعہ خود واسطہ ہی کو سمجھانا منظور ہوتا تھا کہ وہ کسی ذمی فہم سے
یہ سوال خود کرے اور پھر اسکے جواب کو اپنے حال پر منطبق کرے اور دیکھے کہ جب
ایسے ایسے بڑے لوگ یہاں اس عقیدت اور تواضع کے ساتھ خود کو پیش کرتے
ہیں تو ہم کو کیسا کچھ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہمارے حضرت کے یہاں یہ چیز بکثرت ملتی ہے
کہ

آپ خوش باشد کہ سردلبر اس گفتمہ آید در حدیث دیگر اس
فرماتے ہیں کہ بھائی اس زمانہ میں کسی کو یہ کہنا کہ تم منافق ہو بڑا مشکل کام ہے اور
کوئی شخص اسکو سننے کے لئے تیار بھی نہیں ہے البتہ اسپر اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ دیکھو
مخلص کے یہ معنی ہیں جس کو وہ اپنے اوپر منطبق کر کے خود ہی فیصلہ کرے کہ ہم میں تو مخلصین
کی سی بات پائی نہیں جاتی ہم تو منافق معلوم ہوتے ہیں بلاشبہ مفید ہے اور
اس کے لئے نافع بھی ہے۔

یہ واقعہ مجھے اس پر یاد آگیا تھا کہ مولانا جلال آبادی مدظلہ نے فرمایا تھا کہ
”شاہ صاحب کا انداز اصلاح بھی بہت ہی عجیب و غریب تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ
کے اور بھی بعض واقعات یاد آئے مگر جملہ معترضہ کے اصل مضمون سے طویل
ہو جانے کے خوف سے آئندہ تجدید منشیط کے لئے اسے محفوظ رکھتا ہوں۔“

باقی حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب نے یہ جو فرمایا کہ "شاہ صاحب میں ہم سب لوگوں سے زیادہ یکسوئی اور خلوت گزینی تھی" تو یہ حضرت کے ابتدائی مجاہدہ کا بیان تھا اور ایک طالب حق کے لئے راہ سلوک میں یہ ناگزیر بھی ہوتا ہے۔ حضرت جیند کا مقولہ حضرت والہ سے سنا فرماتے تھے کہ الا اتصال بالحق بقدر انفصال عن الخلق یعنی جس قدر بندہ مخلوق سے کٹتا ہے اتنا ہی خالق سے جڑتا ہے۔ یعنی مخلوق سے جس قدر دور ہوگی اسی قدر خالق سے قرب ہوگا۔ بقول خواجہ صاحب ۷

ایک تم سے کیا محبت ہوگی ساری دنیا ہی سے نفرت ہوگئی

چنانچہ حضرت ہی کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا کہ بھائی طریق میں اول مجاہدہ ہے پھر مشاہدہ ہے اور یہ اسی مجاہدہ پر مرتب ہوتا ہے۔ اب لوگ مشاہدہ کے تو طالب ہوتے ہیں مگر اسکی جو شرط ہے یعنی مجاہدہ اس سے گھبراتے ہیں۔ یہ بات اس پر عرض کی کہ مولانا جلال آبادی مدظلہ نے فرمایا تھا کہ شاہ صاحب میں یکسوئی اور خلوت گزینی اور دوسرے حضرات کے مقابلہ میں نمایاں تھی اور مقصد اس سے یہ تھا کہ ناظرین کی خدمت میں یہ مضمون واضح ہو جائے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ طر

کچھ دنوں غم سہ لیا پھر عمر بھر سرور ہے

بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح الائمہ بھی جو آخر میں بڑھے اور چپکے تو یہی ابتدائی سکوت و خمول کا اثر اور نتیجہ تھا۔

اب آگے حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادی مدظلہ العالی کا ایک طویل ملفوظ بلکہ مختصر سی مجلس جو ٹیپ سے نقل ہو کر مجھے ملی پیش کرتا ہوں مجلس کی ابتداء تو حضرت مصلح الائمہ کے حالات کے بیان ہی سے ہوئی لیکن آگے بات میں بات نکلتی رہی اور ایک لمبا مستقل بیان ہی ہو گیا گو درمیان درمیان حضرت مولانا کا ذکر بھی آتا رہا لیکن دراصل اس میں حضرت کے صرف ایک ہی حال کا بیان ہے

جس کے بیان کے سلسلہ میں خود حضرت مولانا جلال آبادی بھی ایک مخصوص حال متصف ہو گئے ہیں اور اسی کے تحت ایک نہایت ہی مفید مضمون ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی اپنے ان دونوں بزرگوں کے مخصوص حالات سے کچھ حصہ نصیب فرمادے۔ چنانچہ اسکی افادیت ہی کے خیال سے اسکو مدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

فرمایا کہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عجیب ہی طبیعت کے مالک تھے خانقاہ میں سب سے الگ تھلگ رہتے تھے حضرت اقدس تھانوی رح کی جہاں نشست ہوتی تھی تو جس وقت حضرت مولانا وہاں تشریف فرما نہیں ہوتے تھے تو بھی دیکھا جاتا تھا کہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب ستون سے اپنی کمر لگائے ہوئے وہاں کھڑے ہوتے تھے۔ نیز یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ اور خلفا تو باہم کچھ نہیں بول بھی لیتے تھے لیکن ان کا عجیب رنگ تھا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرنے والے پر بہت سے حالات طاری ہوتے ہیں اور اسکو بہت سے مقامات پر سے گزرنا ہوتا ہے ان میں ایک مقام مقام حیرت بھی ہے کہ آدمی اپنے خیال کو ہر طرف سے ہٹا کر اپنے مطلوب اور محبوب حقیقی کی جانب توجہ کر کے اور اپنے خیال کو اسکی جانب جما کر اسطرح بیٹھے کہ پھر اس کو کسی آنے جانے والے کی بھی کچھ خبر نہ ہو۔ یہ حیرت ہے اس کے بعد پھر غیبت آتی ہے پھر استغراق ہوتا ہے پھر سکر کی حالت ہو جاتی ہے۔ گویا ایک ہی جڑ سے مختلف قسم کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ چنانچہ اسی ذوق ایمانی میں جوں جوں معرفت اللہ تعالیٰ کی بڑھتی جاتی ہے مختلف شاخیں پھیلتی رہتی ہیں جن کے یہ نام ہیں۔ وجد۔ بشارت۔ حضور قلب۔ مقام احسان۔ مقام حیرت۔ استغراق وغیرہ۔ یہ سب شاخیں ذوق ایمان ہی کی ہیں۔ سالک پر جب سکر کی حالت طاری ہوتی ہے تو پھر وہ لوٹتا ہے یا لوٹا دیا جاتا ہے۔ اگر اسکو کوئی شیخ کامل ملگیا یا اسکے کان میں پہلے سے سلوک کے مسائل پڑے ہوتے ہیں تب تو وہ خود بخود لوٹ آتا ہے ورنہ اگر حق تعالیٰ ہی کو اس سے کچھ اور منظور ہوا تو وہ سکر ہی میں رہتا ہے۔ تشریفی سلسلہ میں اگر

اللہ تعالیٰ کو اس سے خدمتِ خلق لینا نہیں ہوتا تو پھر اسکا تعلق تکوینی امور سے فرما دیتے ہیں اور تکلیف جس عقل کی متقاضی ہوتی ہے اسکے معدوم ہونے کیوجہ سے شرع اسکو معذور قرار دیتی ہے۔ پھر کبھی وہ قطب التکوین کے عہد پر فائز کر دیا جاتا ہے یا وہ ابدال بنا دیا جاتا ہے۔ پھر انھیں میں کچھ اوتا دھوتے ہیں جو عالم کے چاروں کونوں میں مقرر کئے جاتے ہیں اور انھیں میں ہے جو چھپا ہوا ہوتا ہے اسکو مکشوم کہا جاتا ہے اور وہ ان پر بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ غرض سکو میں پہونچکر کبھی تو وہ لوٹا دیا جاتا ہے یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں ہی رہا جاتا تو مولانا دوصی اللہ صاحبؒ یہ چارے الگ تھلگ رہتے تھے نماز بھی عجیب کیفیت سے پڑھتے تھے۔

دراقم عرض کرتا ہے کہ مولانا جلال آبادی مدظلہ نے حضرت کے ذکر پر اور انکے حالات کے بیان کے سلسلہ میں مقام حیرت کا جو تذکرہ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مدظلہ کے نزدیک زمانہ قیام بھقانہ بھون میں حضرت والا کچھ اسی قسم کے حالات سے متصف تھے۔ اب جو لوگ اس راہ سے گزر چکے ہوتے ہیں یا کسی اور طرح سے انکو اہل اللہ کے ان حالات کا علم ہوتا ہے وہ تو اس حال کو اور ایسے صاحبِ حال کو تحسّر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ سبحان اللہ انکا حال کیسا اچھا ہے! اے کاش ہم کو بھی اسکا کچھ حصہ نصیب ہوتا اور جو شخص اس کو چہرے نالبد ہوتا ہے اسکو اس پر تحسّر ہوتا ہے کہ یہ کیسا شخص ہے کہ عام لوگوں کی طرح سے اسکے حالات نہیں ہیں نہ ہنسا ہے نہ بولتا ہے نہ کسی سے ملتا جلتا ہے۔ بالکل آدم سا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ دُردم بیزار نہیں ہوتا بلکہ اسکا مصداق ہوتا ہے کہہ

عشق نے غالب نکما کر دیا در نہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اب حضرت مولانا مدظلہ کے اس اشارہ کے بعد سمجھ میں آیا کہ واقعی حضرت اقدسؒ پر فنا فی اللہ کا ایک خاص حال طاری تھا جس کے لوازم سے فنا فی اللہ شیخ بھی ہوتا ہے کہ وہی چونکہ ذریعہ ہوتا ہے وصول الی اللہ کا اسلئے سالک شیخ سے بھی

کم محبت نہیں کرتا اور طلب موئے کیلئے یہ تحیر لازم ہے۔ ہمارے حضرت کو یہ مقام حال اور اتصاف کے درجہ میں حاصل تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خود حضرت والائے بھی ایک مقام پر اسی تحیر کا عجب انداز میں ذکر فرمایا ہے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ مہتی بنا رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکا کسی قدر حصہ یہاں بھی بیان کر دیا جائے۔ اپنے ایک مشہور رسالہ تلماشِ مرشد کی ابتداء ہی ان لفظوں سے فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کی طلب اس داردِ دنیا میں ایمان کے لوازم سے ہے جس قدر ایمان ہوگا اسی قدر طلب ہوگی اور جس طرح سے یہ طلب ایمان کے لوازم سے ہے اسی طرح سے حیرانی اور سرگردانی بھی طلب کے لوازم سے ہے۔ اس حال کو صوفیہ بھی حیرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ حیرت محمود ہے کیونکہ ان حضرات کے یہاں حیرت کی دو قسمیں ہیں محمود اور مذموم۔ مذموم یہ ہے کہ انسان کو محبوب کی طلب سے غفلت ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے وہ راستہ ہی چھوڑ دیتا ہے اور راستہ کے چھوڑ دینے کے لئے بھی حیرانی اور سرگردانی لازم ہے یہ حیرانی مذموم ہے اور تمام دنیا داروں کو حاصل ہوتی ہے بلکہ انکے لازم حال ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اپنے مستقل مرکز یعنی اللہ تعالیٰ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور پھر انکا کوئی مستقل مرکز نہیں رہ جاتا یہی سبب بنتا ہے انکی حیرانی اور پریشانی کا کسی نے خوب کہا ہے

رہے نہ دل کیلئے کوئی مستقل مرکز یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا اور ایک حیرانی اللہ تعالیٰ کی طلب میں ہوتی ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین صالحین کو حاصل ہوتی ہے چنانچہ وجدك صلاً فہدی کی ایک تفسیر حیرانی اور سرگردانی سے فرمائی گئی ہے (یعنی ہم نے آپکو طلب مولا میں) حیراں دسرگرداں پایا پس صال کی دولت سے آپکو نواز دیا) اور یہ حیرانی اسلئے ہوتی ہے کہ ادھر کا راستہ اس قدر وسیع ہے کہ یہ حضرات اسمیں حیراں رہ جاتے ہیں اور یہ حیرانی کیوں نہ ہو؟ یہ راہ بھی تو کس کی

راہ ہے؛ یہ محبوب حقیقی کی راہ ہے۔ اس راہ میں توجب کسی کو ذرا سی بھی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو بس وہ حیران رہ جاتا ہے یہاں تک کہ بعض بعض اس مرتبہ میں مجذوب تک ہو جاتے ہیں۔ بس اسی حیرانی میں کبھی ان حضرات سے بظاہر کچھ خلاف اور خطا کا صدور بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ مذموم نہیں۔

چنانچہ امیر خسرو جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء میں سے ہیں فرماتے

ہیں

حیراں شدہ ام در آرزویت اے چشمِ جانیاں بسویت
ما ایم تیر و خموشی آفاق ہمہ بگفتگویت
خسرو بکمند تو اسیر است بیچارہ کجا رود ز کویت

یعنی میں تو تیری طلب اور جستجو میں حیران اور سرگرداں ہوں اے وہ ذات کہ دنیا کی نظریں تیری ہی جانب لگی ہوئی ہیں۔ ہم ہیں اور ہمارے لئے حیرانی و خموشی ہے اور دنیا ہے کہ تیری گفتگو میں مشغول ہے۔ خسرو تو اب تیرے کند کا قیدی ہو چکا ہے اب وہ غریب بیچارہ تیری گلی کو چھوڑ کر کہا جائے۔

اور مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ

کا ملاں کر بسر تحقیق آگہند بے خود و حیران دست و دالہ اند
نے چنیں حیراں کُشتش سو دوست بل چنیں حیراں کہ غرق دست و دست

یعنی کا ملین جو کہ راز حقیقت سے آگاہ ہیں وہ تو ہر معاملہ قدرت میں حکمت کو دیکھ دیکھ کر ہر وقت حیران دست رہتے ہیں لیکن ایسے شخص کی طرح حیران نہیں جسکی پشت دوست کی طرف ہو یعنی حق تعالیٰ سے غافل و محجوب ہو بلکہ وہ ایسے حیران ہیں کہ علوم الہیہ میں مستغرق اور مست ہیں۔

اب اس حیرانی کے ابواب کا بیان کچھ آسان نہیں ہے یہ وہ حیرانی ہے جو محبوب حقیقی کی طرف سے پیش آتی ہے اور ہر ایک کو اسکے حال کے مناسب پیش آتی ہے۔ (بات یہ ہے کہ وہ غنی ہیں طالب سے بھی اور طالبین کی طلب سے)

بھی اسلئے وہ اپنے طالبین سے بھی استغفار ظاہر کرتے ہیں۔ اب جبکہ محبوب
 ہی استغفار ظاہر کرے تو ایک طالب محب بیچارہ کیا کرے اور کہاں جائے
 بس وہ حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور بالکل اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ
 دیدار مینمائی و پرہیز می کنی بازار خویش و آتش مایز می کنی
 یعنی اسے محبوب تو اپنا دیدار بھی دکھاتا ہے اور مجھ سے اعراض و استغفار بھی
 برتا ہے اسکے ذریعہ تو تو اپنے حن کے بازار کو اور میرے عشق کی آگ کو تیز سے
 تیز تر کر دیتا ہے اور زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ

(شاهد من اھوی بغیر وسیلۃ فیلحقنی شان اضل طریقاً
 یوجج ناراً ثم یطغی برشۃ لذلک ترانی محرقاً و غریقاً
 یعنی میں اپنے محبوب کو بغیر کسی وسیلہ کے براہ راست ہی مشاہدہ کرتا ہوں تو مجھ پر
 ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ میں راستہ ہی بھول جاتا ہوں۔ وہ محبوب میرے
 دل کی آگ کو اول تو بھڑکاتا ہے پھر اس پر چھینٹے ڈال کر بجھا بھی دیتا ہے یہی وجہ
 ہے کہ جسکی بنا پر تم جھکو آگ میں پڑا ہوا اور پانی میں ڈوبا ہوا دیکھتے ہو۔ اور اسی
 حال میں وہ کہتا ہے کہ

باغ میں لگتا ہنیں صحرا سے گھبراتا ہے دل اب کہاں لیجا کے بیٹھیں یسے دیوانے کو ہم
 اور محبوب کے لئے تو یہ بے نیازی لازمی ہے جیسے عشاق کیلئے نیاز و طلب
 لازم ہے۔ چنانچہ وہ اپنے عشاق کا اس میں امتحان لیتے ہیں کہ
 مزا آتا ہے انکو چھوڑنے میں اپنے عاشق کے کبھی سرور کرتے ہیں کبھی رنجور کرتے ہیں
 اس پر کسی عاشق نے بھی خوب ہی کہا ہے کہ

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے بے نیازی تری عادت ہی یہی
 یہی وجہ ہے کہ سالک کو کبھی کبھی قبض پیش آ جاتا ہے۔ پس جب حیرانی طریق کے
 لازم سے ہے تو ہر طالب میں اسکا کم و بیش ہونا ضروری اسی لئے کسی طالب کو کوئی
 اصول اور طریقہ جب سکھایا جائے گا تو بصیرت حاصل ہونے سے پہلے وہ کسی اصول

رہے گا نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی اسکے شامل حال ہو جائے اور وہ اپنے طلب کے امتحان میں کامیاب ہو جائے۔ انتہی۔ (تلاش مرشد ص ۳)

دیکھا آپ نے۔ سبحان اللہ کیا کلام فرمایا، چونکہ قاعدہ ہے کہ "از دل فیزد بر دل ریزد" ضربات جب دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ اس کلام کا بین اثر آپ بھی محسوس فرما رہے ہوں گے۔ تو مولانا جلال آبادی مدظلہ نے بیچ فرمایا کہ "مولانا شاہ وصی اللہ صاحب عجیب طبیعت کے مالک تھے۔ خانقاہ میں سب سے الگ تھلگ رہتے تھے دیر دیر تک شیخ تھانوی کی نشست گاہ میں تنہا ستون سے ٹیک لگائے خاموش کھڑے رہتے تھے سکوت و خاموشی لازم حال تھی غرضیکہ انکا عجیب رنگ تھا اور کوئی بھی انکا ہمرنگ نہ تھا۔ اور تخیرو سکوت کے مقامات پر ہونچکدواں سے مخلوق خدا کی خدمت تشریفی کے لئے واپس کر دیئے گئے تھے یعنی مجذوب نہیں تھے بلکہ ہنایت ہی باہوش سالک تھے۔ چنانچہ مولانا جلال آبادی ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاہ صاحب کو تصوف میں خاص ملکہ اور درک حاصل تھا یہ خلاصہ ہے مولانا موصوف کے یہاں تک کے ارشاد کا۔ اب آگے مولانا جلال آبادی مدظلہ کی بقیہ تقریر سنئے :-

فرمایا کہ مولانا وصی اللہ صاحب بیچارے سب سے الگ تھلگ رہتے تھے اور نماز تو عجیب کیفیت سے پڑھتے تھے۔ خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ایمان اصل ہے اور اسکی بہت سی شاخیں ہیں مقام حیرت بھی اسکی ایک شاخ ہے ایمان سبکی اصل ہے۔ چنانچہ ایک مومن کو سن حیثیت الایمان یہ لازم ہے کہ وہ سوچتا رہے کہ میں ہوں کیا؟ تاکہ اپنی معرفت کے بعد اسکے لئے اپنے منصب کا سنبھالنا آسان ہو جائے۔ جس طرح کہ ایک شیر ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو سمجھ لیتا ہے کہ میں شیر ہوں تب وہ اپنا منصب سنبھالتا ہے یعنی شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے لہذا وہ اور دوسرے جانوروں کے ساتھ کوئی چھڑی حرکت نہیں کرتا نہ انکو چھیڑتا ہے نہ ان سے غراتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ میں ان سب کا حاکم ہوں میرا کام تختل ہے۔ ایثار اور

رحمدلی میرا پیشہ ہے۔ یہ میں بطور تمثیل کے بیان کر رہا ہوں۔ آپ خود دیکھئے، فرض کیجئے کہ ایک شیر جا رہا ہے ریل کی پٹری پر اور ہر سے ایک آدمی آ رہا ہے آدمی کو دیکھ کر شیر کھڑا ہو گیا دوسری جانب وہ آدمی بھی شیر کو دیکھ کر ڈر گیا اور کھڑا ہو گیا۔ شیر نے جب یہ دیکھا کہ آدمی ڈر رہا ہے تو اپنا رخ اور ہر سے پھیر لیا اور جسم کو سادھ کر ایک جست لگا کر دوسری پٹری پر چلا گیا اور راستہ اس آدمی کے لئے چھوڑ دیا کتنا ایثار کیا اس آدمی کیلئے جانتے ہو کیا بات ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ میں بڑا ہوں، اس سے بڑا ہوں۔ اور ہم نے تو اب تک یہ بھی نہ جانا کہ بڑا کہتے کس کو ہیں؟ کسی بڑے کی پیشانی پر تو لکھا ہوتا نہیں کہ وہ بڑا ہے۔ بڑا اپنے حالات اور صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے اندر تواضع ہوتی ہے، دوسروں کی رعایت ہوتی ہے، ایثار اور تسامح ہوتا ہے۔ چنانچہ تکبر کرنا بڑے کا شیوہ نہیں۔ دیکھو شیر نے جب اپنا بڑا ہونا جان لیا تو اسکے اندر ایثار، چشم پوشی، رعایت یہ سب خصلتیں آئیں اور تکبر اور اوجھاپن سے وہ دور رہا۔

اسی طرح سے سمجھو کہ دنیا میں ایمان کی روشنی مومن کو اسی لئے دی گئی ہے کہ وہ اس سے پہلے اپنے کو پہچانے اگر کسی نے اپنے ایمان سے خود اپنے ہی کو نہ پہچانا تو اس نے کیا کیا؟ مومن کی نظر اپنی حقیقت پر ہونی چاہیے کیونکہ وہ بہت بڑے وصف کا حامل ہے۔ مومن ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے جس کے ساتھ یہ مومن بھی متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ تو دیکھو! اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پس مومن کا باری تعالیٰ کے ساتھ یہ اشتراک اسم جو ہے یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے یہ اشتراک اسمی بہت بڑا شرف ہے۔ لہذا اب مومن سوچے کہ جب مجھے شرکت اسمی حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کیا ہیں اور ہمارے اوصاف کیا ہیں اور اس شرف کے تقاضے ہم میں کیسے ہونے چاہئیں اگر مومن صرف اسی ایک بات کا مراقبہ کرے کیا یہ اسکی اصلاح کیلئے کافی نہیں؟ بیشک کافی ہے یہ تصور قلب میں ایک تحریک پیدا کر دیگا۔

مگر ہمارا یہ حال ہے کہ آج اگر تھوڑی دیر ذکر کر لیا یا اگر تھوڑی دیر تلاوت کر لی تو بس اسکو کافی سمجھ لیا حالانکہ یہ سب مبادی ہیں مقاصد ان سے بہت آگے ہیں۔ ہم مبادی ہی پر قناعت کر لیتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں یہ حال صحیح نہیں ہے مقاصد تک پہنچنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ سالکین کی یہ انتہائی کم ہمتی اور سستی ہے کہ وہ مقصد کے حصول میں نہیں لگتے اور لطف یہ کہ پھر جب وہی سست ہو گئے تو مشائخ نے بھی صبر کر لیا اور ان سے اعلیٰ مقاصد تک سلوک کا مطالبہ ہی ختم کر دیا اور یہ کبکرتسلی کر لی کہ خیر اس زمانہ میں اتنا بھی بہت ہے۔ حالانکہ سلوک کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ضرورتیں اور محرمات سے بچ جائے اور بس یہ تو عام ایمان کا تقاضا ہے یعنی اتنا تو ہر عامی مسلمان کو کرنا ہی چاہیے۔ باقی رہا سلوک تو اس میں آکر تو کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے۔ وہ کیا کرنا پڑتا ہے سینے!

دو شخص ہندوستان سے بخارا گئے حضرت شیخ نظام الدین لمجیؒ کی خدمت میں بیعت ہونے کے لئے جوض پر وضو کر رہے تھے اور حسب عادت دنیا کی بات چیت بھی جاری تھی شیخ نے انکی جانب بکھانکا موقع پر گفتگو کرنا پسند نہیں ہوا کیونکہ وضو کے وقت دنیا کی بات چیت کرنا ویسے بھی مکروہ ہے پھر ایک سالک سے جو کہ ایک شیخ سے مرید ہونے گیا ہوا اور خود کو سالکین راہ مولیٰ کے زمرہ میں داخل کرنا چاہتا ہوا اس سے تو نہایت درجہ بڑا ہے اس لئے کہ وضو آلہ اور وسیلہ ہے نماز کا اور آلہ بقدر عمدہ ہوتا ہے مقصود اسی قدر اچھی طرح حاصل ہوتا ہے۔ دیکھو! چاقو تیز ہوگا تو قلم ٹھیک بنے گا۔ کلہاڑی تیز ہوگی تو لکڑی جلد اور آسانی سے پھاڑی جاسکے گی۔ جب آدمی چیزوں کا یہ حال ہے تو اسی طرح سے روحانی چیزوں میں سے جو چیز عبادت بلکہ افضل العبادۃ ہو اسکا آلہ کیسا ہونا چاہیے لہذا جبکہ نماز اعظم مقاصد دین سے ہے تو اسکا آلہ بھی کس درجہ مہتمم بالشان ہونا چاہیے! پس وضو کرتے میں دنیا کی بات چیت کیسی؟ اسی لئے شیخ کو ناگوار ہوا

ان سے دریافت فرمایا کہ کیا بات کر رہے تھے ایک نے عرض کیا کہ حضرت میں حوض کے متعلق ان سے کہہ رہا تھا کہ ہمارے یہاں کا حوض اس سے بہت بڑا ہے۔ شیخ نے یہ سنکر فرمایا کہ تم دونوں ابھی ہندوستان واپس جاؤ اور اپنے حوض کو ناپ کر آؤ اور بتاؤ کہ اس حوض سے وہ کتنا بڑا ہے۔ شیخ کا حکم پا کر وہ دونوں واپس آئے اور حوض کی پیمائش کی اور پھر ہندوستان سے بخارا گئے اور جا کر شیخ سے عرض کیا کہ حضرت وہ حوض اس حوض سے ایک بالشت بڑا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم تو کہہ رہے تھے کہ بہت بڑا ہے ایک بالشت بڑے ہونے کو تو بہت بڑا "نہیں کہا جاتا پھر تم نے اس مبالغہ اور غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری طبیعت میں جھوٹ بولنے کی اور مبالغہ آمیزی کی عادت ہے۔ مزاج میں احتیاط نہیں ہے۔ جاؤ تم کو بیعت نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب ایسی موٹی موٹی باتوں سے نہیں بچتے ہو تو میں تمہیں باریک باریک باتیں طریق کی کیا تعلیم دے سکوں گا۔ آدمی کو تو اس قسم کی برائیوں کو اپنے گھر ہی پر سے ترک کر کے آنا چاہیے۔

یہاں پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ تو اپنی اصلاح کے لئے گئے تھے پھر شیخ نے انکو نکال کیوں دیا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ شیخ نے ایسا انکی اصلاح ہی کے لئے کیا اور اسکے ذریعہ انکو اس قسم کے محرمات سے توساری عمر ہی کیلئے تنبیہ فرمادی اور اصلاح کے لئے ہمت پیدا کر دی کیونکہ اصلاح کے لئے ہمت ہی تو اصل چیز ہے۔ سبحان اللہ شیخ نے کس قدر فوری داعیہ اصلاح اور استقامت کا انکے اندر فرما دیا۔ ایک نیکو پیدا فرمادی انکے دماغ کے اندر۔ کیونکہ شیخ اتنا تو سمجھتے ہی تھے کہ طالب صادق ہیں اور نفع طالب صادق ہی کو پہونچتا ہے، صرف مجلس میں آکر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ جیسا مرض ہوتا ہے ویسے ہی علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو! چھوٹی سی پھنسی ہوتی ہے تو مرہم کا پھو یا رکھ دو تو فائدہ ہو جاتا ہے اور بڑے ذنبل میں آپریشن کرانا پڑتا ہے اسی طرح سے شیخ کو جب انکے اندر کذب کا مرض معلوم ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ اوہو یہ تو بہت بڑا مرض ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومن ناکر سکتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں کر سکتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ کیا وہ جھوٹ بول سکتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں، مومن جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ جھوٹ جمع نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ جھوٹ زنا سے بھی بدتر ہے۔

لیکن آج یہ حال ہے کہ مسلمان جھوٹ کو اتنا بُرا نہیں سمجھتا جتنا زنا کو۔ ایک صحابی گاؤں کے رہنے والے تھے جب وہ ایمان لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دین کی تمام باتیں تو مجھے بھلا کہاں یاد رہیں گی کوئی ایسی بات مجھے ایسی بتا دیجئے کہ وہ میرے لئے نفع بخش ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔ ان صحابی میں زنا، جاہلیت کی تین عادتیں تھیں۔ زنا، شراب، چوری۔ چنانچہ اب جب رات ہوئی تو حسب سابق زنا کا تقاضا طبیعت پر ہوا لیکن متاخیال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توبہ کر چکا ہوں اگر آپ کو معلوم ہو گیا تو کیا جواب دوں گا؟ جھوٹ تو بولوں گا نہیں۔ یہ خیال کر کے زنا سے باز رہے۔ پھر شراب پینے کا تقاضا پیدا ہوا اس وقت بھی یہی خیال سامنے آیا کہ اگر حضور کو علم ہوا اور آپ نے دریافت فرمایا تو کیا جواب دوں گا یہ خیال کر کے اسے بھی باز رہے۔ اسی طرح چوری کا ارادہ کیا اسے بھی یہی سوچ کر چھوڑ دیا کہ اگر حضور کو معلوم ہو گیا تو کیسے چھپاؤں گا۔ جھوٹ بولنے کو تو حضور نے منع فرمایا ہے۔ غرض اس سے بھی باز رہے۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کی انسان کو عادت ہوتی ہے وقت پر اس کا تقاضا ہوتا ہی ہے۔ علاج اس کا صرف یہ ہے کہ ہمت کر کے اس کام سے رُکا رہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

میں ایک دفعہ کراچی گیا تھا وہاں پر ایک دن ایک شخص مُرخ سفید نہایت ہی خوش پوشاک مجلس میں آیا اسکو بھٹی سگریٹ کی عادت مجلس کے بعد جب وہ صاحب گھر گئے تو دل چلنے لگا کہ سگریٹ پیو، یہاں مجلس میں کچھ اثر لیکر دل ہی دل میں عہد کیا کہ آج سے سگریٹ چھوڑ دوں گا، گھر پر جب تقاضا شدید ہوا تو بہت پریشان ہوئے

بالآخر ہمت ہی سے کام لیا اور جتنی سگریٹ انکے جیب میں پڑی تھیں سب توڑ کر پھینک دیں اور گھیر پڑ جو کچھ رکھی تھیں سب نکال باہر کیا حالانکہ انکے لئے سگریٹ لندن سے آتی تھی۔ دیکھئے! اس شخص نے کتنی ہمت ہے کام لیا حالانکہ میں نے اس سے کہا بھی نہیں تھا لیکن اس نے خود بخود چھوڑ دی اور آج ہمارا یہ حال ہے کہ شیخ سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی چیزیں چھوڑنے کو تیار نہیں۔ برائی کا تقاضا نفس میں پیدا ہوتا ہی ہے۔ اسی نفسانی تقاضے کے روکنے کا نام مجاہدہ ہے۔

دیکھئے! ان صحابیؓ نے بھی اپنی طبیعت کے تقاضے کو روکا اور ایک جھوٹ سے تینوں برائیاں چھوڑ دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ایک نسخہ تینوں امراض کا علاج ہو گیا۔ اسی طرح سے حضرت نظام الدین لجنیؒ نے بھی اُن جانیوالوں کے لئے یہ نسخہ تجویز فرمایا جسکی وجہ سے ایک ہی چیز نہیں انکی کامل اصلاح کر دی ایک ذرا ہے مجاہدہ کے ذریعہ ان سے ساری عمر کا روگ ہی ختم کر دیا اور گھر بیٹھے بیٹھے محرمات سے بچنے کا ذریعہ انکے ہاتھ آگیا تو یہ انکی کتنی بڑی اصلاح ہو گئی۔

محرمات وغیرہ کی بات تو بعد کی ہے سالک کو تو مکروہات سے بھی بچنا چاہیے بلکہ خلاف اولیٰ اور شبہات سے بھی اسکے لئے بچنا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نکھارو اور صاف کرو تم اپنے ایمان کو مشتبہات سے بچ کر۔ کھلی اگر اچھی طرح تمھارا ہوا نہ ہو تو اسکو کون صاف کہے گا؟ کوئی بھی نہیں۔ لہذا اے مسلمان تیرے اندر طلب ہوئی چاہیے اور تیرے دین اور ایمان میں نکھار ہونا چاہیے۔ اور وہ پیدا ہو گا مشتبہات اور محرمات وغیرہ سے بچنے سے اور قاعدے کی بات یہ ہے کہ اگر مرض شدید ہوتا ہے تو شفا خانے میں داخل ہونا پڑتا ہے یہی حال روحانی امراض کا بھی ہے کہ اسکے لئے بھی شفا خانے میں اور وہ یہی بزرگوں کی خانقاہیں ہیں۔ حضرت شیخؒ نے انکا ایک کئی مرض تشخیص فرما کر انکے گھر ہی کو شفا خانہ تجویز فرما دیا اور یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ دیکھو تمھارے اندر جھوٹ بولنے کا بہت بڑا مرض ہے

خدا سے ڈرو اور اس سے بچو۔ اور یہ تو ایسا مرض ہے جس کو تم بھی سمجھ سکتے ہو۔ جاؤ جب اسکی اصلاح ہو جاوے اور باریک باریک چیزیں رہ جائیں جنکو تم خود نہیں سمجھ سکتے تو انکے لئے یہاں آکر رہنا۔ ابھی یہاں تمہارا رہنا کچھ زیادہ نفع بخش نہیں ہے۔ دیکھو دھوبی کے یہاں وہی کپڑے کھینچتے ہیں جن کو ہم خود نہیں دھو سکتے حاصل یہ کہ شیخ نے ان دونوں کو واپس کر کے ان پر سختی نہیں کی بلکہ انکے ساتھ رحم اور شفقت کا ہی معاملہ فرمایا۔ اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔

الغرض مومن نے اپنے آپ کو پہچانا نہیں۔ اگر ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اپنی اشتراکیت کو پہچانتے تو اسکی اصلاح ہی ہو جاتی۔ غور فرمائیے کہ ایمان کس بات کو چاہتا ہے؟ ایمان کے اندر خود امن موجود ہے پس ایمان امن کو چاہتا ہے اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی۔ دنیا کے مصائب سے بھی امن اور آخرت کے عذاب سے بھی امن۔ غرض لفظ ایمان ایک مومن سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مومن سے ایسے اعمال اور اخلاق صادر ہوں جو اسکو دنیا اور آخرت میں نافع ہوں۔ صرف نماز روزہ سے تو کام چلتا نہیں یہ تو عادت کے طور پر بھی آدمی کر لیتا ہے مگر یہ تکبر بڑائی اور شیخی اور دوسروں کو حقیر سمجھنا ایمان کے ساتھ یہ سب کیسا؟ ایشار اور مروت کیوں نہیں ہوتی۔ کسی کا مذاق اڑانا کسی کو بنانا کیسا؟ یہ سب تو بالکل ایمان کے خلاف ہے۔ لہذا صرف تسبیح اور ذکر ہی سے تو کام نہیں چلے گا بلکہ اسکے ساتھ ساتھ اخلاق کی بھی درستی ہونی چاہیے جسکی طرف سالکوں کو بھی توجہ کم ہے۔ سالک جسکو کہتے ہیں وہ تو کچھ اور ہی چیز ہے اسکو تو بہت احتیاط سے کام کرنا پڑتا ہے کیونکہ سالک کے معنی ہیں چلتا رہنے والا جو کسی مقام پر نہ ٹھہرے۔

خیرات علی تھی حضرت مولانا شاہ دہلی صاحب کے جذب اور حال کی کہ اور خلفاء تو کچھ منسکرا بھی لیتے تھے لیکن شاہ صاحب بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ بات یہ ہے کہ کام کرنے والا اگر کام کرتا رہے تو اسپر بہت سے حالات کا درد ہوتا ہے اور کام تو کام کرتے رہنے ہی سے بنتا ہے اور پھر اس کی جد

کیسے ہو سکتی ہے یہ تو وصول الی اللہ کا جادہ ہے اس راستہ میں تو قناعت نہیں اسکی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے مگر مشائخ نے زمانہ کے حالات اور اہل زمانہ کے ضعف کو دیکھ کر قناعت کر لی جیسے مدارس کے اندر بھی یہی ہو گیا ہے کہ سب طلباء کو داخل کر لیتے ہیں بعضوں میں ایسی ایسی عادتیں بھی ہوتی ہیں اور کچھ اچھے اخلاق والے بھی ہوتے ہیں۔ یہ اسلئے لگا کر بری عادت والے کو خارج کر دیا جائے تو باہر جا کر وہ نہ معلوم کیا کیا کرے گا مدرسہ میں رہ کر تو پوشیدہ طور پر حرکات کرتا تھا اگر آزاد ہو جائیگا تو کھلم کھلا گناہ کرے گا خود بھی کرے گا اور دوسروں کو بھی ترغیب دیگا۔ بخلاف مدرسہ کے کہ وہاں خود ہی چور بنا رہے گا۔ اور اگر خدا نے توفیق دیدی تو توبہ کے بھی مواقع ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی توبہ ہی کر لے۔ اور آزادی میں توبے باکی کے ساتھ نماز وغیرہ چھوڑ دیگا۔ اور مدرسہ میں اولاً تو اسکا علم ہی طالب علم کو غیرت دلائے گا تو جو چیز وقایہ بن جائے کسی بڑے گناہ کا یا بڑے جرم کا وہ بھی اچھی چیز ہے۔ اس پر ایک واقعہ سنئے! حضرت تھانویؒ کو معلوم ہوا کہ فلاں جگہ کے لوگ اسلام سے پھرنے کا خیال کر رہے ہیں۔ حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں کے چودھری لوگ اور بڑے لوگوں سے ملاقات کی اور فرمایا کہ ہم نے ایسا ایسا سنا ہے اسپر بڑے چودھری نے کہا کہ بالکل غلط ہے آپ بالکل فکر میں نہ پڑیں ایسا نہیں ہو سکتا اور کیسے ہو سکتا ہے ہم لوگوں کے یہاں تو تعزیر بنتا ہے اور غیر مسلموں کے یہاں تو نہیں بنتا پھر ہم ان کا مذہب کیوں قبول کرنے لگے۔ حضرتؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے جادو خوب اچھے تعزیرے بناؤ۔ اب ہم جیسا کوئی ہوتا تو منع کیا اس موقع پر کیا کہتا۔ کسی نے بعد میں حضرتؒ سے دریافت کیا کہ حضرت تعزیر دار تو منع ہے آپ نے انکو کیسے اجازت دیدی؟ فرمایا کہ میں نے تعزیر داری کی حالت نہیں کی ہے بلکہ انکو کفر سے بچایا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک بد عملی اور گناہ میں مبتلا رہیں گے مگر ایمان تو سالم رہے گا اور اسوقت اگر اس سے منع کر دیتا تو ہو سکتا تھا کہ ارتداد کبجا نب رُخ ہو جاتا۔ تو دیکھئے حضرتؒ نے کیسے حکمت کی بات فرمائی

ایسے موقع پر محققین علماء ہی کا کام ہے۔ اسی طرح سے مدارس کے اندر طلباء کو ایک طرف سے بدون چھانٹے ہوئے جو داخل کر لیا جاتا ہے تو یہ بھی دراصل انکے لئے بڑی بُرائی سے وقایہ ہے کہ انکو دیگر محرمات سے بچا رہے ہیں اگر یہ نہیں ہوگا تو وہ بہت سی بلاؤں اور گناہوں میں مبتلا ہوتا رہے گا اور یہاں چاہے بد عمل رہے مگر علم تو کچھ کچھ سیکھ ہی جائے گا۔ جسکی وجہ سے بہت سی بُرائیوں سے محفوظ بھی رہیگا کیونکہ عامی جسکو علم نہیں ہوتا وہ زبان سے کیسے کیسے کلمے نکال دیتا ہے حتیٰ کی کفر اور شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے چنانچہ کتابوں کو لکھا ہے کہ جاہل کی موت اکثر کفر پر ہوتی ہے اور عالم و جاہل کے گناہ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ عالم کی توبہ بھی عجیب و غریب ہوتی ہے۔ اسی لئے عالموں کے گناہوں پر عامیوں کو نظر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسکو چاہیئے کہ خود اپنے عیب کو دیکھے اسلئے کہ عالم کے اندر ایک بہت بڑی خوبی رکھی ہوئی ہے علم کی جاہل اس سے محروم ہے۔ پھر یہ کہ انھیں طلباء میں سے کوئی کوئی موتی بھی نکل آتا ہے۔ تو اسی ایک موتی کیلئے مدرسہ والے بھی اتنی خاک چھانتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ کسی شانزادہ کا قیمتی موتی کہیں جنگل میں گر گیا بہت تلاش کیا نہیں ملا اُس نے یہ کیا کہ حکم دیدیا کہ راستہ کی سب کنکریاں جمع کر کے لائی جائیں چنانچہ محل میں سب لائی گئیں اور ان میں تلاش کیا گیا تو وہ موتی مل گیا۔ اب دیکھئے ایک موتی کیلئے اتنی ساری کنکریوں کو چھاننا پڑا ایسے ہی مدارس والوں نے بھی جال بچھایا ہے مہما کو شکار کرنے کے لئے کہ کوئی نہ کوئی تو نکل ہی آئے گا کہ جو اشاعت اسلام کا باعث بنے گا جیسے کہ مدرسہ دیوبند سے ہمارے حضرت (مولانا تھانویؒ) موتی بنکر نکلے کہ آج ہر طرف انکی اشاعت اسلام کا چرچا ہے اور ہر جگہ فیض جاری ہے (راقم عرض کرتا ہے یا جیسے خانقاہ اندادیہ اتر فیہ کے دریائے معرفت سے ہمارے مصلح الامۃؒ موتی بنکر نکلے اور عالم میں چمکے اور پھر بحر عرب میں جا ڈوبے) جب ایسا ہے تو پھر ابتداء ہی سے یہ انتخاب کیسا، مگر اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ یہ حضرات طلباء کی کچھ روک ٹوک ہی نہیں کرتے، ایسا نہیں ہے۔ مدرسہ میں طلبہ کی روک ٹوک بھی کیجاتی ہے۔ بہر حال مدرسہ کا ذکر تو ضمناً آگیا تھا کہ یہ رہا تھا کہ اس راہ

میں قناعت نہیں ہے سالک کو تو ہمیشہ آگے ہی بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک صاحب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں آم لائے جس کو انھوں نے بازار سے خرید کیا تھا۔ چونکہ آموں کی بیج ہمارے دیار میں عموماً قبل از وقت ہوتی ہے اسلئے بیج درست نہیں ہوتی۔ وہ بھی مشتبہ تھے حضرت نے ان سے فرمایا کہ میں بازار کا آم نہیں کھایا کرتا یہ نہیں پایا کہ تم نے بازار سے آم کیوں خریدے اور تم نے اسکی تحقیق کیوں نہیں کی۔ یہ سب نہیں فرمایا اس میں کتنی رعایت ہے اس کی اصلاح بھی ہوگئی اور تبلیغ بھی ہوگئی کیونکہ اگر اسکو شیخ سے واقعی تعلق اور محبت ہے تو آئندہ اس حرکت کے قریب بھی نہ جائے گا۔ شریعت میں مختلف درجے ہیں حرام مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی۔ خلاف اولیٰ وغیرہ جیسا کہ آدمی چیزوں میں بھی درجات ہوتے ہیں ادنیٰ و اعلیٰ۔ کھانے میں بھی درجات ہوتے ہیں ایک تو ہے مدارس کا شور باکہ بعضوں کو شبہ ہو کہ شاید اس سے وضو جائز ہو اور ایک ہوتا ہے گھر کا تو ر مہ دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح سے باطنی غذا بھی مختلف ہوتی ہیں اگر اسمیں بھی مشتبہ شے کا غبار پڑ جائے تو اس سے سالک کیوں نہ احتیاط کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ آخر آدمی جب جسمانی غذا میں سے اعلیٰ درجہ کو پسند کرتا ہے تو روحانی میں ادنیٰ پر کیوں راضی ہے اور اسی پر کیوں قناعت کیے ہوئے ہے اسکو تو مشتبہات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ سلوک تو بہت لطیف چیز ہے یہ تو فرشتہ کی روح سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ پھر جب حضرت والاؒ ہی اسکو لطیف فرما رہے ہیں تو ہم کیوں نہ اسکو لطیف سمجھیں اور کیوں نہ اسمیں کوشش کریں۔ جسقدر بھی کوشش درجہ بڑھ کر کے اسکو حاصل کریں کم ہے

(ع۔ متاع جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے)

یہ بات مولانا شاہ دہلویؒ صاحب کے جذب اور حال پر چلی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ (حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ کا بیان ختم ہوا)

گزشتہ صفحات میں ناظرین کرام نے حضرت مصلح الامۃ؎ کے متعلق حضرت مسیح الامۃ؎ مولانا شاہ مسیح انصاری صاحب دامت برکاتہم کے ارشادات ملاحظہ فرمائے، مولانا مدظلہ العالی نے حضرت رحمۃ اللہ کی گوشہ نشینی، حمل و اور خلوت گزینی کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو تقریر فرمائی ہے بلاشبہ وہ اپنے دیگر مضامین اصلاحیہ کی بنیاد پر بھی نہایت ہی مفید اور پُر لطف ہے چنانچہ بعض حضرات نے اس سے متاثر ہو کر دفتر کو لکھا کہ حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ العالی یا اسی طرح کے اور موجودہ بزرگان دین کے ملفوظات اور ارشادات بھی کیوں نہ معرفت حق میں سلسلہ ہی شائع ہوتے رہیں؟ اس سے نفع کی امید ہے۔ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ کا یہ پُر خلوص مشورہ ہمارے نزدیک بھی نہایت ہی درست اور دلیع ہے تاہم دشواری سردست جو اس سلسلہ میں ہمارے لئے ہے وہ یہ کہ ابھی ہمارے حضرت مصلح الامۃ؎ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات و ملفوظات کا خاصا ذخیرہ موجود ہے اور خود حضرت نے بھی اس رسالہ کا اجرا اپنے انھیں مضامین کی اشاعت کے لئے فرمایا تھا جیسا کہ حضرت کی اس تحریر سے ظاہر ہے جو بطور یادگار سال میں دوبارہ (جنوری اور جولائی میں) ٹائٹل کے اندر دنی جانب طبع ہوتی رہتی ہے (چنانچہ حسن اتفاق کہ اس ماہ میں بھی طبع ہو رہی ہے) جس میں یہ ہے کہ ”ایک رسالہ شائع ہو رہا ہے۔ اس میں مضامین شاید میرے شائع ہوا کریں گے“

انتہی

اس لئے جی بھی چاہتا ہے کہ پہلے حضرت رحمۃ اللہ کی مضامین اور ملفوظات جلد از جلد منصفہ شہود پر آجائیں۔ نیز دیگر اکابر کے ارشادات و ملفوظات کی اشاعت کے تو اور دوسرے ذرائع بھی الحمد للہ موجود ہیں اور حضرت نور اللہ مرقدہ کی اصلاحی باتوں کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنے کا ذریعہ اس وقت بظاہر صرف ”معرفت حق“ ہے اس اصالۃً تو مضامین اس میں حضرت مصلح الامۃ؎ ہی کے ہوتے ہیں یوں ضمناً اور دوسرے حضرات کی باتیں بھی ذکر ہو جاتی ہیں۔ اب اس کے بعد اس سلسلہ میں ہم آپ کے سامنے حضرت مصلح الامۃ؎ اور شیخ الحدیث مولانا

محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کے مابین جو مکاتبت رہی اس کو پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کے خطوط تو زیادہ نہ مل سکے تاہم ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات ظاہر کرنے کے لئے جو کچھ بھی مل سکے وہ بھی بہت کافی ہیں۔

(حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مدرسہ ہر العلوم سہارنپور)

اور حضرت مصلح الامۃ؎

سب پہلا خط جو اس سلسلہ میں مجھے مل سکا وہ حضرت مصلح الامۃ؎ کا تحریری جواب ہے جو حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے ایک زبانی پیام کے جواب میں حضرت دالہؒ کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔

(حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا سلام پیام آنے پر حضرت مصلح الامۃ؎ کا جواب)

مکرمی و محرمی زیدت مکارکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سلام و پیام بذریعہ مولوی عبدالقیوم صاحب والد بزرگوار عزیزم ولی اللہ سلمہ پہونچا۔ آپ کی محبت اور عنایات کا دل سے ممنون ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو جس دینی کام کے لئے منتخب فرمایا ہے وہ دوسروں کے لئے نمونہ اور آپ حضرات کے لئے صد شکر کا مقام ہے اللہ تعالیٰ آپ کے فیض کو عام و تمام اور آپ کے مدارج میں یوں مافیوفا ترقی عطا فرمائے۔

اس دورِ پُرفتن میں اسلاف کے طریقہ پر باقی رہنے اور حسب استطاعت اس کی اشاعت کی توفیق ہونے میں آپ حضرات سے اپنے لئے دلی دعاؤں کا طلب گار ہوں حق تعالیٰ کی ذاتِ سبحانی سے امید ہے کہ آپ بزرگوں کی قلبی توجہ مجھے بھی کسی کام کا بنادے گی ورنہ تو اپنے پاس سوا اس کے اور کوئی بضاعۃ نہیں۔

والسلام خیر ختام وصی اللہ عفی عنہ

مقام فتح پور تال نرجا

یہ مولوی عبدالقیوم صاحب مدظلہ العالی چونکہ فتح پور تال نرجا ہی کے باشندے تھے اور

حضرتؒ کے مکان سے بالکل ہی متصل مولوی صاحب موصوف کا مکان تھا اور ان کے صاحبزادے مولوی قاری ولی اللہ صاحب سلمہ ان دنوں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں زیر تعلیم تھے اس لئے بذریعہ خط یا زبانی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہؒ نے حضرتؒ کے پاس مولوی صاحب موصوف کے واسطے سے سلام و پیام کہلایا جس کا تحریری جواب حضرتؒ کے یہاں سے یہی گیا جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

سلام و پیام سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہؒ کو حضرتؒ کا تعارف پہلے سے تھا اور ہو سکتا ہے کہ قاری ولی اللہ صاحب سلمہ کے وہاں مدرسہ قیام کے زمانہ میں موصوف کے ذریعہ حضرتؒ کے کچھ تفصیلی حالات کا علم ہو کر اس میں مزید اضافہ ہو گیا ہو بہر حال پیام کے الفاظ تو سامنے ہیں نہیں تاہم حضرتؒ کے جواب سے آنا تو پتہ چلتا ہی ہے کہ کوئی ”پیام محبت“ ہی رہا ہو گا چنانچہ حضرت والا اس سے بہت مسرور ہوئے اور دل کھول کر دعائیں دیں۔

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم دین خصوصاً احادیث سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تعلم کی عظمت اور اس دور ضلالت میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مشعل ہدایت کی بقا اور اشاعت کا مشغلہ اور فکر رکھنے والوں کی جلالت شان حضرت اقدسؒ پر کسی مخصوص شان کے ساتھ سامنے آئی۔ چنانچہ دین کی اس نوع کی خدمت کرنے والوں کی اپنی قلبی دعا سے نصرت فرماتے ہوئے حضرت نے یہ کلمات ارشاد فرمائے اور آخر میں خود اپنے لئے جن امور کی دعا کرنے کو فرمایا ہے وہ تو ہم جیسوں کے لئے ایک مستقل نصیحت ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرات زمانہ کے فتنوں سے کس قدر خائف رہتے تھے چنانچہ ارشاد نبوی اللہم اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ گویا ایک قلبی حال بنکر ہر وقت ان حضرات کے پیش نظر رہتا تھا نیز یہ معلوم ہوا کہ اپنے اسلاف کا طریقہ بھی کوئی قابل حفاظت سرمایہ ہے اور بلاشبہ وہ ایسا سرمایہ ہے کہ اس کی حفاظت اور توفیقِ اِشاعت کے لئے حق ہے کہ انسان خود بھی سعی اور اہتمام رکھے اور دوسروں سے بھی اس کی دعا کر لے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین کی دعا بھی ایک ایسی بیش بہا پونجی ہے کہ آدمی کو اہر

دولت سے بھی حصہ وافر جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ کسی مرتبہ کا ہو۔
 سبحان اللہ! بزرگوں کی ایک ایک بات اور ان کی ایک ایک کتنی پُر بہا
 اور دلربا ہوتی ہے اور دوسروں کے لئے کس درجہ سبق آموز۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم
 پر ہم سب کو چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا خط حضرت مصلح الامتؒ کے نام

المخدوم المکرم زادات معایکم بعد سلام مسنون۔ کئی دن ہوئے گرامی نامہ موجب
 عزت ہوا تھا۔ اس وقت سے برابر عریضہ ارسال کرنے کا ارادہ کرتا رہا مگر اپنی نااہلیت کے
 باوجود مشاغل کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ ضروری عرض میں بھی تاخیر ہو جاتی ہے۔ جناب
 کی دعوات صالحہ کو اپنے لئے باعث برکت اور موجب افتخار سمجھتا ہوں اور آئندہ کے لئے
 اضافہ کی درخواست کرتا ہوں حق تعالیٰ شانہ بدین الطاف تادیر آپ کا سایہ خدام پر
 رکھے اور ترقی درجات سے نوازے۔

کل عز۔ زعم مولوی دلی الشریعہ دورہ کے آخری سبق بخاری شریف کے اختتام سے
 بھی نائز ہو گئے ہیں جس کی جناب والا کی خدمت میں اور جناب ہی کے توسط سے ان کے
 والد ماجد کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آخر میں اپنی صلاح و فلاح کے لئے
 مکرر دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

نقطہ اسلام زکریا مظاہر علوم
 ۶ شعبان ۱۳۸۷ھ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامتؒ کے مابین مکاتبت میں تسلسل
 نہیں تھا تاہم کبھی کبھی اس سلسلہ میں جنبش ہوتی رہتی تھی چنانچہ ۱۳۸۷ھ میں جبکہ حضرت مصلح الامتؒ
 کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے کھوٹے ہی وقف سے انتقال ہوا اور اس کی اطلاع
 حضرت شیخ الحدیث صاحب کو حکیم مولوی ہارون صاحب سہارنپوری کے خط سے ملی تو
 شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا کو فوراً یہ خط تحریر فرمایا کہ دراصل تعزیت نامہ تھا۔

تغزیہ نامہ حضرت شیخ الحدیث صاحب ظلہ بنام حضرت مصلح الائمہ

المخدوم المکرم زادت معالیکم بعد سلام سنون

اس وقت عزیزی حکیم ہارون سلمہ کے خط سے دوسرے حادثہ فاجعہ کا حال معلوم ہوا کہ طبیعت پر بہت ہی اثر ہوا کہ ابھی تک پہلا ہی حادثہ مندرس نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا اس سے بھی سخت پیش آگیا اور آپ پر صنعت و پیری میں یہ تو اثر آلام بجز رفع مراتب اور کیا ہو سکتا ہے حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے مرحومہ کی مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان خصوصاً جناب والا اور صغیر سن بچوں کو انتہائی صبر و سکون اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ یہاں اہل مدرسہ سب ہی مرحومہ کی مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر و اجر کی دعا کرتے ہیں۔ مدرسہ میں حکیم صاحب موصوف کا خط بھیج دیا کہ قرآن پا ختم کر اگر ہر دو مرحومہ کے لئے ایصال ثواب کرایا جائے۔ فقط والسلام

ذکر یا مظاہر علوم ۸ شوال ۱۳۹۹ھ

اس تغزیہ نامہ کے آنے پر جناب شیخ الحدیث صاحب ظلہ کو حضرت مصلح الائمہ کا جواب

بشرف ملاحظہ عالی جناب حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولوی ہارون صاحب نے بندہ کی دونوں لڑکیوں کے انتقال کی خبر جناب والا کو پہنچا کر جناب والا کی توجہ بندہ زادیوں کی طرف منعطف فرمائی شفقت اور عنایت بزرگانہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں نیز جناب والا نے لڑکیوں کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام فرمایا، بہت ہی ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ جناب والا کے سایہ عاطفت کو بہت دنوں ہمارے سروں پر قائم رکھیں اور ہمیشہ ایسے ہی الطاف و عنایات برقرار رکھیں آمین یا رب العالمین والسلام خیر ختام۔ وصی اللہ عفی عنہ

اس کے بعد کا جو خط حضرت شیخ الحدیث صاحب مظلہ کا ہمارے پاس موجود ہے وہ شریف کا ہے۔ ہوا یہ کہ اس درمیان میں حضرت اقدس کو دردِ قولنج کا دورہ شدید پڑا جس کے سبب حضرت بہت دنوں تک فریش فریش علالت رہے جس کی اطلاع جناب شیخ الحدیث صاحب مظلہ کو بھی مظاہر علوم کے ایک مدرس مولوی احمد انور صاحب بجنوری کے خط سے ہوئی جو ان دنوں حضرت والا ہی کے یہاں خانقاہ الہ آباد میں مقیم تھے اس پر شیخ الحدیث صاحب نے دریافتِ خیریت مزاج کے لئے حسب ذیل خط انھیں مولوی صاحب موصوف کے نام الہ آباد ارسال فرمایا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مظلہ کا خط مولوی احمد انور صاحب بجنوری کے نام

مکرم محترم مدنیو صلوٰۃ علیہ وسلم بعد سلام مسنون

اسی وقت عنایت نامہ پہونچا حضرت مولانا کی علالت سے فکر و قلق ہے حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے صحت کاملہ عاجلہ سترہ عطا فرمائے اور تادیر اس مبارک سایہ کو ہم لوگوں کے سر دہ پر قائم رکھیں۔ بندہ کی طرف سے سلام کے بعد عیادت کر دیں یہ ناکارہ خود بھی دعا صحت کرتا ہے اور احباب سے دوپہر میں فرمائش کر دی اور بعد عصر بھی انشاء اللہ کروں گا اور سبق کے بعد بھی دعا کروں گا۔ فقط والسلام

ذکر یا مظاہر علوم، ربیع الاول ۱۳۷۶ھ چار شنبہ
ملاحظہ فرمایا اپنے حضرت شیخ الحدیث صاحب مظلہ کا یہ گرامی نامہ۔ عیادت اس میں شک نہیں کہ سنت ہے اور منجملہ حقوق مسلم کے ایک حق ہے لیکن شیخ الحدیث صاحب مظلہ کے اس خط اور عیادت سے حضرت والا کے ساتھ ان کی جس محبت اور تعلق کا اندازہ ہوتا ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں دیکھئے علالت کی خبر سنتے ہی فوراً خط تحریر فرمایا اور خود دعا فرمائی اور احباب کے اہتمام کے ساتھ دعا کرائی یعنی بعد ظہر بھی کرائی اور پھر عصر بعد کے لئے بھی اہتمام فرمایا۔ نیز اسباق کے بعد بھی صحت والا کے لئے دعا کا التزام فرمایا۔ اب اس قدر

اہتمام اور التزام بدون کسی خاص قلبی داعیہ کے وجود میں آنا مشکل ہے اور اسی داعیہ کا نام تعلق اور محبت ہے بات یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ حضرت مصلح الائمہ کی شخصیت۔ آپ کے کام اور آپ کی برکات سے خوب واقف تھے سمجھتے تھے کہ حضرت کی علالت کی وجہ سے بچے دن بھی حضرت کی اصلاحی مجالس اور نورانی اجتماع بند رہے گا امت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا اس لئے حضرت کی خبر علالت سننے ہی گھبرائے اور اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی دعائیں سنی اور توسلین کے حال زار پر رحم فرمایا یعنی حضرت والا جلد ہی صحت یاب ہو گئے اور اس ناکارہ ہی سے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی خدمت میں صحت یابی کی اطلاع کے لئے خط لکھوایا چونکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی پریشانی اور ان کا تعلق خاطر ان کے خط سے ملاحظہ فرما چکے تھے اس لئے چاہا کہ صحت کی اطلاع بھی فوراً انھیں کر دی جائے۔ چنانچہ راقم نے عریضہ لکھا اور اس کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی کا جو گرامی نامہ احقر کے نام آیا وہ یہ تھا۔

نقل گرامی نامہ حضرت استاذی شیخ الحدیث صاحب مدظلہ،
بنام خادم عبد الرحمن جامی عفی عنہ،

مکرم و محترم زید بعد سلام مسنون
 اس وقت گرامی نامہ پہونچا۔ مولانا کی صحت کے مژدہ سے بہت مسرت ہے جی تعالیٰ شائے اپنے فضل و کرم سے صحت و قوت کے ساتھ تادیر اس مبارک سایہ کو ہم لوگوں کے سر پر قائم رکھے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تمتع نصیب فرمائے۔

آپ کی کرم فرمائی کا شکریہ کہ آپ نے بندہ کا سلام مسنون مولانا سے عرض کر دیا۔ بلا کسی تصنع اور مبالغہ کے یہ ناکارہ مولانا کی صحت اور تادیر زندہ و سلامت رہنے کے لئے

دعا گو ہے کہ اکابر کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب ان جانشینوں کا وجود بہت زیادہ غنیمت ہے کہ صلح کا وجود ہی فتن سے امن و تحفظ ہے بخاری شریف کے سبق کے بعد مولانا کی صحت کے لئے دعا کر لئی گئی۔ حضرت مولانا کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست۔ فقط والسلام

حضرت کا جواب حضرت شیخ الحدیث صاحبِ مظلہ کے نام (جوان کے مضمون سابق سے متاثر ہو کر احقر کے قلم سے کیا)

گرامی نامہ حضرت دالامہ ظلہ کو سنایا بہت سرور ہوئے۔ فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو میرا بھی سلام لکھ دو اور یہ لکھ دو کہ الحمد للہ اب طبیعت بہت اچھی ہے معالج صاحب نے ابھی کام سے منع کیا ہے ورنہ خود اپنے قلم سے جواب دیتا آپ کے خط کے ایک ایک لفظ سے قلب متاثر ہوا اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری صحت میں بڑا حصہ آپ حضرات کی دلوں دعاؤں کا اور صالحین کی اس قسم کی تحریروں کا ہے ان کے پڑھنے سے بدن میں طاقت اور قلب میں ایک قوت محسوس کرتا ہوں چنانچہ آپ نے جو یہ تحریر فرمایا کہ اکابر کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب ان جانشینوں کا وجود سب سے زیادہ غنیمت ہے کہ صلح کا وجود ہی فتن سے امن و تحفظ ہے۔ یہ بات نے نفس نہایت عمدہ اور بالکل صحیح ہے لیکن جانشینی بزرگوں کی آسان چیز نہیں ہے یہ ایک بڑا مرتبہ ہے اس کا پانے کو بالکل ہی اہل نہیں پاتا تاہم جیسا کچھ بھی ہوں اس کے باوجود صلح زمانہ کے اپنے ساتھ اس حسن ظن کو اپنے لئے سعادت عظمیٰ ضرور تصور کرتا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر آپ حضرات کی توجہ اس ناچیز پر اسی طرح سے رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ گمراہی سے تو ضرور ہی نجات پاؤں گا اور نیک لوگوں کی اس توجہ کی برکت سے میرا قدم دنیا میں جسادہ شریعت سے انشاء اللہ تعالیٰ ڈگے گا نہیں اس طرح سے آخرت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ سرخروئی نصیب ہوگی۔ (انتہی)

حضرت دالامہ کا مرض تو بھلا کتنا ہے لیکن اس دفعہ دورہ چونکہ شدید ہوا اس لئے اسکے بعد اثرات ابھی موجود ہیں جسکی وجہ سے مجلس خطوط جو آدرس دار علم گفتگو تقریباً بند ہے۔ عازمین کے لئے اللہ تعالیٰ جلد ان سلسلوں کی جاری فرماوے۔ خادم جامی

حضرت اقدسؒ کو یہ تکلیف اور علالت غالباً ۱۳۳۵ھ میں پیش آئی تھی اس کے بعد الحمد للہ حضرت والا صحت یاب ہو کر اپنے منصب پر علی وجہ الاتم فائز ہو گئے۔ چنانچہ پھر تھوڑے ہی دنوں بعد علی گڑھ کا سفر شوال ۱۳۳۵ھ میں پیش آیا وہاں سے واپسی کے بعد اکابر دیوبند نے دیوبند تشریف آوری کی دعوت دی، وہاں تشریف لیجانے کے متعلق حضرت والاؒ کچھ تیار کچھ مترود تھے کہ اچانک فالج کا دوسرا دورہ پڑ جانے کی وجہ سے وہاں کا سفر تو ملتوی ہو گیا اور حضرت والاؒ علاج کے لئے مکھنوا تشریف لے گئے۔

اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث کا پھر ایک عیادت نامہ حضرت والاؒ کے نام آیا

(نقل مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ)

المخدوم المکرم زادت معالیکم۔ بعد سلام مسنون

اسی وقت حضرت ناظم صاحب دام مجدہم سے (یعنی حضرت استاذی مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے) علالت مزاج و باج معلوم ہو کر بہت ہی قلق اور فکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے کہ اکابر کے تشریف لیجانے کے بعد آپ ہی لوگوں کی دنیا کو ضرورت ہے کہ اہل اللہ کا وجود فتن اور شرور سے حفاظت ہے۔ جناب والاؒ کی علی گڑھ تشریف آوری کے موقع پر بہت ہی جی چا بتا رہا کہ سہارن پور تشریف آوری کی درخواست پیش کروں مگر یہ حیا مانع رہی کہ یہ ناکارہ جب خود علی گڑھ حاضر نہیں ہو سکتا تو کس منہ سے نکھوں۔ یہ بھی خیال رہا کہ علی گڑھ تشریف آوری پر تمھانہ بھون تشریف آوری تو ہوگی ہی اسوقت درخواست کرونگا کہ الہ آباد کا راستہ بجائے دہلی کے سہارن پور سے

زیادہ قریب ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ علی گڑھ ہی سے واپسی ہو گئی۔
 الشرجل شانہ ہمت و قوت عطا فرمادیں اور دوبارہ علی گڑھ تشریف آوری فرما کر
 کرم فرمائی کا موقع میسر فرمائیں۔ یہاں ختم خواجگان کا معمول ناظم صاحب کا ہے یہ
 ناکارہ کبھی اسمیں حاضر ہوتا ہے اسمیں دعائے صحت کرائی جا رہی ہے۔ یہ ناکارہ
 خود کبھی دعاؤں کا بہت محتاج ہے، امراض ظاہرہ و باطنہ دونوں کا شکار ہے اس
 زیادہ کیا عرض کروں۔ فقط۔ والسلام۔

ذکر یا مظار علوم

اس خط کا جواب حضرت اقدس کے یہاں سے کیا گیا ہمیں وہ نہ مل سکا تاہم
 مضمون اس خط کا قریب قریب دیا ہی ہے جیسا اس کے قبل راقم کے خط میں گزر چکا
 ہے اسلئے اس کے جواب کو اس پر ہی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اب اس کے بعد ایک آخری مکاتبت اور ملاحظہ فرمائیے جس میں کہ یہی
 سال حضرت کاسن وصال ہے حضرت کے سفر حج میں روانگی سے چند ہی ماہ قبل
 جناب شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا یہ خط آیا:۔

(حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا آخری خط صلیح الامۃ کے نام)

المخدوم المکرم زادت معالیکم۔

بعد سلام مسنون امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔ ایک خاص ضرورت
 سے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ حمد کے دن کچھ لوگ آجایا کرتے ہیں ایک مولوی صاحب نے
 یہ دریافت کیا کہ کیا وصول کے بعد بھی معصیت ہو سکتی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ممکن
 ہے عصمت تو انبیاء کے لئے ہے اس پر انھوں نے کہا کہ حضرت حکیم الامتہ نور اللہ مرقدہ نے
 لکھا ہے کہ وصول کے بعد معصیت نہیں ہو سکتی۔ اس وقت تو میں نے انکو ڈانٹ دیا کہ جب
 حضرت کا ارشاد معلوم تھا تو تم نے پوچھا کیوں؟ لیکن اسی وقت سے خیال آیا کہ جناب سے
 اس کے متعلق کچھ استفسار کروں کہ حضرت حکیم الامتہ نور اللہ مرقدہ کا کوئی ارشاد اس سلسلہ

میں آپ کے علم میں ہے۔ اگر وصول سے نسبت مراد ہے تو مشائخ کے یہاں اجازت کے بعد اسکا نسخہ تو منقول ہے۔ خود حضرت قدس سرہ کے یہاں بھی اجازت کے بعد بعض خلفاء کی اجازت منبوح کی گئی ہے۔ اور اگر وصول سے مراد کوئی اوپر کا درجہ ہے تو وہ کیا ہے؟ معصیت کا صدور تو صحابہؓ سے بھی ہوا ہے اور قدما و مشائخ میں سے بھی بعض حضرات سے اس قسم کی بغزشیں منقول ہیں شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا واقعہ تو بہت مشہور و معروف ہے۔ اور بھی اس نوع کے واقعات مشائخ سلوک کے واقعات میں ملتے ہیں۔

دعاؤں کا یہ ناکارہ بھی بہت محتاج ہے، امید ہے کہ دعا سے مدد فرمائیں گے۔

فقط والسلام

(حضرت مولانا) محمد زکریا (شیخ الحدیث)

بقلم محمد سلیمان راقم، سلام و استدعا دعا

(حضرت مصلح الامة نور اللہ مرقدہ کا جواب صواب)

عنایت فرمائے بندہ جناب مولانا صاحب دام غنائم و فضلکم

احمد لہذا نخریت ہوں۔ گرامی نامہ ملا آپ نے اس مسئلہ کو مجھ سے دریافت فرمایا حالانکہ آپ ماشار اللہ خود بھی عالم ہیں کتاب و سنت پر آپ کی نظر ہے۔ طریق کا کوئی مسئلہ کتاب و سنت کے خلاف تھوڑا ہی ہے۔ اگر خدا نخواستہ اسکے خلاف کسی نے کوئی بات کہی بھی ہو تو وہ قبول کب کیجائیگی۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے معلوم نہیں کس موقع پر کیا فرمایا۔ حضرت کے الفاظ سامنے ہوتے تو اسکے متعلق کچھ عرض کرتا تاہم آپ نے جو فرمایا ہے وہ صحیح فرمایا ہے۔ میں نے حضرت سے اسکے بالکل خلاف سنا جو وہ صاحب فرما رہے ہیں۔ حضرت نے حضرت قدس سرہ کا ارشاد نقل فرمایا کہ سئل الجنید هل العارف یزنی فاطرق رأسه ملیاً ثم رفع وقال وکانت امر الله قدره مقدوراً اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اچھا نامہ کا صادر ہو جانا ولایت کے منافی نہیں ہے اسلئے کہ ولی معصوم نہیں ہوتا۔ رسالہ قشیریہ

ماشہ میں اسکے متعلق بہت عمدہ بحث فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ فصل ولانینبغی للمریدان یعتمد فی المشائخ العصمة وان كانوا محفوظین لان ذلك یخالف الواقع ولانه یؤدی الی نفرتہ منهم وعدم انتفاعہ بہم اذا صدر منهم ذنب۔ والفرق بین العصمة والحفظ ان العصمة تمنع جواز وقوع الذنب والحفظ لا یمنع عنه ولان الله تعالى یحفظ من یشاء ویترك من یشاء لان الاولیاء لا یقدح زلہم قواعد الدین بخلاف الانبیاء فان المعجزة دلت علی عصمتہم فیما یخبرون بہ من الله تعالى و فیما یفعلونہ بیانا للتکلیف فعلم انه لیس للمریدان یعتمد العصمة فی المشائخ (۲۰۱ رسالہ تشریح)۔

البتہ ایک اور مسئلہ اسی کے قریب قریب صوفیاء اور بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ الفانی لا یرد یعنی فنا اور وصول کے بعد پھر کوئی شخص اپنے پچھلے حالات کی جانب راجع نہیں ہوتا جس طرح سے کہ پھل پکنے کے بعد خام نہیں ہوا کرتا۔ تو اسکے متعلق قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ارشاد الطالبین میں لکھتے ہیں کہ مسئلہ: صوفیہ را بعد قمار رجوع نیست ہر کہ رجوع کردہ است پیش از فنا کردہ است۔ فقیر بر این مسئلہ استدلال میکند بقولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤف رحیم۔ و رسول فرمودہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حق تعالیٰ باز نمی ستاند از بندگان لیکن علم را قبض خواہد کرد و قبض علماء ازین معلوم می شود کہ حق تعالیٰ ایمان حقیقی و علم باطنی را قبض نخواہد کرد۔ (ارشاد الطالبین ص ۲)۔

ہیں کہنا ہوں و كذلك الايمان حين تخالط بشاشة القلوب جواب ہر قل سوال سفیان وسئل انک ایرتدا احد بخطا لدرینہ بعد ان یدخل فیہ فذكرت لافقیہ دلیل صریح لهذه المسئلة۔ واللہ اعلم۔ اس تا یہ سے امید ہے آپکی مزید تفسی ہوگی ہوگی۔ فقط آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے آپکے طالب ہوں۔ والسلام خیر ختام۔

وصی اللہ عنہ - ۵۶۵

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا آخری خط

المخدوم المکرم زادت معالیکم - بعد سلام سنون

اسی وقت گرامی نامہ موجب عزت اور موجب طمانینت ہوا۔ اس ناکارہ کے ذہن میں خود یہ مضمون تھا لیکن اُن صاحب نے حضرت حکیم الامتہ نور اللہ مرقدہ کا ارشاد اسکے خلاف نقل کیا تھا اسلئے فکر ہو گیا تھا جو جناب والا کی تحریر سے رفع ہو گیا۔ جزاکم اللہ۔ یہ ناکارہ جناب کی صحت و قوت اور افاضہ فیوض و برکات کے ساتھ تادیر زندہ و سلامت رہنے کی دعا کرتا ہے اور اپنے لئے بھی مغفرت اور معافی سیئات کی دعاؤں کا طالب ہے۔ چونکہ جناب والا کا پتہ اب بھی معلوم نہ ہوا اس لئے اس کا رڈ کو بھی جناب الحاج محمد یعقوب صاحب کے توسط سے ارسال کرتا ہوں۔ فقط والسلام۔ دعا گو و دعا جو۔

زکریا کاندھلوی۔ ۱۳۸۶ھ

حضرت مصلح الامتہ کا آخری جواب

عنایت فرمائے بندہ جناب شیخ الحدیث صاحب دام غنائیم و فضلکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم

الحمد للہ کہ تحریر موجب مزید طمانینت ہوئی اور ذریعہ ازالہ فکریہی۔ یوں طبیعت آجکل محمد اللہ بہت اچھی چل رہی ہے جس کو آپ حضرات ہی کی پُر خلوص دعاؤں کا ثمرہ تصور کرتا ہوں۔ آپ حضرات کچھ فرما دیتے یا لکھ دیتے ہیں تو اس سے بڑی قوت عطا آجاتی ہے۔ آپ کے لئے بھی امور مطلوبہ کی دعائیں کرتا ہوں اور خود اپنے لئے طاعات ہوں۔ والسلام خیر ختام۔

وصی اللہ عفی عنہ

(مقیم حال سلیمان کٹھری بلدنگ۔ بلاک ڈی۔ آگرہ روڈ کراچی)

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الائمہ نور اللہ مرقدہ کے مابین جن مکاتبات کا اس ناکارہ کو علم تھا وہ ذکر ہو چکے اسکے مطالعہ سے ناظرین کو بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ ہمارے ان دونوں اکابر میں بھی کیسا تعلق تھا۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہر بزرگ دوسرے کے مرتبہ سے واقف اور اسکی دینی خدمات اور برکات کا معترف اور دل سے قدر داں تھا اور آخری چند خطوط سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ رشتہ محبت یو مافیوفا کچھ اس طرح ترقی پذیر تھا کہ دعار اور طلب خیریت سے آگے بڑھکر معاملہ افادہ واستفادہ کی سرحد میں بھی داخل ہو رہا تھا اور دونوں بزرگوں کی طبیعتیں ایک دوسرے سے کھل رہی تھیں اور فی الجملہ اجنبیت کا حجاب اٹھ رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملات میں کس کو دخل! اپنے افعال کی حکمتوں کو وہی خوب جانتے ہیں۔ اور ان دونوں بزرگوں کے قلوب باہم گھلے لے ہی تھے کہ اُدھر حضرت مصلح الائمہ حق تعالیٰ شانہ سے جا ملے اور یہ تعلق اسکا مصداق ہو کر رہ گیا کہ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد
چنانچہ حضرت والا کی جدائی پر جس قلق کا اظہار حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اپنے تعزیت نامہ میں فرمایا ہے (جس کا بیان آگے آ رہا ہے) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے بزبان حال اس موقع پر اس مضمون کو دہرایا ہوگا کہ

و کنا کند مانسی جذیمة حقبة من الدهر حتی قیل من یتصدعا

فلما تفرقنا کانی و مانی بطول اجتماع لم نبت لیلة معا

شاعر اپنے بھائی مالک کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتا ہے کہ۔ افسوس! ہم اور مالک ایک طویل مدت تک باہم اس طرح ساتھ ساتھ رہے جیسے جذیمہ کے دو مصاحبوں کا باہم ساتھ ساتھ رہنا مشہور تھا یہاں تک کہ کہنے والوں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ یہ دونوں اب جدا ہونے والے ہی نہیں ہیں، لیکن مقدر سے جب ہم دونوں ایک سرے سے جدا ہوئے تو ایسا جدا ہوئے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم اور مالک دونوں ایک شب بھی ایک ساتھ نہیں رہے۔ کل شیئ ہالک الا وجهہ لہ الحکم والیہ ترجعون۔

۱ حضرت شیخ الحدیث صاحب مظلہ کا تعزیت نامہ جوالہ آباد آیا

آج دل کو (حضرت دلا شیخ مولانا الحاج وصی اللہ صاحب کے وصال کی خبر جانکاہ شکر) سخت ترین قدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ ثناء انکو جنت الفردوس میں مقام عالی عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرت کا وجود باجود دنیائے اسلام کے لئے باعث خیر و برکت بنا اور سالکین کے لئے خصوصاً ایک باب عالی۔ اللہ سپہاندگان و متوسلین کو صبر جمیل مرحمت فرمائیں بندہ بھی اس سانحہ عظیم کے غم میں آپ کا شریک ہے۔ فقط۔ والسلام۔
 ذکر آیا۔ مظاہر علوم سہارن پور

ملاحظہ فرمایا آپ نے، حضرت شیخ الحدیث صاحب مظلہ کا یہ تعزیت نامہ ہے تو نہایت ہی مختصر لیکن کس قدر پر مغز ہے۔ فرما رہے ہیں کہ 'حضرت کا وجود باجود دنیا اسلام کے لئے باعث خیر و برکت بنا اور سالکین کے لئے خصوصاً ایک باب عالی'۔ اس میں اظہار فرمایا ہے کہ حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کا فیض اور آپ کی برکات نہ صرف ایک ضلع اور ایک صوبہ ہی تک محدود رہا بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لئے سبب خیر بنا۔ اور سالکین کے (قصر باطن) کے لئے تو آپ کا وجود بمنزلہ ایک بلند دروازہ ہی کے تھا۔ چنانچہ بیشمار اللہ کے بندوں نے اس دروازے سے اپنے محبوب حقیقی تک رسائی حاصل کی۔ فلند احمد سیہ اور اسمیں شک نہیں کہ حضرت والا کا فیض ہندوپاک سے متجاوز ہو رہا تھا یہاں کہ عرب کے بعض بعض علما بھی غائبانہ طور پر حضرت والا کے منتسبین کے ذریعہ حضرت سے روشناس ہو رہے تھے اور تشریف آوری کی اطلاع پا کر نہایت ہی اشتیاق کے ساتھ آپ کے دیدار کے مشتاق اور آمد کے لئے چشم براہ تھے جسکا صحیح اندازہ ہم لوگوں کو سفر حج میں وہاں کے علماء کرام سے ملاقات پر ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا ان حضرات کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

علاوہ ان مکاتیبی تعلق کے حضرت مصلح الامۃ سے حضرت شیخ الحدیث صاحب مظلہ

کی ایک دفعہ ملاقات بھی ہوئی ہے۔ مجھے چونکہ اسکی تفصیل پہلے سے نہ معلوم تھی اس لئے ہو سکتا تھا کہ یہ جزو ہی حالات سے حذف ہو جاتا لیکن میرے بعض اجاب نے بتایا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب ”آپ بیتی“ میں اس ملاقات کا تذکرہ خود اپنے الفاظ میں فرمایا اسلئے وہاں اسکو بعینہ نقل کرتا ہوں

(حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی حضرت مصلح الامۃ ملاقات)

(شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ) میں بمبئی پہونچا اترتے ہی حضرت مولانا وصی اللہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے مستقر پر انکی زیارت کیلئے سب گئے۔ وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ مولانا آج ہی صبح اس جگہ (کرلا) سے کسی دوسری جگہ (اہل مجلس سے) ناراض ہو کر منتقل ہو گئے (ہیں) جسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ الکشن کا زمانہ تھا کسی صاحب نے اخبار میں چھاپ دیا (تھا) کہ مولانا۔۔۔ صاحب فلاں صاحب کے حامی ہیں۔ فریق مخالف نے اسکی پرزور تردید کی۔ مولانا صاحب کو اس پر غصہ آیا کہ غلط طور پر الکشن والے اسکے نام کو استعمال کر رہے ہیں اسلئے مولانا کے سابقہ مستقر سے دوسرے مستقر پر حاضر ہوئے۔ مولانا بہت ہی شفقت اور محبت سے ملے اور باصرار سوچ و پیمائش کے طور پر مرحمت فرمائے۔

(آپ بیتی ص ۳۷۳ یاد ایام ص ۳۷۳)

ناظرین کرام کو اس واقعہ سے حضرت کی ناراضگی اور اسکی وجہ کا بھی علم ہوا تاہم ہو سکتا ہے کہ حضرت والا کے حالات اور مزاج نیز حضرت کے طرز تربیت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو یہاں کچھ الجھن ہو کہ بظاہر بات تو بہت ذرا سی تھی اس پر حضرت نے اتنی خفگی اور ناراضگی ظاہر فرمائی! اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں قارئین تفصیل سے عرض کر دوں۔

یہ واقعہ جسے حضرت شیخ مدظلہ نے یہاں بیان فرمایا ہے جولائی ۱۳۷۷ء کے معرفت حق میں بھی ہے مگر وہاں بھی اجمالاً ہی ذکر ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ :-

روانگی سے ایک دن قبل صبح تفریح میں جاتے ہوئے کسی نے حضرت سے بیان کیا کہ آج اخبار میں آپ کا نام آیا ہے۔ انکشن کا زمانہ تھا کسی اخبار والے نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے لکھ دیا تھا کہ۔۔۔ فلاں آدمی نے حضرت مولانا۔۔۔ کی طرف سے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے حضرت ان چیزوں میں رہتے ہی نہیں۔۔۔ اس میں گو حضرت کا تبریہ ہی کیا تھا لیکن حضرت کو اتنا بھی اسلئے ناگوار گذرا کہ جس چیز میں حضرت رہتے ہی نہیں اور نہ اسکی گفتگو تک اپنے یہاں پسند کرتے ہیں نہ اثباتاً نہ نفیاً تو پھر حضرت والا کا نام ہی اس سلسلہ میں کیوں لیا گیا؟ اور اسپنے مطلب براری کیلئے حضرت کی ذات کو کیوں استعمال کیا گیا۔

چونکہ آج ہی اس سفر کی آخری مجلس تھی کل الہ آباد کا سفر کرنا تھا اس لئے مجمع بھی بہت کافی تھا، مزاج والا جب مکدر ہو گیا تو حضرت نے مجلس نہیں فرمائی موٹر منگوائی اور اس میں بیٹھ کر گلا سے شہر بمبئی روانہ ہو گئے۔ ہمت کر کے حکیم اجیزی صاحب مدظلہ ہمراہ ہو گئے تھے۔ حضرت سیدھے اسٹیشن کے قریب قہوہ خانہ کی مسجد پر تشریف لے گئے یہاں کے امام صاحب فتحپور نال زجاہی کے رہنے والے تھے، غالباً اسی مسجد کے حجرہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب تشریف لائے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت کر لائیں نہیں ہیں بمبئی تشریف لے گئے ہیں تو اپنے لوگوں سے فرمایا کہ بھائی اس وقت اپنے اکابر میں سے آپ ہی تو رہ گئے ہیں لہذا پہلے آپ سے ملاقات کو چلوں گا اور اپنے لئے آپ سے دعا کروں گا۔ چنانچہ تشریف لائے اور ملاقات ہوئی، اب رہی یہ بات کہ یہ ملاقات کس فضا میں ہوئی تو اسکا ذکر خود حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے اس ارشاد میں موجود ہے کہ ”مولانا بہت ہی شفقت اور محبت سے ملے اور با صبر و دیرینہ طور ہدیہ سینہ کے مرحمت فرمائے، غور کرنے کی بات ہے کہ جو شخص ابھی چند منٹ قبل کسی انتہائی

غصہ کے معاملہ سے دو چار رہ چکا ہو وہ کس طرح اتنی جلدی اپنے غصہ کے تیر کو اور آثار غضب کو اس طرح بدل سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ وہاں بس آگے پیچھے ہی پہنچے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہم لوگ اگر اپنے فادم پر غصہ کرتے ہیں تو دیر دیر تک اس کے اثرات ہمارے معاملات میں نمایاں رہتے ہیں لیکن ابراہیم کا مشاہدہ ہے کہ ابھی حضرت والا کسی شخص پر عقاب فرما رہے ہیں اور دوسرے منٹ کسی دوسرے شخص نے کوئی بات کہی یا ملاقات کی تو اکثر دہشتہ حضرت کو ہتا ہوا دیکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کا غصہ اور طرح کا ہوتا تھا اور ہم لوگوں کا اور طرح کا ہوتا ہے۔ ہمارا غصہ تو نفسانی ہوتا ہے جو اپنے اندر طرح طرح کی ظلمت لئے ہوتا ہے اور ان حضرات کا غضب فی اللہ ہوتا ہے جو مٹنور ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت کرا سے مجمع کو چھوڑ کر چلے آئے تو مجمع نے یہ نہیں کیا کہ اپنے گھر چلا گیا ہو بلکہ سب کو فکر ہوئی کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے بالآخر پتہ چلا کہ اس وقت حضرت حکیم اجیری صاحب کے مکان پر ہیں (حضرت والا حکیم صاحب کی درخواست پر مسجد سے ان کے گھر تشریف لیگے تھے) چنانچہ آہستہ آہستہ کر کے لوگ یہاں آنا شروع ہوئے اور اس وقت سے لیکر اگلے دن روانگی کے وقت تک سب نے اپنے فعل اور حال سے جس محبت اور عقیدت کا ثبوت دیا ہے وہ اس منظر کے دیکھنے والوں کے قلوب پر نقش ہے، حتیٰ کہ بوقت روانگی ایک کثیر مجمع بڑا طبقہ کا اسٹیشن پر رخصت کرنے کیلئے آیا جن میں سے اکثر زار و قطار دور سے تھے اور ان کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت والا کی اس طرح کی روانگی پر بہت ہی نادم اور شرمندہ ہیں اور ان کا قلبی تاثر کچھ وقتی نہ تھا بلکہ بعد تک بہت دنوں رہا، چنانچہ حکیم صاحب کا خط جب بمبئی سے آیا تو اس میں بھی انہوں نے لکھا تھا کہ

”اس دفعہ عام متوسلین اور مستمند حضرات بید متاثر اور حضرت والا کی مفارقت

سے بید گرفتہ دل ہیں چہروں پر رونق نہیں معلوم ہوتی حق تعالیٰ ظل رحمت کو

بکمال صحت و سلامتی ہمیشہ کرم پاش خلایق رکھیں۔“

لاحظہ فرمایا اپنے حکیم اجیری صاحب مدظلہ بڑے شخص ہیں اور با وزن انسان ہیں انہوں نے

اہلِ مبہمی کے حال کی کیسی ترجمانی فرمائی ہے۔ قلب کی جس کیفیت کا اظہار فرمایا ہے یہ اسی نورانی غضب کا اثر تھا اور قلب میں ایسی کچوک اور کسک کا پیدا ہونا مطلوب ہے اور کبھی بھی ایسی حرکت نہ ہو تو وہ قلب بے حس ہے نہ اس میں خدا کی محبت جاگزیں ہو سکتی ہے اور نہ دین کی۔ اہل اللہ اس راز کو سمجھتے ہیں اسلئے وہ طالبین کو کبھی کبھی ایسے کچوک لگایا کرتے ہیں تاکہ دل دنیا کی لذات سے ہٹ کر اور غفلت سے نکل کر دوسری جانب بھی تو آئے چنانچہ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ تو ہوتا ہے مرتبی اور مرید ہوتا مرتبی اور جانتے ہو مرتبی کب عمدہ اور مزیدار ہوتا ہے جبکہ اسکو پہلے کانٹے سے کو نچتے ہیں اور ضرورت ہوئی تو دانتوں تلے داب کر بھی دیکھتے ہیں کہ تیار ہو گیا یا نہیں اور شیرہ جذب کرنے کی اس میں صلاحیت ہو گئی یا نہیں پھر جب وہ شیرہ میں پڑتا ہے تو نہایت عمدہ مرتبی ہوتا ہے۔ اسی طرح سے مرید کو بھی مشائخ پہلے مواخذہ اور تنبیہات کے ذریعہ گویا کچوک لگاتے ہیں تاکہ وہ نہایت ہی عمدہ اور کامل انسان بن سکے اور اخلاص کی شیرینی اس میں خوب جذب ہو جائے۔

حضرت دالائے بھی یہ حالت غضب اور مواخذہ قصداً طاری فرمائی تاکہ اس کے ذریعہ سے اصلاحی کام لیں چنانچہ لیا اور احمد لڈ اہل مبہمی اس امتحان میں کامیاب بھی ہو گئے جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہوا کہ اسٹیشن پر جمع کے رنج و غم اور حزن و بکا کو دیکھ کر لیوے عملہ متحیر تھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ اسکی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کسی پیر کی روانگی پر اتنے مجمع کے آخر رونے کی کیا وجہ ہے وہ بھی تعلیم یافتہ اور ادب نچا طبقہ، علماء اور صلحا قسم کے انسان سب کا ایک حال۔ کسی نوی مسلم لیڈر یا مذہبی پیشوا کی آمد یا روانگی پر نعرہٴ تجریر تو اسٹیشن والوں نے بہت سنا تھا لیکن کسی زندہ کو رخصت کرنے والے مجمع کا مجلس عزاد بجا بن جانا انھوں نے شاید اس سے قبل نہ دیکھا ہو گا۔ اور صر۔ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ چونکہ تمام اہل مبہمی اپنے شہر میں کی جانے والی غلطی پر دل سے نادم تھے اس لئے حضرت دالائے بھی انکی اس حالت کی مدح فرمائی اور اسکو سراہا چنانچہ فرمایا کہ میں نے کچھ اس نیت سے یہ سب نہیں کیا تھا مگر دیکھا کہ نتیجہ کے اعتبار سے اس ایک ہی واقعہ کا اتنا اثر پڑا جتنا کہ بہت دنوں کی تعلیم و تربیت

سے بھی نہ پڑا ہوگا۔

لاحظہ فرمایا آپ نے اسی کو راقم نے کہا تھا کہ ان حضرات کا غصہ نفسانی نہیں نورانی ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے خود حضرت اس ایک ہی معاملہ کو (جو کہ اہل ظاہر کی نظر میں صرف غصہ کا ایک معاملہ تھا، مہینوں کی تعلیم و تربیت سے بڑھکر مؤثر فرما رہے ہیں گرامیوں شک نہیں کہ اس بات کا ہم بیسوں کی سمجھ میں بھی آجاتا ہے ذرا مشکل مرحلہ اور یہ بزرگوں کے حالات نہ جاننے بلکہ دین ہی سے ناواقفیت کا اثر ہے ورنہ تو خود حدیث شریف ہی میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مسجد کی دیوار پر جانب قبلہ تھوک دیکھا اس پر بہت خفا ہوئے اور سب مجمع سے عتاب فرمایا پھر خود ہی اسکو کھرج کر صاف فرمادیا۔ شرح حدیث اسپر بکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کی غلطی پر سارے مجمع کو تنبیہ کی جاسکتی ہے لاحظہ فرمائیے یہ واقعہ بخاری شریف میں موجود ہے اب اسکو کیا کہیے گا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے غصہ اور دین کے لئے غصہ کرنا بھی سنت نبوی ہی ہے۔ بزرگان دین بھی کبھی کبھی اس قسم کی سنتوں کا ایثار فرمادیا کرتے ہیں۔ امید کہ حضرات ناظرین کرام اس توضیح سے مطمئن اور مخلوط ہوئے ہونگے۔

حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مصلح الامۃ کا عنوان تو ختم ہوا اب حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور اور حضرت مصلح الامۃ کے مابین چند مکاتبات جو ہوئیں اسکو پیش کرتا ہوں۔

(حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور اور) حضرت مصلح الامۃ

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی بھی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ حضرت کا وطن اصلی تو ریاست رامپور ہے لیکن عرصہ سے اب

مستقل قیام سہارن پور میں رہتا ہے۔ مدرسہ مظاہر علوم کے مایہ ناز مدرس میں آپ کا شمار ہے آپ نہایت درجہ ذہین خوش طبع، خوش مزاج اور بلا کے حاضر جواب واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے ان چند مناظرین میں سے ایک آپ بھی ہیں جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ آپ نے عیسائیوں اور آریوں سے متعدد مناظرے کئے۔ حضرت مولانا ایک بلند پایہ خطیب اور ماہر شاعر بھی ہیں کبھی کوئی نو دار دآپ سے آپ کا تعارف چاہتا تو یوں فرماتے ”اے سعیدِ مہر نام وطنِ رامپور ہے تقریر عمدہ اور فاضلانہ فرماتے اور نہایت صاف بہت تیز بولا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ میں اسی قدر تیزی کے ساتھ اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی تقریر کر سکتا ہوں۔ ایک موقع پر حضرت تھانویؒ سے متعلق ایک نظم لکھی جو ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کو بھی بید پسند ہوئی چنانچہ حضرت والا کے بیاض میں وہ نقل کی ہوئی ملی۔ ناظرین کرام بھی اس سے محفوظ ہوں۔ دہرہ ہذا۔

اک گزارش ہے حکیم الامت تھانویؒ	چاہتے ہیں اپنے حال زار کی باتیں کریں
دل کے جذباتِ الم کا یہ تقاضا ہے حضور	رخ کے قہقہے کہیں آزار کی باتیں کریں
آؤ بیٹھیں مرکز انوار کی باتیں کریں	نور برسائیں رخِ دل دار کی باتیں کریں
شور ہے جنگی میحانی کا سارے دہر میں	آؤ ان سے اسعدِ بہار کی باتیں کریں
کس قدر ہے ہمتِ زندانِ بدشاں باند	چاہتے ہیں حسرتِ دیدار کی باتیں کریں
فانک سمجھیں گے وہ ظاہر میں رموزِ معرفت	جو ہمیشہ شاہِ بازار کی باتیں کریں
دوستوں کو یہ وصیت ہے چراغاں کی جگہ	میری تربت پر جمالِ یار کی باتیں کریں

اے امیر النفس اسعدیہ ترے فعلِ قبیح

پھر یہ خواہش تجھ سے حضرت پیار کی باتیں کریں

واقعی عمدہ نظم ہے جس سوز و درد سے مولانا مدظلہ العالی نے یہ کلام فرمایا ہے اس کا کیف و سرور اپنے اندر آپ اسے پڑھ کر یا سن کر آج بھی محسوس کرتے ہوں گے ہمارے حضرت اس نظم کا شعر ۱۳ اور ۱۴ اکثر و بیشتر پڑھا کرتے

آپ مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم بھی ہیں پیرائے سالی اور عرصہ مہینوں کا شکار ہوئے کے

سبب انتہائی ضعیف ہو گئے ہیں چنانچہ تعلیم و نظامت کے کاموں سے اب قطعی معذور ہیں مدرسہ ہی کے ایک کمرہ میں جو حضرت کی درس گاہ بھی تھی فریش فرش علالت میں اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو ہر قسم کا سکون و راحت نصیب فرمائے صحت و قوت عطا فرمائے۔ طبیعت کے موافق حالات پیدا فرما کر حضرت کے قلب مبارک اور آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے۔ آمین۔

بہر حال یوں تو مولانا موصوف ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ کے پیر بھائی ہی تھے لیکن مجھے عرصہ تک ان دونوں بزرگوں کے مابین کسی خاص نوع کے تعلق کا علم نہ ہوا اور نہ ہی پیام و مسکاتبت کا کوئی سلسلہ میرے علم میں آیا لیکن سنیہ میں جبکہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوا انکی تعزیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا سعد اللہ صاحب مدظلہ العالی کا گرامی نامہ حضرت کے نام آیا بس یہیں سے مجھے ان حضرات کے مابین مسکاتبتی تعلق کا علم ہوا پھر اس کے بعد سے تو مر آنے جانے والے کے ذریعہ جانبین سے سلام و پیام کا سلسلہ برقرار قائم رہا اور لوگوں نے بتلایا کہ حضرت مولانا سعد اللہ صاحب مدظلہ بھی بڑی عظمت و محبت کے ساتھ حضرت کا حال دریافت فرماتے تھے جس کا اندازہ ناظرین کو بھی ان چند خطوط سے ہو جائے گا جو جانبین کے درمیان آئے گئے۔

حضرت مولانا سعد اللہ صاحب مدظلہ العالی کا خط حضرت

مصلح الائمۃ کے نام

(تعزیت نامہ)

حضرت اقدس محترم مخدوم و مکرم مدت فیوضکم وامت برکاتکم علی رؤس المسترشدين
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے نام موصولہ ایک صاحب کے مکتوب اور اخبار ریاست جدید کانپور سے حضرت کی دو صاحبزادیوں کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر بہت زیادہ افسوس اور رنج ہوا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ ان حوادث جاں کاہ سے دل پر ایک

چوٹ لگی اور طبیعت کو انتہائی تاثر ہوا۔ اس اندوہناک موقع پر حضرت کے طبعی تاثرات کے خیال سے خصوصیت سے دل کو شدید قلق اور احساس ہے مگر مقدرات میں کسی کا چارہ نہیں صبر اور اسکے فضائل پر کچھ عرض کرنا "حکمت برہنماں آموختن" کے مترادف ہے۔

ارباب مدرسہ حضرت کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اظہار تعزیت و ہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحبزادیوں کو جنت الفردوس میں درجات عطا عطا فرمائے اور حضرت اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ مدرسہ میں مرحوم کے لئے قرآن شریف ختم کرا کے ایصال ثواب کرا دیا گیا ہے اور دعائے مغفرت کی گئی ہے میری صحت خراب سے خراب تر ہوتی جاتی ہے۔ مجموعہ اسقام و امراض ہو کر رہ گیا ہوں ضعف یوٹافوئٹراڈ ہے۔ زیارت کا متمنی ہوں لیکن اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ حضرت والا دعا فرمائیں۔ حضرت والا کے جملہ متعلقین و خدام کی خدمت میں نیز مولوی جامی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام۔

فادوم قدیم۔ محمد اسعد اللہ ناظم جامعہ مظاہر علوم
سہارن پور

(حضرت مصلح الائمۃ کا جواب)

معظم و محترم حضرت مولانا دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واقعی اجاب نے بندہ کے غم کو تقسیم فرمایا ہے، اب بہت کچھ غم ملکا ہو گیا ہے ورنہ بیشک بہت زیادہ غم تھا۔ ایصال ثواب کا حال معلوم کر کے بھی بہت مطمئن ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو انہی مغفرت کا ذریعہ بنا دے۔

آپ کی صحت کا حال معلوم کر کے بہت رنج ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کامل بخشیں۔ آپنے ملاقات کی تمنا ظاہر فرمائی ہے اگر یہ مقدر ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے اباب بھی پیدا فرمادیوں۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

ان دنوں سہارن پور کے ایک مدرس مولوی احمد اللہ صاحب بجنوری جو حضرت مصلح الائمہ سے متعلق تھے الہ آباد تشریف لائے تھے (ان کا ذکر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے خطوط میں بھی آچکا ہے) انھوں نے الہ آباد کی فائزہ سے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کو خط لکھا اسکا جواب حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے ارسال فرمایا چونکہ حضرت کا بھی اس میں تذکرہ ہے اسلئے اسکو بعینہ نقل کرتا ہوں۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کا خط مولوی احمد اللہ صاحب بجنوری کے نام

مکرم و محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہو کر کاشف مافیہ ہوا۔ آپ کی مطلوبہ رخصت منظور سے۔ حضرت اقدس مولانا مدظلہ کے لئے بھیم قلب دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکو صحت کامل عاجل ستم و دائم عطا فرمائے اور انکے فیوض و برکات کو دائم قائم رکھے۔ دارین میں روز افزوں رفعت و عظمت عطا فرمائے۔ میرے لئے جناب بھی دعا فرمائیں اور مناسب موقع پر حضرت مصلح الائمہ مدظلہ العالی سے بھی بعد سلام مسنون دعا کی درخواست فرمادیں۔ والسلام۔

اسعد

اسکے بعد کچھ عرصہ تک درمیانی مدت کا کوئی خط مجھے نہیں مل سکا لیکن ۱۳۵۵ء میں حضرت مصلح الائمہ جب علیل ہو کر برائے علاج لکھنؤ تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کا یہ خط لکھنؤ آیا۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کا خط حضرت مصلح اللامۃ کے نام

حضرت اقدس زید مجدکم و مدظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 جیسے ہی حضرت کی ناسازی طبع مبارک کا علم ہوا تھا میں نے ایک مختصر خیریت طلب جوابی
 عریفہ الہ آباد کے پتہ پر ارسال خدمت کیا تھا پھر اسکے بعد معلوم ہوا کہ حضرت کھنؤ تشریف لے آئے ہیں
 پھر جناب کا والانا مہ (مولوی جامی صاحب کا لکھا ہوا) باعث اعزاز ہوا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ
 حضرت کو میرا عریفہ نہیں ملا۔ اس گرامی نامہ پر پتہ تحریر نہیں تھا مجبوراً مولانا علی میاں صاحب کے
 پتہ پر بھیج رہا ہوں خدا کرے جناب کی خدمت میں پہنچ جائے۔ خدا کرے اب طبع سامی بہم
 بعافیت ہو۔ میں اب نسبتاً بہت اچھا ہوں مگر کمزوری و ناطاتی جزو زندگی بن گئی ہیں۔ حضرت
 دعا فرمائیں، اور اگر کوئی صاحب دوسطروں میں کیفیت مزاج سامی سے مطلع فرمائیں گے تو
 ممنون ہوں گا۔

حضرت کی توجہات سامی کیلئے سراپا پاس ہوں۔ زیارت کا بہت مشتاق و محتاج
 ہوں لیکن صحت بالکل جواب دے چکی ہے

محمد اسعد اللہ

(بقلم یکے از خدام۔ ۶ اپریل ۱۳۵۷ھ بمظاہر علوم سہارن پور)
 اس خط کے جواب میں حضرت والا کا کوئی خط گیا یا نہیں مجھے اسکا علم نہیں نیز اسکے بعد
 کی بھی درمیانی مکاتبت رجسٹر میں محفوظ نہیں ہے تاہم اسکے ایک سال کے بعد حضرت مولانا
 محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہ کا ایک اور خط آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے خطوط مولانا کے پاس

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کا خط حضرت مصلح اللامۃ کے نام

سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ اس سے پہلے بھی ایک گرامی نامہ صادر ہوا تھا میں لکھنے سے معذور ہوں ایک صاحب سے جواب لکھنے کو کہدیا تھا کہ انہوں نے لکھ دیا ہوگا شرمندگی ہوئی۔ بہت ہی کمزور اور ضعیف ہو گیا ہوں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ذہنی انتشار رہتا ہے بہت ہی ادب و خواست کہ جب آجاؤں حضرت میرے لئے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کفایت کو مسترشدین کے سر پر بہت عرصہ تک قائم و دائم رکھیں۔

مجھے تو حضرت کے والا نامہ اور توجہات عالیہ سے بہت تقویت ہوئی۔ حضرت کی دعاؤں کی بہت ہی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ میری تودلی تنہا ہے کہ میں حضرت اقدس کے گرامی نامہ کو اپنی نجات کے لئے بارگاہ خداوندی میں پیش کر سکوں اور مجھے یقین بھی یہی ہے کہ حضرت کی توجہات عالیہ میری نجات کا باعث ہوگی۔

(راقم نامہ محمد اللہ بہت ہی ادب سے سلام مسنون عرض کرنے کے بعد دعا کی درخواست کرتا ہے۔ میری تمام اولاد کے لئے حضرت والا دعا فرمائیں)۔

والسلام

محمد (سعد اللہ) بقلم محمد اللہ

منظاہر علوم سہارن پور۔ ۲۴ محرم ۱۳۸۶ھ ۱۹/۵

حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کا جواب

عنایت فرمائے بندہ، جناب مولانا صاحب دام مجدم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احمد لہجریت ہوں آپ کی علالت سے اچانک جو تشویش ہو گئی تھی آپ کے اس خط سے کسی قدر اطمینان ہوا باقی آپ کی صحت اور کمزوری کا تورنج ہے ہی اللہ تعالیٰ صحت و عافیت سے رکھے اور ذہنی افکار زائل فرمادے۔

آپ کے یاد آنے کا کیا سوال؟ آپ تو یاد ہی رہتے ہیں۔ دعا کرتا ہوں۔ آمینہ بھی

کروں گا۔ اور خود اپنے لئے بھی آپ سے مزید صحت و قوت کی دعا چاہتا ہوں تاکہ کچھ کام کر سکوں
اب یہاں گواچھا ہوں اور یو آفیو طاقت بھی بڑھ رہی ہے تاہم تھوڑا سا کام کرتا ہوں
تو تھک جاتا ہوں۔ ضعف اعصاب اسکا سبب ہے علاج کر رہا ہوں۔ دعا بھی فرمائیے۔
آپ کے لئے اور آپ کے سب بچوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔ عزیزم محمد اللہ صاحب کو سلام مسنون
فرمادیں ان کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

ناظرین کرام نے حضرت ناظم صاحب مدظلہ العالی کا خط اور حضرت اقدس کا جواب
ملاحظہ فرمایا! جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ صرف یہی ایک خط اور اسکا جواب حضرت مولانا سعد اللہ
صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامت کے مابین جو قلبی تعلقات تھے انکے اظہار کے لئے کافی
و دافی ہے۔ حضرت ناظم صاحب کے خط کے آخری چند جملے ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر عقیدت
اور کیسی محبت اور کس درجہ احترام و عظمت کے ترجمان ہیں۔ اپنے ایک پیر بھائی کو یہ لکھنا
کہ — ”میری تو یہ دلی تمنا ہے کہ میں حضرت کے گرامی نامہ کو اپنی نجات کے لئے بارگاہِ خداوند
میں پیش کر سکوں اور مجھے یقین بھی یہی ہے کہ حضرت کی توجہات عالیہ میری نجات کا باعث
ہوگی۔ آج کے اس نفسا نفسی کی دنیا میں اور ایسے دور میں جبکہ معاشرہ چشمک اپنے
شباب پر ہو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آسان بات ہے! بڑا مشکل ہے ایسے ہی موقعوں پر لوگوں
کی بے نفسی اور انکے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح سے حضرت اقدس کے جواب سے اندازہ ہوا کہ صرف یہی نہیں کہ ان ہی
حضرات کو حضرت مصلح الامت کی علالت کا غم ہو بلکہ خود حضرت والا بھی موجودہ اکابر علماء
میں سے کسی کو علیل اور بیمار سن پاتے تھے تو حد درجہ فکرمند ہو جاتے تھے اور بیچ پوچھے تو
تعلق اور محبت کا لطف اور مزا بھی کچھ اسی وقت ہے جبکہ صر۔
دونوں طرف ہواگ برابر لگی ہوئی

اب اس کے بعد ایک آخری خط اور حضرت مولانا سعد اللہ صاحب

مدظلہ العالی کا ملاحظہ فرمائیے۔

۱) مکتوب گرامی حضرت مولانا سعد اللہ رضا مدظلہ العالی

حضرت مصلح الامتؒ کے نام

گرامی نامہ باعث اعزاز و اکرام ہوا۔ دلی دعا ہے اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تا دیر سلامتی کے ساتھ قائم و دائم رکھیں۔ مزاج سامی کی صحت اور توانائی اور حضرت کے درجات عالیہ کی رفعت کیلئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے حضرت کی توجہات گرامی اور دعاؤں کا طالب ہوں۔ میری بہت خوش قسمتی ہے کہ حضرت مجھے یاد فرماتے ہیں اور میرے لئے دعا فرماتے ہیں۔

ایک صاحب میرے قدیم کرم فرما ہیں سعدی صاحب رسالہ بیباک کے ایڈیٹر ہیں حضرت سے عقیدت و ارادت رکھتے ہیں میں اجمالی طور پر انکی پریشان حالی سے واقف تھا لیکن کل مجھے تفصیلی طور پر معلوم ہوا کہ وہ بہت زائد پریشان ہیں، انھوں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ایک سفارشی خط بھی حضرت کی خدمت میں انکے لئے لکھ دوں اسکے لئے گو میں نے ان سے معذرت کر دی ہے البتہ یہ میری بھی خواہش ہے کہ حضرت ان کے لئے دعا فرمادیں کیا عجب ہے حضرت کی دعاؤں کی برکت سے انکی پریشانی دور ہو جائے۔ نگاہ شیخ کمال سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

محمد سعد اللہ۔ بقلم محمد اللہ

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

محبت نامہ کاشف حالات ہوا آپ کی دعاؤں کا بہت ممنون ہوں۔ آپ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔ سعدی صاحب کے حالات معلوم ہوئے بہت رنج ہوا ان کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکی پریشانیوں کو دور فرمادیں۔ اور آپ سے تعلقات ایسے نہیں ہیں کہ آپ کی سفارش بار خاطر ہو۔ سفارش کی بھی اجازت دیتا ہوں۔ آپ کو بھی ثواب

مل جائے گا۔

الحمد للہ یہاں سب متعلقین بعافیت میں موسم بھی خوشگوار ہے الہ آباد سے البتہ سخت گرمی اور لوکی اطلاعات آرہی ہیں اللہ تعالیٰ سب کو بعافیت رکھے۔
وصی اللہ۔ ازکرا بلبلی

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ نے اپنے گرامی نامہ میں جن اسعدی صاحب کے متعلق کچھ سفارش فرمائی ہے ان صاحب کا خط برابر حضرت والا کے پاس طلب دعا وغیرہ کے سلسلہ میں آتا رہا ان میں سے ایک خط جو مفید ہدایات پر مشتمل تھا ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

(جناب اسعدی صاحب مدیر اخبار بیباک کا خط حضرت کے نام)

حال: میں جسم و روح اور دین و دنیا کی سخت محرومیوں اور اضطراب انگیزیوں میں مبتلا ہوں عرصہ سے تلاشی ہوں کہ کوئی شفیق طبیب کامل لمجائے۔ 'صدق' میں مولانا عبدالباقی صاحب ندوی کا ایک مضمون دیکھا اور محسوس کیا کہ شاید حضرت والا ہی کے دارالشفا میں میرا علاج ممکن ہو۔ ع۔ برکریاں کارباد شوار نیست۔

اس امید پر یہ عریفہ ہدیہ خدمت کر رہا ہوں کہ اگر حضرت کی اجازت حاصل ہو جائے تو اپنے شرمناک حالات بیان کر کے حضرت کی توجہات و برکات کے لئے درخواست کروں۔
تحقیق: محبت نامہ، آپ نے بھی کمال ہی کر دیا محض ایک رسالہ میں مضمون دیکھ کر کسی کے اس درجہ معتقد ہو گئے۔ عقیدت کا یہ طریقہ تو کچھ زیادہ مستحکم نہیں ہے اور پھر میں اسکا اہل بھی نہیں ہوں کہ حضرات اہل علم مجھ سے رجوع ہوں۔ تاہم اگر آپ کو مجھ سے حن ظن ہے تو اگر آپ مجھ سے کچھ دریافت کریں گے تو دو چار حرف جاننے کی وجہ سے جو سمجھ میں آجائے گا جواب دے ہی دوں گا۔ اس سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔

باقی صحیح طریقہ یہ تھا کہ مجھے آپ کی اور آپ کو میری معرفت براہ راست ہوتی۔ تصانیف کا مطالعہ فراتے۔ کبھی موقع ہوتا تو تشریف لاتے۔ بہر حال میری جانب سے اجازت مکاتبت اپنی مناسبت کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے

تھانہ بھون ماضی سے قبل دس سال تک حضرتؒ کی کتب کا مطالعہ فرمایا اسکے بعد رجوع ہوئے فراتے تھے کہ کسی سے تعلق قائم کرنے سے پہلے تو تحقیق کا موقع ہے مگر جب اسکو شیخ تجویز کر لیا تو پھر اب تقلید ضروری ہے، اب چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا کا طریقہ کہ کسی کی محض تعریف سے جو اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اسکو کافی سمجھتے تھے چاہتے تھے کہ لوگ طریق کا کام کبھی اصول کے ساتھ کریں اور اس باب میں اصول یہی تھا کہ دوسرے لوگوں کی تعریف کا عدم کھٹی اعتبار اسکا تھا کہ ہر شخص خود اپنا معاملہ درست کرے۔ حتیٰ کہ شیخ کے انتخاب میں بھی خود اپنی مناسبت اپنی محبت اور کوشش پیش نظر رکھے کہ راستہ خدا کا ہے اور معاملہ دیانت کا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے کہ وہ توفیق کو اسکا خیر رفیق بنا دے۔ کوئی بزرگ نہ چنچے تو دوسرا راستہ دیکھے لیکن ایک مرتبہ جس سے سمجھ بوجھ کہ عقیدت اور تعلق قائم کر لیا تو بس پھر اسکا اتباع کرے۔ اب نہ چون و چرا ہی کی گنجائش ہے اور نہ اپنی تحقیقات بگھارنے کی حاجت ہے بلکہ اب تو تقلید ہی ضروری ہے۔

صرف اسی ذریعہ افاضہ کی خاطر اسعدی صاحب کا یہ خط یہاں نقل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے سب کو مستفید فرماوے۔ اس خط پر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامتؒ کے مابین کے حالات ختم ہوئے اب آگے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قس مرہ پھولپوری اور حضرت مصلح الامتؒ کے مابین دو ایک خطوط جو مل سکے ملاحظہ فرمادیں۔

(حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ اور حضرت مصلح الامتؒ)

حضرت مولانا پھولپوری بھی ضلع اعظم گڑھ کے ایک قصبہ پھولپور کے قریبی ایک موضع کے باشندے تھے۔ حضرت پھولپوریؒ کے وطن کے قریب پھولپور اور سراہ میر دو قصبے واقع تھے حضرت پھولپوریؒ نے دونوں جگہ عربی مدرسہ قائم فرمایا۔ پھولپور کے مدرسہ کی بنیاد تو حضرتؒ نے

اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کے مشورہ سے اور حضرت ہی کے ہاتھوں ڈالی۔ چنانچہ پھولپور کی مناسبت سے حضرت تھانویؒ نے یہاں کے مدرسہ کا نام ”وقفۃ العلوم“ تجویز فرمایا اور سرکامیر کے مدرسہ کی سرپرستی کے لئے بھی حضرت تھانویؒ سے درخواست کی حضرت نے قبول فرمایا اور کس نفسی کے طور پر مدرسہ کا نام بیت العلوم تجویز فرمایا (بیت عربی میں کہتے ہیں کوٹھری کو) اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دارالعلوم بنادے (دار کہتے ہیں صحن والے بڑے گھر کو)۔

حضرت پھولپور می ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں چونکہ آپ کو بڑا مقام حاصل تھا اسلئے حضرت والا بھی انکا بیجا ادب فرماتے تھے بلکہ اپنی جماعت کا سرخیل تصور فرماتے تھے اور اپنے مزاج خاص اور عیٰ خمول پسند کی وجہ سے جن چیزوں میں عملاً پڑنا پسند نہ بھی فرماتے ان میں بھی حضرت مولانا پھولپور می کی رائے سے پورا اتفاق اور کامل تائید فرماتے۔

اس سلسلہ کے دو واقعات تو خود اس راقم الحروف کے بھی علم میں ہیں کہ جہاں حضرت والا کا تقاضائے مذاق کچھ اور تھا لیکن جب کسی نے حضرت کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا تو فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہماری بھی وہی رائے اور ہمارا بھی وہی مسلک ہے جو حضرت پھولپور می کا ہے۔ چنانچہ جماعت کے متعلق جیسا کہ عام طور سے لوگوں کے علم میں ہے حضرت والا کچھ نہیں فرماتے تھے نہ تائید نہ تردید چنانچہ حضرت کی مجلس کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کیجاتی تھی کہ غیر کا وہاں بالکل تذکرہ نہیں ہوتا۔ اور خود حضرت والا بھی فرمایا کرتے تھے کہ اجی! صر۔ اجاب حاضر اندبا عدا چہ حاجت است۔ یعنی جب احباب موجود ہیں تو پھر اور دوسروں کا کیا ذکر۔ ہمارے پاس اللہ اور رسول اور بزرگان دین کی باتیں کیا کم ہیں کہ ہم اغیار کے تذکرہ سے اپنی مجلس کو رونق دیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اسی جماعت کا بلکہ روافض اور مبتدعین کسی بھی جماعت کے لوگوں کا تذکرہ حضرت والا کی مجلس میں کبھی نہیں آتا تھا۔ یوں کبھی ضمناً یا اشارۃً روافض یا اہل بدعت کے طریقہ کی تردید بھی فرمائی تو اس سے زیادہ نہیں کہ مثلاً حضرت امیر معاویہؓ کا کوئی واقعہ بیان فرماتا ہوا تو اسکو اس انداز سے فرماتے کہ اب خوف و خشیت کے سلسلہ کا ایک واقعہ ایک صحابی رسول کا سینے، لوگ تو ان سے خفا ہیں گرد یکھئے اس واقعہ

اذاذہ ہوتا ہے کہ یہ صحابی رسول اس باب میں بھی (یعنی خوفِ آخرت اور اللہ تعالیٰ کی خشیت کے باب میں بھی) کس قدر متبعِ رسول تھے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت کی ان لفظوں سے کہ ”لوگ تو ان سے خفا ہیں“ رواً فیض ہی مراد میں لیکن عنوان کیسا پیارا اور ناصحانہ اختیار فرمایا۔ اسی طرح ایک موقع پر مولانا اسماعیل صاحب شہید کا کوئی کلام نقل فرمانا ہوا تو یوں فرمایا کہ ”اب ایک عالم ربانی کا ارشاد سینے لوگ تو ان سے ناخوش ہیں مگر دیکھئے کہ ان بزرگ نے کیسی عمدہ اور محققانہ بات ارشاد فرمائی“۔ اس طرح سے حضرت شہید کی نصرت اور تائید فرماتے اور انکو برا سمجھنے والوں کی تحقیر اور تردید اس طرح کے نرم عنوان سے فرماتے۔

غرض حضرت اقدس کا مزاج ہی کچھ ایسا تھا کہ اختلاف اور اختلافیات کا چرچا اپنی مجلس میں ناپسند نہیں فرماتے تھے لیکن اسکا منشا یہ ہرگز نہ تھا کہ حضرت والا کچھ اپنے مسلک میں نرم تھے یعنی محض ایک صلح کل قسم کے انسان تھے ایسا نہیں تھا کیونکہ خود فرماتے تھے کہ بھائی اتنا کچا نہیں ہوں اپنے بزرگوں کے طریقہ کے خلاف کسی طریقہ اور مسلک کی تائید کرنے لگجاؤں میں اپنے مسلک میں نہایت مضبوط ہوں ہاں بہت طریقہ اصلاح میں ذرا نرم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی موقع پر حضرت والا کے سکوت سے کسی ناجائز فائدہ اٹھانا تو پھر وہاں حضرت نے صاف صاف اور کھل کر کہہ بھی دیا ہے مثلاً حضرت پھولپوریؒ کی رائے ایک جماعت کے متعلق کچھ سخت تھی۔ مولانا خود بھی زبردست عالم تھے مفتی تھے اس جماعت کی تباہی اور نئے لوگوں کے حالات اور کام رنج پر مولانا کی نظر تھی دراصل طواف میں حج عمت کا کچھ دیکھی رہا ہوگا اسلئے غالباً مولانا کی مجلس اور وعظ و تذکرہ میں سکا ذکر زیادہ آتا تھا برخلاف اسکے ہمارے حضرت کے اطراف کی یہ فضا ہی نہ تھی اسلئے اس جماعت کا ذکر برائے نام بھی کبھی حضرت کے یہاں آتا تھا اس فرق کی وجہ سے خود غلط فہمی میں پڑ کر یاد مردوں کو غلط فہمی میں ڈالنے کیلئے بعض لوگوں نے اسے مستنبط کیا کہ مولانا پھولپوریؒ تو فلاں جہت کے بارے میں متشدد ہیں اور مولانا پھولپوریؒ (یعنی ہمارے حضرت صلح اللہ) نرم ہیں نظر ہے کہ اسے یہ نکلا کہ اس جماعت کے متعلق گویا ان دنوں بزرگوں میں اختلاف رائے ہے حضرت اقدسؒ کو جب اسکی اطلاع ملی کہ لوگوں میں کچھ اس قسم کا چرچا ہو رہا تو فرمایا کہ بھائی مولانا پھولپوریؒ ہماری جہت کے بزرگوں میں ہیں ہم کو ان کوئی اختلاف نہیں اس جماعت کے بارے میں ہماری رائے بھی وہی جو مولانا پھولپوریؒ کی ہے اس طرح سے حضرت والا نے اس امر کا اظہار فرما کر اس فتنہ کا سد باب ہی فرمادیا جو ایسے موقعوں پر اکابر میں باہم اختلاف ظاہر کر کے اہل غرض بالعموم پیدا کیا کرتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، حضرت مولانا فتہ پوری نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا پھولپوری کا بہت ادب و لحاظ فرماتے تھے ظاہر ہے کہ پھر ان سے اختلاف کیسے گوارا فرما سکتے تھے اور اختلاف تو بجائے خود رہا حضرت پھولپوری اگر کبھی اپنے کسی مرید سے ناراض ہو جاتے اور اپنا تعلق اس سے قطع فرما لیتے تو یہ ناممکن تھا کہ پھر وہ ہمارے حضرت کے یہاں بھی باریابی حاصل کر سکے چنانچہ اس بات کے ثبوت کے لئے ایک طالب کا خط اور حضرت مصلح الامت کا جواب نقل کرتا ہوں:-

(حضرت مولانا پھولپوری کے ایک یَد کا خط)

(حضرت مصلح الامت کے نام)

خادم نے جو جوابی کارڈ حضرت کینڈست میں روانہ کیا تھا اس کے جواب میں حضرت والا کا خط ملا۔ خیریت آنجناب کی معلوم ہو کر الحمد للہ خوشی ہوئی۔ دوسری گزارش حضرت کینڈست میں یہ ہے کہ بندہ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری سے تھا مگر کچھ مناسبت میں کمی کی وجہ سے انہوں نے بندہ کو لکھا ہے کہ تم دوسرا مصلح تجویز کرو۔ لہذا خادم حضرت والا کو اپنا مصلح تجویز کرتا ہے اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ اللہ واسطے خادم کی اصلاح فرمائیں۔

(حضرت مصلح الامت کا مشفقانہ اور اصلاحی جواب)

بھائی حضرت مولانا صاحب نے دوسرا مصلح تجویز کرنے کو کیوں فرمایا؟ آپ نے کوئی بے ادبی تو نہیں کی؟ اگر بے ادبی کی تو حضرت مولانا سے معافی مانگی اور انکو خوش نہیں کیا؟ یہ چیز آپ کے خسران کا سبب ہے فوراً تدارک کیجئے اور حضرت مولانا کو راضی کیجئے اور جب مولانا سے مناسبت نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ مجھ سے مناسبت کی کیا امید ہے۔

خوب سمجھ لیجئے ————— والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدسؒ نے یہ نہیں کیا کہ لاؤ ایک مرید مل رہا ہے فوراً اسکو داخل سلسلہ کر لیں بلکہ حضرت پھولپوریؒ کی عظمت اور خود اس طالب کی شفقت اور اسکی دینی مصلحت کے پیش نظر اسکو کیسا خیر خواہانہ مشورہ مرحمت فرمایا اور آخری جملہ سے اپنے اور انکے اتحاد معاملہ کو کیسا ظاہر فرادیا۔ صر۔ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگرمی۔

اسکے بعد اب دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو کہ حضرت پھولپوریؒ کو بھی حضرت والاؒ پر کس قدر اعتماد تھا کہ اپنے لوگوں میں سے جس کو مناسب سمجھتے تھے حضرت مصلح الامتؒ کی جانب رجوع فرما دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت پھولپوریؒ کے کسی مرید نے مولانا کے بعد ہمارے حضرت کو ایک خط لکھا ہم یہاں اسکو اور حضرت مصلح الامتؒ کے جواب کو نقل کرتے ہیں۔

ہوایہ کہ ان صاحب نے حضرت والاؒ سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے بعض جاب کی گفتگو کیوجہ سے انکے ارادہ میں تزلزل پیدا ہو گیا اسکے لئے انھوں نے دیوان حافظ سے سے فال نکالا اور پھر حضرت والاؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور اپنا یہ سب حال (ارادہ سے لیکر مرید ہونے تک) حضرت والاؒ کو لکھا۔ انکا حال لخصاً اور حضرت اقدسؒ کا مفصل جواب ملاحظہ ہو۔

(حضرت پھولپوریؒ کے ایک مرید کا حضرت مصلح الامتؒ کے نام خط)

اپنے ہی سلسلہ کے چند حضرات کے سرسری انداز گفتگو سے شک و شبہ نے میرے یقین کا دامن چھو لیا۔ اسی اضطراب میں دیوان حافظ تبرکاً اٹھا کر دیکھا اور ذہن میں خیال رکھا کہ اپنا رشتہ (یعنی تعلق اصلاحی) حضرت (فتحپوری یعنی ہمارے حضرت والاؒ) سے مناسب ہو گا یا نہیں؟ (یعنی دیوان حافظ سے فال نکالا) تو پہلی باریہ شعر سامنے آیا ہے

بندہ پیر خرابا تم کہ درویشان اُو گنج را از بے نیازی خاک بر سر میکنند

پھر دوسری باریہ سوچ کر کہ (آخر) لوگوں نے جو میرے ذہن کو منتشر کر دیا اسمیں وہ کہاں تک

سہ۔ میں یہ پیر خرابات کا غلام ہوں جس فقیروں کا حال ہے کہ وہ خزانوں کے نیاز ہو کر اسکو خاک فن کر دیا کرتے ہیں۔

صحیح المائے ہیں پھر دیکھا تو یہ شعر سامنے آیا ہے
خانہ خالی کن دلا! ۳ منزل جاں شود
کیں ہوسنا کاں دل دجاں جائے دیگر میکند
حضرت والا! مجھے ان اشعار سے بالکل اطمینان ہو گیا اور فوراً اسکے بعد ہی ادین درخواست
اپنی اصلاح کے لئے پیش کی جس کے جواب باصواب سے جو سرور غیر فانی حاصل ہوا وہ بیرون از
قیاس ہے۔

(حضرت مصلح الامت کا ان فال والے صاحب کو جواب)

ایک بات خدمت مبارک میں عرض ہے کہ کیا شیخ سے رجوع کرنے کے لئے دیوان حافظ
سے فال لینا کافی ہوگا؟ ہمارے مشائخ کی کیا تعلیم ہے؟ (اسکے متعلق کچھ فرمائیے)۔
اور ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ لوگوں نے میرے پاس خطوط لکھے ہیں کہ حضرت
مولانا شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا ہے کہ ان سے (یعنی وحی اللہ سے) تعلق رکھو۔ اسیر
سے ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا اور اسکی تعبیر حضرت مولانا
عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے دریافت کیا تو مولانا پھولپوریؒ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ
اسطرت ہے کہ تم ان سے (یعنی وحی اللہ سے) رجوع کرو تم کو وہاں نفع ہوگا۔
اب اسکے بعد آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کے (سابق) شیخ جن سے آپ کی عقیدت
ضرور رہی ہوگی وہ تو یہ فرما رہے ہیں نیز مولانا یہاں الہ آباد تشریف لائے تھے چکے ہیں میرا مکان
اور میرا رہن سہن ملاحظہ فرمائیے چکے ہیں اسکے بعد بھی مولانا کی میرے متعلق جو رائے تھی وہ اوپر
کے واقعات سے ظاہر ہے اور یوں بھی حضرت مولانا میرے صرف پیر بھائی ہی نہ تھے بلکہ
ہر معاملہ میں ہم اور وہ ایک رائے ایک خیال ہوتے تھے اور گولنا جلنا کم رہا تاہم جس معاملہ میں
جو انکی رائے ہوتی رہی میری ہوتی اور جو میری ہوتی وہی انکی ہوتی۔ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟
اب ان حالات کی روشنی میں فرمائیے کہ آپ لوگ اپنے شک و شبہ میں کہاں تک
حق بجانب ہیں؟ - والسلام

وحی اللہ (از معرفت حق مسمیٰ ہے)

عہ یعنی اسے دل تو اپنے گھر کو خالی کرتا کہ وہ محبوب کا جائے قیام بن سکے کیونکہ یہ ہوسنا کہ لوگ میں انہوں نے اپنے دل جاکو کہیں اور لگا رکھا ہے

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس کا جواب۔ یوں تو اس خط میں اور باتیں بھی ہیں تاہم خط کشیدہ عبارت میرے مدعا کے اثبات کے لئے کافی و دافی ہے۔ وہ یہی کہ یہ دونوں بزرگ ہم مسلک اور ہم مشرب ہونے کے علاوہ متفق الخیال و متحد الاراء بھی تھے۔ ایک موقع تو یہ تھا۔ دوسرا موقع وہ دیکھا کہ جب ایک خاص مسئلہ کے متعلق حضرت پھولپوریؒ نے اپنا رسالہ "اعلام الطالبین بخروج البعض من المجازین" مرتب فرمایا اور علماء و مشائخ نے اس پر اپنی آرا کا اظہار فرمایا تو ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ نے اسکی تائید ان لفظوں سے فرمائی۔ ارقام فرمایا کہ

"حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری مدظلہ العالی نے جو کچھ تجویز فرمایا ہے وہ محض دیانت اور مسلمانوں کے دین کی حیانت نیز حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ کے مسلک کی حفاظت پر مبنی ہے اور میں بھی اس سے متفق ہوں کوئی صاحب مناظرہ کا باب کشادہ نہ کریں۔ جواب نہیں دیا جائے گا۔

(دعی اللہ عنہ، بقلم خود، مقیم حال ۲۳ بخشی بازار الہ آباد)

۵ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ۔ (اعلام الطالبین ص ۲۲)

اس میں بھی حضرت مولانا پھولپوریؒ پر حضرت کا کامل اعتماد اور معاملہ خاص میں انکا اتباع اور انقیاد نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت پھولپوری ہمارے نزدیک چونکہ ایک متدین بزرگ ہیں نفسانیت سے خالی اور حضرت تھانویؒ کے مسلک کی حفاظت میں مخلص ہیں اور مسلمانوں کے دین کے سچے خواہ ہیں۔ اسلئے جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اور کہا ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے اور میں بھی اس میں ان سے متفق ہوں۔

دیکھئے! دونوں حضرات مستقل ہیں اور صاحب سلسلہ شیخ ہیں اور ہر ایک کے ساتھ مانتے والوں کی خاصی تعداد موجود ہے مگر رائے اور خیالات کی یہ ہم آہنگی اور ہم رنگی اس اعجاب کل ذی رائی برائیہ کے دور میں سوا اسکے کہ اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع کی برکت کہیے اور ان حضرات کی کرامت اور انکی لہیت اور بے نفسی کی دلیل سمجھیے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور اسمیں بھی شک نہیں کہ وہ ایسے بڑے شیخ کے باہمی تعلقاً

کی یہ فضا سرشد تھانوی قدس اللہ سرہ کی تعلیم و تربیت کا ایک روشن نمونہ اور بلاشبہ انکا ایک مجددانہ کارنامہ ہے۔ واقعی آج حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے جس خلیفہ کو دیکھئے فیض کا ایک معتد بہ سلسلہ اسکی ذات سے قائم ہے۔ کسی بزرگ کے اس قدر کثیر تعداد میں کثیر الفیض خلفاء کم ہوتے ہیں اسی کو دیکھئے کہ ایک طرف حضرت پھولپوریؒ نے معیت اور معرفت الہیہ کے پھولوں سے اطراف و اکناف صند کو معطر فرمایا تو دوسری جانب ہمارے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ نے بھی معرفت حق اور نسبت صوفیہ کو آسان اور محبوب بنا کر مسلمانوں کے سامنے اس طرح سے پیش فرمایا کہ کبار علماء و مشائخ کو حضرت کی دینی و روحانی اور اصلاحی خدمات کی داد دینی پڑی اور جہاں کہیں حضرت والا تشریف لے گئے وہاں کے عوام و خواص سبھی کے قلوب توفیق پوری ہی حاصل فرمائی۔ وذلک بفضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اور ایک ہی دونوں بزرگ کیا آج ہندوپاک میں کون سا خطہ ایسا ہے جہاں اس تھانوی شمس کے فیض کی شعاعیں نہیں پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے فیض سے اقصائے عالم کو فیضاب فرمادے۔ آمین۔

مجھے یاد ہے کہ اکیتر تہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ الہ آباد تشریف لائے ہندو مسلم مشترک مجمع میں "انسانیت" کے موضوع پر تقریر فرمائی اور اسکی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ ہم سب لوگ اپنا اپنا الگ الگ مذہب رکھنے کے باوجود انسانیت میں شریک ہیں چنانچہ اسکی بہت سی ایسی قدریں ہیں کہ اسکو ہر شخص بلا تفریق مذہب و ملت پسند کرے گا مثلاً سچ بولنا غریبوں اور کمزوروں کی ہمدردی کرنا۔ بھوکے کو کھانا کھلانا۔ پڑوسی کو آرام پہنچانا اور کسی کو دھوکہ نہ دینا۔ چوری۔ حرام کاری۔ رشوت۔ ظلم۔ خود غرضی اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ ان سب چیزوں کو ہر شخص پسند کرتا ہے لہذا اگر ایک جماعت ایسے لوگوں کی جوان اچھائیوں کو پھیلانا اور ان برائیوں کو مٹانا چاہتے ہیں تیار ہو جائے اور سب مل کر اس کام کو کریں تو آج دنیا سے بہت سی برائیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اور زندگی جو بلا تفریق مذہب ہر انسان پر عذاب بنی ہوئی ہے وہ راحت اور چین سے گذر سکتی ہے۔ مولانا کی تقریر طویل تھی حاصل اسکا اخلاقیات کی جانب لوگوں کو متوجہ کرنا اور موجودہ بد اخلاقیوں کے انسداد کی فکر پیدا کرنا تھا۔

بات کی صداقت اور مقصد کی پاکیزگی میں کسکو کلام ہو سکتا ہے لیکن اس موقع پر مجھے خیال گذرا کہ اجی مولانا ندوی مدظلہ نے تو آج وہی بات بیان فرمائی جو اب سے بہت پہلے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تھانہ بھون کے مسند ارشاد سے بیان فرمائی تھی۔۔۔ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی یہاں بزرگی و زرگی تو ہے نہیں جس کو بزرگ بنا ہو وہ کہیں اور جائے میں تو صرف انسان بناتا ہوں اور لوگوں کو انسانیت سکھاتا ہوں لہذا جسکو انسان بنا ہو وہ یہاں آئے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ غوث اور قطب بنا آسان ہے مگر انسان بنا مشکل ہے۔ حضرت کی یہ بات بہت مشہور ہوئی، بس فرق یہ ہے کہ مولانا ندوی مدظلہ نے اسے اسٹیج پر بیان فرمایا اور حضرت تھانویؒ نے چند بورینہ نشینوں کے مجمع میں اسکو فرمایا تھا تاہم انکے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسکو پہونچا ہر جگہ دیا۔ آپ نے بھی سنا ہو گا ہم نے بھی سنا۔ اور بہت سے اللہ کے بندوں تک حضرت کی یہ آواز پہونچی۔

اور سچ پوچھئے تو حضرت تھانویؒ بھی کہاں سے فرماتے دراصل یہ بات تو اب سے بہت پہلے سان نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم سے نکل چکی تھی۔ فرمایا کہ بعثت لا تنہم مکرم الاخلاق میں اسلئے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں)۔

بہر حال مولانا ندوی کی تقریر بہت خوب تھی، مفید اور موثر تھی، باقی اس سے میں نے اپنے ذہن میں یہی سمجھا کہ الحمد للہ خانقاہیں گو اس زمانہ میں ختم ہوتی جا رہی ہیں لیکن جو پیغام وہاں سے ملتا تھا وہ زندہ ہے گویا مولانا ندوی الحمد للہ اس تخریب خانقاہ کے دور میں پیغام خانقاہ پہونچا رہے ہیں کیونکہ علم تصوف ہی کا دوسرا نام علم الاخلاق بھی ہے اور تہذیب الاخلاق کا گہوارہ اب تک یہی خزانہ ہی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارباب خلائق کو ان جگہوں سے پھر وہی کام لینے کی توفیق عطا فرمائے جسکے لئے انکی اصل وضع تھی و ما خلا علی اللہ بعزیز۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ بات کہیں سے کہیں پہونچ گئی تاہم دو بات سابق خط اور تحریر کے

سلسلہ میں اور سن لیجئے :-

ایک تو یہ کہ ان فال والے طالب نے حضرت دالاکو یہ جو لکھا تھا کہ "چند حضرات کے

انڈاز گفتگو سے شک و شبہ نے میرے یقین کے دامن کو چھو لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے جن کو ہمارے حضرت سے عقیدت اور مناسبت نہ رہی ہوگی انکو ادھر سے بہکایا تھا اور یہ صاحب اسی وجہ سے شک میں پڑ بھی گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھا آپ نے نفاذیت کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے۔ اپنا پیر اور شیخ تو کسی سے پورا مطمئن ہوتا ہے مگر مرید لوگ شک و شبہ ہی میں پڑے رہتے ہیں۔ ایسا پہلے بھی ہوا ہے اور ہم آج بھی اپنے حالات میں اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی فتنہ سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت والاؒ نے اپنی تائیدی تحریر میں مولانا پھولپوریؒ کا ایک وصف (اور بھی حضرت والاؒ کی تائیدی ایک وجہ تھی) یہ بیان فرمائی کہ (مولانا پھولپوریؒ کی یہ تجویز) حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ کے مسلک کی حفاظت پر مبنی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے شیخ کا مسلک بھی کوئی چیز ہے جو قابل حفاظت ہوا کرتا ہے اور اسکی حفاظت کرنے والا قابل تحسین و تقلید ہوتا ہے نہ یہ کہ اسکو جامد اور اسکی حفاظت کو جو دہندہ اور تنگ نظری سے تعبیر کیا جائے۔ نیز معلوم ہوا کہ کتاب و سنت پر عمل کے بعد کسی عالم ربانی اور شیخ حقانی کا مسلک بھی کوئی درجہ رکھتا ہے (جاہلوں اور دنیا دار پیروں کا یہاں ذکر نہیں) ورنہ تو حضرت نور اللہ مرقدہ کا یہ فرمانا بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت والاؒ نے دین و دنیا کا ذکر الگ فرمایا اور اسکے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کے مسلک کو بھی ذکر فرمایا چنانچہ آج عام طور سے یہ مغالطہ بھی دیا جا رہا ہے کہ کسی شیخ کا مسلک کیا چیز ہے؟ بس قرآن و حدیث اصل ہے۔ اس میں شک نہیں اس قول کا ظاہر حقد حسین اور آراستہ ہے اسی قدر یہ قول کسی شیخ ربانی و حقانی کے مسلک کی پیروی سے الگ ہونے کے بعد دین و دیانت ہی قید سے آزادی کا زہر بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اس قید سے چھڑا کر پھر اسکے بعد اپنے نفس کی اتباع کا نہایت ہی لذیذ اور ہر دلعزیز مسلک کی دعوت پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس کی فریب کاریوں سے ہماری حفاظت فرما دیں۔ آمین۔ مقدسے اگر کوئی مسلم بزرگ کسی کو مل جائے تو پھر دین پر چلنے کے لئے اسی کی تعلیمات اور ہدایات اور مسلک کو اپنا پیشوا بنانا اور اطمینان کے ساتھ اسی راہ پر چلے چلنا اس زمانہ میں عوام کیلئے

از بس ضروری ہے اور طرح طرح کے فتنوں اور گمراہیوں سے بچنے کا سہل ترین ذریعہ ہے۔
 بہر حال میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ان دونوں حضرات یعنی حضرت پھولپوریؒ اور حضرت فتحپوریؒ
 کا تعلق باہمی لشہر اور فی اللہ کھانا چنانچہ ہر ایک دوسرے کے غم میں برابر کے شریک
 رہا کرتے تھے۔ باقی جیسا کہ خود حضرت والاؒ نے فرمایا کہ آخر میں ملنا جلنا کم ہوتا تھا تو ظاہر ہے کہ
 مکاتبت کی نوبت بھی کم ہی آتی رہی ہوگی۔ چنانچہ مجھے تو اس سلسلہ کا صرف ایک
 تعزیت نامہ مل سکا جو حضرت والا کی دونوں صاحبزادیوں کے انتقال پر حضرت پھولپوریؒ
 نے ہمارے حضرت کے پاس ارسال فرمایا تھا۔ دھونڈا۔

(حضرت پھولپوریؒ کا تعزیت نامہ حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

شفیق ملک اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ معلوم کر کے کہ دو دو صاحبزادیاں ہفتہ عشرہ کے اندر اس دار الفنا سے دار البقا
 کو تشریف لے گئیں (رحمہما اللہ تعالیٰ) بے حد رنج و قلق ہوا۔ اللہ تعالیٰ متعلقین کو صبر جمیل
 عطا فرمادیں اور صاحبزادیوں کو جنت الفردوس عطا فرمادیں۔
 دنیا سے رحلت ناگزیر ہے اور مفارقت عزیزاں بھی یکے بعد دیگرے ضروری ہے
 سوائے صبر جمیل کے چارہ نہیں۔
 دل دردمند

عبد الغنی (انڈیا پور۔ کرنیل گنج۔ مکان حاجی سلام الدین صاحب)

(حضرت والا کا جواب حضرت مولانا پھولپوریؒ کے نام)

حضرت مولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جب حضرت میر دل دردمند ہیں جیسا کہ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا تو مجھ کو کیا کچھ درد
 ہوگا۔ بہر کیف اکابر کی تعزیت میرے لئے کیا کم ہے اس سے بہت کچھ تسلی ہو رہی ہے۔
 دل سے دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ بالکلیہ اپنی طرف متوجہ فرمالیں اور اپنا بنا لیں۔ والسلام۔
 وصی اللہ عفی عنہ

مکاتبت بالا میں حضرت پھولپوریؒ کی شفقت اور حضرت مصلح الامۃ کے رنج و غم سے دردمند ہونا اور ہمارے حضرت کا تادب اور قلبی عظمت نمایاں ہے اور جواب کے آخری جملہ سے تو کہ ————— دل سے دعا فرادیجئے کہ اللہ تعالیٰ بالکلیہ اپنی طرف متوجہ فرمائیں اور اپنا بنالیں ————— حضرت والا کی کیفیت قلبی کا بھی کچھ سراغ لگتا ہے کہ اولاد کی محبت اور اسکی جدائی کے درد و غم کو جو کہ ایک فطری اور طبعی چیز ہوتی ہے اور شرعاً کچھ مذموم بھی نہیں ہے مگر حضرت کی دلی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو بھی اپنی محبت سے تبدیل فرمادیں یعنی یہ حاصل ہو جاوے اور وہ بالکلیہ زائل ہو جائے ، ورنہ تو حق تعالیٰ کی محبت کو غیر اللہ کی محبت پر صرف غالب ہی رکھنا یہ تو ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے صوفی عبدالرب صاحب مرحوم نے اپنی روانگی حج کے وقت خالق و مخلوق کی محبت کا خوب تقابل کیا ہے فرماتے ہیں کہ

تمنا ہے کوئی اللہ والا پھر دعا کر دے کہ مجھ کو رب کعبہ دولت حج پھر عطا کر دے
وہی تیاریاں ہوں پھر علائق سے جدا ہو کہ یہ بندہ پھر خدا کا ہو کے ترک ماسوا کر دے
گلے سے اپنے بچوں کو لگاؤں اور جدا کر دوں محبت اپنی غالب ہر محبت پر خدا کر دے
لیکن اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کچھ دوسرے ہی انداز کی ہوتی ہے کہ پھر وہ اسکے بعد
از خود کسی غیر سے دل لگانے ہی کو پسند نہیں فرماتے۔ اور طبعی محبت جس سے ہوتی ہے
شرع کے مطابق اسکا حق ادا کرتے ہیں لیکن دل سے اللہ تعالیٰ سے انکی آرزو یہی ہوتی ہے
کہ انکی جگہ خدا اپنی ہی محبت قائم فرما دے۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت والا، حضرت پھولپوریؒ کا بہت ہی ادب فرماتے تھے۔ خود راقم نے دیکھا ہے کہ حضرت پھولپوریؒ اپنے اخیر زمانہ میں ایک مرتبہ الہ آباد تشریف لائے (حضرت پھولپوریؒ کی صاحبزادی صاحبہ ہیں تشریف رکھتی تھیں وہیں حضرت کا قیام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پھولپوریؒ نے کسی خادم سے ہمارے حضرت کے متعلق

دریافت فرمایا ہو گا کہ مولوی وحی اللہ صاحب کہاں رہتے ہیں انکے یہاں بھی چلنا ہے کسی ذریعہ سے ہمارے حضرت کو حضرت پھولپوری کا الہ آباد تشریف لانا اور حضرت والا کے یہاں تشریف لانے کا ارادہ معلوم ہو گیا تو ہمارے حضرت نے اپنے بعض خدام سے فرمایا کہ اچی! مولانا پھولپوری آئے ہوئے ہیں کوئی شخص انکے جائے قیام سے واقف ہے؟ مولانا کے کہ یہاں ابھی چلنا ہے۔ چنانچہ حضرت والا چند خدام کے ہمراہ مولانا پھولپوری سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے (راقم السطور بھی ہمراہ تھا) حضرت پھولپوری بڑی تپاک اور محبت سے ملے اور فرمایا مجھے تو آپ مکان دیکھنا ہی تھا جو آپ نے یہاں خریدا ہے اسلئے میں خود آئیواں ہی تھا آپ نے کیوں تکلیف کی؟ حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت! مکان تو حضرت ہی کا ہے جب مرضی ہو تشریف لیچلیں باقی آنا تو مجھے ہی چاہیئے تھا۔ یہ غالباً دو پہر یا قبل دوپہر کی بات ہے اس کے بعد بعد نظر حضرت پھولپوری تشریف لائے حضرت والا نے غالباً تادباً ہی حضرت کے لئے اپنے کمرہ کے علاوہ دوسرے کمرہ میں مستقل مسند بچھوایا اور خود بھی دوسرے اور لوگوں کی طرح سے حاضرین کے حلقہ میں ایک جانب خاموش بیٹھ گئے اس طرح سے حضرت کا کسی کے سامنے بیٹھنا اس سے قبل میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہر حال اس کے بعد چائے لائی گئی حضرت والا نے قاری حسین صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ مبین! وہ فوجان جو آیا ہوا ہے وہ لاؤ (مولوی حاجی عبدالغفار صاحب الہ آبادی ثم مکی) دسنا ہے کہ انکا بھی مکہ معظمہ میں انتقال ہو گیا اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیں) نے مکہ شریف سے کچھ نئے فوجان حضرت والا کے لئے تحفہ ارسال فرمائے تھے وہی حضرت کی مراد تھی (قاری صاحب ظلہ نے لاکھ دسترخوان پر رکھ دیا) حضرت پھولپوری کے سامنے بھی ان میں سے ایک رکھا گیا اسے دیکھ کر فرمایا اچی! یہ کیا لائے؟ اتنی مختصر سی پیالی؟ ہم دیہاتی لوگ ہیں ہم لوگ چائے اتنے بڑے قدح میں پیتے ہیں (اور دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اس سے اشارہ فرمایا) ہمارے حضرت نے جو قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے آہستہ سے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت یہ فوجان مکہ شریف سے آیا ہے اور آج ہی آیا ہے اس لئے میں نے چاہا کہ حضرت ہی اسکی ابتداء کریں۔ یہ سنتے ہی حضرت پھولپوری نے فوراً فوجان کو اٹھا کر چوم لیا آنکھوں سے

لگایا اور فرمایا کہ ارے نہیں! پھر تو یہ بہت بڑا ہے بہت بڑا ہے۔ سبحان اللہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

حافظ فرید الدین خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا پھولپوری فقیہ بھی متعدد بار تشریف لائے ہیں اور کبھی کبھی وعظ بھی فرمایا ہے۔ زیادہ تر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت پورہ معروف تشریف لاتے تھے وہاں سے فقیہ قریب ہی تھا اس لئے یہاں بھی محض حضرت والا سے ملاقات کے لئے آجاتے تھے۔ اور حافظ صاحب کہتے تھے کہ حضرت چونکہ لاٹھی اور بنوٹ بہت عمدہ جانتے تھے اس لئے کبھی کبھی اس کے ہاتھ ہم لوگوں کو بھی دکھاتے اور سکھاتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ تشریف لائے تو ہم لوگ خدمت میں حاضر تھے فرمایا کہ تم لوگ مجھے چاروں طرف سے گھیر لو اور بلا تکلف مجھ پر لاٹھی سے وار کر دو ہم سب نے لاٹھیاں ماریں اس پر حضرت پھولپوریؒ نے نہایت ہی پھرتی کے ساتھ جب اپنی لکڑی گھائی ہے تو ہم سب کی لاٹھیاں ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور کسی کسی کو کچھ معمولی سی چوٹ بھی آئی۔ ہمارے حضرت بھی وہاں کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ اسکے بعد مولانا پھولپوریؒ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ آپ لوگوں کی کلائی میں قوت نہیں ہے ارے کسی کو لاٹھی مارے تو ایسی تو مارے کہ پھر وہ در سے اٹھ نہ سکے۔

قاری عبدالسلام صاحب نے بھی ان دونوں بزرگوں کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے حضرت اور مولانا پھولپوریؒ تھانہ بھون تشریف لیجا رہے تھے باہم طے یہ ہوا کہ فلاں تاریخ کو ہم لوگ اپنے اپنے گھروں سے چلکر فلاں وقت فلاں جگہ ملیں پھر ساتھ سفر ہوگا چنانچہ اس جگہ دونوں حضرات مجتمع ہوئے (اس واقعہ کو خود حضرت نے ہی بیان فرمایا تھا) یوں فرمایا کہ میرا معمول تھا کہ مغریں لوٹا ضرور ساتھ رکھتا تھا چائے مٹی ہی کا ہوگا اتفاق سے اس مرتبہ لوٹا لانا بھول گیا اور عجب اتفاق کہ مولانا پھولپوریؒ سے ہمراہ بھی لوٹا نہیں تھا شاہ گنج پونچر خیال ہوا کہ اتنے طویل سفر میں لوٹا تو ساتھ ہونا ضروری ہے لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب ہی کوئی بازار لگتا ہے آج بازار کا دن بھی ہے

یہ خیال کر کے ہم اور مولانا دونوں بازار کی طرف چلے راستہ میں مولانا پھولپوری کی سنگی جوکاندھے پر پڑی تھی کہیں سرک کر گر گئی نہ مولانا کو احساس ہوا نہ میں نے گرتے دیکھا بہر حال ٹوٹا تو اس بازار میں بھی نہیں ملا بدرجہ مجبوری ایک مٹی کی انڈی خرید لی کہ وضو وغیرہ کیلئے پانی کا ذخیرہ تو ہمراہ رہے گا اور اس آنے جانے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا، واپسی میں دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت کی تہبند راستہ میں پڑی ہوئی ہے حضرت نے خوش ہو کر بطور شکر کے فرمایا کہ جس اللہ نے فرعون کی گود میں موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی تھی اسی اللہ نے میری سنگی کی بھی حفاظت کی۔ اس پر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت! یہ تو آپ کی کرامت ہے کہ اس قدر چالو راستہ پر کسی نے اسکو اٹھایا بھی نہیں۔ یہ شکر حضرت مولانا پھولپوری نے فرمایا کہ اجی کرامت و راست کچھ نہیں اسکی دوسری ہی وجہ ہے وہ یہ کہ دیکھتے نہیں ہو کہ یہ سب لوگ راستہ کے کنارہ پر پاخانہ کر رہے ہیں تو رگمیر سب یہ سمجھتے ہوں گے کہ تہبند بھی انھیں میں سے کسی کا ہوگا سوچتے ہونگے کہ اٹھائیں اور جس کی ہے وہ دیکھ لے، بس اسی مغالطہ میں پڑ کر اسکو نہیں اٹھایا اور یہ بچ گیا۔

سبحان اللہ! ہمارے حضرات بھی شہرت اور بڑائی سے کس قدر نہجتے تھے۔ اور کوئی دوسرا ہوتا تو اس واقعہ پر دوچار اس قسم کے اپنے واقعات اور سنا دیتا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ایک یہی کیا ایسی ایسی تو بہت سی کرامتیں حضرت سے صادر ہوتی رہتی ہیں۔ اور ایک ہمارے حضرت پھولپوری ہیں کہ کس قدر اخفاً حال فرما رہے ہیں۔

اسی طرح سے ایک اور واقعہ کرمی جناب قاری عبدالسلام ہی نے یہ بیان کیا کہ عزیز قاری ولی اللہ سلمہ کے برادر نسبتی محمد کبیر خان کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا پھولپوری دیوگاؤں تشریف لے گئے وہ کہتے تھے کہ میری مولانا سے وہیں پہلی ملاقات ہوئی مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا تعلق کس سے ہے؟ کبیر خان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا فتحپوری سے میرا تعلق ہے، یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور حضرت مولانا کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں بھائی! ہم دونوں پواری کے درجہ میں بھرتی ہوئے تھے لیکن وہ (یعنی حضرت فتحپوری) تو پواری سے قانون گو ہوئے پھر قانون گو سے تحصیلدار پھر تحصیلدار سے

ڈپٹی کلکٹر پھر ڈپٹی کلکٹر سے کلکٹر ہوئے اور پھر کلکٹر سے نہ معلوم کس درجہ پر پہنچ گئے اور ہم پٹواری کے پٹواری ہی رہے۔

غیر یہ تو حضرت مولانا پھولپوری کی غایت تواضع تھی جو انھوں نے اپنے متعلق ایسا فرمایا باقی ہمارے حضرت مولانا کے متعلق حضرت کا کیا خیال تھا اور حضرت کو کتنا بلند سمجھتے تھے دیہات والوں کو ان کے فہم کے مطابق روزمرہ کی مثال سے کیسا سمجھایا۔ سچان الشیر حضرت مصباح الامتہ کے ایک خادم نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مولانا حضرت پھولپوری کا یہ واقعہ خود بیان کرتے تھے کہ جن دنوں حضرت مولانا تھانویؒ کھنوبغرض علاج تشریف لائے ہوئے تھے تو بہت سے لوگ حضرت کی ملاقات و زیارت کے لئے حاضر ہوئے چنانچہ میں بھی گیا اور مولانا پھولپوریؒ بھی تشریف لے گئے نیز قرب و جوار کے اور بہت سے لوگ بھی آئے تھے واپسی میں مجمع زیادہ ہو جانے کے سبب سے ریل پر جگہ برقت ملی لیکن کچھ لوگ حضرت مولانا کے ہمراہ تھے اور کچھ اجاب میرے ساتھ تھے ان سب نے یہ کیا کہ ایک سیٹ پر قبضہ کر لیا اور بستر بچھا کر ہم دونوں کو اس پر آرام سے بٹھلا دیا اور خود کھڑے رہے سیٹ پر چار پانچ آدمی کی جگہ ہوتی ہے لہذا دو آدمی کے بیٹھنے کی وجہ سے ادھر ادھر تھوڑی جگہ بچ رہی اتنے میں ایک غیر مسلم مسافر آیا اور مجھ سے یہ کہہ کر کہ تمہاری اور گھسکا ہو مولانا صاحب (یعنی مولانا صاحب ذرا اور کھسک جائیے) جگہ بنا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی اسی طرح سے کیا کہ اس سے کہا کہ تمہاری اور گھسکا ہو اور یہ کہہ کر تنگی کے ساتھ وہ بھی اسی جگہ بیٹھ گیا، تھے وہ دونوں موٹے موٹے دیہاتی جگہ تنگ ہو گئی حضرت مولانا پھولپوریؒ یہ سب دیکھ رہے تھے پہلی بار تو تسامع فرمایا لیکن اب دوسری بار حضرت پھولپوریؒ سے نہ برداشت ہوا ڈنڈا تو ہاتھ میں رکھتے ہی تھے، مجاہد آدمی تھے، ڈانٹ کر ان لوگوں سے کہا کہ سنو جی! یہ دیکھو یہ سب لوگ بیچارے جو کھڑے ہوئے ہیں یہ اسپر بیٹھے ہوئے تھے اور ہم لوگوں کو دیکھ کر ہماری محبت میں انھوں نے ایثار کیا ہے کہ خود کھڑے ہو گئے ہیں اور ہم کو آرام سے اپنی جگہ بٹھا دیا ہے چنانچہ یہ جگہ ان لوگوں کی ہے خالی نہیں ہے اگر کسی کو بیٹھنا ہی ہوتا تو انھیں لوگوں نے کیا تصور کیا تھا کہ نہ بیٹھتے، لہذا اٹھو چلو اور ہر جا کر کھڑے ہو اور جیسے یہ سب

لوگ چل رہے ہیں تم بھی چلو نہیں تو ایک ایک کو دفعہ دیکر یہاں سے اٹھاتا ہوتا سڑک
وہ دونوں دھیرے سے سیٹ پر سے اٹھ گئے اور کھڑے کھڑے چلنے والوں کی صف
میں شامل ہو گئے

حضرت والا نے فرمایا اچی! کہیں کہیں اسکی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر حضرت
پھلوپوری نہ ہوتے تو یہ سب تو ہم کو پس ہی ڈالتے۔

اسی طرح دہی صاحب حضرت پھلوپوری کی جرأت و ہمت کا ایک اور واقعہ سناتے تھے
(غالباً اسکو بھی حضرت والا ہی نے بیان فرمایا تھا کہ) ایک مرتبہ گاؤں کا ایک پنہاری کہیں سے
ردی کاغذ خرید لایا جس میں قرآن شریف کے بھی کافی اوراق تھے نہ معلوم کس ظالم نے انہیں
بھی ردی میں شامل کر کے فروخت کر دیا تھا اسی میں وہ پڑیہ باندھ باندھ کر لوگوں کو دکھاتا تھا
لوگوں نے اسکو روکا مگر وہ باز نہیں آیا۔ مولانا پھلوپوری کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فوراً
ڈنڈا لئے اس پنہاری کی دوکان پر پہنچے اور اس سے کہا بھائی تمہارے پاس قرآن شریف
کے جو اوراق ردی میں آگئے ہیں وہ سب مجھے دیدو اور اسکے جو پیسے ہوتے ہوں مجھ سے
لیاؤ۔ خدا معلوم اسکو کیا ضد تھی کہ نہیں دیا انکار کر دیا اسپر حضرت پھلوپوری کو غصہ آیا زور سے
ڈنڈا زمین پر مار کر فرمایا کہ ہم تو اسکو لیکر ہی اب یہاں سے جائیں گے اس تو تو میں میں ہیں
بات بڑھ گئی اور ایک اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا، لوگوں نے ہی بعد تحقیق اس بنیے سے
کہا کہ مولانا صاحب ٹھیک تو فرما رہے ہیں تمکو قرآن والا سب کاغذ دینا ہوگا چنانچہ وہ
اندر سے ایک ڈھیر نکال کر لایا اور جو قیمت مانگی مولانا نے دیکر اسکو خرید لیا اور پھر اس
سب کو لا کر دفن کر دیا۔

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ قیام تھا نہ بھون میں خانقاہ کے تین ہی حضرت
سے میرا زیادہ ربط و ضبط رہا کرتا تھا ایک تو خواجہ صاحب سے دوسرے مولانا محمد عیسیٰ صاحب
الآبادی سے اور تیسرے یہی مولانا عبد الغنی صاحب پھلوپوری سے اکثر حالات میں ہم تینوں آپ
رائے اور ایک خیال ہوتے تھے۔ یہاں پر حضرت پھلوپوری سے متعلق احوال ختم ہوئے اب اس کے
بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت مصلح الامت سے متعلق بعض حالات پیش کرتا ہوں۔

معرفت حق کے ان صفحات میں (جیسا کہ ناظرین کو علم ہے) حضرت مرشد و مولائی مصلح الامت نور اللہ مرقدہ کے کچھ حالات فراہم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کا سب سے پہلا باب یعنی ”حضرت مصلح الامت اکابر علماء و مشائخ ہند کی نظر میں“ پیش بھی کیا جا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت اقدس کی سوانح جس شان کی ہونی چاہیے تھی اس کا حق ادا کرنے سے ہم اپنے علم کی کمی، تمام حالات سے قلت و اقفیت اور تحریری سلیقہ کے فقدان کے سبب قاصر ضرور ہیں ہم کیفیت و اتفاق جقدر بھی حالات ان صفحات میں جمع ہو گئے ہیں وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ حضرت اقدس کی ذات والا صفات سے واقفیت حاصل کرنے والوں کیلئے شمع راہ اور منارہ منزل بننے کے لئے کافی و دافی ہیں۔

میرے خیال میں حضرت والا کے زمانے کے جتنے بھی اکابر اہل حق تھے کسی نہ کسی عنوان سے ان سب کے جذبات اور خیالات حضرت والا سے متعلق ہمارے سابقہ بیان میں آچکے ہیں یا آئندہ آجائیں گے الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ انہیں اکابر میں سے ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی بھی ہیں کہ حضرت والا نے انکا زمانہ بھی پایا تھا۔ یوں حضرت شیخ الاسلام تو دراصل ہم عصر اور ہم طبقہ تھے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کے چنانچہ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے یہ ہر دو بزرگ شاگرد تھے اور اس نسبت سے گویا یہ دونوں خواجہ تاش تھے۔ اور اساتذہ سے سنا ہے کہ مولانا مدنی ”حضرت گنگوہی کے خلیفہ اور مجاز تو تھے ہی خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کئی سے بھی براہ راست شرف زیارت و صحبت آپ کو حاصل تھی۔ اگر حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو یاد یہ پڑتا ہے کہ ایک دفعہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے جلسہ سالانہ میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی تشریف لائے تھے طلباء کی تقاریر اور روداد مدرسہ کے سنالینے کے بعد جب علماء کی تقریر کا نمبر آیا تو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مظاہر نے

ابتدائی تعارفی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ — الحمد للہ ہماری یہ انتہائی خوش نصیبی ہے کہ آج ہمارے درمیان حضرت حاجی صاحب ہاجر مکیؒ کے ایک بلا واسطہ فیضیاب موجود ہیں ابھی وہ آپ کے سامنے جلوہ افروز ہو کر اپنے ایمانی اور عرفانی وعظ سے آپ کو اور ہم کو مستفید فرمائیں گے۔ (بات عرصہ کی ہے اتفاق میں تغیر ممکن ہے باقی مفہوم یہی تھا) چنانچہ سب لوگ متحیر ہوئے ہم بھی متحیر ہوئے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا دیکھنے والا اس مجمع میں کون ہے؟ حضرت مدنیؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے تعلق کچھ ایسا مشہور و معروف تھا کہ انکی طرف ذہن ہی نہیں گیا اور عام لوگوں کو اسکا علم بھی نہیں تھا۔ غالباً اسی تعلق کو ظاہر فرمانے کے لئے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ نے یہ عنوان اختیار فرمایا تھا "غرض دیکھا کہ اعلان کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ اپنے مسند سے اٹھے اور ممبر پر تشریف لاکر وعظ بیان فرمایا تب سب کو معلوم ہوا کہ اچھا حضرت مولانا کا تعلق حضرت حاجی صاحبؒ سے براہ راست بھی ہے یہ واقعہ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت مدنیؒ تو دراصل ہم طبقہ تھے حضرت مولانا تھانویؒ کے دوران دونوں بزرگوں میں ابتداء بڑی ہی محبت اور بے تکلفی بھی تھی چنانچہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے حضرت مولانا تھانویؒ سے اپنے استفادہ کی تفصیل کے سلسلہ میں جو کتاب لکھی ہے "حکیم الامت" اسکی ابتداء ہی جس واقعہ سے فرمائی ہے حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا مدنیؒ کے باہمی روابط اور تعلقات نمایاں کرنے کے لئے وہی کافی ہے، ہم یہاں اسی کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں اقتباس اسلئے کیا کہ تمہید و تشریح اور آدم بر سر مطلب اگر سب لیا جائے تو مل کر ایک واقعہ ہی تقریباً بیس پچیس صفحات پر بیان ہوا ہے جس کا سب کا سب یہاں نقل کرنا طول سے خالی نہ ہوگا تاہم جتنا بیان کیا گیا ہے وہ کبھی طویل سے مگر خالی از نفع و لذت نہیں ہے لہذا بود حکایت دراز تر گفتم۔ چنانچہ اب مولانا دریابادی مدظلہ کا بیان سنئے جس سے مقصد یہاں صرف حضرت مولانا تھانویؒ اور مولانا مدنیؒ کے مابین روابط اور تعلقات کا اظہار کرنا ہے۔ حکیم الامت میں لکھتے ہیں کہ :-

”مہینہ یہی جولائی کا تھا، ہائے ہی مہینہ جس نے پندرہ سال کے بعد دل و جگر کا خون کر ڈالا اور بالکل شروع کی کوئی تاریخ عجوب نہیں کہ ۳۰ جون ہی کی شب ہو کہ سہارن پور شاہ وزا دریلوے کے قدیم اسٹیشن تھانہ بھون (جلال آباد) پر تین سافرو کا ایک مختصر سا قافلہ سہارن پور کی طرف سے کوئی دس ساڑھے دس بجے اترا سالار قافلہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد صاحب اور باقی دو میں سے ایک مولانا عبدالباری اور دوسرا یہ نامہ سیاہ۔ (اپنی اس قافلہ سے ملاقات تھوڑی دیر بعد اور تھوڑی دیر بعد ہوگی)۔ آگے مولانا عبدالماجد صاحب مظہ نے اپنے اس سفر کی غایت خود ہی بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:-

”مرشد کی تلاش ایک عرصہ سے جاری تھی تصوف اور سلوک کا ذخیرہ جتنا کچھ بھی فارسی اردو اور عربی میں ہاتھ لگ سکا تھا پڑھ لیا گیا تھا اتنی کتابیں پڑھ ڈالنے اور اتنے ملفوظات چاٹ جانے کے بعد اب آرزو اگر حقیقی تو ایک زندہ بزرگ کی۔ حیدر آباد، دہلی اور لکھنؤ جیسے مرکزی شہر اور اجیر، کلیر، دیوہ، بانسہ، رودلی اور صفی پور چھوٹے بڑے آستانے خدا معلوم کتنے دیکھ ڈالے اور سن گئے جہاں کہیں کسی بزرگ کی بھی پائی حاضری میں دیر نہ لگائی۔ حال والے بھی دیکھنے میں آئے اور قال والے بھی، اچھے اچھے عابد زاهد متراض بھی اور بعض زے دکاندار قسم کے گیسو دراز بھی، آخر میں دل نے کہا کہ حق حلقہ دیوبند میں محصور ہے۔ انتخاب کے دائرے کو محدود کر کے اب تفصیلی جائزہ اسی حلقہ کا لیجئے اور جس نے بہترین متن سلوک (ثنوی معنوی) کی بہترین شرح لکھ ڈالی اور اپنے چھوٹے چھوٹے سہل فقروں میں حقائق و معارف کی روح بھر دی دامن اسی کے کسی تربیت یافتہ کا تھا میں (اشارہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فاضل مکی مشہور شارح ثنوی کی جانب ہے جو بزرگان دیوبند و تھانہ بھون کے شیخ یا شیخ الشیوخ تھے)۔“

پھر اسکے بعد مولانا نے لکھا ہے کہ اس ارادہ کے بعد اپنے ایک رفیق سفر حضرت وصل بلگرامی اور اپنے ایک دوسرے رفیق قدیم حاجی ظفر الملک بہادر کی وساطت

سے خواجہ عزیز الحسنؒ صاحب غوری خلیفہ فاضل حضرت تھانویؒ کی ملاقاتوں، باتوں اور مولانا تھانویؒ کی بعض کتب کے مطالعہ سے حضرت تھانویؒ سے ایسی عقیدت ہوئی کہ جو اسکا مصداق تھی کہ طر۔ ”اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں۔“ یہ ٹہری کہ خط مولانا کیندست میں لکھئے اور اپنا کچا چٹھا کہہ سنائیے۔ اپنی کہانی اپنی ہی زبانی۔ ”عقیدت ہوئی مگر اندھی نہیں۔ نظر اپنی خطا کاریوں پر بھی رہی اور مکتوب الیہ کی بشریت پر بھی۔ سیاسی اختلافات خصوصاً تحریک خلافت سے مخالفت کا کاٹا دل میں کھٹکے گیا۔ عقل نے سمجھایا کہ معالج کا انتخاب انھیں سے کرایئے، مبقران سے زیادہ گہرا اور کون لے گا یہ نہ کہا کہ ہاتھ انھیں کے ہاتھ میں نکھ بند کر کے دے دیجئے۔“ نظر کے سامنے مولانا حسین احمد صاحبؒ تھے انکا سیاسی مسلک خوب جانا پہچانا ہوا تھا شخصی نیاز بھی ایک عرصہ سے حاصل۔ خلافت کیٹی کے جلسوں اور سفر وغیرہ میں انکے ساتھ کا تجربہ ایک بار کاہنیں بارہا کا۔ تواضع، انکسار، خدمتِ خلق میں اپنی نظیر آپ۔ پھر (انکے بعد) ملک کے نامور فاضل اور محدث مولانا انور شاہ کشمیریؒ تھے، تبحر علمی میں لا جواب اور دیوبند ہی حلقہ کے ایک آدھ بزرگ اور بھلی۔ خط لکھنے بیٹھا تو رک رک کر ڈر ڈر کر لیکن ساتھ ہی خوب کھل کر خط طویل تھا اسکا خلاصہ سن لیجئے۔ (یعنی مولانا عبدالمجید صاحبؒ نے مولانا تھانویؒ کو یہ لکھا) ”ایک انگریزی خواں ہوں مدتوں مغربی فلسفہ کے اثر ضلالت بلکہ الحاد کی دلدلیوں میں ٹھوکرین کھاتا رہا، خدا اور رسولؐ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا۔ برسوں کے بعد ایمان اور اسلام کی طرف مراجعت نصیب ہوئی زیادہ تر ثنوی کی برکت سے گواہی بھی بنے ہی پڑھا۔ اکبر الہ آبادیؒ کی صحبتیں بھی اصلاحی اثر ڈالتی رہیں (یہ مولانا تھانویؒ کے بڑے معتقد اور مداح تھے اور مولانا بھی انکے بڑے معترف) اب ”بیچ“ ہفتہ وار کے ذریعہ سے اپنی بساط کے لائق دین کیندست میں لگا پٹا ہوا ہوں اور اپنے کچے ہوئے کو آپ ہی مٹاتا رہتا ہوں۔ ماضی کی بیہودگیوں کا تو ذکر و حساب ہی نہیں بڑی فکر حال کی ہے۔ خدا معلوم اب بھی صراطِ مستقیم سے کتنا دور ہوں؟ اب تک کسی بزرگ سے نہ بیعت نصیب ہوئی، نہ طویل صحبت دلی کشش صاحب ثنویؒ کے بعد شارح ثنوی حاجی صاحب

ہاجر مکیؑ سے رہی زندہ ہستیوں میں نظر بار بار مولانا حسین احمد صاحب کی جانب اٹھتی ہے۔ بعض اجاب کا مشورہ مولانا انور شاہ صاحب کے متعلق ہے۔ مشیر اور مبصر آپ سے بڑھکر کون ہو سکتا ہے؟ جناب کی تصانیف سلوک حال میں دیکھیں اور دل پھڑک گیا اب تک آپکو صرف مولوی کی حیثیت سے جانتا تھا عارفانہ کمال کا حال تو اب کھلا، گو (گستاخی معاف) جناب کی سیاسی رائیں اب بھی میرے لئے ایک معمہ ہیں۔ بہر حال اب درخواست امور ذیل میں رہنمائی کی ہے:-

- ۱۔ موجودہ بزرگوں میں سے کس کا انتخاب بیعت یا صحبت کیلئے کروں؟
- ۲۔ اپنی اصلاح قلب کے لئے خود جناب والا سے بھی مراسلت اور تھانہ بھون میں حاضری کی اجازت چاہتا ہوں

یہ خط ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء کو ڈاک میں پڑا اور جواب کا انتظار شروع ہو گیا جواب ۲۵ نومبر کو لکھنؤ میں موصول ہوا۔ اشتیاق کے ہاتھوں سے کھولا عقیدت کی آنکھوں سے پڑھا۔ آئیے! آپ بھی شریک ہو جائیں۔

”اذا شرف علی۔ السلام علیکم۔ آپ کی راستی و سادگی سے جی خوش ہوا اللہ تعالیٰ آپکو حقائق اور تک پہنچائے۔ ہر جزو کا مفصل جواب غیر ضروری ہے بعد انتخاب نہایت کا جواب عرض کرتا ہوں۔

- ۱۔ بیعت کا معیار آپ نے کیا تجویز کیا ہے؟ اسکی تنفیج اذل ضروری ہے تاکہ اسی معیار پر مصلح کا انتخاب ہو سکے

- ۲۔ تھانہ بھون کا ارادہ کس خیال سے ہے۔ ضرورت تحقیق کی یہ ہے کہ کہ میں دیکھ سکوں کہ آپکا مقصود یہاں آنے سے حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں، نیز اسکا ظاہر فرما بھی ضروری ہے کہ آپ یہاں تشریف لا کر خاموش رہیں گے یا کچھ بولیں گے بھی؟

- ۳۔ امراض قلبی کا علاج ترتیب میں تجویز شیخ سے مؤخر ہے۔

والسلام۔ (از تھانہ بھون)

اس قلّ و دلّ جواب کا آنا تھا کہ دل کی بساط پر انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی خوش ہو کر خدا جانے کتنوں کو دکھایا سنایا اور اپنی سادہ دلی سے دوسرا خط دوسرے ہی دن لکھ ڈالا۔
 اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

۱۔ بیعت سے مقصود اپنے ذہن میں یہ ہے کہ نجات کی حقیقی و یقینی و سیدھی راہ عملاً نصیب ہو اور تسکین قلب اور خوشگلی ایمان نصیب ہو۔

۲۔ حاضری سے غرض ایک تو یہی ہے کہ ایک برگزیدہ بزرگ کی زیارت (الف) یک زمانہ بدن حضورِ اولیاء (ب) اور بہر حال جتنی دیر حاضری رہے گی بہت سی اچھی باتیں دیکھنے اور سننے میں آئیں گی (ج) ساتھ ہی اپنے حق میں عائد خیر کرانا اور (د) ارشاداتِ حسنہ سے مستفید ہونا بھی مقصود ہے (۴) جناب کی عملی زندگی کی بھی بہت تعریف سننے میں آئی ہے (۵) علمی حالات کا پتہ تو تصانیف سے چل جاتا ہے لیکن عملی زندگی کا تجربہ بغیر حاضری ممکن نہیں۔

۳۔ ارادہ اپنی طرف سے تو محض خاموشی کے ساتھ دیکھنے اور سننے کا ہے اس جناب کا ارشاد ہوگا تو کچھ عرض بھی کر دیا کروں گا۔ ارادہ ہے کہ اڈل بار مختصر قیام کی نیت سے آڈنگا پھر اگر طبیعت نے اچھا اثر قبول کیا اور جناب والا کی بھی رضا ہوئی تو دوبارہ طویل قیام کا قصد کروں گا۔

۴۔ جناب سے بیعت ہونے پر جو زیادہ زور نہیں دیتا تو اسلئے کہ جناب ہی کی تصانیف میں پڑھا ہے کہ حصولِ فیض کے لئے بیعت کوئی لازمی شرط نہیں، بلا بیعت بھی اراضِ نفس کا علاج ہو سکتا ہے۔

اسکا جو جواب آیا ملاحظہ ہو :-

۱۔ میں نے مقصود نہیں پوچھا تھا معیار پوچھا تھا جسکی بنا پر شیخ کی تعیین میں سہولت ہو۔ مکرر

عرض کرتا ہوں کہ شیخ کامل کی پہچان آپ کے ذہن میں کیا ہے؟

۲۔ (الف) میں سچی اطلاع کرتا ہوں کہ میں اس صفت کا نہیں

(ب) یہ محض ذہنی حساب ہے ممکن ہے کہ خیال صحیح ثابت نہ ہو۔

(ج) یہ خطائے بھی ممکن ہے (د) حسد کی قید مثل سابق کے ذہنی ہے (۷) مجھ سے اس کے خلاف سن لیجئے کہ یہودہ زندگی ہے۔ اب کس سننے کو صحیح سمجھیے گا؟ (۹) میں نے تجربہ کا نتیجہ بلا مشقت تجربہ عرض کر دیا۔

۳۔ ابھی تو آنے ہی کی غرض متعین نہیں ہوئی مجھ کو اس میں جو کلام تھا اور پر عرض کر دیا۔ اس نمبر کا دیکھ اس کے بعد ہے۔

۴۔ جب تک معیار بیعت کا نہ تجویز ہو جائے کسی پر زور نہ دینا چاہیے۔
مولانا بڑے صوفی، محض عارف، صرف زاہد نہ تھے متکلم بھی تھے معقولی بھی تھے اور سب سے بڑھکر مصلح اور معلم تھے۔ اتنا جان لینے کے لئے اتنی مراسلت بھی بس تھی۔ (اب) اس دوسرے مکتوب گرامی کے بعد مراسلت جاری رکھنا ذرا اہمیت کا کام تھا، سلسلہ بند ہو گیا اور ایک عرصہ تک بند رہا۔۔۔

”مرشد کی تلاش“ کے عنوان پر قلم ذرا تفصیل کے ساتھ ”سچ“ کے صفحات میں چل چکا تھا اب دل بے چین تھا کہ اس تلاش میں حرکت قلم سے زیادہ قدم کو ہو۔ نام ذہن میں گھوم پھر کر دہی دیو بند کے دونوں بزرگوں کے آرہے تھے (یعنی مولانا مدنی اور انور شاہ صاحب کے) مئی میں دئی جانا ہوا محمد علی ہر چیز کے رازدار اور بہترین مخلص ترین مشیر تھے ذکر ان سے آیا تو انھوں بلا تامل دوٹ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے حق میں دیدہ غرض دوستوں سے رفیقوں سے گفتگو گفتگو اسی موضوع پر رہا کرتی بچپن کے ایک رفیق عبدالباری ندوی تھے ان سے برابر تذکرے چرچے یہی ہوتے رہتے عقیدت سب سے زیادہ اس وقت مولانا تھانوی سے تھی، بزرگی اس وقت سب سے بڑھکر انہی کی مسلم تھی دل سب سے زیادہ انہی کی طرف کھینچ رہا تھا لیکن ساتھ ہی اختلاف کی خلیج بھی اپنے اور ان کے درمیان پار رہا تھا ان میں سب سے بڑھکر سیاسی اختلاف تھا۔ دل اس پر آمادہ نہ ہوا کہ آنکھ بند کر کے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا جائے۔ مولانا حسین احمد سے عقیدت اس درجہ کی نہ تھی لیکن ساتھ ہی اختلاف کسی بھی شدید قسم کا نہ تھا اور سیاست میں تو بالکل ہم رنگی تھی، پھر نفس نے یہ بھی سمجھایا کہ حضرت تھانوی حاذق ترین طبیب سہی انکا

معالجہ موثر ترین اور کامیاب ترین سہی لیکن انہی باقاعدہ علاج اور منضبط پرہیزی پابندی سے برداشت ہوئی طیب کی مذاقت سے قطع نظر مریض کی ہمت اور برداشت بھی تو ایک چیز ہوتی ہے۔ مولانا نے دیوبند (یعنی مولانا حسین احمد صاحب) کے مزاج کی سادگی، تواضع، فرد تنی و بیکھر خیال پیدا ہوا کہ یہاں کوئی پابندی کسی شدید قسم کی نہ ہوگی۔ پس ہاتھ انہی کے ہاتھ میں دے دیے جائیں، نفع کامل میں کچھ دیر سہی لیکن دوا کی تلخیوں سے تو جان بچی رہیگی۔ مریض کے لئے یہ لایع کچھ کم ہوتا ہے؛

الغرض رفیق قدیم مولوی عبدالباری صاحب ندوی کے ساتھ ملکر چلنے کی ٹہری اور جون سہی کی کوئی آخری تاریخ تھی کہ صبح کے وقت ہم دیوبند پہنچ گئے۔ تین دن کے قیام دیوبند میں روایتیں مشاہدہ بنکر رہیں اور شنیدہ دیدہ میں تبدیل ہو کر تکلفات اور فاطریں اور مہمان داریاں کھانے پر کھانا اور چائے پر چائے۔ بیعت کے سوال پر ارشاد ہوا کہ یہاں کیا رکھا ہے ذرا تھانہ بھون تو چلئے۔ یہاں تو نیت ہی یہی تھی ایک روز سہ پہر کو یہ مختصر سا قافلہ چل کھڑا ہوا گویا۔ صبح۔ مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ البتہ یہاں اپنے ساتھ پارسا ایک نہیں دو تھے، سفر کعبہ کا نہیں مقصود کا تھا۔

(اس اتنے بڑے جملہ معترضہ کے بعد ابتدائی بیان سے کلام کو جوڑ دیجئے یعنی) "قافلہ مختصر سا قافلہ جلال آباد اسٹیشن پر جبکہ نام تھانہ بھون تھا اور ٹاڈن والا اسٹیشن اس وقت تک نہ بنا تھا اُترا۔ یہاں سے قصبہ تھانہ بھون کا فاصلہ کوئی تین میل کا ہوگا تانگہ کرایہ پر کیا اور سنان راستوں سے گزرتے کوئی آدھ گھنٹہ میں قصبہ کے اندر پہنچ گئے۔ تانگہ "خانقاہ امدادیہ" کے دروازہ پر رکا۔ رات زیادہ ہو چلی تھی خانقاہ کا پھانک قدرۃ بند ملا۔ مولانا حسین احمد صاحب کی رفاقت پھر کام آئی چند منٹ کی تلاش کے بعد حکیم الامت کے ایک خادم کو ڈھونڈ نکالا۔ وہ بیچارے سوتے سے اٹھے، آئے اور پڑوس کے ایک چھوٹے سے مکان کے صحن میں تین چار پائیوں کا انتظام کیا۔

کچھ سوتے کچھ جاگتے باقی رات بھی کٹ گئی۔ نماز فجر کا بالکل اول ہی وقت تھا کہ ہم لوگ دیدار اشرف کے لئے تیار ہو گئے۔ مولانا (مدنی) تو انکے بڑے پرانے ملنے والے اور رفیق ہی تھے، دوسرے ساتھی مولوی عبدالباری ندوی بھی چند سال قبل زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، نادیدہ مشتاق بالکل انیلا۔ ع۔

اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

کی تسبیح پڑھنے والا بس یہی ایک نامہ سیاہ تھا۔

جہاں ہم لوگ ٹھہرائے گئے تھے حضرت کا راستہ اسی طرف سے تھا، اس اشتیاق کا مارا بہت بڑے گھر سے مکمل عین راستہ پر ذرا کنارے ہٹ کر کھڑا ہو گیا کہ زیارت جمال پہلے یہیں ہو جائے۔ چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ آرزو پوری ہوئی ایک بزرگ ادھر سے گزرے، مٹن لیکن خوش رو، نظریں نیچی، چال متین، نورانی چہرہ نورانی دارڑھی، زیادہ سفید کچھ سیاہ اور شاید اسی نورانیت کی مناسبت سے لباس بھی خوب سفید براق، سر پر نازک سی گول اکھری ٹوپی، جسم لمبا، کرتا لمبا، نازک و نفیس غالباً تن زیب کا تھا، تاریکی ابھی کچھ باقی تھی ذرا فاصلہ بھی تھا، نگاہ سے نگاہ ملنے کا کوئی موقع نہ تھا اور کہنا چاہیے کہ صرف جھلک ہی دیکھنے میں آئی تھی اس پر بھی دلکشی، رغنائی، زیبائی، بہ حیثیت مجموعی ایسی محسوس ہوئی کہ زبان نہ سہی دل تو بے اختیار آواز دہی اٹھا ع۔

قربانِ یک نگاہ تو عمر دراز ما (آپکی ایک نظر پر میری عمر دراز قربان)۔

نماز ہوئی حضرت ہی نے پڑھائی، سلام پھیرا۔ دعا مانگ کر جوں ہی حضرت اٹھے ہیں نگاہ پہلی صف میں مولانا حسین احمد صاحب پر پڑ گئی انکی طرف خود بڑے ہی تپاک سے بڑھے اور بڑے التفات سے ملے۔ لوگ تو کہتے تھے بڑے خشک مزاج ہیں۔ خشک مزاج ایسے ہی ہوتے ہیں؛ یہ نرم بشاش چہرہ، یہ ہنستا مسکراتا ہوا بشرف

کسی خشک مزاج کا ہو سکتا ہے؟ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کے اور ان کے بے لطفی ہے نا چاتی ہے۔ کانوں نے بیشک یہی سنا تھا لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ دو دشمن نہیں دو دوست آپس میں گلے مل رہے تھے۔ تعظیم و تکریم مولانا حسین صاحب کی طرف سے تو خیر ہوتی ہی عادت طبعی ہونے کی بنا پر بھلی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بنا پر بھی، لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ اوہر سے بھی آداب و رواسم تکریم میں کوئی کمی نہ تھی۔ لا حول ولا قوۃ لوگ بھلی کیسی کیسی بے پرکی اڑایا کرتے ہیں۔

حضرت ہم تینوں کو لے ہوئے صحن مسجد سے چار قدم چل کر بیٹھے سہ درمی کے آگے والے سائبان کے نیچے جہاں سنتیں پڑھنے کا معمول تھا۔ اب اخلاق و التفات ہم تینوں سے فرداً فرداً شروع ہوا جسکی تفصیل اب کہاں یاد آتا یا دے کہ بار بار فرماتے تھے اچھی طرح بیٹھے، کھلکے بیٹھے یہاں ہیبت شروع سے دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت ہم لوگوں کی خاطر میں لگے رہے۔ چائے منگائی گئی حالانکہ حضرت خود چائے نہیں پیتے تھے، اور مکالمات پر شفقت کا سلسلہ کوئی پون گھنٹہ تک جاری رہا۔ کچھ دیر بعد حضرت نے اپنے دوسرے معمولات پورے کرنے کے لئے ہم سے رخصت چاہی۔ لیکن قبل اسکے کہ حضرت روانہ ہوں مولانا دیوبندی نے دیوار کی آڑ میں ٹک کر گفتگو شروع کر دی۔ مولانا کا لہجہ تو سرگوشی کا تھا البتہ حضرت کی آواز نسبتاً بلند تھی اور میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ حضرت کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ

”اچھا تو آپکے فرمانے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں صاحب مجھ سے بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ میں تو خیال کر رہا تھا کہ آپ ہی مناسب ہوں گے باقی میرا معمول تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میں بہت سی مصلحتوں کی بنا پر عجلت اس باب میں پسند نہیں کرتا۔ میں تو یہ یہ چاہتا ہوں کہ جو صاحب اسکے خواہشمند ہوں انکا اور میرا سابقہ کم از کم چھ ماہ کا رہے اور جانبین ایک دوسرے کو خوب جانچ پرکھ لیں۔ بغیر طول سابقہ کے ایک دوسرے کی مناسبت کا علم نہیں ہو سکتا اور اس طریق میں اہم اور مقدم شرط مناسبت ہی ہے آپ میرا یہی پیغام ان حضرات کو پہنچا دیجئے گا۔“

دوسری نشست چاشت کے وقت شروع ہوئی اور کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ دوپہر کے وقت تک رہی اس میں حضرتؒ نے خوب کھل کر باتیں کیں۔ مختلف بزرگوں کے واقعات عام دینی ہدایات، اخلاقی و روحانی مذاکرات سب بڑے دلچسپ و دلکش اور مؤثر انداز میں۔ واعظانہ خشکی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ مولانا مدنیؒ سے ارشاد ہوا کہ آپ نے میرا پیام ان حضرات تک پہنچا دیا، پھر کیا رائے قرار پائی؟ جواب مولانا کیا دیتے میں خود ہمت و جرأت کر کے بولا کہ حضرت! معلوم ہوتا ہے کہ کچھ غلط فہمی ہوئی درخواست تو صرف اس قدر تھی کہ حضرتؒ ہمیں انتخاب مرشد میں اپنے ارشاد و مشورے سے مستفید فرمائیں۔ ہم لوگوں کی ناقص نظر میں جو چند بزرگ ہیں ان میں نمبر اول پر مولانا حسین احمد صاحبؒ ہیں اب آگے جناب کا جیسا ارشاد ہو یہی میں نے عرفیہ میں بھی عرض کیا تھا اور اسی لئے یہ سفر بھی تھا۔

اب معاملہ بالکل صاف تھا حضرتؒ نے تبسم کے ساتھ مولانا کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ آپ نے یہ کیا فرما دیا تھا۔ اور ہم لوگوں سے ارشاد ہوا کہ آپ کا انتخاب بالکل صحیح ہے میں اس سے بالکل اتفاق کرتا ہوں۔ آپ مولانا ہی کے ہاتھ پر بیعت کیجئے (یہ سنکر مولانا مدنیؒ نے فرمایا کہ) لیکن مجھ میں تو اسکی بالکل اہلیت نہیں اور جناب کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف رخ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ) مگر مجھ پر تو آپ کو اعتماد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ میں اہلیت ہے، آپ ہی ان حضرات کو لیجئے۔

اس سوال و جواب کے بعد مزید مکالمات کی گنجائش ہی اب کہاں تھی؟ نشست حضرتؒ کی خاص سہ درمی میں ہوئی۔ بائیں جانب مولانا بٹھائے گئے اور اس کے بعد ہم لوگ — باتیں خوب ہوئیں، یاد کر لیجئے کہ ۱۹۲۸ء تھا اور ایک مخاطب روزنامہ ”ہمسرد“ کا ڈاکٹر تھا، صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجانا گزیر سا تھا گفتگو آئی حضرتؒ نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کا فور ہو کر رہیں۔ کون کہتا ہے کہ حضرت گورنمنٹی آدمی ہیں! لا حول و لا قوۃ۔ جس نے بھی

بھی ایسا کہا جان کر یابے جانے بہر حال جھوٹ ہی کہا۔ یہ تو خالص مسلمان کی گفتگو تھی۔ مسلمان بھی ایسا جو جوش دینی اور غیرت ملی میں کسی "خلافتی" سے ہرگز کم نہیں۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں۔ پہلے پہل اس قسم کی آوازیں کان میں پڑی۔ بس صرف حضرت کو مہلوگوں کے اس وقت کے طریق کار سے پورا اتفاق نہ تھا۔ لیکن یہ اختلاف تو کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں۔ نفس مقصد یعنی حکومت کا فرمانہ سے گلو خلاصی اور دارالاسلام کے قیام میں تو حضرت ہم لوگوں سے کچھ پیچھے نہ تھے عجب نہیں جو کچھ آگے ہی ہوں۔

مجلس برخواست ہوئی ہم لوگوں کی واپسی کا وقت آگیا تانگہ آیا اور ہم لوگ خانقاہ سے رخصت ہوئے حضرت کمال اخلاق سے رخصت کرنے پھاٹک تک تشریف لائے۔

حاضری ہوئی تھی عظمت و عقیدت کے جذبہ بے پناہ کے ساتھ واپسی ہوئی تو اس ذخیرہ میں ذرہ بھر کمی کے بغیر محبت کے عنصر کی آمیزش کے ساتھ۔ بہر حال اب مراسلت کی راہ نسبتاً آسان ہو گئی چنانچہ پہلا عریضہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو لکھا سب سے پہلے تو اس کا شکریہ کہ آپ ہی کی توجہ فرمائی سے مولانا حسین احمد صاحب نے اپنے سلسلہ میں داخل فرمانا قبول فرمایا۔ اس پر یہ جواب آیا کہ

"مبارک، لیکن یہ محض آپ کا حسن ظن ہے۔ آپ کا خلوص خود کافی شفیع تھا اگر آپ کی برکت سے مجھ کو بھی مفت کا ثواب مل گیا۔ اب ضرورت اسکی ہے کہ جناب مولانا سے فیوض و برکات حاصل کئے جائیں اور مولانا سے انقیاد و تقلید کا تعلق رکھا جائے کہ اصل تحقیق کی تقلید ہے"

(انتہی لمخصاً از حکیم الامت)

سبحان اللہ! حضرت حکیم الامت نے مولانا دریا آبادی کو اپنے شیخ سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے کیسا گرتعلیم فرمایا بلاشبہ استفادہ اور استفادہ کی چکی اسی دھڑے کے گرد گھومتی ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت مولانا مدنیؒ حضرت تھانویؒ کے طبقہ کے بزرگ تھے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں میں باہم بے تکلفی کے تعلقات تھے اسی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ داستان آپکو سنائی جو کسی قدر طویل تو ضرور ہوگئی ہے لیکن انشاء اللہ لاطائل نہیں۔ اسی سلسلہ کا تھوڑا سا بیان حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں بھی سن لیجئے :-

”فرمایا میرے پاس مولوی حسین احمد صاحب آئے تھے۔ مولوی عبدالمجید صاحب اور مولوی عبدالباری صاحب کیلئے سفارش کی کہ آپ انھیں بیعت کر لیں انھیں بہت اشتیاق ہے میں نے کہا کہ آپ ہی کر لیں۔ انھوں نے کہا کہ میں تو اس لائق نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو میں بھی کہہ سکتا ہوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ جنید اور شبلیؒ نہ تو میں ہوں نہ آپ لیکن انھیں جنید و شبلی کی ضرورت نہیں انکی خدمت کے لائق میں بھی ہوں اور آپ بھی۔ اب جس طرح اساتذہ حدیث میں بخاری اور مسلم نہیں ہیں اسی طرح مشائخ تصوف میں جنید اور شبلی نہیں ہیں مگر پھر بھی موجودہ اساتذہ اور مشائخ ہی سے بقدر ضرورت کام چل رہا ہے اگر تصوف میں جنید و شبلی ہی کی ضرورت سمجھی جائے تو پھر حدیث میں بھی بخاری اور مسلم ہی کی ضرورت سمجھی جائے جس کے معنی یہ ہونگے کہ آجکل کوئی علم ہی نہ حاصل کیا جائے اسلئے آپ اور ہم یہ کہیں کہ ہم جنید و شبلیؒ نہیں ہیں تو آپ بھی سچے میں بھی سچا اور اگر میں کہوں اور آپ کہیں کہ ہم لوگ انکی بھی خدمت کے لائق نہیں تو میں بھی جھوٹ بولتا ہوں اور آپ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ کامل نہ تو میں اور نہ آپ لیکن انکی خدمت کے لئے میں بھی کافی ہوں اور آپ بھی۔ آپ تو تواضع فرما رہے ہیں لیکن اللہ نے جیسے مجھے کبر سے محفوظ رکھا ہے عُرُنی تواضع سے بھی محروم رکھا ہے۔ ایسی تواضع میں طالبین کا ضرر ہے۔ اگر ہر مال دار یہی کہے کہ میں مفلس ہوں تو جو عاجمندیں وہ کہاں جائیں اور کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں نہیں

چاہیے بلکہ اگر کوئی ضرورت سے زائد مال رکھتا تو اور اسکے پاس کوئی جہنم
 آئے تو بجائے اسکے کہ یوں کہے کہ میں مفلس ہوں کہے کہ میں گوتارون کے
 برابر نہیں لیکن اللہ کا شکر ہے تیری خدمت کے لائق ہال میرے پاس موجود
 ہے۔ خود حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مالدار آدمی
 کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ
 پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھیں۔ جب خدائے
 پہننے کھانے کو دیا ہے تو پہنو کھاؤ۔ اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ حاجتمندوں
 کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ موقع ہے حاجت پیش کرنے کے۔ نہیں تو بیچاروں
 کو کیا معلوم کہ کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں۔

غرض میں نے کہا کہ ان کی خدمت کے لائق تو میں بھی ہوں اور
 آپ بھی لیکن اس طریق میں شرط نفع مناسبت ہے اور مناسبت انکو
 جیسی آپ سے ہے مجھ سے نہیں چونکہ آپ بھی خادم قوم ہیں اور یہ بھی خادم قوم
 ہیں اور میں ہوں خادم قوم۔ (الافاضات یومیہ حصہ ہفتم ص ۱۳۶)۔

یہاں تو اتنا ہی نقل فرمایا لیکن میں نے کہیں اور دیکھا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے
 اس فرمانے پر کہ مجھ سے مناسبت کم ہے یہ حضرات منشاء والا کو سمجھ گئے اور عرض کیا کہ حضرت
 یہ اپنے اصلاحی زمانہ تک سیاسیات حاضرہ سے کنارہ کش رہیں گے اس پر حکیم الامتؒ نے
 ارشاد فرمایا کہ طریق میں جس طرح سے کہ موجودہ تعلق مضر ہوتا ہے اسی طرح سے آئندہ کیلئے
 عزم تعلق بھی مضر ہے۔ یعنی کوئی شخص عارضی طور پر علاقے سے جدا ہو جائے لیکن دل میں اس کے
 یہ ہو گا کہ اتنی مدت کے بعد پھر اسے اختیار کرنا ہے تو طریق میں یہ بھی مضر ہے اس پر وہ
 حضرات خاموش ہو گئے اور بالآخر طے یہ ہوا کہ مرید تو حضرت مولانا مدنیؒ فرمائیں اور اصلاحی
 مکاتبت وہ حضرت مولانا تھانویؒ سے رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ناظرین کرام کے سامنے راقم نے یہ تفصیل اسلئے بھی رکھی کہ حضرت مولانا مدنیؒ اور
 حکیم الامتؒ مولانا تھانویؒ کے مابین خلوص و محبت کے جو تعلقات تھے اسکا بھی کچھ خاک

زمین نشین ہو جائے اور گوان دونوں بزرگوں میں یاسیات کے سلسلہ میں اختلاف بھی رہتا تھا ہم جہاں تک ان حضرات کی ذات کا تعلق تھا وہ اختلاف اپنی حد پر ہی رہا اور اسکے باوجود قلبی محبت جابین میں موجود تھی۔ میں نے معتبر حضرات سے سنا ہے کہ آخر آخر جب مولانا مدنی گرفتار ہو کر جیل چلے گئے اس گرفتاری کی اطلاع غالباً بذریعہ اخبار حضرت حکیم الامتہ کو بھی کسی نے سنائی تو اناللہ وانا الیہ راجعون کہہ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے یعنی حضرت کو اس کا سخت صدمہ اور قلق ہوا۔ تھوڑی دیر اسی حالت پر گزری تھی کہ حاضرین مجلس میں سے کسی صاحب نے (غالباً حضرت خواجہ صاحب نے) عرض کیا کہ حضرت وہ تو بڑے دلیر اور مجاہد شخص تھے وہ اس جیل ویل سے ڈرتے کب تھے؟ حضرت تھانویؒ نے یہ سن کر یہ فرمایا کہ آپ اس جملہ کے ذریعہ میرے صدمہ کو کم کرنا چاہتے ہیں بھائی وہ بہادر ہی لیکن جیل بہر حال جیل ہے غالباً بی بی کا گھر تو نہیں ہے وہاں کی تکلیف اور اس خبر کی اطلاع پر انکی بیوی بچوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ پھر یہ کہ اتنے دنوں کا طلباء کا مدیث کا جو نقصان ہوا ان سب امور کے پیش نظر مجھے سخت افسوس ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (بات عرصہ کی ہے یاد ایسا ہی پڑتا ہے کہ حضرت کے یہاں اس قسم کی گفتگو آئی تھی) اس سے حضرت تھانویؒ کی شفقت علی المخلوق اور مولانا مدنیؒ کی تکلیف سے تکلیف کا اندازہ فرما لیجئے۔

اسی طرح مولانا مدنیؒ بھی حضرت تھانویؒ کے علو مرتبت سے بخوبی واقف تھے اور حضرت مولانا کی شان اصلاح و وعظ اور تعلیم و تربیت کی افادیت کے شروع ہی سے قائل تھے۔ چنانچہ نقش حیات میں غالباً دیوبند کے جلسہ کی روداد کے بیان کے سلسلہ میں ہے کہ

فرمایا کہ ”حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریروں سے لوگوں نے بہت حظ لیا اور بہت زیادہ فوائد عام حاضرین کو حاصل ہوئے (نقش حیات ص ۱۴۷ جلد ۱)

دیکھئے! مولانا مدنیؒ نے مولانا تھانویؒ کے مواعظ کے عموم افادیت کو کیسا محسوس فرمایا کہ

لوگوں نے اس سے بڑا ہی لطف لیا اور عام حضرات کو نفع ہوا اور کیوں نہ محسوس فرماتے حضرت مولانا مدنی بھی باطن کے جوہر شناس اور اہل دل بزرگ تھے۔ اللہ اللہ کرنے والوں میں سے تھے اور اکابر مشائخ سے فیض یاب اور اجازت یاب تھے یوں ان کے کام کا میدان دوسرا بھی ہو گیا تھا اسلئے اسی میں زیادہ نمایاں اور مشہور رہے، ورنہ تو ان کے قلوب بریاں اور چشم گریاں کی کیفیت کی ترجمانی ان کی ان آہوں سے ہوتی ہے جنہیں وہ تنہائی میں کھینچا کرتے تھے اور پاس والوں نے انہیں ان لفظوں میں سنا کہ کبھی یوں سترم ہوتے کہ

ہم نے تو اپنا آپ گریاں کیلئے چاک اسکو سیایا نہ سیا پھر کسی کو کیا
اور کبھی اپنے وجود پر اس طرح تعجب اور حیرت بھی فرماتے کہ
نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
در حیرتم کہ درمقاں بچہ کار کشمت مارا

(میں نہ تو پھول ہی ہوں اور نہ کوئی سبز پتہ ہی ہوں اور نہ کوئی سایہ دار درخت ہی ہوں) (کہ کسی کے کام آسکوں) پھر حیران ہوں کہ آخر مالی نے اس جن میں مجھے کیوں لگایا ہے؟ اور میرے وجود میں لانے سے اسکی کیا غرض ہے۔

اور کبھی حق تعالیٰ کی جانب اس طرح سے اپنے افتقار کا اظہار اور انہیں سے عرض حال اور انہیں کی جانب اپنی حاجت پیش کرنے کو یوں ظاہر فرماتے کہ
بجز تو شاہا دگر نہ دارم، بجز درے تو درے ندانم

ایک اسعی ومنک ارجو ان سألک بکمہ سؤالی

د یعنی شاہا! آپ کے علاوہ کوئی دوسرا بادشاہ نہیں اور آپ کے در کے سوا کوئی دوسرا در نہیں بس آپ ہی کی جانب میری بھاگ دوڑ ہے اور آپ ہی سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اگر کچھ سوال کرنا ہوگا تو آپ ہی سے سوال کر دینگا آپ کے سوا میرا کوئی لمبا دوی اور ماویٰ نہیں) ————— ملاحظہ فرمایا آپ نے ان اشعار کے مضمون سے معلوم ہوا کہ مولانا مدنی نے کیسا قلب پایا تھا۔ بہر حال وہ طریق سے بھی پوری طرح واقف تھے اور اہل طریق کی بھی خوب شناخت رکھتے تھے۔

(حضرت مدنیؒ اہل طریق اور اہل کمال کی شناخت کھتے تھے)

چنانچہ حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے کمالات سے کبھی آشنا تھے جیسا کہ آپ نے ذرا پہلے ملاحظہ فرمایا کہ مولانا دریا بادی سے فرمایا ہی تھا کہ ”ذرا تھا نہ بھون تو چلے“ — اسی طرح سے حضرت تھانویؒ کے خلفاء کی خدمات طریق بھی آپ کے پیش نظر تھیں۔ اور یہاں مجھے یہی بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت مدنیؒ اپنے سیاسی مشاغل کی بہتات کے باوجود سیر و سلوک کے مراکز اور اسکے جواہرات کے کانوں سے بھی پورے باخبر تھے چنانچہ خود بھی اصلاح و تربیت کرنے اور طالبین کو مرید فرمانے کے باوجود کبھی کبھی کسی طالب کو خود اسکی اصلاحی مصلحت کے پیش نظر (باوجود اختلافات سیاسیہ کے) حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں سے کسی کی جانب رجوع ہونے کا مشورہ دینے سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کسی شخص کو کسی شیخ کی جانب رجوع کر اور اس سے تعلق بیعت و اصلاح رکھنے کا مشورہ دینا ایک بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور المستشار مؤتمن کی رو سے تو دیا نہ اسکی اجازت ہی نہیں کہ انسان کسی نااہل اور ناقص کی جانب اپنے کسی دوست اور محب کو رجوع کرادے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ نے اگر کسی کو کسی سے رجوع ہونے کا مشورہ دیا ہے تو وہ یقیناً حضرت کے نزدیک نہایت ہی معتبر اور کامل و مکمل شیخ تھا اور گویا اس پایہ کا تھا کہ حضرت مدنیؒ نے اپنی جگہ اسکو جانا۔

اس تمہیک کے بعد اب آپ کے سامنے حضرت مولانا مدنیؒ کا ایک مکتوب گرامی پیش کرتا ہوں جس میں انھوں نے اپنے ایک شاگرد خاص کو اسکے بعض حالات کے پیش نظر مشورہ دیا کہ وہ حضرت مصلح الامۃ مولانا فتحپوریؒ سے اپنی اصلاح و بیعت کا تعلق قائم کر لیں اور اپنے اس مکتوب میں اس امر کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ایسا میں کسی عتاب یا

بارنگی کی بنا پر نہیں رکھ رہا ہوں بلکہ تمھاری دینی مصلحت اسی امر کو تقاضی ہے۔ اب خط ملاحظہ فرمائیے
(نقل خط حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فی بنام مولانا عظیم گدھ)

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ
مولانا وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں، سب جھنجھٹوں کو چھوڑ کر صرف
باطنی اشغال اور توجہ الی اللہ میں منہمک ہیں۔ حسب قاعدہ ایک کام کی مداومت
اس میں کمال پیدا کر دیتی ہے۔ پھر اشار اللہ انکو پیر و مرشد کے دربار میں مدتہائے دراز
تک حاضر باشی اور ذکر و شغل کی نوبت نصیب ہوئی ہے۔ ذاتی حیثیت سے بھی
کامل ہیں ہم تو ایسے بد نصیب ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچے تو تقریباً
ایک ماہ سے کچھ زائد مکہ معظمہ میں رہنا نصیب ہوا مگر شعائر حج کی مشغولی کی بنا پر اس مدت
قلیلہ میں بھی روزانہ حاضری نہ ہو سکی۔ حضرت پیر و مرشد گنگوہیؒ کی بارگاہ میں ڈھائی مہینہ
سے زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ حضرت اتاؤ شیخ الہندؒ کی خدمت میں البتہ کچھ رہنا
نصیب ہوا تو محرومیت نے دامن نہ چھوڑا کذلک فی الدنیا تعیش البہائم۔

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز نے مولانا وصی اللہ صاحب کو اپنا خلیفہ اور مجاز
بنایا ہے۔ انکی بارگاہ میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں کو فیض حاصل ہو رہا ہے اس لئے موقع
مت گنوائیے اور ان سے استفادہ کیجئے۔ خصوصاً جبکہ وہ آپ سے زیادہ قریب ہیں
ہر بات ان سے دریافت کر سکتے ہیں روزانہ انکی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ میں
اتنی دوسروں کو نہ پہنچنا آسان ہے نہ جواب حاصل کرنا آسان ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ
آپ ان ہی کی طرف رجوع فرمادیں۔ طریقہ بھی ایک ہی ہے اور مسلک بھی ایک ہی ہے
وہ بھی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلیفہ برحق کے خلیفہ اور مجاز ہیں اور
میں بھی حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ برحق کا خاکروب ہوں بھر غصہ یا خفگی کیسے ہو سکتی
الحکمۃ ضالۃ المومن من اینما وجدھا فهو حق بہما۔

بہر حال میرا یہ لکھنا واقعی تھا۔ خاک از تودہ بزرگ باید گرفت۔ بیعت ہو نیو

میں نے اسوجہ سے بھی لکھا تھا کہ وہ آپ کو اپنا سمجھیں اور آپ کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں
کیونکہ انسان کی طبعی بات ہے کہ اپنے کی طرف خصوصی توجہ کرتا ہے اور غیر کی طرف
منسوب ہونے والے سے کچھ نہ کچھ غیریت ہی برتا ہے مثل مشہور ہے کہ ”پر اے پوت
کس نے پالے۔“ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ربیع ۲ ۱۳۶۷ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا یہ خط۔ ہمیں
حضرت مدنیؒ نے ہمارے حضرت مصلح الامتؒ کے متعلق جو الفاظ استعمال فرمائے
ہیں ہم جیسے کم علموں نے تو اس سے یہی سمجھا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی نظر میں بھی
حضرت مصلح الامتؒ کا کوئی خاص مقام تھا۔ گو یہ صحیح ہے کہ انسان جو کچھ زبانِ قلم یا
قلمِ زبان سے کہتا ہے تو کبھی وہ الفاظ خود قائل کے مخصوص اخلاق و مزاج کی ترجمانی
کرتے ہیں یعنی ان الفاظ سے خود قائل کے خُلقِ حَسَن اور کریم النفسی کا اندازہ بہ نسبت
دوسروں کے حالات کے سمجھنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں حضرت مدنیؒ نے بہت
سے الفاظ ایسے ارشاد فرمائے ہیں جن کا مفہوم مطابقی صرف حضرت مصلح الامتؒ
کی فضل و کمال کا بیان فرمانا ہے اور موقع و محل ان کا چونکہ ایک دینی معاملہ ہے اس لئے
انکو صرف مبالغہ پر محمول کرنے سے دیانت مانع ہے۔ مثلاً مولانا مدنیؒ کا یہ فرمانا کہ مولانا
(فتحپورؒ) ”منقطع الی اللہ ہیں“ توجہ الی اللہ میں منہمک ہیں، اور اسی مدامت کی وجہ
سے طریق میں وہ کامل بھی ہیں، انکو اپنے شیخ کی طویل صحبت نصیب ہوئی ہے۔ اور
پھر شیخ بھی کیسے کہ وہ حضرت حاجی صاحبِ قدس سرہ کے خلیفہ برحق تھے۔ اور نہ صرف
یہ کہ ایسے شیخ کی انھوں نے صرف صحبت ہی پائی بلکہ وہ انکے خلیفہ اور مجاز بھی ہیں اور
نہ صرف خلیفہ اور مجاز ہی بلکہ ایسے بابرکت اور بانیض خلیفہ ہیں کہ جن سے کج سیکڑوں
نہیں بلکہ ہزاروں کو فیض بھی حاصل ہو رہا ہے۔

اب ان کلماتِ طیبات میں غور فرمائیے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا ان

صرف حضرت مدنی کی تواضع اور انکھاری ہی کا اثبات ہوتا ہے اور حضرت مصلح الائمہ کی تعریف و توصیف اور بیان واقعہ سے اسکو اصلاً تعلق نہیں ہے۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ زبان اردو سے ادنیٰ مارست رکھنے والا کوئی بھی شخص ان کلمات کو حضرت مصلح الائمہ کی کمال مدح بلکہ شہادت علی الکمال کے علاوہ کسی اور معنی پر بھی محمول کر سکتا ہے۔

بہر حال اس خط کو پیش کرنے سے غرض صرف یہی ہے کہ اس امر کا اثبات کروں کہ حضرت مولانا مدنی بھی ہمارے حضرت کو ایک کامل اور مکمل اور بانیض بزرگ جانتے تھے۔ چنانچہ میرے اس مدعا کی تائید اجمعیۃ دہلی کے شیخ الاسلام منبر کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے کہ لکھتے ہیں کہ

”ضلع اعظم گڑھ کے ایک صاحب آئے ان سے حضرت مولانا شاہ وحی اللہ صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ کی خیریت دریافت فرمائی انھوں نے کہا کہ میں وہاں نہیں جاتا۔ حضرت نے (یعنی مولانا مدنی نے ان صاحب کے اس جملہ کو تنقیص اور بے ادبی سمجھتے ہوئے) انکو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے ہو! وہ شیخ وقت ہیں۔“ نقل کردہ مولانا عبدالسلام صاحب فیض آبادی۔ انتہی۔

راقسم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت شیخ الاسلام کا کسی کو ”شیخ وقت“ فرمانا کوئی معمولی تعریف نہیں ہے بلکہ یہ ایک غیر معمولی توصیف ہے اور غالباً اس میں دو رائے نہ ہوگی کہ یہ ایک ایسی تعریف ہے کہ سابق کی جملہ تعریفیں اسکے اندر مدغم ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا لقب ہے جو ہر بزرگ کو دیا بھی نہیں جاتا بلکہ اسکا مصداق ایسی ہی کوئی ذات ہو سکتی ہے جو یا تو اپنے طبقے اور زمانے میں سب سے ممتاز و برتر ہو یا کم از کم ان چند افراد میں سے ایک ہو جو انگلیوں پر گنے جاتے ہوں اور مشائخ وقت میں سے شمار ہوتے ہوں۔

پھر الجمعیۃ کے اس مقولہ کی تصدیق اس سے بھی ہوئی کہ جن مولوی صاحب

کے حوالہ سے حضرت شیخ الاسلام کا یہ ارشاد یہاں نقل ہوا ہے عجیب اتفاق کہ
حضرت مدنی کے وصال کے بعد انہیں مولوی صاحب نے حضرت مصلح الامت کی خدمت
میں اپنا یہ عریضہ ارسال فرمایا:-

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی کے ایک مسترشد کا عریضہ حضرت مصلح الامت کے نام

یہ روایہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں میں سے ہے
حضرت کے وصال کے بعد جیسے چراغ نکل ہو جانے سے تاریکی زیادہ محسوس ہونے لگتی
ہے اس ڈیڑھ سال میں یہی حال رہا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی رحمت و شفقت والی
شخصیت کہیں نظر نہ آئی۔ وصال کے بعد عرصہ تک روتا رہا۔ دو دن متواتر یہ خواب بکھا
کہ حضرت (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ میرے قریب بیٹھے ہوئے ہیں پھر دیکھتا ہوں کہ یہ تو حضرت
فتحپوری مدظلہ العالی ہیں پھر وہ صورت حضرت مدنی کی ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد حضرت
فتحپوری کی شکل میں بدل گئی۔ پھر خواب میں ہی یہ اشارہ ملا کہ اب میرے بجائے یہ ہیں
(یعنی آپ) آنکھ کھلنے پر یقین ہو گیا کہ حضرت (مدنی) رحمۃ اللہ کی ہدایت یہی ہے کہ حضرت
فتحپوری سے رجوع کروں۔ مگر شیطانی دوسے اب تک سد راہ ہوتے رہے۔ اس
ہدایت کے خلاف جی چاہتا رہا کہ حضرت مدنی ہی کے خلفا میں سے کسی سے مناسبت
ہو جائے تو حضرت کی مناسبت باقی رہ جاتی جو مجھے زیادہ محبوب ہے مگر کسی سے مناسبت
نہ ہو سکی۔

ایک بار میرے سامنے بھی ایک عالم سے حضرت مدنیؒ نے فرمایا تھا کہ مولانا صلی اللہ
صاحب شیخ وقت ہیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ مجھے جتنا منظور ہے۔ آج شب میں نے خواب
دیکھا ہے کہ آپ تقریر فرما رہے ہیں اور نظر آپ کی میری طرف ہے، فرماتے ہیں کہ کسی کے
انتقال کی وجہ سے دین کا کام بند نہیں ہو جاتا اللہ کے بندے جو زندہ ہوتے ہیں کام
کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح قیامت تک یہ کام جاری رہے گا۔ پھر آپ میری طرف

بڑھے ہیں اور میں بھی آگے بڑھا ہوں میں نے مصافحہ کیا ہے اور پورا دست مبارک میں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے پھر آپ نے چوٹا سا اپنا مستعل رومال ہاتھ میں لیکر دوبارہ مصافحہ فرمایا ہے۔

آج میں اپنا تعلق آپ سے جوڑتا ہوں اگر آپ قبول فرمائیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے مجھے دوازدہ صبح بعد ضرب دہر پھر پاس انفاس پھر اسکی مشق و اجراء کے بعد ذکر قلبی کی تعلیم تھی۔ پہلے کچھ محنت کرتا تھا مگر حضرت کے وصال کے بعد سے تو بالکل ہی سب کچھ چھوڑے بیٹھا ہوں۔ میرا ظاہر و باطن سیاہ، میری دنیا و آخرت برباد ہے۔ حضرت میری رہبری فرمائیں۔ آپ جو کچھ ہدایت فرمائیں گے اس پر عمل کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

آنانکہ خاک را بنظر کیما کنند آیا بود کہ گوشہ چشمی بمانند
گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ اگر اجازت ہو تو حاضر بھی ہو جاؤں۔ والسلام۔
..... از فیض آباد

(حضرت مصلح الامت کا لطف بھرا جواب)

خواب اور اسکی تعبیر آپ کے لئے ہدایت اور میرے لئے بشارت ہے۔ حضرت مولانا (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مطبوعہ ملفوظات سے میری نسبت حق ظن معلوم ہوا تھا (اغلب یہ ہے کہ مراد اس سے یہی الجمعیت کا سابق مقولہ ہے) آپ کی شہادت سے کہ آپ کے سامنے بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا سنایا اسکی مزید تائید ہوئی اور حجتی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو جب کسی کی ہدایت کرنا ہوتی ہے تو اس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ لطیفہ غیبی سے رہنمائی کیجاتی ہے اور وہ لطیفہ غیبی کسی مانوس شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مجھے خدمت سے انکار نہیں۔ وظائف جو حضرت مولانا کے ارشاد فرمودہ ہیں انہیں کو پابندی کے ساتھ جاری رکھیں۔ اسکے ساتھ میری تقاضا یہی ہو جائیگی تو انکا مطالعہ کرتے رہیں۔ جب موقع ہو تشریف لائیں میری طرف سے

اجازت ہے۔ والسلام

لاحظہ فرمایا آپ نے یہ خط اور اسکا جواب۔ مولوی صاحب موصوف نے کس قدر صحیح ترجمانی اپنے قلبی حالت کی فرمائی کیونکہ یہ کیفیت ایک مرشد شفیق کے جدا ہو جانے کے بعد ہر مرید رشید ہی کو پیش آتی ہے اور حضرت مصلح الائمہؑ نے بھی اپنے جواب میں کیسا مرہم ان کے الم رسیدہ اور محزون قلب پر رکھا اور حضرت مدنیؒ کا ذکر جس عنوان سے فرمایا ہے اس سے از روئے طریق حضرت مولاناؒ کی جو عظمت حضرت مصلح الائمہؑ کے قلب میں تھی اسکا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر مولوی فیض آبادی سلمہ کے خط مذکور میں آئے ہوئے دو جملوں کی توضیح و تائید میں دو واقعات بیان کرتا چلوں جنہیں راقم سے خود صاحب واقعہ نے بیان کئے۔

ان میں سے ایک جملہ تو یہ تھا کہ پھر خواب میں اشارہ ملا کہ اب میرے بجائے یہ ہیں یعنی حضرت مدنیؒ نے ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ اب میرے بجائے مولانا شاہ دہلی اشرف صاحب ہیں اس پر اسی نوع کا یہ واقعہ یاد آیا

میرے ایک دوست مولوی محمد سالم صاحب ہسوی جو مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کے عزیز خاص ہیں مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں جب پہلی بار حضرت شاہ رضا (یعنی حضرت مصلح الائمہؑ) سے ملا تو اپنا تعارف یوں کرایا کہ حضرت الہ آباد سے متصل ایک ضلع ہے فتحپور ہسودہ میں وہیں کارہننے والا ہوں اور وہاں ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ہسوی وہ میرے نانا بھی ہوتے تھے اور دادا بھی۔ یہ سن کر حضرت نے مجھے سینہ سے پٹایا اور اس کے بعد پھر جب بھی میں حاضر ہوتا تو پہچان لیتے اور بڑی شفقت و محبت فرماتے۔ چنانچہ حضرت کی اسی شفقت اور محبت کو دیکھ کر میں نے اپنے نکاح کے موقع پر حضرت کو خط لکھا کہ حضرت اس وقت میرے یہاں میرا کوئی بڑا بزرگ موجود نہیں ہے تمنا ہے کہ حضرت ہی میری سرپرستی فرماتے اور میرے نکاح میں شرکت فرماتے۔ چنانچہ حضرت نے منظور فرمایا تھا مگر عین وقت پر کسی خاص بہانے

آجانے کی وجہ سے حضرت تشریف نہیں لیجاسکے حالانکہ اسکی اطلاع رائے بریلی بھی پہلے
نکاح کے لئے جانا تھا ہو چکی تھی اور بہت سے لوگ محض حضرت کی تشریف آوری
کی خبر سنا کر اطراف و جوانب سے آگئے تھے لیکن حق تعالیٰ کو منظور نہ تھا حضرت نہ جاسکے خیر الخیر فیما وقع
یہی مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ مجھے کبھی کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ لوگوں سے سنا ہے
کہ بزرگوں کی نسبت منتقل ہوتی رہتی ہے تو جی چاہتا کہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت
کروں کہ حضرت ہمارے نانا مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ہسوی کی نسبت انکے بعد کہاں
منتقل ہوئی؟ لیکن ہمت نہ پڑتی تھی کہ ایک دن وطن ہی میں بیٹھا ہوا تھا اور یہی خیال اپنے ذہن
میں لئے ہوئے تھا کہ مجھے ایک آواز سنائی دی کہ کسی نے کہا کہ مولانا عبدالسلام صاحب کی نسبت
مولانا صی اللہ صاحب کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ یہ سنکر میں چونک پڑا۔ ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی
نظر نہ آیا۔ ذرا دیر میں پھر دوبارہ وہی آواز سنی اسی طرح سے دوبار یا تین بار آواز آئی جسے
اپنے کانوں سے میں نے سنا اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ انسانی آواز نہیں ہے بہت
خوشی ہوئی اور اسکے بعد جب حضرت شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو کسی بار یہ خیال ہوا
کہ اس واقعہ کو عرض کروں مگر ہمت ہی نہیں پڑی۔ پھر اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہوا
کہ ایک مرتبہ نانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ مجھے چادر دو میں نے
چادر پیش کی تو اسکو اوڑھ لیتے رہے اور منہ کھلا ہوا تھا لیکن میں نے قریب سے جا کر جب دیکھا
تو کیا دیکھتا ہوں کہ چہرہ انکا جناب صوفی عبدالرب صاحب جیسا تھا مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ
یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ یہاں تو نانا صاحب لیٹے تھے یہ صوفی صاحب کہاں سے آگئے؟ ایک
مولوی صاحب سے میں نے اس خواب کا واقعہ ذکر کیا تو انھوں نے برحسہ فرمایا کہ ہو سکتا ہے
یہ خواب اس پہلی بیداری میں سنی ہوئی بات کی تشریح ہو کیونکہ جناب صوفی صاحب بھی
حضرت مصلح الامت سے بیعت تھے اور حضرت کی نسبت سے متصف اور اس کے
حامل تھے۔ پس حضرت مولانا ہسوی کی جگہ انکا ہونا اسی تباد و انتقال نسبت کی جانب اشارہ ہوگا یعنی یہ کہ جناب
صوفی صاحب سے یہاں مقصود نسبت صوفی الہی ہوگی اور انکے نانا صاحب سے یہ نسبت صوفی صاحب کا آجانا اس کی جانب
مشعر تھا کہ اب ان فتویٰ بزرگ (یعنی شاہ عبدالسلام صاحب) کی نسبت ان فتویٰ بزرگ (یعنی حضرت مصلح الامت) کی جانب منتقل ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم

غرض اس واقعہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی ذات پر اپنا فضل
فرا دے اور بہت سے بزرگوں کی نسبتوں کو اس ایک کی جانب منتقل فرما دے تو
یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد
اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کیا مشکل ہے اور کوئی اچھے کی بات بھی نہیں ہے کہ تمام عالم
کو ایک ذات میں سمیٹ دے اور جمع فرما دے۔ اور یہ واقعات دلائل تو نہیں تاہم
قرآن ضرور بن سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت ^{مصطفیٰ} الامت کو اس مرتبہ سے
نوازا تھا وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

دوسرا جملہ مولوی صاحب کے خط میں یہ تھا کہ — جی چاہتا تھا کہ حضرت مدنیؒ
ہی کے خلفاء میں سے کسی سے مناسبت ہو جاتی تو حضرت کی نسبت باقی رہ جاتی
— سبحان اللہ! ایک مرید صادق کیلئے کس قدر پاکیزہ یہ خواہش ہوتی ہے اور
اسکا یہ جذبہ حب شیخ اور محبت سلسلہ سے ناشی ہے۔ اور یہ نہایت ہی محمود قابل قدر
لائق تقلید اور سالکین کے لئے درس عبرت اور انکو غیرت کا سبق دینے والا جذبہ ہے
ہے بشرطیکہ اسکو رسم کا درجہ نہ دیدیا جائے۔ یعنی اپنے شیخ کے یا شیخ کے شیخ کے
خلفاء اگر موجود ہوں اور ان میں سے کسی سے مناسبت بھی ہو یا آئندہ ہو تو پھر
اس میں شک نہیں کہ اپنا ہی سلسلہ سیر و سلوک کیلئے اہل بھی ہے اور انفع بھی۔
باقی مقدر ہے اگر کسی کو اپنے سابق شیخ کے سلسلہ کا فی الحقیقہ کوئی مجاز ہی نہ مل سکے
پائے تو مگر اس سے نہ فی الحال مناسبت معلوم ہوتی اور نہ آئندہ ہی ہو سکے کی توقع
ہو تو اسوقت یہی کہا جائے گا کہ بھائی مقصود تو خدا ہے نہ کہ کوئی خاص شخص یا سلسلہ
اگر ایک سے کامیابی نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے کو اختیار کرے اور فیض باطنی
کو ایک ہی سلسلہ یا ایک ہی شخص میں محصور نہ جان لے ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ اس شخص کا

مقصود بس وہ شخص اور خاص سلسلہ ہے خدا تعالیٰ نہیں میں۔ یہ بات تو بالکل صحیح ہے مگر خدا کے لئے اس کا یہ مطلب بھی نہ سمجھ لیا جائے کہ سلسلہ کوئی کھیل اور مذاق ہے کہ جب اور جس سے چاہا جوڑا اور جب چاہا توڑا۔ ایسا بھی نہیں ہے۔ اور ایسا خیال کرنے والا سلاسل کی تخفیف اور اہانت کرنے والا ہے کیونکہ بزرگوں نے اپنے اپنے مسلک اور سلسلہ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جانا ہے، تازیت اسکی حفاظت فرمائی ہے اور اپنے بعد کے لوگوں کو بھی اس پر چلنے اور رہنے کی نصیحت اور وصیت فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے فاتمہ المشائخ مصلح الامۃ حضرت مولائی و مرشدی کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں جس سے اپنے شیخ کے مسلک اور مشرب کا ثبوت اور اسکے ضمن میں سلسلہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے جنہیں آج سب سے پہلی بار رحمہ اللہ لکھنا پڑا ہے، اپنی مشہور تالیفات جامع المجددین، تجدید سلوک و تصوف اور تجدید تعلیم و تربیت وغیرہ جب تصنیف فرمائیں تو انکو بنظر اصلاحی ملاحظہ فرمائیے کہ لئے حضرت مصلح الامۃؒ کی خدمت میں بھی ارسال فرمایا۔ حضرت یہاں سے علاوہ حبیبی کی رسید کے اور کوئی جواب نہیں گیا اس لئے مولانا ندویؒ نے دوسرا عریفہ حضرت کو ارسال فرمایا جس میں تحریر فرمایا کہ

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا گرامی نامہ حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

جامع المجددین۔ تجدید تصوف وغیرہ یہاں سے کوئی تین ہفتے سے زائد ہوتے ہیں کہ بذریعہ رجسٹری روانہ کر دی گئی تھیں رسیدی والا نامہ کا انتظار رہا امید کہ اب ملاحظہ سے بھی گزر چکی ہوگی۔ بنظر اصلاح ملاحظہ کرنے کی درخواست تواضعاً نہ تھی واقعاً اپنی غلطیوں پر مطلع ہونا مقصود ہے تاکہ دوسری طباعت میں اصلاح

ہو سکے اہل علم بھی کب اس سے مستغنی ہوئے ہیں تو یہ ناکارہ تو یقین فرمائیں کہ علم و عمل دونوں ہی سے خالی ہے۔ بس حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے سہارے کچھ الگ الگ چل لیتا ہے۔ اب چوتھا اور آخری حصہ تجدید سیاسیات و معاشیات کا زیر تحریر ہے جس میں سب سے زیادہ دشواری پیش آرہی ہے اسلئے خصوصیت سے تیسیر و تکمیل کی دعا کا طالب ہوں۔ والسلام مع الاکرام

عبدالباری غفرلہ

حضرت مصلح الامۃؑ نے اسکا جو جواب مرحمت فرمایا وہی اسوقت آپ کو سنانا مقصود ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل اور قرطاس نہیں بلکہ لوح قلب پر لکھے جانے کے لائق ہے۔ دہوذا۔

(جواب مستطاب من جانب حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ)

(بنام مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمہ اللہ)

آپ کی مرسلہ ہر سہ کتب موصول ہوئیں ڈاکخانہ کی رسید کو رسیدی خط سے معنی سمجھ کر الگ سے کوئی خط نہیں لکھا آپ کو اسکی وجہ سے انتظار کی جو زحمت گوارا کرنی پڑی اسکی معذرت چاہتا ہوں۔ قلبت فرصت اور کثرت مشاغل کی بنا پر کچھ ہی حصہ انکا دیکھ سکا ہوں بقیہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ تاہم اس اتنے کے دیکھنے سے بھی اندازہ ہوا کہ آپ کی نیت درخواست سے خواہ تو اضع کی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن دوسروں کو تو آپ کے سامنے تو اضع کرنی ہی پڑے گی اسلئے کہ خلافت تو اضع وہ شخص کچھ کر سکتا ہے جو پہلے اس سے بڑھ کر یا کم از کم اسکے برابر ہی کوئی خدمت اس کے مقابلہ میں پیش کرے اور اگر اپنا دامن اس سے خالی ہے تو اہل خدمت کی خدمت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت (مولانا تھانوی) علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور حضرت کے مسلک کو اس

اس علمی دنیا میں انھیں کی زبان میں آپ نے ایک نئے (انداز) اور مخصوص طریقہ (اور اسلوب) سے پیش فرما دیا ہے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ۔ (اور اسکے بعد حضرت نے جو کلمات تحریر فرمائے ہیں وہی یہاں مقصود بالذکر اور حمز جاں بنانے کے لائق ہیں تحریر فرمایا کہ) :-

”اب ضرورت صرف اسکی ہے کہ حضرت کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں اور اس جماعت میں یوٹا فیوٹا اضافہ ہو۔ کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار ہی کیا جائے انتہی۔“

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامت کی یہ دور رس اور دقت نظری کا اس نکتہ کی جانب اس ذات کو متوجہ فرمایا جا رہا ہے جو کہ جامع المجددین - تجدید تصوف - تجدید تعلیم اور تجدید سیاسیات و معاشیات کا مصنف ہے بات کس قدر واضح اور صاف ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ فوق کل ذی علم علیم۔

میرا تو خیال ہے کہ حضرت کے اس ارشاد میں ادنیٰ تاہل سے بھی سلسلہ مسلک اور مشرب سب ہی کا مفہوم اور انکی اہمیت اور ضرورت کا اثبات ہو جاتا ہے تاہم اگر اس عبارت کا فیہ کے لئے شرح جامی ہی کی ضرورت محسوس ہو تو عرض ہے کہ حضرت کے اس ارشاد کا حاصل تو یہی ہے کہ آپ نے حضرت مولانا تھانوی کے مسلک اور طریق کو تو کتاب میں مدون اور جمع فرما دیا ہے لیکن محض اسی اتنے سے مسلک تھانوی کے افراد تو پیدا نہ ہو جائیں گے اور ضرورت ہے مردم سازی کی اور جماعت سازی کی کیونکہ جب تک یہ نہ ہوا سو وقت تک کوئی بھی مشرب اور مسلک نہ پھل پھول سکتا ہے اور نہ باقی ہی رہ سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی بات کو یوں کہہ لیجئے کہ آپ کی اس خدمت سے لوگوں میں مسلک تھانوی کا داستان تو بلاشبہ عام ہو جائے گا (اور یہ بھی ایک کام ہے) مگر داشتن والے افراد پیدا کرنے کے لئے یہ قدر کافی نہیں ہے اور ضرورت اسی قسم کے لوگوں کی ہے کیونکہ کسی مسلک کے ساتھ دوسرے لوگ متصف جب ہی ہونگے جبکہ اسکی پشت پر اسکی

جانب دعوت دینے والی اور خود اسکے ساتھ متصف کوئی جماعت بھی ہو در نہ تو بدوں اس اقصاف اور دعوت کے دوسروں کو اس مشرب کا علم تو ہو جائے گا مگر اس کا جماعتی تعدیہ نہ ہو گا چنانچہ دیکھئے ہمارے دینی مدارس میں جو تعلیم ہوتی ہے اسکے ذریعہ آپ کو حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک کا تعارف تو ہو جائے گا کیونکہ ہمارے یہاں بھی اس سے بحث کی جاتی ہے لیکن طلبہ میں شافعی یا مالکی مسلک سے اقصاف کا جذبہ نہیں پیدا ہو گا اسلئے کہ مدارس حنفیہ والے نہ تو اس مسلک سے متصف ہوتے ہیں اور نہ اس کے داعی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے حضرت تھانویؒ کے مسلک کے افراد پیدا کرنے کے لئے صرف کتاب کافی نہ ہوگی بلکہ اسکی پشت پر ایک داعی جماعت اور اس مسلک سے متصف افراد کی بھی ضرورت ہے۔ حضرت والاؒ اس کی جانب تنبیہ فرانا چاہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باقی رہا یہ کہ حضرتؒ کی مراد مسلک کے افراد اور اس جماعت سے یہاں کس قسم کے لوگ ہیں؟ تو بظاہر فہم ناقص میں تو یہی آتا ہے کہ اس میں اہل سنہ والجماعۃ کی سنی تعلیم تو مراد ہے نہیں اور نہ ہی عام دیوبندی مسلک جسے کہا جاتا ہے اس کے ساتھ اقصاف تھانویت کے مراد ہے بلکہ ضروران دونوں ہی سے اخص کوئی درجہ مراد لیا جائے گا جسے حضرت تھانویؒ کا مسلک فرمایا جا رہا ہے اور وہی حضرت مصلح الامۃؒ کی بھی مراد ہے اب رہی اس درجہ کی بھی تعیین سوا سکو میں فہم احباب اور ناظرین ہی کی تجویز پر چھوڑتا ہوں۔

باقی یہاں اتنا ضرور عرض کر دینا کہ حضرت مصلح الامۃؒ کا یہ ارشاد کہ — اب ضرورت صرف اسکی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں اور اس مسلک میں یونانیوں کا اضافہ ہو کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار ہی کیا؟ — (بیاض نقل خصوصی خطوط)

یہ کچھ ایسا ارشاد نہیں ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کے محبین اور معتقدین اسکا کچھ اثر نہ لیں۔ بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ حضرت والاؒ کی ارشاد فرمودہ اس ضرورت

کا پورا کرنا اور کامل اخلاص کے ساتھ حضرت کی اس تمنا کو بروئے کار لانا حضرت رحمۃ اللہ کے متوسلین کا اپنا اخلاقی اور جماعتی فریضہ ہے۔ ورنہ تو بقول سرمدؒ

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار از پی دو کاری باید کرد
یا تن بہ رضا کے دوست میباید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

فراتے کہ سرمد شکوہ و شکایت سے کچھ حاصل نہیں بات کو بس مختصر ہی کرنا چاہیے اور ان دو چیزوں میں سے بس ایک کو اختیار کر لینا چاہیے۔ یعنی یا تو دوست کی رضا اور اسکی مرضی پر راضی ہو کر اس پر اپنے تن بدن کو ڈال دینا چاہیے (اور انکی مرضی ہی پر چلنا چاہیے) اور یا نہیں تو پھر یار اور محبوب سے الفت کے دعوے کو خیر باد کہہ دینا چاہیے (یہ کیا کہ کسی کی ذات کو ماننا اور اسکی بات کو نہ ماننا۔ یہ بھی کوئی ماننا ہوا)۔

غرض یہ کہ بزرگوں نے مسلک کے تحفظ کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس سلسلہ میں اولاً حضرت صلح الائمہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا اب اسکے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کا بھی عمل پیش کرتا ہوں کیونکہ حضرت حکیم الامتؒ کا عمل ہمارے لئے تو بہر حال سند بن ہی سکتا ہے۔ حضرت کا معاملہ دیکھئے کہ آخر عمر شریف میں جب اصلاح و تربیت کے۔۔۔ کام سے معذور ہو گئے اور اطباء نے حضرت کو کام کرنے سے منع کر دیا تو طالبین کے خطوط کے جواب میں ایک مطبوعہ پرچہ اس تحریر کے ہمراہ ارسال فرمادیتے تھے کہ اب مجھ میں قوت نہیں ہے اعلان دیکھو" آپ بھی حضرت حکیم الامتؒ کا وہ اعلان ملاحظہ فرمائیے

(طریق تسہیل خدمت سالکین سبیل)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بوجہ چند مثل زیادت سن وغیرہ عرصہ سے مجھ میں کام کرنے کی طاقت نہ تھئی مگر اپنی ہمت سے کام کرتا تھا۔ آخر کار اس سے نقصان عظیم ہوا جس سے بعض سخت خطرناک حالات پیش آ گئے اس سے میں نے

خود بھی محسوس کیا اور ڈاکٹروں اور طبیعوں نے بھی سخت تاکید کے ساتھ مشورہ دیا کہ کام کرنا بالکل چھوڑ دیا جائے اسلئے میں نے ڈاک بکھنا بھی چھوڑ دیا ہے مگر طالبوں کی سہولت کیلئے ذیل میں اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں جن کے طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے ان میں سے جن صاحب سے جی چاہے اپنی تربیت متعلق کریں لیکن صرف دریافتِ غیریت و طلبِ اجمالی دعا یا بعد تکمیل شرائط درخواست کے لئے دوسطریں لکھنے کی اجازت ہے۔

(وہ نام یہ ہیں)

- (۱) مولوی محمد عیسیٰ صاحب محی الدین پور (رحمۃ اللہ علیہ)۔
- (۲) مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب میرٹھ (رحمۃ اللہ علیہ)۔
- (۳) مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی۔ مظفرنگر (رحمۃ اللہ علیہ)۔
- (۴) مولوی محمد حسن صاحب۔ امرتسر (رحمۃ اللہ علیہ)۔
- (۵) مولوی عبدالغنی صاحب۔ پھولپور۔ اعظم گڑھ (رحمۃ اللہ علیہ)۔
- (۶) مولوی خیر محمد صاحب جالندھر شہر (رحمۃ اللہ علیہ)۔
- (۷) مولوی وصی اللہ صاحب۔ فتحپور تال نرجا اعظم گڑھ (نور اللہ مرقدہ)۔
- (۸) حقداد خاں صاحب۔ مولوی گنج بکھنوا (رحمۃ اللہ علیہ)۔
- (۹) مولوی ولی احمد صاحب۔ من پورہ مراد آباد (لا اعلم حالہ)۔
- (۱۰) مولوی سیح اللہ صاحب جلال آباد مظفر (احمد اللہ حیات ہیں)۔
- (۱۱) مولوی نور بخش صاحب نواکھالی چاٹگرام (لا اعلم حالہ)۔

اور بھی بہت سے حضرات ہیں جنکی فہرست اشرف السوانح حصہ سوم کے اخیر میں شائع ہوئی ہے مگر نمونہ کے طور پر بعض ان اصحاب کے نام لکھ دیئے ہیں جن سے جواب جلد مل جانے کی غالب توقع ہے۔ اگر ان کے علاوہ بوجہ مناسبت کے دوسرے مجازین سے رجوع کریں اجازت ہے۔ فقط اشرف علی تھانہ بھون۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت حکیم الامت کا یہ اعلان - اب ظاہر ہے کہ اسکا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مشائخ زمانہ بس اسی فہرست میں منحصر اور محصور تھے یعنی ان کے علاوہ نہ تو کوئی اور شیخ تھا نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ مجھے جو عرض کرنا ہے وہ یہ کہ دیکھئے حضرت تھانویؒ نے اس فہرست میں کسی غیر سلسلہ کے ایک بزرگ کا بھی ذکر نہیں فرمایا اور ان مذکورین کے علاوہ بوجہ مناسبت کے جن دوسروں سے رجوع ہونے کی اجازت بھی دی تو مجازین کی قید لگا کر اسکو بھی اپنے ہی سلسلہ کے ساتھ مخصوص فرادیا۔ حالانکہ حضرت تھانویؒ کے زمانہ میں دیگر سلاسل کے مشائخ بھی موجود تھے اور ان حضرات کا سلسلہ فیض بھی جاری تھا اور یہ بات عقلاً بعید ہے کہ حضرت تھانویؒ ان حضرات مشائخ اور انکی بزرگی کے قائل یا ان سے واقف ہی نہ رہے ہوں۔ ایسا نہیں تھا۔ حضرت واقف تھے اور خوب واقف تھے کہ سلسلہ کی حفاظت، طریق شیخ سے وفاداری اور انسانیت کا فطری تقاضا ہی یہی ہوتا ہے کہ انسان جسکا کھائے اسی کی گائے اور جس شیریں گھاٹ سے خود اسنے پانی پیا ہو دوسروں کو بھی اسی کی جانب رہنمائی کرے۔ پس یہاں بھی ذکر غیر سے تناع اور صرف نظر کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور یوں بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر سلسلہ کی کچھ خصوصیات کچھ امتیازات ہوتے ہیں۔ انسان ایک مدت تک ایک سلسلہ سے راستہ طے کرتا ہے اب اسکو ترک کر کے دوسرے طریق اختیار کرنا بلاشبہ سکے لئے کچھ تشدد ہی کا باعث ہوا کرتا ہے کہ پہلے سے اپنی قدیم مناسبت کو ختم کر کے شیخ جدید سے جدید مناسبت پیدا کرے تب اسکے طریق پر گامزن ہوس میں عمر کا ایک حصہ ہی ختم ہو جاتا ہے بخلاف اسکے اگر شیخ اول ہی کا کوئی خلیفہ مل جائے تو پھر کیا کہنا سبحان اللہ اسکو سلسلہ گویا متصل ہی رہتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فصل و انفصال ہی گویا نہیں ہوتا۔ ای طرح سے شیخ کے شیخ کا سلسلہ بھی کچھ ایسا اجنبی نہیں ہوتا کہ اس سے جدید مناسبت پیدا کرنیکی ضرورت پیش آئے۔ ہاں دوسرے سلسلہ کے شیخ سے اگر مناسبت ہو گئی تو اس سے بھی سلوک کے طے ہو جانیکی توقع کیجا سکتی ہے ورنہ تو اگر مناسبت ہی پیدا کرنیکی ضرورت پیش آگئی تو پھر تو اپنے ہی سلسلہ والے کسی بزرگ سے مناسبت کا پیدا کر لینا زیادہ آسان بہ نسبت دوسرے سلسلہ کے کسی شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کے۔

اور طریق میں اصل شے مناسبت ہی ہے۔ یہی مسئلہ ان مولوی صاحب کو بھی پریشان
کئے ہوئے تھا جبکی وجہ سے وہ حضرت مدنیؒ ہی کے سلسلہ کے کسی بزرگ کی تلاش میں تھے مگر
انکے معیار پر کوئی انکو نہ مل سکا اور ایک ہی بزرگ کیا بہتوں کیلئے ہر زمانہ میں یہی مسئلہ الجھن اور
پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی مسئلہ کو ایک دن ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کے
سامنے بیان فرمایا جو کہ حضرت مدنیؒ کے مرید تھے اور جنہوں نے مولاناؒ کے وصال کے بعد ہمارے
حضرت کے یہاں آمد و رفت شروع کر دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؒ نے اپنی بصیرت
سے اس قسم کے لوگوں کا یہ خاص حال اور اسکی وجہ سے کسی دوسرے کی جانب دل سے رجوع
ہونے میں رکاوٹ کا اندازہ فرما کر مسئلہ کی وضاحت کو ضروری سمجھا چنا چنانچہ صاحب کے سامنے
بھی مجلس میں یہ تقریر فرمائی جس کو خود انہوں نے راقم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت
نے مجھے اپنے کرم سے اپنے درس میں جس میں حدیث و تفسیر کا سبق ہوتا تھا، شرکت اور سماعت
کی اجازت فرما رکھی تھی ایک دن سبق میں کچھ ذکر نسبت اور مناسبت کا آیا اس پر حضرت والاؒ نے
ذرا مفصل گفتگو فرمائی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ فرمایا کہ ————— مناسبت کیلئے مجانست کا ہونا ضروری
ہیں ہے بلکہ دو غیر جنسوں میں بھی کسی جہت باہم مناسبت ہو سکتی ہے۔ اس کا ایک واقعہ سنایا
کہ ایک مرتبہ ایک کبوتر اور ایک کوسے کو لوگوں نے کسی دیوار پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تعجب کیا کہ
ان دونوں میں بھلا کیا مناسبت ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں لنگڑے تھے۔

تو دیکھے جنس دونوں کی الگ الگ تھی مگر مرض میں دونوں شریک تھے یہی ان کے
لئے وجہ مناسبت بن گئی۔ درس ختم ہونے کے بعد حضرت والاؒ نے مجھے اپنے قریب بلایا اور فرمایا
کہ حافظ جی آج کا مضمون جو بیان ہوا کچھ آپکی سمجھ میں آیا؟ حافظ صاحب کہتے تھے کہ میری سمجھ
میں نہ آیا کہ کیا کہوں؟ اگر کہتا ہوں کہ جی ہاں حضرت سمجھ میں آگیا تو یہ تو فہم کا دعویٰ ہو جاتا ہے
اسلئے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ سمجھا ہوں اسکو عرض کرتا ہوں اگر کچھ غلطی ہو تو حضرت والاؒ اسکی اصلاح
فرمادیں۔ وہ یہ کہ حضرت کے فرمانے سے یہ سمجھ میں آیا کہ مناسبت کیلئے مجانست شرط نہیں ہے بلکہ
دو نا جنسوں میں بھی کسی وجہ سے باہم مناسبت ہو سکتی ہے۔ جسکی مثال حضرت نے کبوتر اور کوسے

کے واقعہ سے بیان فرمائی۔ حضرت والا نے اس واقعہ سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ دیکھو جبکہ دو جانوروں میں بھی باہم مناسبت شرکت مرض کے سبب سے ہو سکتی ہے تو پھر تو دو انسانوں میں بہت سی چیزیں ماہ الا شتراک ہوا کرتی ہیں انہی وجہ سے ان میں باہم کبھی مناسبت ہی نہ ہو سکے یہ تو نہایت ہی حیرت اور افسوس کی بات ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ حضرت والا میرے اس جواب کے بہت خوش ہوئے اور حاضرین میں سے کسی سے فرمایا کہ دیکھو جی حافظ جی بات سمجھ گئے۔ اور شاید آپ نے فرمایا کہ جامی اسکو لکھ لو حافظ صاحب نے بہت عمدہ جواب دیا ہے۔ انتہی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ ہمارے حضرت کا کیا ہی عمدہ طرز تعلیم تھا اور کیسی عجیب انداز تفہیم تھا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ اور ان حافظ کا تعلق بھی چونکہ پہلے حضرت مدنی سے تھا پھر حضرت مولانا کے دھمال کے بعد حضرت مصباح الامۃ کی خدمت میں آنے جانے لگے تھے تو گو ان دونوں بزرگوں کا سلسلہ ایک ہی تھا پھر بھی کبھی نفس یا شیطان سالک کو پریشان کرنے کے لئے اس قسم کے دس قلب میں پیدا کرتا رہتا ہے کہ — اجمی تمھارے شیخ تو دوسرے تھے اور یہ دوسرے ہیں لہذا تم کو یہاں نفع نہ ہو گا اس طور پر اسکو یہاں سے باوجود اسکی قلبی رغبت کے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت والا نے ان صاحب کے حالات کے پیش نظر انکو طریق کا یہ مسئلہ سمجھانا چاہا کہ میاں دراصل مدار فیض تو کسی شیخ سے مناسبت کا ہونا ہی ہے اور مناسبت چونکہ مجاہد پر موقوف نہیں ہے تو پھر سلسلہ کا اتنا جزئی اختلاف اس میں کیا قادح ہو سکتا ہے۔

ادریوں تو مناسبت کے اسباب بہت ہیں تاہم ان میں بعض اختیاری بھی ہوتے ہیں۔ پس جہاں مناسبت نہ ہو وہاں اسکے اسباب اختیاریہ کے اختیار کرنے سے مناسبت ہو بھی جاتی ہے لہذا کسی بھی شیخ سے اگر فی الحال کسی کو قلبی مناسبت نہ بھی معلوم ہوتی ہو مگر اپنا عقلی رجحان اگر کسی وجہ سے اسکی جانب پادے تو اسباب مناسبت اختیار کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے دلی مناسبت بھی ہو جائیگی۔

اب ان حافظ صاحب کا قہال معلوم نہیں کہ انھیں بھی کچھ تردد تھا یا نہیں مگر ان مولوی صاحب نے تو اپنے اس تردد کو صاف لفظوں میں ظاہر ہی فرما دیا تھا اور یہ بھی کہ پھر حضرت مدنیؒ کے (خواب میں اس طرح سے) فرمادینے سے کہ ”اب میرے بجائے یہ ہیں“ الحمد للہ میرا یہ تردد

رفع بھی ہو گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کامل شیخ کا کسی کو شیخ کامل فرما دینا بھی اسکی جانب توجہ اور حجام ہو جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے لہذا طالب کو چاہیے کہ اپنے شیخ اول کے اس نوع کے ارشادات کو شیخ جدید سے حصول مناسبت یا اضافہ مناسبت کا ذریعہ بنائے۔ اب اگر طالب کی جانب کچھ ارادہ و کوشش بھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسکی تکمیل بھی فرما دیں گے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝

بہر حال بات ذرا دور چلی گئی عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت مدنیؒ نے ہمارے حضرت مصباح الائمہؒ کی تحریر اور تقریر جو تعریف توصیف فرمائی ہے اس سے ان کے تعلق اور محبت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہاں تک تو تعلقات کے ایک رخ کا بیان تھا۔ راہِ دربار یعنی حضرت مصباح الائمہؒ کو حضرت مدنیؒ سے کیسا تعلق تھا تو اسکا پورا اندازہ کم از کم مجھے تو اسوقت ہوا جبکہ مکرمی ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت والاؒ کے ساتھ صبح و شام کی تفریح میں اکثر میں ہی رہا کرتا تھا ایک ن ہم دریائے جمن کے اس پار نینی (الآباد) کی جانب جاتے۔ جمن کا پل پار کر کے جب ذرا آگے بڑھے تو سامنے جیل کی طول طویل فصیل نظر آئی میں عرض کیا کہ حضرت وہ جو سامنے دیوار نظر آ رہی ہے وہ نینی جیل ہے یہ سنتے ہی فرمایا کہ اچھا ابھی نینی جیل ہے؟ اسی میں ہمارے مولانا مدنیؒ کو انگریزوں نے قید کر رکھا تھا۔ اس جملہ کو حضرت والاؒ نے نہایت ہی تاسف اور تاثر کے ساتھ کہی بار دہرایا۔ اس طرح سے جب حضرت مدنیؒ کا وصال ہوا تو حضرت کا قیام اندون حسن منزل (الآباد) میں تھا صبح کو عین مجلس کے وقت کسی نے یہ خبر حضرت والاؒ کو بھی سنائی سکرانہ والا الیہ راجعون پڑھا اور ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر کہہ کر چھک لیا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور ایک سرور سے پوچھا کہ کھلے ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا انکا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

فوری طور پر تو سمجھ میں نہ آسکا تھا کہ آخر اسکا مطلب کیا ہے اور اس واقعہ فاجعہ میں اور ان الفاظ کے ساتھ اظہار تاثر میں آخر باہم ربط کیا ہے لیکن بعد میں سمجھ میں آیا (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ ہمارے اقدس کے قلمباز میں حضرت مدنیؒ کی شہرت اور انکی عظیم الشان شخصیت کا تصور آگیا۔ یعنی یہ کہ اللہ اللہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے زیارت و دیدار سے مشرف ہونے والی ذات، حضرت گنگوہیؒ کا مجاز اور خلیفہ، مدرسہ دیوبند کا شیخ الحدیث، ہند میں شیخ الہند کا جانشین اور شیخ الاسلام کے لقب سے معروف و مشہور شخصیت اللہ کی شان کہ آج دنیا سے وہ مہلکی رخصت ہوئی اور اہل زمانہ چاہے انکی کمی کی وجہ سے اپنے اندر نمایاں غلام کیونش محسوس

کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی مستغنی اور نہایت ہی بے نیاز ذات ہے ایک عالم اور دلی تو پھر عالم اور دلی ہے وقت جب پورا ہو گیا ہے تو نبیوں اور رسولوں کو بھی واپس بلا لیا گیا ہے لایستاق و لا یستقدّمون اب اسکی وجہ سے مخلوق خواہ تڑپ ہی کیوں نہ جائے اور بلبلہ ہی کیوں نہ اٹھے مگر محبوب حقیقی جل جلالہ کے لئے تو یہ ایک معمولی سی بات بلکہ روزمرہ کا ایک کھیل ہے فَبُشْعَانَ الَّذِیْ یَبْدِیْهِ مَلَکُوتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّالِیْکِ یُجْعَلُونَ ہ سو پاک ہے وہ ذات جسے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو بھی اسی کے پاس پس لوٹ کر جانا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت دالانے یہ خیال فرمایا ہو کہ عاشق کا اپنے محبوب کا نام ریگ اور زمین پر کھنا اور اسے خاطر خود کو تسلی دینا تو معروف ہی چلا آ رہا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود محبوب بھی محض اپنی تفریح اور ہماری چھڑکی خاطر ہمارا نام زمین پر کھتا اور مٹاتا ہے چنانچہ حضرت خواجہ صاحبؒ ایکوفراتے ہیں کہ مزا آتا ہے انکو چھڑنے میں اپنے عاشق کے کبھی رنجور کرتے ہیں کبھی مسرور کرتے ہیں مسرور تو کرتے ہیں اپنے ہاتھ سے ہمارا نام لکھ کر اور رنجور کرتے ہیں پھر اسکو صفحہ ہستی سے مٹا کر باقی اس میں شک نہیں کہ اہل اللہ اور ارباب سلوک کیلئے تو ایک جہت سے یہ جانب بھی سبب مسرت و لکھ جان ہی دیدینے کا مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل محبت کا اس موقع پر خوش ہونا اور اس حالت کی تمنا کرنا تاریخ سے تو اترانا ہی ہے ایک عاشق کہتا ہے ۛ

سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
اسی طرح سے ایک محبت نے تو اس بات تک کی خواہش کی ہے کہ کاش اپنے محبوب ہی کے ہاتھوں
ہمارا کام تمام ہوتا کہتے ہیں کہ ۛ

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغست سر دوستان سلامت کہ تو خیر آزمانی
یعنی فدا نہ کرے کہ کسی دشمن کا نصیب ہو کہ وہ تیری تیغ کا نشانہ بنے۔ ہم دوستوں کے سر کو خدا
سلامت رکھے کہ تو انھیں پر خیر آزمانی کرے۔ اور ایک اہل دل نے اسی مضمون کی یوں تصویر کشی
فرمائی ہے، فرماتے ہیں ۛ

ہم آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکت امید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد
یعنی جنگل کے تمام ہرن اپنا اپنا سر تھیلی پر رکھے ہوئے اس امید میں گھوم رہے ہیں کہ کاش تو
شکار کھیلے کھیلے ادھر آجائے اور وہ تیرے ہاتھوں شکار ہو جائیں۔ اور ایک اور عاشق نے

تو اپنے خون کو یوں آراستہ کیا ہے
 ہم نے انکے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا
 پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا
 قطرہ خون جگر سے کی تو وضع عشق کی
 سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا
 حاصل یہ کہ حضرت والا نے گویا مولانا مدنی کی زبان سے یہ شعر پڑھا کہ
 لکھ کر ہمارا نام زمین پر مٹا دیا
 انکا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا
 مطلب یہ کہ گو ہم خاک میں مل گئے مگر محبوب حقیقی کی جانب سے پیش آئی ہوئی ہر تکلیف کو ہم
 اپنے لئے تحفہ ہی سمجھتے ہیں۔ ہمارے جن خم ہے آپکو خوشی ہو وہ ہمارے لئے قطعی سبب الم نہیں
 عارفین نے فرمایا ہے کہ

وامتاز قوم بالتذاذ ببلائہ حُبّاً بریہ وقضائہ۔

یعنی ان اللہ والوں میں سے ایک جماعت تو ایسی بھی ہوئی ہے کہ جس نے محض اپنے رب کی محبت
 اور اسکے فیصلہ پر رضا اور اسکے احترام کی خاطر اپنے ہلاک کئے جانے میں ہی لذت اور مسرت
 محسوس کی ہے اور بزبان حال یہ کہا ہے کہ — اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے کہ میں ختم اور فنا ہو جاؤں
 اور آپ ہی کے لئے بقا رہے تو پھر مجھے ہلاک ہو جانے ہی میں نرا اور راحت ہے۔

غرض بزرگوں کے پیش نظر یہی جہت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ موت ان حضرات کے
 نزدیک ”مرگ ناگہانی“ نہیں بلکہ جیل خانہ سے رہائی کا نام ہے۔ اسی لئے تو حضرت مرزا منظر جانا
 نے بھی اپنے آخری وقت میں بعد والوں کو اپنے جدائی کے صدمہ سے اس طرح سے پہلے ہی تسلی دی
 پھر اس دنیا سے سفر فرمایا، فراتے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ خوب ہی فرمایا ہے کہ

لوگ کہتے ہیں کہ منظر مر گیا درحقیقت منظر اپنے گھر گیا معلوم ہوا
 بہر کیف حضرت مصلح الامۃ کا اس شعر کے پڑھنے سے جو بھی مقصود رہا ہو اتنا تو یقینی طور پر
 کہ اس خبر رنج اثر سے قلب مبارک بہت ہی محزون و غمگین ہوا جو کہ قلبی تعلق کی دلیل ہے۔

حضرت مصلح الامۃ اور حضرت مولانا مدنی کے مابین براہ راست گو مکاتبت نہیں ہوئی تاہم
 بواسطہ بھی جو باتیں جابنین کی ہمارے علم میں آسکیں اور بطور بالا میں جو پیش کی گئیں ان دونوں گروں
 کے باہمی قلبی تعلق و محبت کے ظاہر کرنے کے لئے وہ بھی کافی ہیں بالخصوص مکتوبات شیخ الاسلام

حصہ دوم سے کسی اعظمی مولوی صاحب کے نام حضرت مولانا مدنیؒ کا جو مکتوب گرامی ابھی نقل کیا گیا ہے (جس کے شروع میں ہے کہ مولانا وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں الخ) وہ تو اس باب میں شاہد عدل ہی ہے۔

اب اس موقع پر جبکہ مکتوبات کا یہ صفحہ ہمارے سامنے کھلا ہوا ہے ہمیں مذکورہ بالا مکتوب گرامی موجود ہے بدون قصد و ارادہ کے بھی نظر اس کے حاشیہ پر پڑ ہی جاتی ہے جس کے متعلق یہ کہنا تو بالکل صحیح ہے کہ ہمارے حضرت تو ان کا ریاک دیکھ کر اس مقام سے اپنے مرتبہ و مقام کی حیثیت سے یہ خیال فرما کر گزر گئے کہ وَقُلْتُ لَا يَعْزِينِي یعنی مجھے نہ کہتے ہونگے کسی اور کو کہتے ہوں گے لیکن کسی دوسرے شخص کا اسے دیکھ کر یہاں سے یونہی گزر جانا بلاشبہ ”حُب شَج“ اور اہل محبت کے اس مسئلہ آئین کی خلاف ورزی معلوم ہوتا ہے کہ کہا گیا ہے کہ

أَحْبَبُهُ وَأُحِبُّ فِيهِ مِلَامَةً ان الملامۃ فیہ من اعدائہ

یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے محبوب کو بھی محبوب رکھوں اور اسکے بارے میں مذمت کو بھی پسند کروں، مذمت اور عیب گوئی تو ثبوتہ معاذین ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک محب معاذ کیسے ہو سکتا ہے؟ — چنانچہ یہ بھی عجب لطف کی بات ہے کہ جس قدر حضرت شیخ الاسلام کا یہ مکتوب شیرین تھا اسی قدر اس کا یہ حاشیہ تلخ ہے۔ اور ہم اس تلخ و شیریں کی بحث میں نہ پڑتے لیکن خیال یہ ہوا کہ رائے کے اختلاف کا تو خیر مضائقہ نہیں گروا تہ کے خلاف اگر کوئی بات معلوم ہو جائے تو اس کا ظاہر کر دینا تو بہر حال ضروری ہی ہے۔ اس لئے بغرض ازالہ غلط فہمی اور ناواقفین کو صحیح صورت حال پر واقف گرداننے کے لئے اس مسئلہ کی قدرے وضاحت ضروری ہوئی۔ نیز ایک مقصد اس کے بیان سے یہ بھی ہے کہ اجاب کے سامنے حضرت مصلح الامۃؑ کی زندگی کے یہ مناظر بھی پیش کر دئے جائیں تاکہ عمل کرنے والوں کے لئے اس قسم کے معاملات میں اپنے لئے سبق لینا آسان ہو۔

ظاہر ہے کہ صفحات معرفت حق میں حضرت مصلح الامۃؑ کا جو نقشہ نظر میں کھینچ رہا ہے حاشیہ مذکورہ کا بیان اس سے بالکل متضاد ہے۔ اب جن لوگوں نے حضرت والا کو دیکھا نہیں ہے بلکہ ان کے لئے اب حضرت اقدسؒ کی معرفت کا ذریعہ صرف یہی تحریر و بیان ہے ان کے سامنے جب دونوں متضاد تحریریں ہونگی تو وہ لوگ کس قدر ضیق میں پڑ جائیں گے یعنی انھیں اگر محشی کی بات پر یقین

تو وہ 'معرفت' کے بیان کو 'مردیاں' می پرانندہ سے زیادہ کا درجہ نہ دے سکیں گے اور اگر 'معرفت' کا پیش کردہ بیان انکو حق معلوم ہوا تو عجب نہیں کہ وہ محشی کی جانب سے کسی دوسرے کا شکار ہو جائیں اس لئے حضرت مصلح الائمہؑ کی سیرت نگار کے لئے یوں بھی لازم ہوا کہ مسئلہ سے کشف عطاء کر کے حقیقت الامر سامنے لائے تاکہ لوگ بزرگوں کی جانب سے بھی بدگمان نہ ہوں اور کسی عالم کے متعلق بھی زبان نہ کھولیں بلکہ بعض عوارض کے پیش نظر اسے معذور جائیں۔

ایک اور سب سے بڑی وجہ اس گفتگو کے یہاں لانے کی یہ بھی ہوئی کہ دراصل ہم حضرت مرشدی مصلح الائمہؑ کا ایک مضمون جو اسی دور کے حالات سے متاثر ہو کر حضرت نے تحریر فرمایا تھا ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں گروہ مضمون اپنی کامل افادیت سے قاصر رہے گا اگر اسکے ذکر سے پہلے ان حالات اور اس پس منظر اور فضا کا بھی کچھ ذکر نہ کر دیا جائے جن میں وہ معرضِ ظہور میں آیا تھا اس لئے بھی اس حاشیہ کا ذکر درے ناگزیر ہوا۔

باقی ناظرین ان صفحات میں مضمون حاشیہ کے منتظر نہ رہیں اسکو ہم اپنے قلم سے نقل بھی نہیں کر سکتے تاہم اتنا سمجھ لیجئے کہ جن عظمیٰ مولوی صاحب کو حضرت مولانا مدنیؒ نے حضرت مصلح الائمہؑ کی جانب رجوع ہونے بلکہ بیعت ہو جانے کا مشورہ مرحمت فرمایا تھا، محشی نے انکا کچھ ابتدائی حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

”اس مکتوب گرامی کا شان نزول یہ ہے کہ مولوی ۔۔۔ (اعظمی صاحب) خواب میں اپنے کو کبھی شیخ الاسلام کی بارگاہ میں حاضر پاتے اور کبھی مولانا دمی اللہ صاحب کی مجلس میں ہوتے مگر ان دونوں صحبتوں کا یہ اثر ہوتا تھا کہ شیخ الاسلام کی بارگاہ میں قرب اور مولانا دمی اللہ صاحب سے بعد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی — مولوی صاحب موصوف نے پوری حالت مولانا دمی اللہ صاحب کو لکھ کر بھیج دی موصوف سے جو جواب موصول ہوا وہ درج ذیل ہے ۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا سرا سر موم ہو یا سنگ ہو جا
مختصر یہ کہ جناب خود کو ایک بزرگ کے حوالے کر چکے ہیں آپ کو استفادہ کا حق ان ہی

مے ہے اب آپ کو یہاں نہ تشریف لانے کی اجازت ہے اور نہ خط و کتابت کی ضرورت

(کتبہ، بشیر الدین عفی عنہ حسب حکم حضرت والا مدظلہ العالی)

اتنا نقل کر کے اس پر دس پندرہ سطریں جو محشی نے تحریر کی ہیں وہ انتہائی تلخ و تکلیف دہ اور دل آزار ہیں۔ چنانچہ اسکا اثر یہ ہوا کہ جب لوگوں کے ملاحظہ سے یہ حاشیہ گزرا تو اولاً حضرت والا کے پاس خطوط آنے شروع ہوئے کہ ایسا ایسا مضمون شائع ہوا ہے اس سے سخت تکلیف ہے۔ ثانیاً مجبین اور مستبین میں سے بعض مخلصین نے حضرت والا سے اجازت چاہی کہ اگر اجازت ہو تو جن محترم علماء کرام نے اس پر مقدمہ لکھا ہے انکی توجہ اس جانب مبذول کرائی جائے شاید وہی حضرات اب سے انکی کچھ تلافی فرما سکیں۔ ثالثاً بعض حضرات نے تو یہ ارادہ مصمم فرمایا کہ اس اطراف کے کسی جلسہ میں جب حضرت مدنی تشریف لادیں تو یہ سطور ان کے علم میں بھی لائی جائے اور ان سے ہی اسکی دادرسی چاہی جائے۔

چنانچہ آج آپ کے علم میں لانا ہوں کہ یہ سب کچھ تجویز اور ارادہ ہی کی حد تک نہیں رہا بلکہ وقوع میں بھی آیا چنانچہ خطوط جو اس سلسلہ میں حضرت والا کے پاس آئے ان میں سے ایک خط یہاں نقل کرتا ہوں۔

(مولانا مفتی محمود حسن صاحب پر نام بٹ (مدرس) کا خط حضرت صاحب الافیہ نام)

حال :- ایک بات ضمنی طور پر عرض کئے دیتا ہوں جو کل سے کھٹک ہی ہے وہ دل ہی تو ہے نہ سنگ خشت درد سے بھرنے آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رولائے کیوں
مکتوبات شیخ الاسلام کے اب تک دو حصے شائع ہوئے ہیں پہلی جلد گذشتہ سال نکلی تھی میں نے بھی دیکھی اسمیں مرتبے مکتوب پر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھایا ہے۔ بعض مواقع پر گستاخانہ اعتراضات تھے سخت رنج ہوا تھا۔ اب حصہ دوم شائع ہوا ہے۔ ایک دوست مطالعہ کے لئے کل بھیجی ہے میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامتہ قدس سرہ یا حضرت کے وابستگوں کے خلاف کتابوں اور بزرگوں سے وابستگی نہیں ہوتی پہلے فہرست مضامین دیکھتا ہوں اگر حضرت کی مدح ہوتی ہے تو دل خوش ہوتا ہے ورنہ اعتراض کی صورت میں اس پوری کتاب ہی سے انقباض

ہونے لگتا ہے

تحقیق :- یہ تو اعتقاد و محبت کے لوازم سے ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے یہ بھی عجب زمانہ کا انقلاب ہے کہ ابھی کل تک جو چیز اپنے
مشائخ کے یہاں اعتقاد اور لوازم محبت کے قبیل سے شمار کی جاتی تھی آج وہ تخریب۔ تنگ
نظری اور خلاف اعتدال شمار کی جاتی ہے۔ (والی اللہ المشتکی)

حال :- انغرض حصہ دوم میں دو چار موقع پر حضرت اقدس تھانویؒ کی اور حضرت کے مواعظ
کی تعریف اور مواعظ دیکھنے کی ترغیب ہے۔ بہر حال دونوں حصوں میں مکتوبات میں تو کوئی
بات کہیں نہیں ہے لیکن حواشی میں جا بجا جملے بزرگوں پر کئے گئے ہیں۔ حصہ دوم کی ورق گردانی
کر رہا تھا کہ ایک بیک حضرت والا کا نام نامی نظر سے گزر فوراً اڑکا اور دیکھا کہ کیا ہے؟ تو معلوم
ہوا کہ کسی (اعظمی) مولوی صاحب کے نام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کا مکتوب ہے
جس میں حضرت مولانا موصوف نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے باعث مسرت ہے باقی اس مکتوب پر
مرتب نے جو ماثیہ چڑھایا ہے وہ انکا ہی حق ہے۔ کل سے دیکھنے کے بعد طبیعت میں ایک قسم
کی بھینسی سی پیدا ہو گئی ہے بعض وقت بے تاشا۔۔۔ ہے کہ (اللہ کے بندہ نے) اتنا نہیں
سمجھا کہ اس واقعہ سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ معاملہ برعکس ہوتا تو حضرت مولانا حسین احمد صاحب
مدظلہ العالی بھی وہی فرماتے یا اس بھی سخت جو کہ حضرت والا نے ان مولوی صاحب کو تحریر
فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اس طریق میں بڑی شرط شیخ سے مناسبت ہے اور "وحدت مطلب" ہے
بنیادہی اگر مذہب ہو تو پھر کیا خاک استفادہ ہو سکے گا

راقم عرض کرتا ہے کہ ما شاء اللہ تعالیٰ جناب مولوی صاحب موصوف نے حضرت والاؒ
کے جواب کو طریق پر کیا منطبق فرمایا یہ انکی طریق سے مناسبت کی دلیل ہے چنانچہ
ناظرین کرام بھی جب ان مولوی اعظمی کا پورا خط جو آگے آ رہا ہے ملاحظہ فرمائیں گے
تو حرت بخت مفتی صاحب موصوف کی تائید کریں گے کہ واقعی یہی بات تھی۔ باقی تعجب
اس پر ضرور ہوتا ہے کہ حضرت مولانا فتحپورؒ کا منشا اور وہ بھی ناتمام حال اور عبارت سے
مدرسہ کا ایک عالم تو سمجھ لے، اور خط کی پوری تفصیل ملاحظہ کرنے کے بعد بھی

اتر پردیش کے لوگ اسکا مفہوم اخذ کرنے سے قاصر رہ جائیں۔ مگر۔

فائدہ انگشت بندہاں کہ اسے کیا لکھئے

مولوی صاحب آگے لکھتے ہیں کہ۔

حال :- پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مرتب سے غلطی سے اپنے شیخ سے محبت میں غلو کیونکہ یہ اس قسم کی باتیں صادر ہوئی ہوں۔ حق تعالیٰ معاف فرمادیں (لخصاً) تحقیق :- یہی بات اکثر ہوا کرتی ہے۔ آپ اس طرف التفات نہ فرمائیں۔ میں تو یہ معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

حال :- اس واقعہ کے نقل کرنے سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دیکھوں اسمیں میری طرف سے جو کوتاہی ہوئی ہو خواہ بیفائدہ چیز میں لگنا یا بے محل پریشان ہونا غرض جو بھی کوتاہی ہو اس کی اصلاح ہو جائے۔

تحقیق :- محبت کا تو یہی اقتضا ہے مگر حد کے اندر رہنا بہر حال اہل حق کا شیوہ ہے۔ (راقم عرض کرتا ہے کہ۔ نہیں معلوم حضرت اقدسؒ کے آخر کے ان دو جوابات کو اپنے کس انداز سے پڑھایا سنا مجھے تو حضرت والاؒ اپنے ان جوابات میں سراپا علم و کرم مجسمہ رفت و الفت اور پیکر عدل و اعتدال بنو نظروں کے سامنے پھر گئے)۔

بہر حال یہ تو اثرات کا ایک شعبہ تھا کہ اس نوع کے خطوط باہر سے آئے۔ اس طرح لوگوں نے قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی سے بھی اسکا ذکر کیا کہ انکا مقدمہ حصہ اول پر تھا۔ اور حضرت علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں بھی اس مسئلہ کو پیش کیا گیا انکا مقدمہ حصہ دوم پر تھا۔ اور اتفاق سے اُن ہی دنوں سرائے میر کے جلسہ میں حضرت مولانا مدنی صاحب بھی تشریف لائے تو زودہ سرائے کے محمد نصیر خاں صاحب اور مولوی عبدالواسع صاحب جو کہ حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے ان دونوں نے حضرت کی خدمت میں وہ حاشیہ پیش کیا جو حصہ دوم کے مکتوب ص ۵۶ پر ہمارے حضرت اقدسؒ کے متعلق تھا۔ جناب محمد نصیر خاں صاحب مجھ سے خود بیان فرماتے تھے کہ یہ کام ہم لوگوں نے اپنے ذمہ لیا تھا چنانچہ مناسب موقع سے حضرت مولانا مدنیؒ کی خدمت میں وہ مقام نکال کو میں نے ہی پیش کیا۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے اسکو پڑھا اور پھر

فرمایا کہ۔ بھائی میں نے تو نہیں لکھا ہے۔ میری تحریر (یعنی مکتوبات) میں کہیں کچھ لکھا ہو تو بتاؤ۔ اور شاید یہ بھی فرمایا کہ اچھا میں مولوی۔۔۔ صاحب کو سمجھا دوں گا۔

اور حضرت قاری صاحب مدظلہ سے جو ذکر آیا تو اسکی تفصیل یہ ہے کہ جناب صوفی عبدالرب صاحب نے حضرت قاری محمد طیب صاحب اور حضرت علی میاں سے اس سلسلہ میں عرض کرنا اپنے ذمہ لیا تھا چنانچہ اپنے ایک خط میں انھوں نے حضرت اقدس کو لکھا کہ:-
ابھی ناچیز نے ایک اور عریضہ جناب قاری صاحب کی خدمت میں پھر اسی مکتوب

کے بارے میں لکھا ہے جس میں امانت آمیز تنقید حضرت والا کی ذات بابرکات کے متعلق محشی صاحب نے کی ہے۔۔۔۔۔ قاری صاحب جو گرامی نامہ آج ملا ہے اس میں تحریر ہے کہ۔۔۔ اس کتاب کے سلسلہ میں میرے مقدمہ کی نوعیت یہ ہے کہ اسکے مکاتیب نہ میں نے اسوقت دیکھے اور نہ آج تک پڑھے ہیں۔ اسوقت۔۔۔۔۔ صاحب نے مکاتیب کے عنوانات کی فہرست بھیج دی تھی اور بے حد اصرار کیا تھا کہ بطور مقدمہ چند سطریاں لکھ دوں، معذرتیں بھی کیں، فرصت بھی نہ تھی مگر انکا اصرار بڑھتا رہا بالآخر شاید چھ سات ماہ بعد چند سطریں کسی سفر میں قلمبند کیں۔ (انتہی بلفظ)

اسی طرح سے حضرت علی میاں صاحب سے جو ذکر آیا اسکی تفصیل ملاحظہ ہو۔ صوفی صاحب نے حضرت والا کو لکھا کہ:-

اس ناچیز کو علی میاں صاحب نے کبھی گفتگو کا برابر خیال رہا۔ چنانچہ وہ خود ہی آناؤ غریب خانہ پر تشریف لائے اور میرے ساتھ چار نوشی میں شریک ہوئے۔ ناچیز نے مناسب عنوان سے بات کہی، علی میاں متاثر اور پُر قلق ہوئے اور بطور صفائی میرے ہاتھ سے جلد دوم لیکر اپنا مقدمہ کھولا اور یہ عبارت دکھلائی کہ۔

”دوسرا حصہ ابھی پریس میں ہے میں اسکے مطالعہ سے مشرف نہیں ہو سکا لیکن مجھے توقع ہے کہ وہ بھی کافی ضخیم، پراز معلومات اور شریعت و طریقت کے بہت سے علوم و حقائق پر مشتمل ہوگا۔“ میری یہ بھی تمنا تھی کہ یہ حصہ معاصرانہ اشخاص اور وقتی تاثرات کے تذکرے سے بھی خالی ہو کہ اس چمن کا بے خار ہونا

باغیاں کی شہرت اور گلچیں کی قسمت دونوں کے لئے بہتر تھا۔
ان سطور کو دیکھ کر علی میاں نے اپنی صفائی پیش کی۔ (انہی)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حاصل ان دونوں بزرگوں کی صفائی کا ایک ہی تھا وہ یہ کہ کتاب کے حاشیہ میں کیا لکھا ہوا ہے ہم اس سے قطعی ناواقف اور نا آشنا تھے البتہ حضرت علی میاں مظلم نے انامریز فرادیا کے معاملہ تذکرے - بچہ حصہ دوم کے خالی ہونے کی تمنا تو میں نے ظاہر ہی کر دی تھی۔

بہر حال اعتماد بھی تو آخر دنیا میں کوئی چیز ہے؟ انسان کتنے معاملات اسی کے بھروسے انجام دے لیتا ہے اس لئے ایسا ہو جانا تو چنداں عجیب نہیں البتہ ہم لوگوں کو ان واقعات سے یہ سبق ضرور ملا کہ اس زمانہ میں احوط یہی ہے کہ بدون دیکھے کوئی سودا نہ خرید جائے اور اگر خریدے بھی تو خیار رویت کی شرط ضرور ہی لگالیا کرے۔ اور یہ میں نے اسلئے عرض کیا کہ دیکھے ایک ادنیٰ سی تسامح کی بنا پر ان دونوں بزرگوں کو کس قدر ذہنی الجھن اور قلبی کوفت اٹھانی پڑ گئی۔ رنج اور قلق بھی ہوا۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب مظلم تو اتنا متاثر ہوئے کہ صوفی صاحب کو یہ لکھا کہ۔

”بہر حال میں اس قسم کے مضامین سے بری ہوں اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اسکے بارے میں میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب (مجھے فرصت نہیں ورنہ میں خود اپنے کو پیش کرتا) ان تمام مضامین پر سرخ نشان لگا کر مطلع فرمائیں تو اس بچے ایک بیا بطور استدراک لکھ دیا جائے۔ تو اس سے ان اثرات کی تلافی ہو جائے گی جو متوسلین پر پڑ رہے ہیں یا جماعتی بعد کی صورت میں نمایاں ہو سکے ہیں“ (انہی بلفظ)

ملاحظہ فرمایا آپ نے جناب قاری صاحب مظلم العالی کی یہ تحریر۔ اس سے متوسلین پر پڑنے والے اثرات اور جماعتی بعد کے دور فرمانے کا کس قدر فکر اور احساس کا اندازہ ہوتا ہے کہ محض اسی مقصد کی خاطر استدراک لکھنے کو تیار ہو گئے اور اس سے قبل تحریر مقدمہ سے اپنی غرض بھی یہی ارشاد فرمائی تھی چنانچہ صوفی صاحب کو لکھا تھا کہ۔

”مقدمہ میں اگر میں نے سعی کی ہے تو اسکی کہ اگر حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ اور

حضرت صاحب مکاتیب (یعنی حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی) میں کوئی بعد

بھی ہے اور اس سے ان حضرات کے متوسلین کچھ متاثر بھی ہیں تو وہ تاثر بھی

رفع ہو جائے۔ ایسا شخص بعد پیدا کرنے والے مضامین کی تائید کس طرح کر سکتا تھا؟ یا مقدمہ کے ذریعہ ان پر ہر تصدیق کیسے ثبت کر سکتا تھا؟
دیکھا آپ نے حضرت قاری صاحب مدظلہ کی قلبی دُکھن۔ چاہتے ہیں کہ کس طرح سے امت کے نزاع و خلاف کا خاتمہ ہو اور اب سے پہلے اگر کچھ بعد ہو چکا تھا تو اب اسکو ختم ہو جانا چاہیے چنانچہ فرما رہے ہیں کہ یہی نیت میری جب تحریر مقدمہ سے تھی اور یہی نیت اب تجویز استدراک میں بھی ہے۔

الحاصل

مجھے یہاں اسوقت ناظرین کے سامنے حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ اور حضرت مصلح الامتہ نور اللہ مرقدہ کے توسلین کا یہی منظر پیش کرنا تھا کہ اس جماعت میں ایک خلیجان بلکہ میجان پیدا ہو گیا تھا اور کیا عوام اور کیا خواص سب ہی کم و بیش ایک باہمی بد مزگی محسوس کر رہے تھے اور اسکی وجہ اندیشہ تھا کہ جابین سے تحریر مضامین کا سلسلہ نہ شروع ہو جائے کہ بروقت حضرت مصلح الامتہ نے ایک تحریر اپنے بعض خاص خاص اجاب کے پاس ارسال فرمائی اور فرمایا کہ فوراً اسکی تشہیر کرادی جائے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامتہ کا تشخیص فرمودہ یہ نسخہ امت کو اس آیا اور واقعی جیسے زخم پر مرہم رکھ دیا جائے۔ فوراً ہی سب لوگوں کا جوش و خروش کا فور ہو گیا امت ایک بڑے اختلاف کے کھڈ میں گرنے سے محفوظ رہی سچ ہے یہ

نشا پلا کے گرا تا تو سب کو آتا ہے مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی
اسی تحریر کو پیش کرنا یہاں مجھے مقصود تھا اور اسی کے لئے میں نے یہ نا خوشگوار تمہید لکھنا بادل خواستہ گورا کی۔ بے محل نہ ہو گا اگر حضرت اقدس کی تحریر پیش کرنے سے پہلے جناب صوفی عبدالرب صاحب مرحوم کے دو خطوط بکلی نقل کر دوں جو علی المرتبیب مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم اور حضرت حکیم الاسلام جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کے نام ایک ہی تاریخ میں سال کے گئے تھے۔

(جناب صوفی عبدالرب صاحب کا خط حضرت علی میا صاحب مدظلہ کے نام)

میں نے جو سُرخ پُسل کی تحریر آپ کی خدمت میں بھیجی تھی آپ میں درخواست تھی کہ حضرت اقدس مرشدی دامت برکاتہم کی تحریر گرامی کے ساتھ مناسب سیاق و سباق کا الحاق کر کے

”الفرقان“ میں شائع کرا دیں کیونکہ آپ کو حضرت (مصلح الامت) مدظلہ کے خیالات کا بھی علم ہے کہ وہ کس قدر احتیاط سے کام لینا چاہتے ہیں اور آپ کی تحریر خود بھی نرم و لطیف ہوتی ہے لیکن اب مجھے ایک لفافہ از طرف عزیزم مولوی عبدالرحمن جامی از خانقاہ فتچور تال بزجالا جسکی نقل صحیح ارسال خدمت ہے۔ اب اسکی رو سے آپ کو تہید یا سباق و سیاق کے لکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال حضرت اقدس کی طرف سے سہولت۔ نرمی۔ لطافت۔ احتیاط۔ سکوت۔ کف لسان۔ اتحاد و اتفاق۔ محبت و مروت۔ عجز و فروتنی۔ خود شکنی وغیرہ کے سوا اور کچھ وہم و گماں بھی نہیں آتا۔

دعا کا طالب ناچیز عبدالرب عفی عنہ، ۱۲ اپریل ۱۳۵۷ھ

(جناب صوفی صنم مرحوم کا خط حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے نام)

حضرت اقدس نے جو تجویز بابت حواشی ارشاد فرمائی تھی یہ تجویز میرے ذہن پر چھائی ہوئی تھی اور میں نشان لگانے کا خیال قائم کر چکا تھا لیکن میری حاضری مع علی میاں ۱۲ اپریل ۱۸ شعبان کو خانقاہ فتچور تال بزجا میں حضرت مرشدی مدظلہ کی خدمت میں ہوئی۔ حضرت علیل تھے پھر بھی نہایت مفصل طریقہ پراور بار بار سخت تاکیدات اور نہایت اہتمام سے مجھ کو اور علی میاں کو اور سب کو کف لسان۔ سکوت۔ اتحاد و اتفاق۔ محبت و مروت کی تلقین فرمائی اور کچھ بھی لکھ جانے کی سختی سے ممانعت فرمائی اور مزید احتیاط کے لئے خود اپنے دست مبارک ایک تحریر مع تہید تحریر فرمادی جسکو شائع کر دینا مناسب خیال فرمایا۔

اب یہ ناچیز حضرت مرشدی مدظلہ کی تحریر مع تہید خدمت گرامی میں بھیج کر درخواست کرتا ہے کہ اب آپ استدراک لکھنے کا خیال ترک فرمادیں اور یہی تہید و تقریر ”دارالعلوم“ کے ماہنامہ میں شائع کرا دیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے نفع ہوگا۔ امید کہ حضرت مرشدی کے اس نرم۔ پر محبت و مروت طرز سے خود حضرت والا کو بھی اتفاق ہوگا۔

آنخند دم کا کفش بردار ناچیز عبدالرب صوفی عفی عنہ، ۱۲ اپریل ۱۳۵۷ھ

اب اس کے بعد حضرت اقدس مصلح الامۃ کی وہ تحریر ملاحظہ فرمائیے جو ایسی پُر آشوب
فضا میں شائع ہوئی اور جس نے کہ مجرد قلب کو تسکین بخشی اور ارباب فضل و کمال نے جسکی
تحسین فرمائی۔ چنانچہ مولانا عبد الباقی صاحب نے صدق میں سکون ملاحظہ کر کے کہا کہ بھائی مولانا وصی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بالاماریا۔
(تحریر مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ)

(بعض مکتوبات کے حواشی)

بعض اکابر کے مکاتیب اس وقت شائع ہوئے ہیں اس میں کچھ محشی کی طرف سے
اس قسم کے مضامین آگئے ہیں جو بعض طبائع کو ناگوار ہیں اور وہ اپنے اکابر کی توہین سمجھتے ہیں
یہ امر چونکہ نا اتفاقی کا سبب ہو سکتا ہے اسلئے لوگوں کو اپنے اپنے طور پر منع کیا گیا اور سختی سے
منع کیا گیا اور انھیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی گئی اور یہ خیال ہوا کہ شاید کوئی صاحب سکے
رد میں کوئی مضمون لکھ دیں جو دوسری جانب کے تکرار کا سبب بنے، اسلئے یہ تحریر لکھ دی کہ
ہر بانی فرما کر کوئی صاحب اپنے جوش محبت اور فطر عقیقت سے کام نہ لیں اور کوئی مضمون
نہ لکھیں میں سب حضرات سے بالخصوص حضرات دیوبند سے درخواست کرتا ہوں کہ اب
کوئی صاحب اسکا قصد نہ فرمائیں اور جماعت میں مزید انتشار نہ پیدا کریں۔ میں نے ایک
مضمون لکھا ہے جسکو ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اسکو بغور پڑھیں۔

وصی اللہ عفی عنہ مقام فتحپور تال نرجا
خمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد۔ ناظرین باتمکین کی خدمت میں
بصد ادب عرض ہے کہ میرے متعلق کسی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے تو میں تو ضرور صوفی اکرام
کا بدنام کنندہ ہوں انکی ایک بات بھلی اپنے اندر نہیں پاتا لہذا میرے متعلق تو یہ بالکل صحیح ہے
میں اس کے لئے صرف کہتا ہوں کہ طر

بدم گفتی و خرمندم عفاک اللہ بگو گفتی

جب میں یہ سمجھتا ہوں تو میرے متعلقین مجھ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس کے خلاف سمجھیں یا کریں

باقی در باب حضرات اکابر جو کلام کیا گیا ہے انکا اسمیں کچھ ضرر نہیں کہ وہ سب دنیا میں نہیں ہیں۔ اب جو حضرات انکے معتقدین میں ان پر بڑا اثر نہیں پڑ سکتا اور جو معتقدین نہیں ہیں وہ جواب سے بھی مطمئن نہیں ہونگے۔ لہذا انکی طرف سے جواب دینا میرے خیال میں بیکار ہے۔ رہا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ کچھ لکھ کر رفع اشتباہ کیا جائے تاکہ جماعت میں بُعد نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ جواب دینے ہی میں بُعد ہے والسلامۃ فی السکوت۔

اس سے زیادہ کلام کرنے کو مضر سمجھتا ہوں البتہ نصیح نصیج کے طور پر بعد ادب اتنا ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر متبوع اپنے متعلقین کی اصلاح کرے اور اپنے متعلقین میں خلوص پیدا کرنے کی کوشش کرے، اور اپنے متعلقین کو ہر متبوع سختی کے ساتھ دوسرے متبوع بلکہ اسکے متوسلین کی امانت و بے ادبی و ترک تکویم سے منع کرے اور دل سے منع کرے اور اس میں کسی قسم کی رعایت و مروت کو ہرگز دخل نہ دے اور جو اسکے خلاف کرے اسکو اپنے یہاں سے نکال دے۔ اسکے سوا باہمی ایثار کی کوئی صورت نہیں۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

تا بماند نام نیکت پایدار

وصی اللہ عفی عنہ مقام تجوید مال زجا

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا کی یہ تحریر۔ اب سب کے بعد اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت تھی نہ اجازت ہی تھی اسلئے جواب اے اعتراض صرف نظر کر کے محض گزارش احوال واقعی کے طور پر ظاہر واقعہ مناسبت معلوم ہوا کہ آئندہ کوئی اللہ کا بندہ اللہ والوں کی جانب سے کسی بدگمانی اور اسکی وجہ سے بدزبانی کا شکار نہ ہو اسکی میں پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں مگر بات میں بات نکلتی ہی آئی اور منور اسکی نسبت نہ اسکی بہر حال اس سلسلہ میں یہاں صرف دو باتیں عرض کر دینا ایک تو یہ کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا خلق اور حضرت والا ہی کے ارشادات سے حضرت کی افتاد طبع ناظرین کیند مت میں پیش کر دینا۔ دوسرے ان غلط فہمیوں کا مفصل خط جو انھوں نے حضرت تجویدی کو لکھا نقل کر دینا اسکے مطالعہ کے بعد آپ اس فیصلہ پر مجبور ہونگے کہ حضرت والا کا جواب عین صواب تھا اور اقتضای طبع کی جہت سے نہ تھا بلکہ مقتضائے حال مطابق تھا۔ اب ان میں سے پہلی بات سنئے :-

حسن اتفاق کہ جن دنوں یہ سطور لکھ رہا تھا جمعہ کے دن حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کی مجلس میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ اس دن جناب قاری صاحب مدظلہ نے رسالہ معرفت حق سے ایک مضمون سنایا جس سے میں نے اپنے طور پر یہ سمجھا کہ یہ حضرت اقدس کی روحانی توجہ ہے گویا اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ میری ان باتوں کو بھی تو لوگوں کو پہونچا دتا کہ میری طبیعت کا انکو صحیح اندازہ ہو جائے۔ اور واقعی ہے بھی یہی بات کہ کسی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اسکی پوری زندگی کے حالات کا سامنے ہونا ضروری ہے محض ایک واقعہ سے کسی کی افتاد طبع کا پورا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

حضرت مصلح الامۃ کے چند ارشادات

جن سے حضرت والا کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے

(۱) فرمایا کہ — میں اس قسم کی باتیں اسلئے کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو طریق بتاؤں باقی یہ راستہ کھلتا اسی پر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کھولتے ہیں۔

(۲) فرمایا کہ — صلاح کے مختلف درجے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی نماز و روزہ کرتا ہو لیکن جیسی صلاح بزرگوں کو حاصل ہوئی ہے ویسی تمہیں حاصل نہ ہوگی۔ اسی کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ دوسرے تھے اور آپ لوگ دوسرے ہیں۔ کچھ آپ لوگوں کی توہین تھوڑے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اور آپ لوگوں میں رہ کر آپ کی توہین کیسے کر سکتا ہوں؟ مگر یہ سب نہ کہوں اور فہم نہ سکھاؤں تو کیا کروں؟

(۳) فرمایا کہ — میں جو کبھی کبھی کچھ تیز کہہ دیتا ہوں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ لوگ میرے پاس اسی غرض سے آتے ہیں یعنی مجھ سے اصلاح کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اسلئے (ضرورتاً) کبھی کچھ تیز بھی کہہ دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ لوگوں سے صاف کہتا ہوں کہ کوئی صاحبِ مجال سے جا کر میری نقل نہ اتاریں، اسکی اجازت نہیں دیتا (اسکا مطلب یہ ہے کہ میں اگر کبھی سخت

کہتا ہوں تو اسکا موقع محل سمجھ کر کہتا ہوں جس سے فائدہ ہوتا ہے اور اگر کوئی دوسرا جو ابھی عارف کامل نہیں ہے اور نفس سے نہیں چھوڑا ہے ایسا کرے گا تو اس کے سخت کہنے سے فساد پیدا ہوگا اس لئے قاصر البصیرت کے لئے نرمی متعین ہے۔

لاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا کے ان ارشادات کو، خود خیال فرمائیے کہ شدت اور تیزی جسکی اقتاد طبع ہوگی وہ خود اپنے فعل کی مصلحت اور حکمت کہیں اس طرح سے بیان کرے گا۔ اور سنئے :-

(۴) فرمایا کہ — ایک صاحب مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میرے ایک دوست نے آپ کے متعلق ایک دن مجھ سے کہا کہ میں تو ان کا معتقد ہو گیا ہوں انھوں نے کہا کہ خیر یہ تو بڑی اچھی بات ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ آخر کس بات کی وجہ سے ان کے معتقد ہوئے؟ کہا کہ کسی پرنسز و طعن اشارة و کنایہ بھی نہیں کرتے انکی یہ چیز مجھ کو بہت پسند آئی اسی مجھے عقیدت ہو گئی۔ میں نے سنا تو کہا کہ بھائی اب میں سب کو ایک طرف سے برا بھلا کہنے لگوں خیر یہ کیا طریقہ ہے؟ باقی لوگوں کی اصلاح کی غرض سے اگر انکو کچھ تیز بھی کہدیا جائے تو لوگوں کو برا نہ ماننا چاہیے باقی شرط یہی ہے کہ کہنے والے میں اخلاص ہو، لیکن اگر اخلاص ہی نہ ہو تو آپ اگر نرم بات بھی کہیں اور ہزاروں ہزار آدمی گرد جمع دیکھیں تو اسکا کچھ اعتبار نہیں۔ قیامت میں اس عدم اخلاص پر پریشش ہو جائیگی۔ میں آنے والوں کو کام پر لگانا چاہتا ہوں اسلئے کبھی کبھی کچھ کہدیتا ہوں ورنہ مجھے کیا ہو گیا، کہ لوگ تو میرے پاس اصلاح کیلئے آویں اور میں انکو نفرت دلاؤں۔ اسلام میں یہ طریقہ نہایت ناپسند ہے۔ (دلائل و ارشاد نبوی ہے)

(۵) فرمایا کہ — میں تو سمجھتا ہوں کہ علماء و مشائخ مستقل نہیں ہیں اگر سیاست بھی کریں گے تو حد شرع کے اندر ہی کر سکیں گے۔ یعنی جتنی اجازت اللہ و رسول کی طرف سے ملی ہوئی ہے اتنی ہی کر سکتے ہیں اس پر زیادتی جائز نہیں ہے۔ غرض ہم لوگوں کیلئے بڑی مشکلات ہیں۔ یعنی یہ کہ اب لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ کریں تو اس میں ہم آزاد نہیں ہیں اور نہ مستقل ہیں آپ بھی یہ سمجھ لیں تو معاملہ بہت آسان ہو جائے۔ لیکن آپ لوگ

سمجھتے ہیں اپنے آپ کو آزاد ہی نہ ہماری رعایت آپ کے پیش نظر ہے نہ شریعت ہی کی۔ اور یہ رعایت اسلئے نہیں کرتے ہیں کہ مشائخ کی معرفت نہیں ہے۔ محبت تو ہوتی ہے اسلئے کہ وہ آسان ہے مگر مشکل جو آپ کو پڑتی ہے وہ معرفت میں اسلئے کہ معرفت کسی کی آسان نہیں ہے۔

(۶) فرمایا کہ — اب تمہاری ظاہری صورت کو دیکھ کر ہم تم کو عارف سمجھ لیں تو واقع میں تم عارف تھوڑا ہی ہو جاؤ گے۔ کوئی حاصل کرنے والی چیز جب حاصل کی جاتی تب ہی ملتی ہے اور اسلئے نفس کو مارا جاتا ہے۔ اب چاہتے ہو کہ نفس کو بھلی لئے رہو اسکی پرورش کرو اور پھر پا جاؤ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جانتے ہو تمہارا راستہ کس چیز نے بند کیا ہے؟ تمہارے عدم خلوص نے، اسی نے تم کو روکا ہے۔ تمہارے پیر میں زنجیر عدم خلوص کی لگی ہوئی ہے۔ نہیں سنا ہے کہ

درِ میخانہ واسے سب کے لئے بابِ رحمت کھلا ہے سب کے لئے

خوانِ نعمت بچھا ہے سب کے لئے شرط لیکن وفا ہے سب کے لئے

میں کہتا ہوں خدا سب کیلئے ہے۔ دین سب کے لئے ہے۔ اسی طرح سے جو اس کی شرط ہے یعنی اخلاص وہ بھی سب کے لئے ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃ کا ذاتی خلق، نیز حق خلق کا لحاظ اور خوب خالق کا استحضار کہ کسی کے ساتھ کوئی معاملہ فراتے تو حدود و شرع کا برابر لحاظ رہتا اور یہ امر پیش نظر رہتا کہ یا اللہ تیرے اس بندہ کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا ہے وہ محض اسکی اصلاح کی خاطر اور تیرے حکم کے ماتحت کیا گیا ہے ورنہ تو نہ یہ شخص میرا ذاتی مجرم تھا اور نہ میں ہی اس باب میں مستقل ہوں۔ اب خیال فرمائیے کہ جو ذات اس درجہ حدود کا لحاظ رکھنے والی ہو وہ اصلاح کے باب میں اقتضار طبع کی اسیر کیوں رہیگی۔

بیان کے طول اور ناظرین کے لمول ہونے کے خیال سے یہاں چند ارشادات پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ تو حضرت کے حالات زندگی میں ترحم علی الخلق اور شفقت علی الامۃ اور حق تعالیٰ سے خوف و خشیت کے بیشمار واقعات موجود ہیں جن پر صفحات معرفت

شاہد ہیں۔ یہاں تک تو ایک چیز کا بیان ہوا، رہی دوسری چیز جو مجھے بیان کرنا ہے وہ وہ ان مولوی اعظمی صاحب کا مفصل خط ہے جو حضرت والا کے نام آیا لیکن قبل اس کے کہ اسے پیش کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور سالک کا خط اور اس کا جواب ناظرین کی خدمت میں پیش کروں جو کہ ایک بڑے جزد میں ان اعظمی صاحب کی مکاتبت کے مشابہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے ناظرین کرام کو طریقت کی نزاکت اور نفس کی خفیہ شرارت کا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا نیز یہ کہ شیخ کے لئے (مریدین کی اصلاح کے باب میں) کیسی ہذاقت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ ان مولوی اعظمی صاحب کو حضرت اقدس کا یہ جواب مرحمت فرمانا کہ

دورنگی چھوڑے یک رنگ ہو جا سرسرموم ہو یا سنگ ہو جا
عین صواب بلکہ غیرتِ طریقی پر مشتمل تھا یعنی اگر ان حالات میں یہ جواب نہ دیا جاتا تو باب تربیت میں خیانت اور سلوک و تسلیک میں مداخلت ہوتی۔ اب ان سالک کا خط اور حضرت کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ ان سالک صاحب کا یہ واقعہ ہوا تھا کہ یہ صاحب پہلے ایک اور بزرگ سے متعلق تھے شیخ کی وفات کے بعد ہمارے حضرت اقدس سے متعلق ہوئے اور عرصہ تک حضرت والا سے تعلق رہا حتیٰ کہ ادھر سے اعتماد کا یہ حال ہو چکا تھا کہ قریب ہی تھا کہ حضرت والا ان پر اعتماد کر کے ان کو اپنا معتمد علیہ فرما دیتے کہ انھوں نے از روئے طریقی کے اپنے میں خاطر خواہ فائدہ نہ محسوس کر کے ایک مرتبہ اسکی وجہ خود ہی ڈھونڈ نکالی اور اس پر بہت خوش ہو کر بڑے رنگ کے ساتھ حضرت والا کو اپنا یہ حال لکھا

(اُن سالک صاحب کا عریضہ حال حضرت مصلح الامۃ کے نام)

حال : اس گزشتہ مدت میں مجھے ایک عظیم بصیرت حاصل ہوئی جس نے مجھے ایک نیاز و ایہ بختا ہے۔ اس بصیرت کو عام کرنا بھی ضروری ہے ایک بڑی مخلوق اس فیض پر ہو سکتی ہے وہ بصیرت یہ ہے کہ :-

میرے دل میں حضرت صاحب ثنائی رحمۃ اللہ علیہ کی (یہ ان کے شیخ اول تھے)

محبت کا اتنا غلبہ تھا کہ مقصود بھی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب حضرت کے انتقال کے بعد حضرت والا کی معرفت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تو بھی ایک عرصہ دراز تک حضرت صاحب کے خیال میں محور با اور اس محبت کو حزنِ جاں بنائے رکھا اور یہ چیز حضرت والا سے اکتساب فیض کے سلسلہ میں سخت مانع بن گئی۔

تحقیق : پھر وہ معرفت کہاں باقی رہی؟
حال : اب جبکہ آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ جب تک کامل توجہ کسی ایک بزرگ کے ساتھ وابستہ نہ کیجائے کما حقہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسکا اثر یہ ہوا کہ اب میری وہ محبت غالب نہیں بلکہ مغلوب ہو گئی

تحقیق : معلوم نہیں کہاں تک اس میں صحت ہے!
حال : اب حضرت (مرشد اول) صاحب کی طرف التفات تامہ کی نوعیت بھی نہیں
تحقیق : مگر ناقصہ اب بھی ہے؟ اور شاید وہ ناقصہ ہمارے اعتبار سے تامہ ہی ہو۔
حال : اب حضرت والا کا وجود مقدم بن گیا ہے۔

تحقیق : مقدم کا کیا مطلب؟
حال : اس سے قبل جو عرصہ گزرا وہ اس اصول سے متصادم تھا کہ افادہ کے لئے تو بس ایک ہی ذات ہونی چاہیے جو بلا شرکتِ غیر ہے ہو۔ یہ بات بڑی دیر کے بعد سمجھ میں آئی ہے۔

تحقیق : اگر اب بھی سمجھ میں آگئی ہو تو یہ دیر بھی سویر ہے۔
حال : حاصل یہ کہ اس وقت جو کمی رہی اسکا باعث حضرت صاحب ثانی (مرشد اول) کی یاد اور ادھر ہی کالتفات تھا۔

اگر میری یہ بصیرت واقعی بصیرت ہے تو حضرت والا اس پر صاف فرما کر ممنون فرمادیں اور اگر کوئی اور امر باعث تھا (یعنی اب تک کے عدم نفع کا) تو حضرت والا مطلع فرما کر مشکور فرمادیں۔

(حضرت والا کا جواب باصواب)

آپ نے اس خط میں اپنی بصیرتِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ چیز حضرت والا سے اکتسابِ فیض کے سلسلہ میں سخت مانع بن گئی اس کے متعلق کہتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مجھ کو تو آپ سے نفع ہوا اور وہ یہ کہ بہت بہت دنوں تک تعلق رکھنے کے بعد بلی ہو سکتا ہے کہ انسان میں خلوص نہ پیدا ہوا ہو۔ اور تعلق و اخلاص و اعتقاد جو ظاہر کیا گیا ہے، محض رسمی اور ظاہری رہا ہو۔ آپ نے مجھے کیسے کیسے خطوط لکھے اور میری کیسی کیسی تعریفیں کیں جو مجھے یاد ہیں لیکن اتنے دنوں کے بعد اب معلوم ہوا کہ صرف ظاہری تعلق مجھ سے تھا اور دل کسی اور سے متعلق تھا۔ اس کا نام تو طریقت نہیں ہے۔ آپ فیض مجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسکی جو شرط اول ہے وہی غائب حصولِ فیض کا یہ طریقہ کب رہا ہے؟ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ آپ سے مجھ کو فائدہ ہوا وہ یہ کہ اس کا اندازہ ہو گیا کہ کسی کے محض ظاہری تعلق اور مدح سے عقیدت قلبی کا ہونا ضروری نہیں۔

آپ کو غالباً اپنے طلب ہی کی کمی کی وجہ سے یہ بھی نہیں معلوم کہ طریقت میں "وحدتِ مطلب" حضراتِ صوفیاء کے یہاں کا ایک اہم مسئلہ ہے یعنی جائے طلب ایک ہونا چاہیئے۔ اور جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے کہ ساری خدائی میں کوئی اسکا شریک نہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ اسکی طریقت ہیں) ایک ہیں۔ کسی زوجہ کا شوہر ایک ہوتا ہے اسی طرح سے مشائخ سمجھتے ہیں کہ مرید کا پیر بھی ایک ہونا چاہیئے۔ تعجب ہے کہ آپ نے اتنے دنوں سے اس امر کو مخفی رکھا اور اپنا وقت ضائع کیا۔ بزرگوں کے پاس بلی رہے اور آدابِ طریقت سے بلی واقف نہ ہو سکے۔ اس کے متعلق اب اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں؟

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشقِ بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بھی آگِ جگر کی

۱) اس سلسلہ میں اُن مولوی صاحب کو یہ تحریر بھی گئی

(آپ کے خط کا جو جواب گیا ہے وہ میرا ذاتی عندیہ نہیں تھا بلکہ آپ ہی کے خط سے آپ کا جو عندیہ مفہوم ہوا اس کا جواب تھا۔ چنانچہ اس خط سے جو مترشح ہوا اس کا وہی جواب متعین تھا جو یہاں سے گیا۔

اب آپ اپنی اس تحریر پر نظر ثانی کر کے خود غور فرمائیں کہ کیا اس سے صاف یہ نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ صاحب تحریر خود اپنی اس محبت کو حد سے زیادہ محسوس کر رہا ہے حالانکہ مقصود ہی اسکی وجہ سے مستور ہو کر رہ گیا ہے! پھر جب یہ حال ہو تو کیا مصلح پر یہ لازم نہیں کہ اسکو اسکی گمراہی پر مطلع کرے اور یہ کہہ دے کہ بیشک عدم نفع کا یہی سرچشمہ ہے۔

آپ نہیں بتا سکتے کہ میں نے اس سے قبل کبھی آپ کو اس قسم کی تحریر لکھی ہو۔ مجھے ان سب فروعات سے سروکار کیا؟ آپ کو اپنے شیخِ اول یا ثانی سے محبت ہو تو ہو لیکن آپ کیلئے یہ کب زیبا ہے کہ اسکا اسطرح ذکر آپ مجھ سے کریں؟ جس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم سے اتنی محبت نہیں ہے۔

کسی عورت کا نکاح ثانی ہوا ہو تو اگر وہ زوجِ ثانی سے ہمیشہ یہی کہتی رہے کہ میرا پہلا شوہر ایسا تھا ایسا تھا تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ انصاف سے بتائیے کہ اس شوہر پر اسکی سوا کیا کچھ اور اثر بھی پڑ سکتا ہے کہ اجی معلوم ہوتا ہے کہ عورت مجھکو اتنا بھی نہیں مانتی جتنا اپنے پہلے شوہر کو مانتی تھی اور اسکے قلب پر کچھ بڑا اثر پڑے گا یا نہیں؟ بس یہی حال یہاں بھی سمجھیے کہ مشائخ کو بھی غیرت ہوتی ہے اور وہ مرید کے حق میں مضر سمجھکر اس پر سخت مواخذہ فرماتے ہیں۔

محبت کسی کی دل میں ہو تو رکھیے مگر اسکے لئے یہ کیا ضرور کہ آپ اسطرح سے اسکا اظہار کرتے رہیں (بالخصوص اپنے شیخ ہی سے اسکی آخر کیا ضرورت ہے؟)۔
راقم عرض کرتا ہے کہ احمد شاہ حضرت والا کے اس ارشاد سے ایک ٹیڈ میضیق

رفع ہوئی وہ یہی کہ بسا اوقات انسان کو اپنے شیخ اول سے ایسی عقیدت اور اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ واقعی قلب سے اسکا ازالہ دشوار ہی ہوتا ہے۔ اب انسان شیخ ثانی سے تعلق کرنے کے بعد کس طرح سے خود کو قطعی یکسو کر لے اور کیونکر اسکو اپنے بالکل زائل کر دے، اگر طریق میں یہ لازم ہے تو اس میں شک نہیں کہ یہ تو تکلیف الایطاق کے قبیل کی شے ہوئی جاتی ہے

حضرت مصلح الامۃ کے ارشاد بالا سے معلوم ہوا کہ محبت کسی کی بھی ہو تو ہو سکتی ہے اور یہ مفسر بھی نہیں ہے بس یہ کہ اسکے اندر انہماک نہ ہو اور سالک کو اسے ہر ایک ہر وقت گاتے نہیں پھرنے چاہیے۔ بالخصوص اپنے شیخ کے سامنے تو کسی دوسرے شیخ کے تعلق کو ظاہر ہی نہیں کرنا چاہیے چہ جائیکہ اسکا اس طرح سے ذکر کرنا جس سے یہ معلوم ہو کہ اس غیر کا تعلق غالب ہے اور جس کو شیخ بنایا ہے یا بنانا چاہتا ہے اسکا تعلق مغلوب ہے یہ تو شرک فی الطریق ہی ہے اور اگر کہیں کوئی طالب ایسے الفاظ نکھدے جس سے کسی دوسرے شیخ سے عقیدت و محبت کا ثبوت ہو رہا ہو اور جس سے بظاہر طالب فیض ہو رہا اسے تعلق محبت و عقیدت ان سب کا انکار مفہوم ہوتا ہو تو اسکی شاعت اور قباحت کا اندازہ خود ہی فرمایا ہے۔ مذکورہ بالا سالک کے عریضہ سے تو شرک فی الطریق ہی کا حال معلوم ہوا، لیکن ان عظمیٰ مولوی صاحب کے خط میں آخری شق یعنی حضرت سے اعتقاد کا بالکل ہی انکار صراحتہ مذکور ہے جیسا کہ ناظرین کرام ابھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ بہر حال اس مکاتبت کا خلاصہ یہ سمجھ میں آیا کہ:-

- ۱۔ کسی بزرگ سے محبت کا ہونا اور چیز ہے اور اس سے عقیدت کا ہونا اور بات ہے اور سلوک کے لئے قلبی عقیدت اور دلی مناسبت کی ضرورت ہے نرمی محبت کافی نہیں۔
- ۲۔ جب تک مل تو جہ کسی ایک نئے رگ کے ساتھ نہ وابستہ کیجائے سالک کو طریق میں نفع تمام نہیں حاصل ہوتا (اسی کو ان سالک صاحب نے خود بھی "عظیم بصیرت" کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے) اور اسی بات کو مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ نے بھی اپنے خط میں "وعدہ مطلب" سے تعبیر کیا تھا اور اسی کو ہمارے حضرت مصلح الامۃ نے فرمایا ہے کہ "وعدت مطلب" حضرات صوفیاء کے یہاں ایک اہم مسئلہ ہے یعنی جا طلب ایک مونی چاہیے اور ج طرح اللہ تعالیٰ ایک ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں، بیوی کا شوہر ایک ہوتا ہے اسی طرح سے مرید کا پیر بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔

اب آپ سے کیا عرض کروں! یہ بات جس قدر واضح ہے عجیب معاملہ ہے کہ اسی قدر لوگوں کے گلے کے نیچے مشکل سے اترتی ہے اور یہ کچھ آج ہی نہیں ہر زمانہ میں لوگ عملاً اسکے سمجھنے سے اور اسکے مطابق عمل کرنے سے قاصر رہے۔ مگر حضرات مشائخ بھی تو لا ہمیشہ انکو سمجھاتے ہی رہے ہیں چنانچہ اسی مسئلہ کی مزید وضاحت زمانہ حال کے ایک نقشبندی بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری (پرتا بگڈھی) کے الفاظ میں سنئے! سالک کے لئے یکسوئی اور اطاعت شیخ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

”مولانا خالد کُردی شام سے جب شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں کسب فیض کیلئے دلی آئے تو گو وہ بڑے آدمی تھے مگر شاہ غلام علی صاحب نے انھیں خلوت میں رہنے کا حکم دیا۔ وہ شیخ کے حکم کی بنا پر خلوت نشین ہو گئے اور درس و تدریس اور تلاوت کا سلسلہ بالکل بند کر دیا۔ صرف نماز کے وقت نکلتے تھے۔ جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اُمجدت دہلوی کو انکی آمد کا علم ہوا تو انکے علم و فضل کی بنا پر ان سے ملنے آئے اور اطلاع دی لیکن خالد کُردی نے ملاقات سے معذرت کر دی اور یہ کہہ دیا کہ جب اس کام کی تکمیل سے فارغ ہو جاؤں گا جبکہ لئے حاضر ہوا ہوں تو خود ہی حاضر خدمت ہوں گا۔“

یہ واقعہ سنا کر مولانا (پرتا بگڈھی مدظلہ) نے فرمایا کہ اب کوئی ظاہر پرست اگر اس پر اعتراض کرے کہ شاہ صاحب اتنے بڑے آدمی تھے اور ان سے وہ (یعنی خالد کُردی) ملے نہیں (تصوف میں اسی قسم کے اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے کیا؟) تو اسکا جواب یہ ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ صوفیہ کے یہاں ایک چیز ہوتی ہے ”توحید مطلب“ یعنی جب تک سلوک کی تکمیل نہ ہو جائے اس وقت تک ایک شیخ سے تعلق رکھنا ضروری ہے اگر ایسا نہیں ہوگا تو وہ ڈانوا ڈول ہوگا اور یہ چیز تکمیل میں مضمر ہوگی۔ تکمیل کے بعد وہ جس سے چاہے ملے اور جس کی خدمت میں چاہے جائے۔ (شاہ

عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (بھی بڑے آدمی تھے مولانا خالد کردی انکو پہلے سے جانتے تھے اسلئے انھوں نے سوچا کہ اگر اس وقت ملوں گا تو ممکن ہے کہ شاہ صاحب کی طرف میلان ہو جائے تو پھر جس شیخ سے استفادہ کے لئے اتنی دور سے آئے ہیں ان سے فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے انھوں نے معذرت کر دی۔ (انتہی کلام)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے ہر زمانہ میں ہر سلسلہ کے بزرگ ایک ہی بات کرتے آئے ہیں اور کیونٹ فرامیں حق تعالیٰ کے طریق کا اصول سب کے لئے ایک ہی ہے۔ اور یہ وحدت مطلب بھی طریق کی ایک بڑی اصل ہے۔ بہر حال عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب لوگوں میں کام طریقہ سے کرنے کا رواج تھا تو انکو نفع بھی دیا ہی ہوتا تھا اور آج یہ حال ہے کہ جو چیز کہ طریق کی اہم ترین شرط شمار کی جاتی تھی یعنی ہر مرید کے لئے تقریباً لازم سی تھی وہ آج اس شخص کی بد خلقی کی علامت اور کج روی کی نشانی قرار دی جاتی ہے اگر یقین نہ ہو تو اس زمانہ میں اپنے شیخ کی جانب ذرا یکسو ہو کر یعنی "وحدت مطلب" پر عمل کر کے دیکھ لیجئے کہ قوم کے کچھ جاہل اور ان پڑھ نہیں بلکہ پڑھے لکھوں کی جانب سے کن کن خطابات سے آپ کو نوازا جاتا ہے یقین نہ ہو تو تجربہ کر لیجئے۔

الغرض آپ اس خلاصہ کو پیش نظر رکھئے اور ان اعظمی صاحب کا مفصل خط جو انھوں نے حضرت اقدس کو لکھا تھا اسے بھی ملاحظہ فرمائیے (وہ خط آگے آ رہا ہے) پھر اسکے بعد حضرت مصلح الامۃ کے جواب کو سامنے رکھ کر خوب تولیے تو انشاء اللہ آپ کو اس میں اُس قسم کی ذرا بھی الجھن پیش نہیں آئیگی جیسی کہ ان محشی صاحب کو پیش آئی۔ اور وجہ اسکی یہی معلوم ہوتی ہے کہ محشی نے اس مکتوب کا جو شان نزول بیان فرمایا ہے وہ نہایت ہی نامتام ہے اب نہیں کہا جاسکتا کہ آیا انکو اتنا ہی معلوم تھا یا طوالت کے خوف سے یہاں باقی حصے کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن حضرت اقدس مصلح الامت کا جواب ان مولوی صاحب کے جس حصہ تحریر سے متعلق تھا اسکا تو بہر حال سامنے لانا ضروری ہی تھا کیونکہ جب تک اصل بات سامنے نہ ہو دوسروں کے لئے جواب کا انطباق بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ پھر اسکی وجہ سے وہ جس غلط فہمی میں نہ پڑ جائے کم ہے۔ قرین قیاس تھا کہ اگر سائل کی پوری بات سامنے ہوتی تو شاید اس غلط فہمی کی نوبت ہی نہ آتی اس موقع پر سوائے اسکے اور کیا عرض کروں کہ

اعظم گدہ کے اُن مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الائمہ
 کے نام

(مولوی صاحب نے اپنی اس کیفیت سے مولانا مدنی کو بھی مطلع کیا)

زبدۃ العارفین قدوة السالکین حضرت مولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ان دنوں یہ کیفیت رہی ہے کہ کسی دفعہ بحالت خواب شب کو
حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی مجلس میں اپنے کو پایا ٹھیک
اسی دن ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ حضرت والا کی مجلس میں فتنہ پور تال نرجا حاضر می
دیتا تھا اور جب حضرت والا کے قریب ہوتا تو اپنے میں بہت بُداور و دور می
اور جب گھر آتا تو بہت ہی قریب تر یا تا تھا۔

الفرض شب میں بحالتِ خواب مولانا مدنی کی مجلس میں اور دن کو بحالتِ بیداری جناب والا کی مجلس میں پھر قرب میں بُعد اور بُعد میں قریب تر۔

احقر نے اس کیفیت کو حضرت شیخ استاذ المحترم مولانا حسین احمد صاحب کی خدمت میں بھی لکھ کر بھیجا جس کا جواب گرامی یہ ہے :-

آپ سے غالباً بعید ہوتا ہوں تو قبلًا آپ سے خود کو قریب تر پاتا ہوں — کہاں وہ بات
کہاں یہ بات! (اب بقیہ خط ماحفظہ فرمائیے) اہ گے انھوں نے اس سلسلہ میں حضرت مصلح الائمۃ
کو لکھا کہ احقر نے (مولانا مدنی) کو اسکے جواب میں لکھا کہ

(مولوی اعظمی صاحب کا دوسرا خط مولانا مدنی کے نام)

(یہ خط بھی حضرت مصلح الائمۃ کے نام والے عریضہ کا جزو تھا)

بعد از سلام - رات میں نے ایک پریشان کن خواب دیکھا آنکھ
کھل گئی - حیران تھا اور اسی حیرت میں دوکان پہنچا تو حضرت والا کا جواب
گرامی ملا - پڑھ کر میں تھوڑی دیر سکے میں پڑ گیا اور دل و دماغ کی پریشانی
بڑھ گئی - بایں وجہ کہ اصلاحی سلسلہ میں ہیں اپنے کو حضرت والا ہی کے
سپر دکر چکا تھا - اور عقیدت و ارادت حضرت والا ہی سے ہے - اسی بنا پر
قلبی میلان بھی حضرت والا ہی کی طرف ہے - مکتوب گرامی سامنے ہے مگر
قلبی میلان کو کیا کروں؟

(مولانا مدنی کا دوسرا خط مولوی اعظمی صاحب کے نام)

بعد از سلام - والا نامہ پہنچا - احوال معلوم ہوئے - میں عریضہ سابق میں
عرض کر چکا ہوں کہ آپ انکی (یعنی مولانا شاہ و صی اللہ کی طرف) رجوع ہی
نہیں بلکہ بیعت ہو جائیں - میں بعید مسافت پر ہوں - دعا میں فراموش
نہ فرمائیں - والسلام -

(مولانا) حسین احمد مدنی (بقلم اصغر علی) ب۔ج۔۳

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ امر واضح رہے کہ مولوی اعظمی صاحب اپنی ان تمام
تفصیل سے حضرت مصلح الائمۃ کو مطلع فرما رہے ہیں - یعنی مولوی اعظمی صاحب نے اپنا یہ خط
جو انھوں نے شیخ الاسلام کو لکھا تھا وہ مصلح الائمۃ کی نظر سے بھی گزارا - اب آپ بھی ان کی

یہ تحریر بغور پڑھیے اور اس وقت کی صورت حال پیش نظر رکھیے کہ منامی حاضری ایک بزرگ کی خدمت میں ہو رہی ہے اور جسمانی دوسرے بزرگ کے یہاں۔ پھر یہ ظاہر میں کہیں رہتے ہیں، باطن میں کہیں ہیں۔ یہ وصف انھیں میں سے کہیں اور نہیں میں اسکا بھی مظاہرہ ہو رہا ہے اس طرح سے ایک بڑا تردد ان مولوی صاحب کو انتخاب شیخ میں درپیش ہے۔ نیز حضرت مدنیؒ نے جو کہ ان کے استاد شفیق ہونے کے علاوہ نہایت ہی وسیع الاخلاق بزرگ بھی تھے ملاحظہ فرمائیے انکا یہ مشورہ (کہ جناب! مولانا دھرم صاحب کیند مت میں حاضری دیا کریں اور ان سے بیعت ہو جائیں) ان صاحب پر کتنا شاق گذرا کہ جسکی تعبیر خود مولوی صاحب نے یوں فرمائی کہ کچھ دیر کے لئے تو سکتہ میں پڑ گیا۔ دماغ کی پریشانی بڑھ گئی۔ اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی کہ :-

(۱) میں تو اپنے آپ کو آپ (حضرت مدنی) کے سپرد کر چکا تھا۔

(۲) عقیدت و ارادت میری آپ (حضرت مدنی) ہی سے تھی۔

(۳) میلان قلب بھی آپ (حضرت مدنی) ہی کی طرف تھا۔

جسکے سبب سے گویا اپنے ارمان اور حضرت مدنیؒ کے فرمان میں سخت مزاحمت پائی۔ اور یہاں اتنا اور سمجھ لیجئے کہ ————— انکے مذکورہ تینوں باتوں کو دھڑکے ساتھ بیان کرنے نے گویا حضرت مصلح الامۃؒ سے ان سب چیزوں کی نفی بھی کر دی۔ یعنی اس سے حضرت والاؒ سے عقیدت، ارادت، اور حضرت کی جانب میلان کا بھی مراعتہ انکار ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

بس حضرت مصلح الامۃؒ نے انکے اسی مرض کو پکڑ لیا، چنانچہ حضرت کے جواب کا تمام تر زور اور منشا، انکا یہی انکار بنا اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہو گا کہ حضرت مصلح الامۃؒ کا یہ جواب از روئے طریق سالک کے حال کے عین مطابق تھا۔ اور از روئے غیرت طریق یہی جواب متعین بھی تھا۔ اب اگر ان مولوی صاحب کو حضرت مدنیؒ سے والہانہ عقیدت تھی تو یہ تو کوئی بڑی بات نہ تھی اس سے انکو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اور بالفرض اگر کسی دوسرے شیخ کے یہاں آمد و رفت بھی شروع کر دی تھی تو شیخ اول کی عقیدت و محبت کے نکال پھینکنے کا انسان مکلف بھی نہیں ہے ان میں سے کوئی چیز غلط نہیں تھی۔ غلطی جو ان سے ہوئی وہ یہ کہ ایک شیخ کے پاس فرحال

کیا جا رہا ہے اور بظاہر اسکو لجا دیا دینی بھی قرار دیا جا رہا ہے لیکن حال یہ ہے کہ اس سے عقیدت و ارادت تک بھی نہیں ہے۔ یہ چیز بدنام ہو گئی اور واقعی ہے بھی یہ طریق میں مفسر چنانچہ ان مولوی اعظمی صاحب نے سب باتیں حضرت مصلح الامۃ؎ کو لکھ کر خط کے آخر میں لکھا کہ

بقیہ خط مولوی اعظمی صاحب بنام حضرت مصلح الامۃ؎

بوجہ پریشانی اور قلبی اضطراب کے حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم کو اس مکتوب کا جواب نہیں دے سکا اور نہ کوئی بات ہی سمجھ میں آتی ہے کیا کروں؟ ان پریشانیوں میں ہوں۔ اس لئے حضرت والا (یعنی حضرت مصلح الامۃ؎) سے استدعا ہے کہ میرے اوپر رحم و کرم فرمائیں۔ امداد کا محتاج ہوں۔ امداد فرمائیں۔ میرے مناسب حال کچھ تحریر فرمائیں۔ یہ ہیں حالات جواب کا سخت انتظار ہے۔ حضرت کے جواب کے بعد ہی اساتذہ مولانا مدنی کو جواب دینے کا ارادہ ہے۔ والسلام
(..... - ۴ جنوری ۱۹۵۱ء)

خط کے آخری جملے ملاحظہ فرمائیے ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ایک پریشان حال طالب ایک بزرگ کے سامنے جن سے انکو بظاہر عقیدت بھی ہے عرض حال کر کے ان سے مدد اور مدد کا خواہشمند ہے لیکن اسی نے اپنا دوسرا خط جو دوسرے بزرگ کو لکھا ہے تو اس انداز کا کہ جس میں ان پہلے بزرگ کا انکار، ان سے عقیدت اور ارادت کا انکار اور انکی جانب میلان قلبی سے انکار مصرح ہے۔ اب کسی کا ظاہر ایسا ہو اور باطن ویسا ہو تو آپ خود خیال فرمائیے کہ شیخ پر اسکو اس تخالف ظاہر و باطن کا کیا اثر پڑے گا۔

طریق میں انکار نہایت ہی سخت چیز ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس طریق میں زمانگی کھیت ہے، چوری کی کھیت ہے مگر انکار کی کھیت نہیں ہے۔ اگر آنجا انکار بود حرام عظیم باشد کہ منکر جز مخدول و مسرود نبود۔

چنانچہ یہی مرض ترقی کر کے جب اصل دین میں پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ و رسول کے ساتھ بھی معاملہ کرنے میں انسان آگرتا ہے تو اسی کا نام نفاق ہو جاتا ہے اور مشائخ اپنے معاملہ میں اسکو انکار

سے تعبیر فرماتے ہیں اسکا علاج یہی اخراج ہی ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ فرما رہے تھے کہ اثنائے خطبہ ہی میں آپ نے فرمایا کہ قم یا فلاں فَاخْرُجْ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ فلا نے تم اٹھو اور نکلو تم منافق ہو۔ اور تم بھی اٹھو اے فلا نے تم بھی منافق ہو۔ اس طرح سے آپ نے چھتیس آدمیوں کو نام لے لیکر نکال دیا اور انکو علی الاعلان رسوا فرما دیا۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ خلق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ کی بابت کیا فرمائیے گا؟ میرا تو ایمان ہے کہ آپ کا یہ معاملہ سراپا حق، عین لطف و کرم اور بالکل عدل و اعتدال کے مطابق تھا۔ بات یہ ہے کہ دوا کی تیزی اور کڑواہٹ سے طبیب کے اخلاق اور عدم شفقت پر استدلال کرنا ہی عقل کی بات نہیں ہے۔ ہاں اس سے یہ ضرور معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اللہ اکبر یہ ایسا شدید مرض لیکر آیا تھا جو ایسے شفیق اور خلیق طبیب کو بھی ایسی دوا استعمال کرنا پڑی۔

بہر حال جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک لہو لہان ہونے کے باوجود اللہم اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ فرمانا آپ کا خلق عظیم تھا اسی طرح سے ان منافقین کو یہ فرمنا بھی کہ اُخْرُجْ یَا فلاں فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ آپ کا سرتاپا لطف و کرم ہی ہے۔ اسی طرح اس بزرگ کو بھی متبع سنت ہی کہا جائے گا جو لوگوں کے ساتھ دونوں ہی نوع کے معاملات روارکھے۔ باقی یہ کہ انکو کس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے تو اس کے لئے وہ ہمارے مشورے کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ حضرات اپنے طریق کار میں مجتہد اور اپنی رائے پر مستبد ہوتے ہیں، خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، حق تعالیٰ کی جانب سے انکی نصرت فرمائی جاتی ہے اور ہر شخص کے ساتھ معاملہ کی نوعیت ان حضرات کے قلب پر انقار ہوتی رہتی ہے کسی غیر کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

تو نہ دیدی گئے سلیمان را

چہ شناسی زبانِ مرغان را

ان حضرات کا مزاج معاذ اللہ ہم اہل نفس جیسا تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ اپنے نفس کی خلاف
کچھ ہوا اور انتقام لے لیا۔ تو بہ تو بہ یہ حضرات نفس سے چھوٹ چکے ہوتے ہیں تب جا کر یہ منصب
انہیں ملتا ہے اور اس وقت جو بھی معاملہ فرماتے ہیں نرم یا گرم اس کے مقصود اصلاح و نصیح خلق ہی ہوتا ہے
جسکو یوں سمجھ لیجئے کہ ان حضرات کا اخراج بھی شرائط داخلہ پر عمل کرانے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ
راہ حق سے ہٹانے اور دین حق سے متوخت کرنے کے لئے۔ اب اس راز کو جو سمجھ لیتا ہے کامیاب
ہو جاتا ہے اور جو نہیں سمجھ سکتا اسکو کون سمجھا سکتا ہے ۛ

بامدعی مگوئید اسرار عشق دستہ بجز ار تا بمیر دور رنج خود پرستی
مشائخ کے اسی قسم کے معاملات کے متعلق کسی عاشق نے کہا ہے ۛ

وہ اول تیغ کی زد سے ہراک کو دور کرتے ہیں مگر جب وار کرتے ہیں تو پھر بھر پور کرتے ہیں
وہ پہلے غم دیا کرتے ہیں پھر مسرور کرتے ہیں تسلی ہم تری اے خاطر رنجور کرتے ہیں
ستم ایجاد میں بھننا دہاں کچھ کھیل ہے لے دل مقررت نی شریں نے دستور کرتے ہیں
لگا دیتے ہیں ایسی اور اتنی وصل میں شریں کہ وہ منظور کرنے پر بھی نامنظور کرتے ہیں
عجب سرکار ہے انکی ستم ہی میں کرم دیکھا وہی مقبول ہوتا ہے جسے وہ دور کرتے ہیں
اسی کو احقر نے عرض کیا تھا کہ جس نے اس راز کو سمجھ لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے ان حضرات کے ستم
کو ستم سمجھا اسکے کرم پھوٹے کیونکہ یہی حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

جب تم ایک ہی چوکے میں عشق سے بھاگ نکلتے ہو تو تم صرف عشق کا نام ہی جانتے ہو اور سے زیادہ
تمہیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو نام کا عاشق بھی کوئی عاشق ہے ؟

ایک بزرگ غالباً حضرت شبلیؒ نے اپنے پیچھے ایک جماعت کو آتے ہوئے دیکھا، دریافت
فرمایا یہ کیسے لوگ ہیں؟ کسی نے کہہ دیا حضرت یہ سب لوگ آپ کے محب ہیں۔ آپ نے پتھر اٹھا کر سب کو مارنا
شرع کر دیا۔ بس پھر کیا تھا ایک ایک کر کے سب بھاگ گئے۔ پھر دیکھا تو پیچھے کوئی نہیں تھا۔

دریافت کیا کہ وہ سب لوگ کیا ہوئے؟ کہا گیا کہ حضرت نے جب پتھر مارے تو بھاگ گئے۔ فرمایا کہ یہی لوگ میرے محب بنے تھے؛ لوکانوا احبائی لصبر و اعلیٰ بلانی اگر یہ لوگ حقیقتاً میرے محب ہوتے تو میری آزمائش اور امتحان پر صبر کرتے نہ کہ اُس طرح سے بھاگ جاتے۔

الغرض جس طرح محبوب سے جہانی طور پر بھاگنا عشق میں میوب ہے اسی طرح سے شیخ سے قلباً بعد کا ہونا دل میں انکار اور عدم اعتقاد کا ہونا طریق میں خاصا نقص ہے۔ چنانچہ مولوی اعظمی صاحب کے خط میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہی منزل ان کے لئے منزلہ الاقدام ثابت ہوئی اور واقعی سمجھ میں نہیں آتا کہ انتخاب شیخ کے بارے میں انہیں ایسا کیا تردد و درپیش ہو گیا کہ ایک نہیں تین تین خط میں حضرت مدنیؒ اپنی رائے تحریر فرما رہے ہیں اور نہایت محبت و شفقت کے ساتھ تحریر فرما رہے ہیں مگر نہ اسی پر عمل ہوا اور نہ یہی کیا گیا کہ دوسری جانب سے یکسو ہو کر حضرت مدنیؒ کو لکھ دیتے کہ حضرت مجھے ارادت چونکہ آپ ہی سے ہے، عقیدت آپ ہی سے ہے اور میلان قلبی بھی آپ ہی کی جانب ہے لہذا بس آپ ہی کو اپنا مربی مصلح اور شیخ تجویز کر رہا ہوں اور اب میں نے یہ طے کر لیا ہے یہی کر لیتے۔ اللہ اشہر خیر سلاً۔ یہ بھی نہیں ہوا بلکہ اسکے متعلق مشورہ ایک ایسی ذات سے لیا جا رہا ہے اور رحم و کرم کا واسطہ ایک ایسے کو دیا جا رہا ہے جس سے نہ عقیدت ہے نہ ارادت ہے نہ اس کی جانب میلان قلبی ہے ایسے موقع پر بس یہی پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لڑکے سے دو الیتے ہیں اب آپ خود خیال فرمائیے کہ ایک ایسا شیخ جو غیرت طریق بھی رکھتا ہوا کو جب لکھا جائے گا کہ مجھکو فلاں دوسرے بزرگ سے عقیدت ہے اور ان سے ارادت ہے اور انہی کی جانب میرا میلان قلبی بھی ہے، اسکے بعد اس کو یہ لکھا جائے کہ باوجود اسکے حضرت والا سے یہ استدعا ہے کہ آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ اور لہٰذا حضرت میرے اوپر رحم و کرم فرمائیں۔ امداد کا محتاج ہوں، امداد فرمائیں اور میرے مناسب حال کچھ تجویز فرمائیں۔ بہ نظر انصاف آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ آخر اس درخواست پر ایک شیخ کو کچھ غیرت آسکتی ہے یا نہیں اور اس کو اس بدعقیدگی پر کچھ تنبیہ ہوگا یا نہیں ظاہر ہے کہ ضرور ہوگا اور ہر احساس والے کو ہونا چاہیے۔ پھر اگر اسکے جواب میں وہ یہ لکھ دے کہ

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا سرا سر موم ہو یا سنگ ہو جا

تو اس نے کیا بیجا کیا؟ اور اس جواب کے سوا دوسرا جواب ہو ہی کیا سکتا ہے؟ کیونکہ حاصل جواب کا یہی ہوا کہ آپ کو ساری ابھینیں اور پریشانیاں جو درپیش ہیں وہ دراصل دوناؤ پر قدم رکھنے کی وجہ سے ہیں جب تک اس سے آپ اپنے کو یکسو نہیں کریں گے اس محضہ سے نجات نہیں ملے گی لہذا مختصر یہ کہ جناب (بقول خود) چونکہ اپنے کو ایک بزرگ کے حوالہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے بلکہ کرچے ہیں لہذا اب آپ کو استفادہ کا حق ابھین سے ہے (اور چونکہ اس قسم کے مریض اکثر خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور مشائخ کو بھی پریشان ہی کرتے ہیں اور نفع انکا یکجہی کے حاصل کرنے میں ہے لہذا آپ سے کہتا ہوں کہ) آپ کو ذاب یہاں تشریف لانے کی اجازت (کہ بدون اعتقاد کے نفع نہیں ہوتا اور وہی غائب ہے لہذا تکلیف فرمائی فعل عبث ہے) اور نہ خط و کتابت ہی کی ضرورت (کہ بلا وجہ تضييع اوقات ہے اب جو کام کرنے کا ہے وہ یہ کہ جس سے آپ کی عقیدت و ارادت مسلم ہے وہی ذات تعلق اور استفادہ کے لئے متعین ہے) والسلام۔

اب آپ سے کیا عرض کروں اور ہائے اپنی اس بدذاتی کے علاج کے لئے کہاں جاؤں اور کس سے رجوع کروں طر گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی۔ کہ مجھے تو حضرت کے اس جواب پر جب بھی اسکو پڑھتا ہوں ایک کیفیت و حال سا طاری ہو جاتا ہے کہ واہ رے مصلح الامۃ اور بلاشبہ طیب نفس اگر ہو تو ایسا تو ہو بقول سعدیؒ

درشتی و نرمی بہم در بہ است کہ فساد رگ زن و مرہم نہ است
مولوی اعظمی صاحب موصوف جس عقبہ میں گرفتار تھے اسکا وہی حل متعین تھا جو حضرت مصلح الامۃؒ نے انکے لئے تجویز فرمایا۔ باقی انکا جو مرض تھا جسکی جانب ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے وہ کچھ ہماری تجویز نہیں تھی بلکہ خود حضرت مصلح الامۃؒ نے ایک موقع پر اسکی تصریح فرمائی ہے اس طور پر کہ ایک عالم صاحب نے مولوی اعظمی صاحب کے اس واقعہ سے متاثر ہو کر اپنا تاسف اور دبے لفظوں میں کچھ انکی جانب سے معذرت اور کچھ اپنی جانب سے انکے لئے سفارش کا ایک خط حضرت مصلح الامۃؒ کو لکھا، ان مولوی صاحب کا خط اور حضرت دالاکا جواب ملاحظہ ہو:-

(ایک عالم صاحب کا سفارشی خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

حال — عرض ہے کہ جب کہ ان مولوی صاحب کو (یعنی یہی مولوی اعظمی صاحب کو) دیا

(یعنی حضرت مدنی سے) عقیدت تھی تو حضرت والا سے رجوع کرنے کی کیا ضرورت؟ مگر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انکا طبعی رجحان بوجہ تلمذ کے حضرت مدنی ہی طرف تھا۔ تحقیق — اب بھی ہے۔

حال — مگر اب حضرت والا کے فیض سے قدرے شعور پیدا ہو رہا ہے جس سے یہاں کا نفع محسوس کرنے لگے ہیں۔ اور اسی کشاکش میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنی کم فہمی سے حضرت والا ہی سے مشورہ کر رہے ہیں۔

تحقیق — بھائی میرا تو دوسرے خط میں صاف انکار ہے کہ (انہوں نے مولانا مدنی کو لکھا ہے کہ) عقیدت و ارادت بھی حضرت والا ہی سے ہے۔ ان الفاظ میں میرا انکار صریح اور اور بتین ہے اور اس سے نفع کا انکار بھی لازم آیا۔ یہ امراض باطنیہ مہلکہ میں سے ہے اہل علم مدعی (اس میں) مبتلا ہیں۔ (رہا کم فہمی کو جو اپنے کھاتو، حقیقت تو یہی ہے، مگر آجکل یہ ہوشیاری ہے کہ دوسرے کو یہ قوت بنا کر کام بنالیا جا دے۔) (اللہ وانا الیہ راجعون)۔

لاحظہ فرمایا آپ نے یہ خط دیکھے حضرت والا خود فرما رہے ہیں کہ بھائی میرا تو خط میں صاف انکار ہے۔ اب بھلا بتائیے جبکی کسی بات سے شیخ کے قلب پر یہ اثر مرتب ہوا اسکو شیخ سے خاک قلعہ پہنچ سکتا ہے باقی نفع کی اب تو یہی صورت ہو سکتی تھی کہ طالب خود کو اس طرح سے پیش کرتا کہ شیخ کے قلب سے تکرار زائل ہو جاتا یعنی اپنی غلطی کی صدق دل سے معافی چاہتا اور انتہائی لجاجت اور عاجزی کے ساتھ اسکی دلی توجہ کو اپنی جانب مبذول کراتا اور اگر کوئی شخص ان حالات میں ذرا بھی اعراض اور استغفار سے کام لیتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حضرات کہیں زیادہ مستغنی ہوتے ہیں اور اسکے مصداق ہوتے ہیں۔

ہاں وہ نہیں دفا پرست جاؤ وہ بے دفا ہی جھکو ہو جان و دل عزیزا سکی گلی میں جائے کیوں اب یہ پورا واقعہ اور مولوی صاحب موصوف کا مفصل خط (جسے چاہے تو یوں کہہ لیجئے کہ یہی حضرت مدنی کے اُس خط کا شان نزول ہے جس میں ہے کہ مولوی وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں) آپ کے سامنے ہے اب اسکو ملاحظہ فرمائیے اور خود فیصلہ فرمائیے کہ یہ جواب تلخ ہے یا سوال ہی میں کچھ خامی تھی۔ جواب تو ہمیشہ سوال کے تابع ہوا کرتا ہے اور دوا کی تیزی مرض کی شدت کے بقدر ہوا کرتی ہے۔

بہر حال بحث کچھ طویل ضرور ہو گئی تاہم میں نے ان سطور میں حضرت مصلح الامۃ کے دامن سے
 حاشیہ مکتوبات کیوجہ سے پڑنے والے دعبہ کے ازالے کی کوشش محض اسلئے کی ہے کہ بعد میں نے
 والی نسل کے مطالعہ سے اگر وہ حاشیہ گزرے تو کوئی اللہ کا بندہ اسکو معرفت حق کی جانب بھی رجوع
 کر دے کیونکہ اولیاء اللہ کا معاملہ اہم ہوتا ہے اور آداب مشائخ کے سلسلہ میں علماء طریق نے لکھا ہے کہ
 وکثیر من النفوس التي يتراد بها عدم التوفيق اور بہت سے ایسے لوگ جو بے توفیق ہوتے ہیں جسیدہ اپنے
 اذرات من استاذة شدة في التربية شیخ سے باب تربیت میں کچھ سختی دیکھتے ہیں تو اسکے یہاں بھاگ نکلتے ہیں
 تنفر عنه وترميه بالقبائح والنقائص ما اور اسکو ایسے ایسے عیوب نقائص کے ساتھ متصف کرتے ہیں جن سے وہ
 ہو برئی وليحذر الموفق من ذلك۔ بری ہوتا ہے چاہئے کہ توفیق دالایہ راہ نہ چلے۔

ومن فتح باب التاويل للمشاخ و اور جس نے مشائخ کے لئے تاویل کا دروازہ کھولا اور انکے احوال سے
 واغمض عن احوالهم و وکل امرهم چشم پوشی اختیار کی اور ان کے معاملہ کو خدا کے حوالہ کیا اور اپنی فکر
 الى الله تعالى واعتنى بحال نفسه میں لگا اور بقدر طاقت اپنے نفس سے مجاہدہ کیا تو اس کے لئے
 وجاهد بها بحسب طاقتہ فانه يرجو مقاصد تک پہنچ جانے کی اور ظاہراً باطناً مراد میں کامیاب
 الوصول الى مقاصده والظفر بمراده ہو جانے کی بہت جلد امید کی جاسکتی ہے۔
 في السر والعلاية في اسرع زمن۔

ومن فتح باب الاعتراض على المشايخ و اور برخلاف اس کے جس شخص نے مشائخ پر اعتراض کا دروازہ
 والنظر في مقالهم والبحث عنها کھولا اور ان کے اقوال میں تجسس کیا اور ان میں کھود کرید کیا
 فان ذلك علامة حرمانه وسوء عاقبتہ تو یہ (معاذ اللہ) اس کی محرومی کی نشانی اور سوئے خاتمہ کی
 وانه لا يفلح۔ علامت ہے اور یہ کہ ایسا شخص فلاح کو کبھی پا ہی نہیں سکتا۔

(رسائل ابن عابدین ص ۴۸۹ ج ۲۸۳)

علماء کے یہ اقوال مشائخ کی شان میں کف لسان کی اہمیت کے لئے کافی دوانی ہیں چنانچہ
 اسکا مفہوم بدون شرح کے بھی واضح ہے۔

بزرگوں کی جگہیں امراض باطنی کا شفاخانہ ہیں انہیں طرح طرح کے مریض آتے ہیں نوع بنوع کے انکے علاج ہوتے ہیں اب اسکو شیخ کامل خود سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مولوی صاحب کو اپنی اور اپنے طریق کی محبت و معرفت سے نوازے اور ہم سب کو نفس کے خفیہ کید سے محفوظ رکھے۔ اور اللہ والوں کی محبت اور انکے کامل ادب سے سرفراز کرے۔ آمین۔

ان صفحات میں کہ جن میں اصلاً تو شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور شیخ وقت حضرت مصلح الامۃؒ کے ہی حالات کا بیان کرنا مقصود تھا مگر ضمناً مولوی اعظمی صاحب سلمہ اللہ کا بھی ذکر آگیا اور غاصاطوں آیا لیکن مقصد چونکہ یہاں صرف حضرت مرشدؒ کے کمالات اور تعلیمات کا اجاگر کرنا تھا اسلئے امید ہے کہ بہت کچھ اختلافی مباحث آجانے کے باوجود بھی یہ بیان کسی کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ و فرارش نہ ہوا ہوگا۔ آخر میں ایک بات اور عرض کر دوں وہ یہ کہ اس مکاتبت کے بعد اگرچہ مولوی صاحب موصوف کا تعلق حضرت مصلح الامۃؒ سے نہ ہو سکا مگر یہ تو مقدر کی بات تھی جسکا حصہ جہاں سے لکھا ہوتا ہے منجانب اللہ اسکے ویسے ہی اسباب سامنے آجاتے ہیں لیکن جقدر ناگواری اور برہمی ان محشی صاحب کو حضرت اقدسؒ کے جواب پر ہوئی خود صاحب واقعہ یعنی مولوی اعظمی صاحب کو بھی اتنی نہیں مدعی سست اور گواہ چست اسکو کہا جاتا ہے چنانچہ محشی صاحب نے اسکے بعد مولوی صاحب کو بہت کچھ سمجھایا اور جھنجھوڑا بھی کہ مولانا نچپورؒ کے یہاں کہاں جا کر وہ پھنس گئے ملاحظہ ہوا ہے اسی ماشیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ۔

تعجب ہے کہ مولوی۔۔۔۔۔ اعظمی صاحب شیخ الاسلام مدظلہ سے ثرت تلمذ بھی رکھتے ہیں اور ارادت و عقیدت بھی باوجود اسکے پھر یہ حال لوگوں کی دیکھا دیکھی ہو جائے بقول غالبؒ

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک ہر دو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
یعنی محشی صاحب نے ہر چند تلقین فرمائی کہ وہ (مولوی اعظمی) صاحب حضرت نچپورؒ کو رہبر ہی نہ تھا مگر مولوی صاحب موصوف بھی حضرت مصلح الامۃؒ کی محبت میں کچھ ایسے سرشار تھے کہ زبان حال سے گویا اسکے جواب میں یہ کہتے تھے۔

تو ہو کے تراش رو بجھے گالی ہزار دے یہ وہ نشہ نہیں ہے ترشی آثار دے

چنانچہ حضرت مصلح الامۃ کلتاؤب اور حضرت کی عظمت ان اعظمی مولوی صاحب کے قلب میں
آخر آخر تک رہی جس پر خود انھوں نے خطا بد سے بے حضرت کے وصال کے بعد انھوں نے بطور تعزیتہ
حضرت مخدومی و محترمی قاری محمد مبین صاحب مدظلہ جانشین حضرت مصلح الامۃ کے نام مدینہ منورہ
ارسال فرمایا۔ وہو ہذا۔

محترم المقام جناب قاری محمد مبین صاحب۔ زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ داعی الخیر مع الخیر ۲۶ نومبر کی صبح کو حضرت مولانا شاہ ولی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانچہ ارتحال کی وحشت ناک اطلاع ملی انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ کل نفس
ذائقۃ الموت کے تحت مقام رضا بالقضائے القدر صبر و تکرہ ہے۔ جسکے ہم سبھی مکلف ہیں بعون اللہ
عزوجل وفقنا اللہ وایاکم۔ میری طرف سے حضرت مرحوم نور اللہ مرقدہ کے بچوں کو ہدیہ سلام مسنون کے
بعد انھیں کلمات تعزیتہ میں صبر و تکرہ کی تلقین فرمادیجئے۔ اللہ رب العزت مرحوم کو اپنے جوار رحمت
میں جگہ عطا فرمائے اور درجات علیہ نصیب فرمائے۔ اور تابد فیہن جاری رکھے۔ آمین۔

مقام دکھ افسوس یہ ہے کہ آج ہر خاص و عام تہذیب جدید کا شکار ہو کر اپنے دین و مذہب
سے بیزار ہو رہے ہیں اور اس نازک پر فتن دور میں ایک مسلم عالم دین کا دار بقا کی طرف چلنا
اور انکے ظل گراں مایہ سے مخلوق کا محروم ہو جانے کی حقیقت ایک حادثہ عظیمہ ہے جسکی تلافی کی بجز
اسکے کوئی شکل نہیں کہ قدام مرحوم کا نمونہ بنو انکے مسلک و مشن کو لو جوہ اللہ جاری و باقی رکھیں تاکہ
حضرت مرحوم کے روحانی فیوض و برکات کا سلسلہ ان خدام کے واسطے سے ابد الابد تک جاری و
باقی رہ سکے۔

محترم یہ شرف معیت تادم حیات آپ کے لئے باعث سعادت ہے جس قدر آپ نفلی طواف
شیخ و مرشد کی طرف سے کر سکیں کرتے رہیں تاکہ باطنی و روحانی تعلق میں اضافہ مستقل ہو۔ دعوت
صالحہ میں اس ناچیز و راقم السطور کو فراموش نہ فرمائیں۔ دربار رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر
ہدیہ صلوٰۃ و سلام مسنون پیش فرمائیں۔ کرم ہو گا۔ بچوں کو بہت بہت سلام۔ خداوند کریم جملہ پسندگاران
کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور ہم سبھی کو اپنی رضا و اتباع شریعت نبویہ کی بھلی توفیق مرحمت فرمادیں
فقط والسلام۔ مولانا۔۔۔۔۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے مولوی اعظمی صاحب کا تعزیت نامہ۔ گو یہ صحیح ہے کہ کسی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگ اسکی تعریف ہی کرتے ہیں مگر مولوی صاحب موصوف کا یہ فرمانا کہ:-
 "اللہ رب العزۃ حضرت کا تاابد فیض جاری رکھے" اور اس نازک
 اور پر فتن دور میں ایک عالم دین کا دار بقا کی طرف چل دینا ایک حادثہ عظیمہ ہے
 اور اب اسکی تلافی کی بجز اسکے کوئی شکل نہیں کہ خدام والا مرحوم کا نمونہ بن کر انکے
 مسلک اور مشن کو لوجہ اللہ جاری و باقی رکھیں تاکہ حضرت کے روحانی فیوض و برکات کا
 سلسلہ ان خدام کے واسطے ابدالاً باد تک جاری و باقی رہ سکے۔"

یہ سب کچھ ایسے کلمات نہیں ہیں جو صرف رسم پر محمول کیا جاسکے اور نہ بارگاہ شیعہ الاسلام سے فیض
 حاصل کئے ہوئے ایک عالم دین سے ہم اسکی توقع کر سکتے ہیں کہ اس نے جو کچھ کہا محض رسماً کہا۔
 حاشا کلا ایسا نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ مولوی صاحب موصوف کے اس قلبی محبت اور عظمت کی ترجمانی
 ہے جو ان کو حضرت مصلح الامت سے تھی۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کا بھلا کرے کہ انھوں نے
 اپنے آخری چند کلمات کے ذریعہ حضرت اقدس کے خدام کو ابھار ہی دیا کہ وہ حضرت اقدس کا
 عملی نمونہ بن کر ان کے مسلک اور مشن کو جاری کریں۔ اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس
 کے مسلک اور مشن کو ابدالاً باد تک جاری و باقی رکھے۔ یہ سب الفاظ بدون کسی لگاؤ کے کیونکو
 وقوع میں آسکتے ہیں؟

خدا کرے ان سطور میں سالکین اور طالبین کے لئے کوئی عبرت، کوئی نصیحت اور انکے
 لئے کوئی کام کی بات بیان ہوگئی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ناظرین کو اس سے نفع بخشیں۔ آمین۔
 اس جگہ پہونچ کر حضرت مصلح الاسلام اور شیخ الوت حضرت مصلح الامت کے حالات کا سلسلہ
 ختم ہوا اللہ تعالیٰ اپنے ان دونوں بزرگوں کی برکات ہم سب کو نوازے۔ آمین۔
 گزارشِ احقر: اجاب بھی اصرار ہے اور خود اپنا بھی جی چاہتا ہے کہ اس سلسلہ کے حالات کو ہمیں
 ختم کر کے اب حضرت مصلح الامت کے ابتدائی حالات کا بیان شروع کر دیا جائے۔ ناظرین کرام سے
 توفیق کی اور ارتفاع مولف کی دعا کی درخواست ہے۔
 والسلام۔ جامی